"آرائیں" تاریخ کے آئینہ میں
مولف
چوہدری عزیز احمد ایڈووکیٹ

''ارائیں''
تاریخ کے آئینہ میں

مولف:۔ چوہدری عزیز احمد ایڈووکیٹ

سائنس فاؤنڈیشن پبلی کیشنز 88 کینال ویو پارک ہاؤسنگ کالونی شیخوپورہ

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھی فصل

پانچویں فصل

چھٹی فصل

ساتویں فصل

آٹھویں فصل

نویں فصل

نواں باب

دسواں باب

گیارھواں باب

بارھواں باب

تیرھواں باب

چودھواں باب

پندرھواں باب

☆☆☆

حصہ دوئم

☆☆☆

دیباچہ

آرائیں قبیلہ کے متعلق صوفی محمد اکبر علی جالندھری کی کتاب سلیم التواریخ اور علی اصغر چوہدری کی تاریخ آرائیاں مولف نے پڑھ رکھی ہیں۔ ہر دو مصنفین نے قرار دیا کہ آرائیں ان عربی مجاہدین کی اولاد ہیں جنہوں نے محمد بن قاسم کی سپہ سالاری میں سندھ، ملتان اور اردگرد کا علاقہ فتح کیا تھا اور جو کچھ وجوہات کی بنا پر یہیں آباد ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے قرار دیا کہ آرائیں عربی النسل ہیں۔ مولف کافی لمبا عرصہ سے اس نظریہ پر یقین کئے ہوئے تھا اور اپنے عربی النسل ہونے پر نازاں بھی تھا۔ لیکن چار جولائی 2002ء کو روزنامہ جنگ کے اتوار میگزین میں بین الاقوامی شہرت کے حامل ماہر آثار قدیمہ پاکستانی پروفیسر احمد حسن دانی کا انٹرویو پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ دوران انٹرویو ان سے انٹرویو لینے والے صاحب نے اچانک ایک سوال کر دیا کہ آیا آرائیں عربی النسل ہیں۔ پروفیسر دانی نے جواب دیا۔ کہ نہیں۔ آرائیں ایک مقامی نسل ہیں لیکن یہ نہ بتایا کہ آرائیوں کا برصغیر کی کس نسل سے تعلق ہے۔

پروفیسر دانی کا مذکورہ نظریہ پڑھ کر مولف کے دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی۔ ایک طرف تو دماغ میں لمبے عرصہ سے راسخ عربی النسل کا نظریہ تھا۔ جس سے انحراف کرنے میں بڑی تکلیف محسوس ہونے لگی۔ دوسری طرف یہ بھی خیال آتا تھا کہ پروفیسر دانی برصغیر کے آثار قدیمہ اور قدیم تاریخ پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہذا ان کا فرمایا ہوا مستند ہے۔

دو تین ماہ اسی اڈھیر بن میں گزر گئے کہ کس نظریہ کو اپنایا جائے۔ کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آرائیں قوم کی شناخت اندھیروں میں گم ہوتی ہوئی دکھائی دی۔ آخر فیصلہ ہوا کہ ہر دو نظریات کا مفصل مگر تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور جدید تحقیق کی روشنی میں جائزہ لیا جائے کہ کون سا نظریہ یقین کے قابل ہے۔ اگر پروفیسر دانی کا نظریہ صحیح ہے تو معلوم کیا جائے کہ آرائیں برصغیر کی کس نسل یا گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

چنانچہ مولف نے برصغیر کی تواریخ مثلاً تاریخ فرشتہ، فیروز شاہی، وغیرہ دیگر بہت سی تواریخ کا مطالعہ شروع کیا۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان تواریخ سے کوئی مدد نہ ملی۔ بلکہ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ تواریخ تو دراصل روزنامچے ہیں۔ جو کہ حکمرانوں نے کچھ اشخاص سے لکھوا رکھے ہیں۔ جس میں حکمرانوں اور ان کے خاندانوں کے کوائف، ان کی دوسروں سے جنگوں اور فتوحات کے حالات لکھوا کر محفوظ کیا گیا ہے۔ ان میں عوام اور ان کی سلطنت میں آباد قوموں کا ذکر ہی خال خال پایا جاتا ہے۔ ان تواریخ سے ان کی شناخت کی کوئی معلومات حاصل ہوتی ہوں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ مولف کو بڑی مایوسی ہوئی۔ راتوں کی نیند اڑ گئی۔

بقول کہنیا لال ہندی

فی الحقیقت جاگنے والوں کو کب آتی ہے نیند
روبرو آتے ہوئے بھی ان کے شرماتی ہے نیند
شام سے وقتِ سحر تک بندۂ بیدار دل
سو نہیں سکتا لیکن آپ سو جاتی ہے نیند

اس دلی کیفیت میں جدید لکھی جانے والی تواریخ کا مطالعہ کیا گیا جو کہ آثار قدیمہ کی دریافتوں، پرانے دستیاب سکوں، پرانے کتبوں، ہندو مذہبی کتب رگ وید اور پرانوں لاٹوں پر کندہ تحریروں اور قدیمی دستیاب دستاویزات، غاروں اور پرانی عمارتوں پر بنائی

جانے والی تصویروں اور زمانہ قدیم میں ہندوستان میں آنے والے سیاحوں کی تحریروں کی مدد سے لکھی گئیں تھیں۔ جن کے لکھنے میں گہرے غور وفکر اور استدلال معقول سے کام لیا گیا تھا۔ ان تواریخ میں زمانہ قدیم سے برصغیر میں وارد ہونے والی نسلوں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ یہ نسلین کہاں سے اور کب برصغیر میں آئیں یا ان نسلوں کا رنگ، قد کاٹھ اور چہرے کے خدوخال کیسے تھے۔ ان نسلوں کا برصغیر میں پھیلاؤ کیسے ہوا۔ ان نسلوں سے کون کون سے حکمران خاندان پیدا ہوئے۔ ان کی کن کن علاقوں میں حکومت قائم ہوئی۔ آیا یہ نسلیں خالص رہیں یا ان کا ادغام ہوا۔ اگر ادغام ہوا تو کون سی اقوام نئے ناموں سے معرض وجود میں آئیں۔ ان جدید تواریخ نے مولف کو روشنی سے آشنا کیا اور مولف پر تحقیق کے دروازے وا ہو گئے۔

مذکورہ جدید تحقیقی تواریخ کے علاوہ علاقائی تواریخ، ضلعی گزیٹرز، قوموں یا ذاتوں کے متعلق تواریخ، عمرانیات کی کتب، عالمی عمومی تواریخ ان علاقوں کی تواریخ جن سے مختلف نسلیں یا گروہ برصغیر میں آئے کا، مطالعہ کیا گیا۔ برصغیر میں آباد مختلف علاقوں کے لوگوں یا گروہوں، ایران، افغانستان، عرب اور یورپ میں بسنے والوں کے قد کاٹھ، رنگ، چہرے کے خدوخال کا ٹیلی ویژن پروگراموں کی مدد سے عمیق مشاہدہ کیا گیا۔

ان تواریخ، تحریری دستاویزات کے مطالعہ کی روشنی میں اور ٹیلی ویژن کے عمیق مشاہدہ سے آرائیں قبیلہ کا تنقیدی جائزہ لیکر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ کتاب میں دنیا کی بنیادی نسلوں اور ان کے برصغیر میں آنے کا چند صفحات میں ذکر کیا گیا ہے۔ آرائیوں کے ساتھ چار بنیادی قوموں یا ذاتوں کا بھی مختصر احوال لکھا گیا ہے تاکہ آرائیں قوم کی شناخت قائم کرنے میں مدد مل سکے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ یہ پانچوں بنیادی اقوام آرائیں، راجپوت، جاٹ، گجر اور کمبوہ کہاں تک ایک دوسرے سے ملتی ہیں اور کہاں تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں آرائیں قوم کی شناخت اور تاریخ سے ان کے تعلق کو اجاگر کیا گیا ہے۔ حصہ دوئم میں برصغیر میں جنگ آزادی، تحریک پاکستان اور تعمیر پاکستان میں ان کے کردار میں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سیاسی، علمی و ادبی، صحافتی اور سائنسی اور انتظامی شعبوں کے نامور آرائیں زعماء کا ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب میں ان حالات و واقعات اور نکات کے حوالہ جات درج نہیں کئے گئے جو تواریخ اور تحریری دستاویزات میں عام مل جاتے ہیں۔ لیکن باقی ہر موقع پر حوالہ جات معہ نام کتاب، مصنف اور صفحہ نمبر تائید میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ اپنے موضع کی تحقیق کرنے میں اور کتاب کے لئے مواد اکٹھا کرنے اور کتاب لکھنے میں سات سال صرف کئے۔ اس میں کٹھن مراحل بھی آئے۔ کئی بار مختلف اشخاص نے کہا کہ اس موضوع پر کتاب لکھنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔ مولف بھی سوچ میں پڑ جاتا لیکن اس خیال سے کہ تاریخ لوگوں کو ان کے ماضی کے حقائق اور واقعات سے آگاہ کرتی ہے۔ آنے والی نسلیں اس کی روشنی میں اپنا حال اور مستقبل بہتر تعمیر کر سکتی ہیں۔ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو جاتا تاکہ آرائیں قبیلہ کے اشخاص کو اپنی تاریخ، اپنی روایات اپنے رہنماؤں سے، اپنے دانشوروں سے اور اپنی قومی عظمتوں سے واقف کرایا جا سکے۔ کیونکہ کوئی قوم یا قبیلہ اگر اپنی تاریخی روایات اور اسلاف کے کارناموں سے ناواقف ہو تو اس قبیلہ یا قوم کو اندھی، بہری اور گونگی سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس بے شناخت قوم کو نیم مردہ کہا جا سکتا ہے۔ کتاب سے آرائیں قبیلہ کو شناخت دینا مقصود ہے۔ کسی احساس برتری میں مبتلا ہو کر قبیلہ پرستی کرنا مقصود نہ ہے۔ کیونکہ قبیلہ پرستی کو علامہ اقبال نے پسند نہ فرمایا ہے۔ علامہ اقبال یوں فرماتے ہیں:

یہ نکتہ خوب کہا شیر شاہ نے　　کہ امتیاز قبائل تمام تر خواری

ہزار پارہ ہے کہسار کی مسلمانی　　کہ ہر قبیلہ ہے اپنے بتوں کا پجاری

سعودی عرب میں مقیم بیٹیوں شازیہ عزیز، صائمہ عزیز کا زیر احسان ہوں کہ انہوں

نے موضوع کے مطابق، ایران اور عرب کے باشندوں کے متعلق مفید معلومات مہیا کیں۔ جن سے مجھے اپنے نکتہ نظر کو واضح کرنے میں بڑی مدد ملی۔ نیز اپنی بیٹیوں عذرا عزیز اور عامرہ عزیز اور اپنے جگر دلبند میاں شاہد عزیز کا ممنون ہوں کہ انہوں نے دوران تالیف مجھے معاشی ذمہ داریوں سے بری الذمہ رکھا۔ یہ کتاب مرتب نہ کر سکتا۔ اگر میری زوجہ محترمہ گھریلو مسائل اور ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر نہ اٹھاتیں۔

رائے محمد یوسف کھرل انچارج لائبریری ضلع کونسل شیخوپورہ بھی خاص کر مشکور ہوں کہ انہوں نے موضوع سے متعلق کتب بڑی فراخ دلی سے مہیا کیں۔

کتاب کی بہتری کے لئے قارئین کی آراء کا خیر مقدم کیا جائے گا بہر حال درج ذیل خواہش کے ساتھ رخصت لیتا ہوں۔

جو طباع ہیں اس کو مطبوع سمجھیں

جو اہل نظر ہیں کریں اس کو منظور

کوئی دیکھ کر اس کو ہر وقت خوش ہو

کوئی ہو بہر حال پڑھ پڑھ کے مسرور

گر قبول افتد زہے عز و شرف

چوہدری عزیز احمد ایڈووکیٹ
ماہ اپریل 2009ء
88 کینال ویو پارک
ہاؤسنگ کالونی شیخوپورہ

پہلا باب

انسانی زندگی کا ظہور

نسل انسانی کی تاریخ اس پورے دور کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ جس کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے۔ جب انسان پہلے پہل کرۂ ارض پر نمودار ہوا۔ ماہرین ارضیات کے مطابق زمین کی عمر تقریباً پانچ ارب سال ہے اور آج سے تقریباً تین ارب اسی کروڑ سال قبل زمین پر زندگی کا آغاز ہوا۔ ماہرین بشریات کے مطابق جد انسان کا سلسلہ چھ سات کروڑ سال پہلے شروع ہوا۔ شروع میں جس وضع کا انسان نمودار ہوا۔ اس میں ایسی خصوصیات کم ہی تھیں جو اس کو عالم حیوانات سے ممتاز کرتی ہوں۔ مثلاً ان دنوں انسان بھی بندروں کی طرح درختوں پر رہتے تھے۔ ان کی کوئی مستقل جائے رہائش نہ تھی۔ وہ کسی قسم کا لباس نہیں پہنتا تھا۔ لیکن فیصلہ کن فرق پھر بھی پیدا ہو چکا تھا۔ حیوانوں کے برعکس انسانوں نے اوزاروں کو بنانا سیکھ لیا تھا۔ اوزار قطعی ابتدائی قسم کے تھے۔ انسان نے شروع میں پتھر کے اوزار بنائے۔ انہیں سنگریز اوزار کہا جاتا تھا۔ جو کہ پتھر کے ایک ٹکڑے پر مشتمل ہوتا تھا۔ جس کی شکل سیدھی اور جس کی دھار معمولی ہوتی تھی۔ اس قدیم اوزار کو انسان اپنے دفاع کے لئے اور دشمن پر حملہ کرنے کے لئے ہتھیار کی طرح استعمال کرتا تھا اور اپنے کام کے لئے بھی بطور ہتھیار استعمال میں لاتا تھا۔

اس قدیم ترین دور میں انسان اپنی گزر اوقات اس طرح کرتا تھا کہ قدرت جو کچھ فراہم کرتی۔ فصلہ پھل اور جھڑ بیریاں وغیرہ جمع کر لیتا تھا اور چھوٹے چھوٹے جانوروں کا شکار کر لیتا تھا۔ کیونکہ ان دنوں قدرت کی قوتوں کے آگے بڑی حد تک بے دست و پا تھا۔ اس لئے انسان گروہوں میں رہتے۔ کام کرتے اور اپنی مدافعت کرنے پر مجبور تھے۔

اس طرح قدیمی لوگوں میں گروہ بندیاں نمودار ہوگئیں۔ جن کی اجتماعی نشوونما اور ترقی کی سطح اتنی پست تھی کہ درجہ بندی کرتے ہوئے انہیں انسانی غول ہی کہا جا سکتا تھا۔ یہ قدیمی غول نظام مراتب یا اونچ نیچ کے کسی قسم کے تصور سے قطعی ناواقف تھے۔ ان میں جائیداد یا کنبے کے رشتوں اور تعلقات کا بھی کوئی تصور موجود نہ تھا۔ اس قدیمی عہد جوئی کے اختتام پر تیز برفانی دور شروع ہوا۔ ایشیاء اور یورپ کے وسیع خطوں میں ٹینڈرا جیسی آب وہوا کے حالات پیدا ہو گئے۔ بہت سے جانور آب وہوا کی اس اچانک تبدیلی کی تاب نہ لا سکے اور ناپید ہو گئے۔ اس دوران انسان اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھالنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس سے قبل انسان نے آگ جلانا سیکھ لیا تھا۔ اس آگ کی مدد سے انسان اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ جنگلی جانوروں سے اس نے خود کو محفوظ کر لیا اور اپنی غذا پکا کر کھانے لگا۔ اب تک انسان صرف کچی غذا ہی کھانا جانتا تھا۔ آگ جلانے کا فن قدرت پر انسان کی پہلی فتح تھی۔ یہی وہ دور تھا جب قدیم انسان نے غول سے ترقی کرتے ہوئے ایک برادری کی شکل اختیار کر لی۔ زندگی کی تشکیل وترتیب میں تبدیلی رونما ہوگئی۔ انسان درختوں سے اتر کر زمین پر آ گیا۔ لیکن رہنے کے لئے اب تک اس نے گھر نہ بنائے تھے۔ قدرتی پناہ گاہوں خصوصا غاروں کو استعمال کرتا تھا۔ یہی دور تھا جب چھوٹے چھوٹے اور تیز ہتھیار نمودار ہوئے۔ اپنے ارتقاء کے اس دور میں انسان کا خاص مشغلہ بڑے بڑے جانوروں ہرنوں اور عظیم الجثہ حیوانات کا شکار ہوتا تھا۔ لیکن اس دور میں انسان نے پھل وغیرہ جمع کرنے کا کام بند نہیں کیا تھا۔ لیکن اب شکار کو اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ چالیس اور بارہ ہزار قبل مسیح کے درمیانی عرصہ میں جدید انسان (ہوموسیپئین) نے اپنی صورت بنائی۔ یہی وہ زمانہ تھا۔ جب پہلے پہل نسلی فرق نمودار ہوا۔

☆☆☆

انسانی نسلیں

آج دنیا کی آبادی تقریباً چھ ارب انسانوں پر مشتمل ہے۔ یہ سب انسان ایک ہی مشترکہ ذخیرے سے ماخوذ ہیں اور ایک ہی بنی نوع کے ارکان ہیں اور باشعور (ہوموسیپئین) انسان کے ظہور کے بعد انسانی نسلوں کا دور شروع ہوا۔

ماضی میں ماہرین حیاتیات نے انسان کو علاقائی فرقوں، نسلوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی۔ بعض نے جلد کی رنگت آنکھوں کی بناوٹ، بالوں کی ساخت اور ہڈیوں کی ساخت اور قد کاٹھ پر نسلوں کی بنیاد قائم کرنے کا سوچا۔ سینکڑوں برسوں میں ماہرین نسلیات، مؤرخین اور ماہرین عمرانیات نے جو تحقیقات کی ہیں۔ ان کے نتیجے میں یہ باور کیا جانے لگا ہے کہ 40 ہزار ق م تا 12 ہزار ق م میں انسانی نسلوں کی ابتدائی تشکیل ہونا شروع ہوئی۔ اس عہد میں لوگوں نے مستقل گروہوں کی شکل میں رہنا شروع کیا۔ مختلف خود اختیاری ماحول اور حالات میں زندگی گزارنے کی عادات اپنائیں اور آزادانہ جنسی ملاپ کا سلسلہ قدرے محدود ہوگیا۔ انسانی نسلوں کی تشکیل شروع ہوئی۔ ابتداء میں دو نسلیں بنی ہوں گی۔

۱۔ بنیادی یوریشیائی (یوروپائڈ)

۲۔ منگولیائی (بنیادی ایشیائی)

یہ دو نسلیں پانچ بڑی نسلوں میں تقسیم ہوئیں۔ جن کو پانچ بنیادی نسلیں کہتے ہیں۔ انہیں پانچ بنیادی نسلوں سے آج دنیا کی بے شمار نسلیں وجود میں آئی ہیں۔ یہ پانچ نسلیں آج سے چالیس ہزار قبل مسیح سے بارہ ہزار قبل مسیح تک دنیا میں رہتی تھیں۔

ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ **منگول** : دنیا کی وسیع ترین نسل ایشیاء میں مقیم تھی۔

۲۔ **کاکیشیائی** : مغربی ایشیاء میں رہتی تھی۔

۳۔ **نیگرو** : جنوبی افریقہ میں رہتی تھی۔

۴۔ **آسٹریلوی** : آسٹریلیا، جاوا اور بورنیو میں رہتی تھی۔

۵۔ **کاپ**: افریقہ میں رہتی تھی۔

بعض ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ دنیا کی بنیادی نسلیں پانچ نہیں بلکہ تین ہیں۔

۱۔ کاکیشین ۲۔ منگول ۳۔ نیگرو

باقی دو انہیں سے ماخوذ ہیں۔ آسٹریلوی نسل کاکیشین کی شاخ ہے اور کاپ نیگرو کی۔

اگر اس بات کو درست تسلیم کیا جائے۔ تو پھر نسلوں کا ارتقاء کچھ اس طرح نظر آتا ہے۔ پہلے صرف ایک نسل تھی۔ باشعور آدمی (ہوموسپیئن) نے مزید کثرت کا روپ دھارا تو تین نسلیں وجود میں آئیں۔

۱۔ کاکیشین ۲۔ منگول ۳۔ نیگرو

ان تینوں نے آگے چل کر پانچ بڑی نسلوں کی شکل اختیار کی۔

۱۔ منگول نسل:

تعداد کے اعتبار سے یہ دنیا کی وسیع ترین نسل ہے۔ یہ لوگ منگولیا، چین، کوریا، جاپان، جنوب مشرقی ایشیاء کے ممالک سائبیریا کے حصوں اور تبت میں رہتے ہیں۔ ان کے کچھ حصے امریکہ، انڈیز میں شامل ہیں۔ ان کا رنگ زردی مائل بھی ہے، بھورا اور سفید بھی۔

۲۔ کاکیشیائی نسل:

یہ سفید فام لوگ ہیں۔ یورپ اور بحیرہ روم کا علاقہ اور ایران ان کا مسکن ہے۔

۳۔ نیگرو نسل:

یہ سیاہ فام ہیں۔ سارے افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ افریقہ کے بونے بھی اسی نسل

سے تعلق رکھتے ہیں۔ امریکہ کے سیاہ فام باشندے بھی اسی نسل سے ماخوذ ہیں۔

۴۔ کاپ نسل:

یہ بھورے افریقی ہیں۔ انہیں بش مین بھی کہا جاتا ہے۔

۵۔ آسٹریلوی نسل:

آسٹریلیا اور نیوگنی کے باشندے ہیں۔ رنگ سیاہ، گہرا سیاہ اور ہلکا بھورا ہے۔(۱)

اگرچہ باعتبار رنگ نسلوں کی تقسیم سراسر غلط ہے۔ لیکن پھر بھی ان کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نسلوں اور اقوام کے ذکر میں ان کا حوالہ اکثر تاریخی کتب میں آتا ہے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر عزیز احمد اپنی کتاب ''انسانی نسلیات صفحہ نمبر 19'' پر رقم طراز ہیں۔

سیاہ رنگ:

اس گروہ میں افریقہ کے حبشی اور ان کی نسل کے باشندے جو دنیا کے بعض اور حصوں میں آباد ہو گئے ہیں، شامل ہیں۔ شرق الہند کے بعض جزائر میں بھی سیاہ رنگ کے لوگ آباد ہیں۔

گندمی رنگ:

اس گروہ کے باشندے شمالی افریقہ، حبش، شمالی لینڈ، ایشیائے کوچک، عرب، عراق، ایران، آرمینا، خوارزم، ترکستان، چینی ترکستان، افغانستان، ہندوپاکستان وغیرہ میں اکثر اور بیشتر آباد ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق ایک نظریہ یہ ہے کہ ان کا تعلق رومی نسل (میڈی ٹیرے نین) نسل سے ہے۔ جس میں اطالوی اور ہسپانوی وغیرہ بھی شامل ہیں۔

ایک دوسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ گروہ سفید رنگ اور سیاہ رنگ نسلوں سے مل کر بنا ہے۔ ان میں زرد (چینی) نسلوں کا بھی خون شامل ہے۔

زرد رنگ:

یہ گروہ تبت، منگولیا، چین، جاپان وغیرہ میں آباد ہیں۔ ان لوگوں کا رنگ زردی مائل ہوتا ہے اور چہرے کے خدوخال سفید اور گندمی رنگ اقوام سے مختلف ہوتے ہیں۔ آنکھیں عموماً

چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔

سفید رنگ:

اس نسل کو بے رنگ بھی کہتے ہیں۔ یورپ میں اس گروہ کا بڑا حصہ رہتا ہے۔ یورپ سے نکل کر شمالی امریکہ کے بڑے حصے، جنوبی امریکہ کے جنوبی حصے، آسٹریلیا، سائبیریا میں آباد ہو گئے ہیں۔ ان کی آنکھیں نیلی یا بھوری ہوتی ہیں۔

زبان کو نسل سے کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن انیسویں صدی میں بعض ماہرین لسانیات نے آریائی خاندان السنہ کی بنا پر ایک نسل کو آریائی قرار دیا۔ ان ماہرین کے مطابق یہ نسل یورپ اور ایشیاء کے بڑے حصے میں پھیلی ہوئی ہے۔ ہندوستانی مؤرخین کے مطابق یہ نسل تو شائد 1500 قبل مسیح میں ہندوستان میں آباد ہوئی۔ یورپی مؤرخین نے آریائی نسل کو تمام نسلوں سے زیادہ خوبصورت، ذہین اور مہذب (۲) قرار دیا ہے۔ اگرچہ اس نظریہ کو اب تسلیم نہ کیا جا رہا ہے۔

(۱)۔ ارض پاکستان، یحییٰ احمد

۲۔ انسانی نسل کی تاریخ، از پروفیسر عزیز احمد

تیسرا باب

قدیم پانچ نسلوں کا ظہور کیونکر ہوا۔

حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا یہ پانچ نسلیں کیونکر ظہور میں آئیں۔ لیکن اندازہ ہے کہ چالیس ہزار قبل ہمارے آباؤ اجداد چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہونا شروع ہو گئے تھے۔ پھیلاؤ غالباً خوراک کی مسلسل تلاش کے نتیجے میں ہوا۔ بہت سارے لوگ ایک جانور کو مارنے کے لئے اس کا پیچھا کرتے ہوئے کہیں دور نکل گئے۔ پھر واپس نہ آئے۔ آگے ہی آگے چلتے چلے گئے یا جنگلی پھل اور سبزیاں اکٹھی کرتے ہوئے یا محض تجسس کے تحت مصروف سفر رہے۔ آخری برف بندی نے سمندری پانی کی سطح کم کر دی۔ جس کے نتیجے میں کئی میل بے نقاب ہو گئے اور خانہ بدوش گروہ سائبیریا سے الاسکا جا پہنچے اور وہاں سے امریکہ، جنوبی ایشیاء سے جاوا سماٹرہ۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ بارہ ہزار قبل مسیح سے کافی پہلے ہی لوگ جغرافیائی طور پر الگ قبائل یا گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ تقریباً تیس ہزار قبل بڑے لسانی گروہ بھی نمایاں ہو گئے تھے۔ جن میں ساٹھ یا اس سے بھی زیادہ شاخیں تھیں۔ آبادی کے مزید بکھراؤ سے مزید ہزاروں بولیاں نمودار ہوئیں۔

طویل عرصہ تک ایک علاقہ کے لوگ بیرونی اثرات سے محفوظ رہے۔ دوسرے علاقہ کے لوگوں سے ان کا جنسی میل ملاپ نہ ہوا۔ تو مختلف علاقہ کے گروہوں میں مخصوص جسمانی خصوصیات نمایاں ہو گئیں۔ پھر ان جسمانی خصائص کو مزید ترقی خارجی حالات سے ملی۔ مثلاً موسم کی نوعیت، شدید گرمی یا شدید سردی یا معتدل موسم، موسلا دھار بارشیں یا خشک سالی یا شدید برف باری وغیرہ خاص جسمانی صفات پیدا کرتی ہیں۔ اس طرح بنیادی طور پر مختلف جغرافیائی خطوں میں قدیم انسانوں کا پھیل جانا ہی نسلوں کے ظہور کا سبب بنا۔

چوتھا باب

انسانی تہذیب کے ابتدائی مراکز

اکثر مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مصر، عراق اور عراق سے ملحقہ علاقے فارس موجود ایران، اشور موجود شام، ترکی، آرمینا، فلسطین انسانی تہذیب کے اولین مراکز تھے۔ ہمارے موضوع سے عراق اور اس سے ملحقہ علاقوں کی تہذیب کا گہرا تعلق ہے۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو عراق اور اس سے ملحقہ علاقوں کی تہذیب تک محدود رکھیں گے۔

سمیر اور اکاد کی قدیم سلطنتیں:

دجلہ اور فرات عراق کے دو مشہور دریا ہیں۔ انہیں دریاؤں کی وادیوں میں اولین انسانی تہذیب نے جنم لیا۔ وادی دجلہ وفرات کے جنوبی حصے میں اور خلیج فارس کے ساحل پر بہت شروع زمانے میں جو قبیلے آباد ہوگئے تھے۔ وہ سمیری (جو ان کی زبان کے مطابق جنوب کے رہنے والے) کہلاتے تھے۔ سمیریوں کے متعلق بہت زیادہ تحقیق کے باوجود تاریخ یہ نہیں بتا سکی کہ سمیری کس نسل سے تھے۔ وہ کہاں سے سومر میں آئے۔ شاید وہ وسط ایشیاء سے یا کاکیشیا یا آرمینیا سے آئے اور دجلہ وفرات کی شمالی وادی سے گزر کر نیچے دجلہ وفرات تک پہنچے یا شاید مصر یا کہیں اور سے خلیج فارس میں جہاز رانی کرکے آئے اور آہستہ آہستہ اوپر عظیم دریاؤں تک نکل گئے ہوں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ انتہائی قدیم منگولی نسل سے ہوں۔ کیونکہ ان کی زبان میں منگولی زبان سے مشابہت رکھنے والی بہت سی خصوصیات ہیں۔ وہ اونچے ناک، ہلکے سے دبے ہوئے ماتھے، اور نیچے کی جانب کھسکی ہوئی آنکھوں کے ساتھ چھوٹے قد اور گھٹے ہوئے جسم والے لوگ تھے۔

(ماخوذ از "عرب" ول ڈیورنٹ)

سمیریوں کا خاص پیشہ زراعت تھا۔ پھلوں کے باغ لگاتے اور مویشی پالتے تھے۔ چوتھے ہزار قبل مسیح کے اختتام تک جنوبی دجلہ وفرات میں بیس سے زیادہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں موجود تھیں۔ ان کے نام تو معلوم نہیں مگر اتنا ضرور پتہ ہے کہ ان کے حکمران بیک وقت بادشاہ اور پروہت یعنی مذہبی رہنما تھے۔ جو بتیسی کہلاتے تھے۔ تقریباً 3000 سال قبل مسیح میں مختلف سلطنتوں کے درمیان جدوجہد شروع ہوگئی۔ ان میں سے ہر ایک کی کوشش تھی کہ جنوبی وادی دجلہ و فرات کو اپنی قیادت میں متحد کرے۔

وادی دجلہ وفرات کے وسطی اور شمال مغربی حصوں میں سامی قبیلے آباد تھے۔ جو عربی تھے اور اپنے خاص شہر اکاد کے نام سے موسوم تھے۔ تقریباً 2500 ق م میں اکادیوں کا حکمران سرگون اول تھا۔ وہ تاریخ کا پہلا فرد تھا۔ جس نے غریب کسان برادریوں میں سے باقاعدہ فوج بھرتی کی تھی۔ ان فوجوں کی مدد سے اس نے سمیری شہروں پر فتح حاصل کر کے اپنی حکومت میں پوری وادی دجلہ وفرات کو متحد کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس نے شام اور ایشیائے کوچک (ترکی) کو بھی فتح کیا۔ اور شاہ ہفت اقالیم کا لقب اختیار کیا۔ ار (موجودہ مغیر) اروک (بائبل کا اریک اور موجودہ ورکا) اریدو (موجودہ ابوشہرین) لارسا (بائبل کا ایلا سار اور موجودہ سن کرہ) لگاش (موجودہ سپرلا) نی پر مشہور سمیری شہر تھے۔ اور انہیں نام کی ریاستوں کے مراکز تھے۔ ار ریاست میں عظیم ترین بادشاہ ارانگیر (ارای) سارے مغربی ایشیاء کو اپنے ماتحت لایا اور سارے سومیر کے لئے پہلا جامع ضابطہ قوانین مشتہر کیا۔

قدیم بابل سلطنت:

2000 ق م سے کچھ عرصہ پہلے اکاد پر عرب کی جانب سے عموری نامی قبیلے نے اور سمیر پر ایلائی قبیلے نے حملہ کیا اور جلدی ہی پوری وادی دجلہ وفرات پر قبضہ کرلیا۔ پھر دونوں میں جنگ چھڑ گئی اور عموری کامیاب رہے۔ عموریوں نے بابل شہر کو اپنا مرکز بنایا۔ یہ معاشی، سیاسی اور تہذیبی مرکز بن گیا۔

حمورابی بابل کا زبردست حکمران تھا۔ اس نے جلدی ہی ایرانی علاقہ میں واقع سلطنت

مادی (میدیہ) کو فتح کرلیا اور شہر اشور بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ جس نے آگے چل کر آشوریہ کی انتہائی طاقتور ریاست کا مرکز بنا تھا۔ حمورابی پہلا حکمران تھا جس نے ضابطہ قوانین مرتب کروا کر پتھر کی لاٹ پر کندہ کروایا۔ یہ لاٹ آج تک محفوظ ہے۔ ان قوانین سے اس زمانہ کے سماج کی نشاندہی ہوتی ہے۔ یہ قوانین دنیا میں آئندہ قوانین کے لئے رہنما ثابت ہوئے۔ حمورابی کے عہد میں بابل کی حکومت کا سماج نہایت بلند سطح پر پہنچ گیا تھا۔

اشوریہ سلطنت:

اشوری سلطنت وادی دجلہ و فرات کے شمال میں ایک چھوٹی برادری سے بڑھتے بڑھتے بنی۔ جس کا مرکز شہر اشور تھا۔ آٹھویں صدی ق م میں اس کا شاندار دور تھا۔ شام وغیرہ فتح ہوئے۔ اسرائیل کے تاجدار اس کے باجگزار تھے۔ تگلت پلناسر نے بابل کو فتح کرلیا اور خود اس کا بادشاہ بن بیٹھا۔ سرگون دوئم ان کا مشہور حکمران ہوا ہے۔ اشور سلطنت وسطی اور مشرقی ایشیائے کوچک، وادی دجلہ و فرات، شام، فلسطین اور مصر پر مشتمل تھی۔ اس زمانہ میں بلاشبہ اشوریہ عالمی طاقت بن گیا تھا۔ اشوریہ دور میں سماج بہت ترقی کر گیا تھا۔ سلطنت بہت وسیع ہوگئی۔ بابل نے بغاوت کردی۔ بابل اور اس کے ساتھ ایرانی سطح مرتفع کی ایک ریاست میدیہ کے لوگوں نے مل کر سلطنت اشوریہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اشوری لوگ جنوب (بابل اور اکاد) کے سامیوں اور مغرب کے (غالباً حطی یا متانی) غیر سامی قبائل اور کاکیشیا کے کردی پہاڑیوں کا ملغوبہ تھے۔

سلطنت حطی (حتی)

اسی دور میں تقریباً 2000 ق م میں ایشیائے کوچک میں سلطنت حطی عالم وجود میں آئی۔ اس علاقہ کی دیسی آبادی پر جسے عام طور پر نسیتی ابتدائی حطی کہا جاتا ہے۔ نسیتی قبیلوں نے حملہ کیا۔ حطی قوم ان لوگوں کے باہم آمیزش سے ہی عالم وجود میں آئی۔ شاہ کا لقب حطی بادشاہوں نے اختیار کیا۔

پندرھویں صدی قبل مسیح میں سلطنت حطی اپنے عروج پر تھی۔ حطیوں نے اپنی سلطنت اور شام کے درمیان ایشیائے کوچک کی پوری سرزمین کو فتح کرلیا اور سلطنت متانی (جو دجلہ و

فرات کے بالائی علاقوں میں واقع تھی) کو اپنا تابع بنالیا۔ 400 سال قبل مسیح میں یہ سلطنت کمزور ہوکر چھوٹے چھوٹے راجواڑوں میں تقسیم ہوگئی اور آخر کار اشوریہ کا ایک صوبہ قرار پائی۔

یورارتو ریاست:

یہ ریاست موجودہ آرمینا کی سرزمین پر واقع تھی۔ ایک زمانہ میں اس نے اپنی ہم عصر اشوری فوجوں کو شکست دے دی۔ قفقار کے ایک حصہ کو بھی اپنے سرزمین میں شامل کرلیا۔ آٹھویں صدی ق م کے وسط میں اشوری بادشاہ تگلت پلناسر سوئم کو زک پہنچائی۔ سرگون نے حملہ کر کے اس کے دارالخلافہ کو لوٹ لیا۔ آخر کار میدیوں اور سائیتھوں نے اس کو فتح کرلیا۔ یورارتو تہذیب بابل اور اشوریہ تہذیب کے خاصی قریب تھی۔

فلسطین:

قدیم فلسطین لبنان کی پہاڑیوں کے جنوبی دامن سے صحرائے عرب تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے مغرب میں بحیرہ روم تھا۔ بالکل شروع زمانے میں فلسطین ساحلی علاقوں میں ایک بحری قوم فلستائن آباد تھی اور باقی سرزمین پر سامی یا کنعانی آباد تھے۔ پندرھویں اور چودھویں صدی قبل مسیح میں عبرانی قبیلے اس علاقہ میں نمودار ہونا شروع ہوئے۔ فلستائیوں اور عبرانی قبائل کی لڑائیوں کے نتیجہ میں فلسطین کے شمالی حصے میں رفتہ رفتہ سلطنت اسرائیل کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی بنیاد ساؤل نے ڈالی تھی۔ ایک صدی بعد فلسطین کے جنوبی حصے میں سلطنت یہودی کا قیام عمل میں آیا۔ یہودی سلطنت کے شاہ داؤد نے اپنے اقتدار حکومت میں دونوں سلطنتوں کو متحد کیا اور قدیم کنعانی شہر یروشلم کو اپنا دارالحکومت اور مذہبی مرکز بنایا۔ شاہ سلیمان کے عہد میں یہودی ریاست اپنے پورے عروج پر پہنچی۔ معبد سلیمانی اس دور میں تعمیر ہوا۔

حضرت سلیمان کی وفات کے بعد جلدی ہی متحد سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ آٹھویں صدی ق م کے اختتام پر اسرائیل کو اشوری بادشاہ سرگون دوئم نے فتح کرلیا۔ جبکہ یہودی سلطنت مزید ڈیڑھ سو سال تک باقی رہی اور اس پر بابل کے بادشاہ نیبوشادریزار کا قبضہ ہوگیا۔ جس نے یروشلم کو تباہ و برباد کر ڈالا اور عام لوگوں کو بڑی تعداد میں گرفتار کر کے بابل لے گیا۔

فلسطین کے شمالی حصہ میں زمین کی کاشت خاص پیشہ تھا۔ جب کہ جنوبی حصہ میں مویشی پالنے کا پیشہ تھا۔ کسان اپنی برادریاں بنا کر رہتے تھے۔ ملک کے اصل باشندوں یعنی کنعانیوں کو غلام بنالیا گیا تھا۔

قدیم فلسطین کی ایک اہم تاریخی اور تہذیبی کارگزاری عبرانی اور یہودی قوموں کی مقدس تحریریں ہیں۔ خاص طور پر وہ مختلف تصانیف جنہیں بعد میں عہد نامہ عتیق (توریت) اور اسفار محرفہ میں جمع کیا۔ جن کا اب یہودی اور عیسائی دونوں مذہبوں والے لوگ ''فرمان مقدس'' کی حیثیت سے احترام کرتے ہیں۔

میدیہ اور فارس سلطنتیں:

وسیع و بسیط ایرانی سطح مرتفع وادی دجلہ وفرات کے مشرق میں واقع ہے۔ سطح مرتفع کا وسطی حصہ قدرے خشک تھا اور نباتات چھدری چھدری تھیں۔ مگر پہاڑوں کے دامن میں گھنے جنگلات تھے۔ سونے، چاندی، تانبے، لوہے اور سنگ مرمر کی کانیں تھیں۔ بحیثیت مجموعی وہاں کے حالات کپاس، گندم اور جو کی کاشت کیلئے نہایت موزوں تھے۔ مشرق میں خانہ بدوش مویشی پالتے تھے۔ مغرب میں بستیوں میں رہ کر مویشی پالنے کا کام کیا جاتا تھا۔ 3000 ق م میں ایشیاء کے ایرانی قبائل (آریا) اس سطح مرتفع میں گھر آئے۔ انہیں کے نام پر بعد میں اس علاقہ کا نام آریانہ پڑا اور بعد میں ایران مشہور ہوا۔

میدیہ یا سلطنت ماد:

وسط ایشیاء سے ایران آنے والے آرین قبائل میں سے ایک قبیلے کا نام ''ماد'' تھا۔ جو 1200 ق م میں ایران کے مغرب میں بابل کے حکمرانوں کی باجگزاری میں رہ رہا تھا۔ آخر 700 ق م میں مادی (میڈی) قوم آزاد ہوگئی اور ان کی نسبت سے اس حکومت کا نام سلطنت ماد رکھا گیا اور اس حکومت کا جو پہلا خود مختار حکمران مقرر ہوا اس کا نام ڈیوکیسز تھا۔ میڈیوں نے اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں بابل کی حکومت کو نیچا دکھایا۔ یہاں تک کہ فارس کی زمین بھی اس کے ماتحت تھی۔ لیکن 550 ق م میں یہ حکومت اشتو میگو یا اسٹیاگس کے دور میں حکومت فارس کے عظیم

حکمران کورش اعظم (سائرس) کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔ یہ سلطنت 250 سال قائم رہی۔ اس کے مشہور حکمران ڈیوکیسز، فراورت کھشتری، سیا کریا کھشتر اور اشتو میگو یا اسٹیاگس ہوئے ہیں۔

سلطنت فارس یا ہخامنشی حکومت:

وسط ایشیاء سے ہجرت کر کے ایران آنے والے قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام سوماشی یا فارس تھا۔ جو ایران کے جنوبی و مغربی حصہ میں آ کر آباد ہوگیا۔ جس سے یہ خطہ آج بھی فارس مشہور ہے۔ اس قبیلہ میں سے ہخامنشی نامی ایک حکمران ہو گزرا ہے۔ جس کی اولاد خاندان (کیانیاں) کے نام سے مشہور ہے۔ سال 580 ق م تا 559 ق م میں اس پر کمبوجیا یا کمبوج دوئم (کمبے سس) حکمران تھا۔ جو میڈیا کے حکمران اسٹیاگس (585 ق م تا 550 ق م) کا داماد اور اس کی بیٹی ماندنی کا شوہر تھا۔ ماندنی کے بطن سے کورش اعظم (سائرس کبیر) پیدا ہوا۔ جو اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس نے 550 ق م میں اپنے نانا اسٹیاگس کو تخت میڈیا سے فارغ کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی سلطنت کو بہت وسعت دی۔ ایشیائے کوچک تک کو فتح کر لیا اور بحیرہ روم تک جا پہنچا۔ وہ ذوالقرنین کے نام سے بھی مشہور ہوا۔ مفسرین کے مطابق قرآن کریم میں ذوالقرنین اسی بادشاہ کو کہا گیا ہے۔ اسی کورش اعظم نے یہودیوں کو بابل سے رہائی دلوائی تھی۔ یہودی دوبارہ یروشلم میں آباد ہوئے۔ اس کے بعد ہی توریت (عہد نامہ عتیق) یہودیوں نے موجودہ صورت میں تالیف کی۔

کورش اعظم کی وفات 529 ق م کے بعد اس کا بیٹا کمبوجیا (کمبوج) سوئم ایران کے تخت و تاج کا مالک بنا۔ یہ ایران سے مصر کی بغاوت فرو کرنے کے لئے ملک سے باہر تھا۔ کہ اس کی رعایا میں سے ایک گوماتا نامی شخص نے تخت ایران پر قبضہ کر لیا۔ اس سے قبل کہ یہ ایران پر دوبارہ قبضہ حاصل کرتا کمبوجیا سوئم آتے ہوئے راستہ میں موت سے ہمکنار ہوگیا۔ (اس کی موت کے متعلق بہت سے روایتیں ہیں چونکہ ہمارے موضوع سے ان کا کوئی تعلق نہ ہے اس لئے ہم اس بحث میں نہ جاتے ہیں۔) چنانچہ اس نازک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دارا یوش اول نے جو کہ کمبوجیا مذکور کا رشتہ میں چچازاد بھائی تھا۔ شاہی محل میں داخل ہو کر غاصب گوماتا کو قتل کر

ڈالا اور حکومت پر قابض ہو گیا۔ یہ واقعہ 521 ق م کا ہے۔ چونکہ تخت پر مخالف گروپ کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اس لئے آل کمبوجیا اور اس کے حواری اول افغانستان میں آباد ہوئے۔ وہاں انہوں نے سلطنت کمبوج قائم کی۔ بعد میں وسط ایشیاء سے آنے والے طاقتور قبائل نے انہیں پنجاب اور سندھ میں دھکیل دیا۔ برصغیر کے کمبوجیا کمبوؤں کا دعویٰ ہے کہ وہ اسی کمبوجیا سوئم کی اولاد سے ہیں۔ (ماخوذ از تاریخ وتہذیب عالم)۔

☆☆☆

پانچواں باب

چند اور اہم قبائل

سمیر، بابل، اشور، فارس کی عظیم سلطنتوں کے پیچھے اور ارد گرد نیم سیلانی اور نیم آباد قبائل موجود تھے۔ جن میں سے ہر ہر کوئی خود کو جغرافیہ اور تاریخ کا مرکز سمجھتا تھا۔ مشرق قریب کی تمام تاریخ میں ایسے سیلانی اور ہرزہ گرد زیادہ آباد سلطنتوں کے لئے خطرہ تھے۔ جن کو انہوں نے گھیرا ہوا تھا۔ وقفے وقفے سے خشک سالی کے باعث وہ ان امیر علاقوں پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اس لئے متواتر جنگیں اور ہر دم جنگی تیاریاں لازمی ہو گئیں۔ عموماً سیلانی قبیلوں نے آباد سلطنتوں کو قائم رکھا اور آخر ان پر چڑھ دوڑے۔ دنیا ایسے علاقوں سے پُر ہے۔ جہاں کبھی کسی تہذیب نے نشوونما پائی اور جہاں دوبارہ سیلانی گھومنے پھرنے لگے تھے۔

متانی قبیلہ اور سلطنت:

اس گھومتے ہوئے نسلی سمندر میں سب سے پہلے ہمیں متانی قبیلہ کا سراغ ملتا ہے۔ ایشیاء میں یہ اولین ہند یورپی لوگ ہیں۔ انہوں نے دجلہ وفرات کے ابتدائی علاقوں (موجودہ شام) کو اپنا مطیع بنایا۔ جن کو دوسرے ہند یورپی قبیلے حطی نے اپنا باجگزار بنا لیا۔ یہ قبیلہ متھرا، اندرا، اور ورونا دیوتوں کا پجاری تھا۔ ان دیوی دیوتاؤں کا فارس اور ہندوستان کی جانب متانیوں کے ساتھ سفر اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ متانی آریائی قبیلہ تھا۔ انہوں نے اپنے دور حکومت میں مصری شاہی خاندانوں سے قرابت داریاں بھی کیں۔

حطی (حتی):

ابتدائی ہند یورپی لوگوں میں سے حتی سب سے زیادہ طاقتور اور مہذب تھے۔ بدیہی

طور پر وہ بوسفورس، اینجین یا کاکیشیا کو پار کر کے نیچے آئے تھے اور بحیرہ اسود کے جنوب میں (جسے ایشیائے کوچک کہتے ہیں) اپنی سلطنت قائم کر لی۔ 1800 ق م کے قریب ہم ان کو دجلہ وفرات کے منابع کے قریب رہائش پذیر پاتے ہیں۔ انہوں نے اپنا اثر ورسوخ شام تک بڑھایا۔ مصر کے فرعون رعمیس دوم نے ان کو اپنا ہمسر تسلیم کر لیا۔ بوغاز کیوئی (واقعہ ترکی) ان کا دارالحکومت تھا۔ لوہا سب سے پہلے انہوں نے ہی آرمینا کے سرحدی پہاڑوں سے نکالا۔ بوغاز کیوئی سے مٹی کی دس ہزار لوحیں برآمد ہوتی ہیں۔ جن پر کندہ تحریر ہند یورپی لوگوں کی زبان سے قرابت رکھتی ہے۔ اس کی مماثلت لاطینی اور یونانی سے ہے اور ان کے کچھ سادہ تر الفاظ واضح طور پر انگریزی کے رشتہ دار ہیں۔ وہ عبرانیوں کے ساتھ اس حد تک مدغم ہو گئے کہ انہیں ان کی عقابی ناک دی۔ حتی سلطنت تقریباً 2000 ق م میں قائم ہوئی تھی۔ حتی جس پراسراریت کے ساتھ صفحہ تاریخ پر نمودار ہوئے تھے۔ اس پراسراریت کے ساتھ معدوم ہو گئے۔ کیونکہ ان کی سب سے بڑی فوقیت یعنی لوہا دوسروں کے لئے بھی قابل رسائی ہو گیا۔ آخر میں یہ اشوریوں کے اطاعت گزار ہو گئے۔

اورارتو:

اشور کے شمال میں ایک نسبتاً مضبوط قوم آباد تھی جو اشوریوں کو بطور اورارتو، عبرانیوں کو بطور ارارت اور بعد کے ادوار کو بطور آرمینائی معلوم تھی۔ انہوں نے تاریخ کے شروع دور میں اپنی حکومت قائم کی اور سائرس کے دور میں فارسی تسلط میں چلے گئے۔

سیتھین:

مزید شمال میں بحیرہ اسود کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ نصف منگول اور نصف یورپی جنگجوؤں کا غول یعنی سیتھین منڈلاتے پھر رہے تھے۔ وہ غضبناک باریش دیو تھے۔ جو گاڑیوں میں رہتے، جنگلی گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سواری کرتے، زندگی کی خاطر لڑتے اور مرنے کے لئے زندہ رہتے، اپنے دشمنوں کا خون پیتے انہوں نے بار بار یورشوں سے اشور کو کمزور کیا۔ 630 تا 610 ق م) میں مغربی ایشیاء پر چھا گئے۔ راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کیا اور ہر شخص کو مارا۔ اچانک کسی پراسرار بیماری سے بڑی تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ آخر میدیوں نے ان کو مغلوب کر

کے واپس انہیں اپنے شمالی اڈوں میں دھکیل دیا۔

سامی لوگ:

سامیوں کی وضع اور پرورش پانے والی جگہ عرب تھی۔ عرب کی سرزمین اکثر صحراؤں اور پہاڑوں پر مشتمل تھی۔ کہیں کہیں نخلستان ہیں۔ نخلستان، صحرا میں زندگی کٹھن تھی۔ اس لئے بہت سے لوگ دوسرے علاقوں کو ہجرت کر گئے۔ پیچھے رہ جانے والوں نے عرب اور بدوؤں کی تہذیب تخلیق کی۔ یہ پدرسری خاندانی نظام اطاعت کی سخت اخلاقیات، سخت ماحول کی تقدیر پرستی اور اپنی ہی بیٹیوں کو مار ڈالنے کی جاہلانہ روش ان میں پائی جاتی تھی۔ انہی سامی لوگوں کی طرف ہی حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔ انہیں واعظ وتبلیغ اور اپنے اسوہ حسنہ سے اپنے دور کی عظیم قوم بنا دیا۔ جنہوں نے ایشیاء، افریقہ، یورپ میں جھنڈے گاڑھے۔ ان کی جسمانی خصوصیات میں درمیانے سے لے کر لمبا قد، جلد کا رنگ سانولے سے لے کر کھلے ہوئے گندمی رنگ تک، سر اور چہرہ لمبوترا، تنگ اور اونچی ناک، آنکھیں عموماً بڑی اور کھلی ہوئی۔

کچھ اور اقوام بھی اہم ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی ہمارے موضوع سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس لئے یہ باب یہی پر ختم کیا جاتا ہے۔ (ماخوذ از "عرب" از ول ڈیورنٹ)

☆☆☆

چھٹا باب

پاک و ہند میں اقوام کی آمد

پچھلے ابواب میں ہم نے بنیادی انسانی نسلوں کی تفصیل وضاحت سے پیش کر دی ہے۔ انہیں نسلوں کے لوگ گروہ در گروہ ارض ہندو پاکستان میں مختلف صدیوں میں داخل ہوتے رہے۔ پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

اب ہم جاننے کی کوشش کریں گے کہ یہ بنیادی نسلیں ارض پاک و ہند میں کب داخل ہوئیں۔ انہوں نے ہندوستان کی نسلیات میں کس طرح حصہ لیا۔ علامہ رشید احمد ندوی، مصنف تاریخ ارض پاکستان نے صفحہ 71 میں پروفیسر رنگ اچاریہ کی کتاب ''پری ہسٹارک انڈیا'' کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ انڈیا میں عہد حجر اول میں یہاں کے پہلے آباد کار لانبے سروں والے لوگ تھے۔ جو کہ افریقہ کے نیگروں اور آسٹریلیا کے لوگوں سے مشابہ تھے۔ اور کہا ہے کہ یہ بہت ممکن ہے کہ ان قبائل کے اختلاط نے ان پری ڈراویڈن کو جنم دیا ہو۔ جن کی اولاد اب بھی ہندوستان کے پہاڑوں اور میدانوں میں رہتی ہے۔ اپنے چھوٹے قدوں، تنگ پیشانیوں، چوڑے چہروں، چپٹی ناکوں اور سیاہ رنگت کے سبب اب بھی نیگرو نسل سے مشابہ نظر آتی ہے۔ فاضل رنگ اچاریہ کے نزدیک یہ پہلی نسل یعنی پری ڈراویڈن، کول بھیل لوگوں کے ہاتھوں مغلوب ہوئی۔ جو آسٹریلیا کی وسعتوں سے لے کر مغربی بنگال تک بیک وقت پھیل گئے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ روی نسل (میڈی ٹیرے نین) ہوں۔ مولانا رشید احمد ندوی کی کتاب تاریخ میں مرقوم ہے کہ ڈراویڈن کول اور بھیل لوگوں کے بعد ہندوستان میں وارد ہوئے۔ انہوں نے کول اور بھیل لوگوں کو جنوبی ہندوستان میں دھکیل دیا۔ رشید احمد ندوی نے اپنی کتاب ''ارض پاکستان کی تاریخ'' میں بہت

طویل بحث کے بعد جو اس نے بہت سے مؤرخوں کے حوالہ سے لکھی ہے۔ صفحہ نمبر 97 پر قرار دیا ہے کہ جن کو ڈراویڈن کہتے ہیں۔ اصل میں ان کا بابل اور سمیر کے آباد کاروں سے باہمی خون کا تعلق تھا۔ یعنی وہ ایک ہی سمیری نسل سے تعلق رکھتے تھے اور مزید یہ کہ وہ تورانی الاصل تھے۔ رشید احمد ندوی نے راگوزین کے حوالہ سے ایران اور توران کے اصل پر بھی گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ آریہ کے معنی ہل جوتنے والے کے ہیں اور اس نے گڈریوں اور جنگلوں میں رہنے والے لوگوں کو تورانی کا خطاب دیا جو بعد میں توران کے آباد کہلائے گو وہ آباد کار بن گئے تھے تاہم بھیڑوں اور بکریوں کے گلے اب بھی ہنکاتے تھے۔ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ ڈراویڈن یا تورانی الاصل سمیری اور کلداتی تقریباً 4000 ق م میں وارد پاک و ہند ہوئے۔ جنہوں نے یہاں کے ڈراویڈی لوگوں (شودروں) کو مغلوب کر کے سارے شمال مغربی ہندوستان میں جا بجا اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں۔

زرد فام اقوام:

اسی طرح زرد فام اقوام منگول جو کہ تورانی سے مشابہ تھے۔ تاریخ کے کسی نامعلوم دور میں براستہ برہم پتر دریا کی گھاٹی میں سے گزر کر وارد ہندوستان ہوئے۔

آریہ اقوام:

لفظ آریہ کا اطلاق ان اقوام پر ہوتا ہے۔ جن کی جلدیں سفید اور بال سیاہ، قد لمبے، رنگ شفاف اور ناک لمبے تھے۔ یہ نہایت حسین لوگ تھے۔ جس وقت آریہ اقوام شمالی ہندوستان داخل ہوئیں اس وقت جہاں تورانیوں کی جا بجا حکومتیں تھیں۔ آریہ اقوام تقریباً پندرہ سو سال قبل مسیح میں کابل دریا کے ساتھ ساتھ چل کر ہندوستان آئیں۔ کچھ تو خانہ بدوش تھیں اور کچھ بستیوں میں رہنے والی تھیں۔ انہیں فن زراعت کا علم تھا۔ آریہ اقوام بتدریج دریائے سندھ سے گنگا تک آئیں اور اس کے بعد برہم پتر تک پھیل گئیں۔ راہ میں انہوں نے سیاہ اور سیدھے بالوں والی اقوام ڈراوڑ اور ڈراویڈن کو جو ان سے پہلے یہاں مقیم تھیں زیر کیا اور بتدریج اس خطے میں بس گئیں۔

اریوں کا وطن:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقوام آریہ کا جنہوں نے ہند کی تاریخ میں اتنا بڑا حصہ لیا ہے۔ اصل وطن کہاں تھا۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ کسی قدیم زمانہ میں اصلی آریہ ترکستان میں دریائے جیحوں کے قریب رہتے تھے اور ان کی دو بڑی قسمیں تھیں۔ ایک تو ان میں سے یورپ میں جا بسی، جو ہند یورپی کہلائی اور دوسری ایران کی طرف آئی۔ ایران بلخ کے ملک میں مدت تک رہنے کے بعد یہ اقوام جنوب کو مڑیں اور ہندوکش کے پار ہو کر ہندوستان تک پہنچیں اور ہندو آریائی کہلائیں۔ اس طرح دونوں بنیادی طور پر ایشیائی ہیں اور متحد النسل ہیں۔

شاکا قوم:

بنیادی ہندوستانی تواریخ میں ایک ہزار قبل مسیح میں شاکا قوم کے حصہ مساگاٹ جس کی جمع Masagatee ہے۔ پاک و ہند میں آنے کا ذکر نہ ملتا ہے۔ لیکن مشہور اور بڑے مستند مورخ یحیی امجد نے اپنی کتاب میں اور ایک علاقائی تاریخ خانیوال کے مصنف نے مساگا یعنی شاکیہ قوم کے ایک حصہ کا 1000 ق م میں ہندوستان آنے کا ذکر کیا ہے۔ جو کہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یحیی امجد تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور بہت ریسرچ کے بعد قلم اٹھاتے ہیں۔ علاقائی تاریخ کے مصنف کے حوالہ سے اس کو اہمیت حاصل ہے کیونکہ علاقائی تاریخ لکھنا بہت مشکل ہے۔ بہت سی تاریخوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے اور اس علاقہ میں بسنے والی اقوام کے متعلق تو معلومات بہم پہنچانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔ اقوام کے متعلق تفصیلات خال خال ملتی ہیں۔ بیشمار کتب کی ریسرچ کرنے کے بعد تھوڑی مقدار میں معلومات ملتی ہیں۔

ایرانی اور یونانی اقوام:

دارا اول جسے دارا اعظم بھی کہتے ہیں۔ جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ فارس (ایران) کا عظیم تاجدار تھا۔ جس نے ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) شام، فلسطین، مصر کے علاوہ شمالی پنجاب کو فتح کر لیا تھا۔ شمالی پنجاب کو اس وقت سندھ کا نام دیا گیا۔ اس نے تقریباً

515 ق م میں فتح کیا تھا۔ یحیی امجد کے مطابق اس نے ترکی ساحلوں پر بسنے والے یونانی اور ایران کے باشندوں کو بہت بڑی مقدار میں ہندوستان میں اپنے مفتوحہ علاقہ میں آباد کیا تھا۔ پھر 326 ق م میں یونانی شہنشاہ سکندر اعظم نے سرزمین مغربی پاکستان کو فتح کر لیا۔ اس سپاہ کے بہت سے لوگ ہندوستان میں رہ گئے۔ سکندر اعظم کی وفات کے بعد اس کے جرنیلوں نے اس کی وسیع سلطنت کے مختلف حصوں پر اپنی بادشاہتیں قائم کر لیں۔ بلخ کے مشرقی مقبوضات پر سلیوکس نے قبضہ کر لیا۔ سلیوکس کے پوتے انٹی روموس کے دور میں اتھی ڈیموس نامی یونانی نے بلخ باختر (موجودہ افغانستان) میں ایک الگ یونانی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس اتھی ڈیموس بادشاہ کے دور میں اس کے بیٹے ڈیمی ٹروس نے وادی گندھارا یعنی چارسدہ کے علاقہ کو فتح کر لیا اور خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے اپنے دور میں ارض پنجاب، فیض آباد، روہیل کھنڈ پر قبضہ کیا اور جہاں تک کہ 200 ق م میں وادی گنگا تک پہنچ گیا۔ ڈیمی ٹروس اور اس کے وارثان اور ان کی فوجیں یہی ہندوستان میں بس گئیں۔ ان انڈو یونانی بادشاہوں کی تعداد کوئی دو سو کے قریب ہے۔ یہ نام ان لوگوں کے سکوں سے معلوم ہوئے ہیں۔ ان انڈو یونانی بادشاہوں نے یہی کی زبان اور تہذیب اپنائی تھی۔

326ء میں ایران کے ساسانی بادشاہ اردشیر نے ارض پاکستان کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس طرح بہت سے ایرانی ارض پاکستان میں آباد ہوئے ہوں گے۔

ساکا یا سکھیتی قوم:

یہ ایک خانہ بدوش قوم تھی۔ جو تقریباً 140 قبل مسیح میں دریائے جیحوں یعنی مغربی ترکستان میں آباد تھی۔ ان کو ایک اور خانہ بدوش طاقتور قوم یوچی نے وہاں سے مار بھگایا۔ وہ موجودہ افغانستان کے دریا ہلمنڈ کی طرف دوڑے لیکن ان کو وہاں سے یونانی بلخی بادشاہوں نے آگے دھکیل دیا۔ وہ مجبوراً وہاں سے ہٹ کر سیستان موجودہ ایران کے ایک حصہ میں آباد ہو گئے۔ اس علاقہ کا نام ان کی نسبت سے ساکستان یا سیستان مشہور ہوا۔

یوچی قوم کو دریائے جیحون کا علاقہ چھوڑنا پڑا۔ وہ مشرقی ایران میں داخل ہوئے اور

انہوں نے پندرہ بیس سال بعد پہلے وہاں آباد ہونے والے ساکا لوگوں کی بہت بڑی مقدار کو وہاں سے نکال دیا۔

اکثر مورخین کے مطابق ساکا لوگ زیادہ تر درہ بولان کے اندر سے ارض پاکستان میں داخل ہوگئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے وادی سندھ میں داخل ہوکر یہاں کے انڈو یونانی بادشاہوں کو نیچا دکھایا اور ان کی جگہ پر کی اور نہ صرف متھرا اور دوسرے مقامات پر سیاسی مرکز قائم کیے بلکہ متھرا کے علاقہ تک کو فتح کرکے اپنی بادشاہتیں قائم کیں۔

ساکا یا سکیتھی کسی اعلیٰ تہذیب کے علمبردار نہ تھے اس لئے انہوں نے مشرقی ایران سے نکلنے کے بعد یہاں کی تہذیب حتیٰ کہ مذہب بھی قبول کرلیا اور نہ صرف سندھی زندگی اختیار کرلی بلکہ سندھی نام بھی رکھ لئے۔انہوں نے دوسری بیرونی اقوام کی نسبت سندھی خاندانوں سے شادی بیاہ کے مراسم بھی بہت جلدی قائم کرلئے اور سندھیوں سے خوب گھل مل گئے۔غالباً یہی وجہ تھی کہ سندھی اور پنجابی معاشرہ نے انہیں اپنی صفوں میں جگہ دے دی۔ان کو پاک شدرا کا خطاب دے دیا گیا اور انہیں نچلے درجے کے کشتری کہا گیا۔انڈو ساکا بادشاہوں کے نام پرانے ملنے والے سکوں سے معلوم ہوئے ہیں۔

پہلوی یا پارتھی قوم:

انڈو یونانی بادشاہوں کے آخری دور میں ایران کی پہلوی یا پارتھی قوم نے ارض پاکستان کا کچھ حصہ فتح کرکے اپنی بادشاہت قائم کرلی تھی۔جب ساکا قوم نے ارض پاکستان میں عروج حاصل کرلیا۔پارتھی قوم نے ان کی بالادستی قبول کی۔اس پہلوی یا پارتھی قوم کے یہاں آباد ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

یوچی یا کشان قوم:

یوچی قوم کوئی 200 سال قبل مسیح سے پہلے تک چینی ترکستان میں دیوار چین سے ملحقہ علاقوں میں مقیم تھی۔چینی مورخین نے اس علاقہ کو سین ہونگ یا تن ہونگ اور کیلیٹی یا تین شان کا نام دیا ہے۔اکثر مورخین کی رائے کے مطابق تقریباً 165 ق م میں ایک طاقتور خانہ بدوش قبیلہ ھن یا

ھیونگ نو نے ان کو مار مار کر چینی ترکستان سے نکال دیا۔ان کا سردار مار ڈالا اور اس کی کھوپڑی کو جام کے طور پر استعمال کیا۔اس کی بیوہ اس قوم کو صحرائے گوبی میں لے آئی۔وہاں ووسن قوم آباد تھی۔اس کو یوچی قوم نے شکست دے دی۔ان کا سردار مارا گیا۔یہ وسیع علاقوں پر قابض ہو گئے۔جھیل تسنگ تک جا پہنچے۔جہاں ان کے دو گروہ ہو گئے۔ایک گروہ تبت جا نکلا اور دوسرا دریائے جیحون کے علاقہ میں داخل ہوا۔جہاں ساکا قوم آباد تھی۔جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔یوچیوں نے ساکا لوگوں کو وہاں سے نکال دیا اور خود وہاں آباد ہو گئے۔پندرہ بیس سال بعد ووسن قوم کے مقتول بادشاہ کا بیٹا جوان ہوگیا۔جس نے ہنوں کی حمایت سے یوچی قوم کو دریائے جیحون کے علاقہ سے نکال باہر کیا۔اس پر یوچی مشرقی ایرانی (سیستان) میں داخل ہوئے اور وہاں سے ساکا یا سیکھتیں کو ارض پاک و ہند میں دھکیل دیا۔اب یہ قوم بلخ باختر اور سیستان کے مالک بن گئے۔ان کی چراگاہیں ان کے زرخیز شاداب میدان اور گھنے جنگل سب کے سب اس کے ہو گئے۔

لوچی قوم نے اب خانہ بدوشی ترک کردی۔وہ آبادکار بن گئی تھی۔بخارا یا سغدانیہ کو پایہ تخت بنا کر ایک متحدہ حکومت کی اس نے طرح ڈال دی تھی۔مورخین کی رائے کے مطابق سو سال بعد یہ سلطنت پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں منقسم ہوچکی تھی۔یہ قوم اس وقت دریائے جیحون کے دونوں کناروں پر آباد تھی۔ان سو سالوں میں یوچی قوم کے یہ پانچ خاندان جو 140 قبل مسیح میں پچاس لاکھ افراد پر مشتمل تھے۔بلخ سے لیکر پنج شیر، کابل، چترال، اور کافرستان کے علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ونسنٹ سمتھ کی رو سے 15ء میں ان پانچ خاندانوں میں سے کوشان یا کشان نے باقی چار یوچی خاندانوں پر غلبہ حاصل کرکے ان کو ایک سیاسی لڑی میں پرو دیا۔اس طرح وہ پنج شیر، کابل، چترال، کشمیر، کافرستان اور پارتھیا کا مالک بن گیا۔بعض مورخین کے مطابق وہ سندھ اور جہلم کی سرزمین پر بھی غالب آ گیا تھا۔اس کے جانشین کڈ فائس ثانی کی حکومت میں پنجاب، سندھ، گجرات، کاٹھیاوار اور وسطی ہند شامل تھے۔کنشک سب سے بڑا اور مشہور کشان بادشاہ تھا۔جس نے تقریباً تمام پاک وہند کو فتح کرلیا تھا۔جس کی سلطنت کی سرحدیں چین سے

ملحقہ ہوگئی تھیں۔ یوچی کشان بادشاہوں اور یوچی قوم نے یہاں کی تہذیب اور مروجہ مذہب کو قبول کرلیا۔ کشان سلطنت پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی تک قائم رہی اور بعد میں ایک مقامی گپت نامی خاندان نے حکومت حاصل کر لی۔ جس میں چندر گپت، سمدر گپت، اور بکر ماجیت مشہور بادشاہ ہوگزرے ہیں۔ گپت خاندان زیریں سندھ کے حاکم اعلیٰ تھا۔ جبکہ کابل سے لے کرراوی دریا کے کناروں تک کی سرزمین اب بھی کشان بادشاہوں کے تابع تھی۔ یہ سفید ہن تھے جنہوں نے کشان بادشاہوں سے وادی گندھارا پر مشتمل علاقوں کی حکومت چھینی تھی اور وسطی ہند تک قیامت برپا کردی تھی۔

سفید ہن:

درہ خیبر کے راستہ ارض پاک و ہند میں داخل ہونے والی تمام دوسری اقوام کی طرح سفید ہن بھی وسط ایشیاء کے باشندے تھے اور خانہ بدوش تھے۔ یہ لوگ آندھی اور طوفان کے انداز میں منزلوں پر منزلیں مارتے برصغیر میں داخل ہوئے تھے۔

دوسری سابقہ اقوام وسطی ایشیاء سے نکل کر صدیوں کے بعد ہندوستان پہنچیں۔ یہ لوگ آبادکاروں کے انداز میں ادھر آئے تھے۔ ان کی رفتار میں وہ تندی و تیزی نہ تھی۔ جو ہنوں کی رفتار میں تھی۔ ہنوں نے وہ منزلیں جوان کے پیشرؤوں نے صدیوں میں طے کی تھیں۔ مہینوں اور سالوں میں طے کرلیں۔ اور وہ وادی سندھ میں داخل ہوگئے۔ وہ بستیوں کو جلاتے اور کھیتوں کو ویران کرتے ہوئے زیریں سندھ تک پہنچے۔ 458ء میں اس وقت کے گپت خاندان کے بادشاہ سمدر گپت نے ان کو شکست دی۔ اگرچہ ہنوں کی تعداد ٹڈیوں جیسی تھی۔ ہن 465ء میں دوبارہ واپس آئے۔ اب ان کی رفتار طوفان اور سیلابوں جیسی نہ تھی۔ وہ جلد ہی وادی گندھارا، چترال، سوات کے علاقوں سے ہوتے ہوئے پوری ارض پاکستان پر غالب آگئے۔ اس بار بھی انہوں نے بڑی وحشیانہ حرکات کیں۔ بستیوں کو لوٹا اور ان کو آگ لگائی۔ ہنوں نے 465ء سے 604ء تک ہند پر حکومت کی۔ تورمان اور مہرگل ان کے مشہور بادشاہ ہوئے ہیں۔ مہرگل بڑا ظالم اور جابر فرمانروا تھا۔ اس کی فوج جدھر کو جاتی لوٹ مار کی آگ بھڑکاتی جاتی تھی۔ ہنوں کے مظالم اور

بربریت کے بناء پر ایران اور برصغیر کے حکمرانوں کا آپس میں اتحاد ہوگیا تھا۔ ان دونوں طاقتوں نے مل کر 563ء اور 567ء کے مابین ہنوں کا اس طرح قتل عام کیا تھا۔ کہ عوام ان کی نعشوں کو حشرات الارض کی طرح بستی بستی اور قریہ قریہ میں مرے پا کر حیرت سے انگلیاں منہ میں داب لیتے تھے اور سوچتے تھے کہ یہ نعشیں ان ہی سفید ہنوں کی ہیں جن کی تندی اور تیزی طوفانوں کو شرماتی تھی۔

اب تک ہم نے ان اقوام کا ذکر کیا ہے۔ جو زمانہ قدیم میں وارد برصغیر ہوئی تھیں اور یہی کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ عربوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں سندھ پر حملہ کیا۔ سندھ، ملتان اور اردگرد کے علاقوں کو فتح کرلیا۔ موزخین کے مطابق عربی بھی ہندوستان میں آباد ہوئے۔ اس کے بعد ترک، افغان اور مغل برصغیر میں فاتحین کی صورت میں داخل ہوئے مغلوں کے زوال کے بعد یورپی اقوام انگریز، ڈچ، فرانسیسی، اس ملک میں آئے کافی کشمکس کے بعد انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ کرلیا۔

ماقبل ابواب میں ارض پاک و ہند میں وارد ہونے والی اقوام کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے۔ کیونکہ انہی اقوام نے پاک و ہند کی اقوام کی نسلیات میں حصہ ڈالا ہے۔ یہی اقوام جب مختلف تناسب سے آپس مین ملیں۔ یعنی ان میں جنسی اختلاط ہوا۔ تو مختلف قومیں (ذاتیں) معرض وجود میں آئیں۔ بعض اقوام میں جنسی اختلاط قدرے کم ہوا۔ ایسی اقوام خال خال ہی ہیں۔ ان کو تقریباً خالص اقوام کہا جاتا ہے۔ یعنی ان میں کسی خاص قوم کے اصلی خصائص اب تک موجود ہیں۔ لیکن بعض میں اختلاط قدرے زیادہ ہوا ہے۔ کہ اصلی قوم کے خصائص مٹ گئے ہیں۔ اور بالکل نئی اقوام معرض وجود میں آگئی ہیں۔ اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ مذکورہ مختلف نسلوں (اقوام) کے ادغام سے برصغیر میں کون کون سی اقوام (ذاتیں) وجود میں آئی ہیں۔

☆☆☆

ساتواں باب

پہلی فصل

تامل تلنگے

ارض پاکستان کی تاریخ کے مصنف رشید اختر ندوی اور پاکستان کا قدیم دور کے مصنف
یحیٰی امجد کے مطابق حجری دور میں یعنی جس وقت انسان ابھی پتھر کے اوزار استعمال کرتا تھا۔ پاک
و ہند میں قدیم انسانی نسل موجود تھی اور پھر نیگرو نسل کے لوگ باہر سے برصغیر میں وارد ہوئے۔ اور
بعد میں آسٹریلوی نسل (پروٹو اسٹرلائیڈ) برصغیر میں داخل ہوئی۔ مورخین کی اکثریت کی رائے میں
ان نسلوں کے ادغام نے پروٹو داروڑ نسل کو جنم دیا۔ یہ نئی نسل اپنے چھوٹے قدوں تنگ پیشانیوں
، چوڑے چہروں، چپٹی ناک، سیاہ رنگت کے سبب نیگرو نسل کے مشابہ نظر آتی ہے۔ پہلے مذکور ہو چکا
ہے کہ یہ نسل کول اور بھیل لوگوں کے ہاتھوں مغلوب ہوئی۔ پروٹو داروڑ کی اکثریت کو کول بھیل نے
بنگال دکن، وسطی ہندوستان اور جنوبی علاقوں کے پہاڑوں اور جنگلوں میں دھکیل دیا۔

بعد میں وہاں انہوں نے اپنی حکومتیں قائم کیں۔ جو صدیوں قائم رہیں۔ ان میں سے
کچھ قبائل اب تک تہذیب کے درجہ تک نہ پہنچے ہیں اور باقی کو پروٹو داروڑ نسل نے اپنے میں ضم کر
لیا۔ اس طرح دراروڑ نسل وجود میں آئی۔ کچھ کول بھیل اور گونڈ لوگوں نے اپنی نسل کو کچھ حد تک
خالص رکھا ہے۔ اگرچہ خالص رکھنا ناممکن سا ہے۔ کول بھیل اور منڈا لوگوں کے متعلق مورخین کا
خیال ہے۔ یہ رومی النسل (میڈی ٹرے نین) ہو سکتی ہے۔ نئی داروڑ نسل کے جسمانی خصائص جلد
کا رنگ سیاہ، موٹی ناک، نتھنے پھولے ہوئے، قد پست ہیں۔ داروڑ نسل میں جب تورانی میل ہوا
تو تامل، تلنگے کی اقوام پیدا ہوئیں۔ تمدن ہند مولفہ ڈاکٹر گستاؤلی بان صفحہ نمبر 133 کے مطابق

جب خالص بھیلوں میں تورانی لوگوں کا اختلاط ہوا۔ تو میہر پیدا ہوئے جو راجھستان کے باشندے
ہیں اور جاٹوں سے مشابہ ہیں۔ میہروں سے کچھ بہتر مینا لوگ ہیں۔ جو اگرچہ بھیل کا ہی قبیلہ ہے
لیکن جاٹوں کے قریب تر ہے۔

☆☆☆

دوسری فصل

جٹ/جاٹ

پرانی تاریخوں میں آریوں سے پہلے آنے والی تمام نسلوں کے متعلق کہا گیا کہ وہ تمام آپس میں مدغم ہوئیں اور داروڑ ہی سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن اب جدید تحقیق سے اکثر مورخین نے کہا ہے کہ کول بھیل اور گونڈ اقوام کے بعد تقریباً 4000 ق م میں سومیری، آشوری یا کلدانی نسل کے لوگ بہت بڑی تعداد میں برصغیر پاک وہند میں آئے۔ ان کا بھیل کول یعنی داروڑ نسل سے زبردست ٹکراؤ ہوا۔ داروڑ ہارے جنہوں نے ہار نہ مانی۔ جنوبی ہندوستان کی طرف بھاگ گئے۔ باقی ان سومیری لوگوں میں ضم ہو گئے اور دراویڈن کہلائے۔ دراویڈن میں داراوڑ نسل کا اختلاط بہت بڑی تعداد میں ہوا۔ سومیری وہ لوگ ہیں جو وسطی ایشیاء کے پہاڑوں سے اتر کر کچھ تو عراق میں دجلہ وفرات کی وادیوں میں رہائش پذیر ہوئے اور وہاں دنیا کی اولین سومیری تہذیب کی بنیاد ڈالی اور کچھ گنجان آبادی کے باعث مشرق کی طرف بڑھے اور وادی سندھ کو اپنا مسکن بنا کر شاندار تہذیب کو جنم دیا۔

جو سندھی موہنجوداڑو کی تہذیب کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ارض پاکستان کی تاریخ کے مصنف رشید اختر ندوی نے مغربی ریسرچ سکالروں کے نظریات کی روشنی میں ان سومیری لوگوں کو تورانی قرار دیا ہے۔ ایران سے ملحقہ وسطی ایشیاء کو اس زمانہ میں توران کہا جاتا تھا۔ اس ملک کی نسبت سے ان کو تورانی کہا گیا اور دوسرے ایران کے پہلے باشندے آریہ جب ایران کے میدانوں میں اترے تو انہوں نے اپنے آپ کو آریہ یعنی ہل جوتنے والے کہا اور بھیڑوں اور بکریوں کے گلے ہنکانے والے گڈریوں اور جنگلوں میں زندگی گزارنے والوں کو تورا یا تورانی کا

نام دیا۔ ماضی میں یہ دونوں قومیں ایک دوسرے سے لڑتی جھگڑتی آئی تھیں۔ توران ایران کا دشمن تھا اور ایران توران کا۔ (ماخوذ از ارض پاکستان کی تاریخ مولفہ مولانا رشید اختر ندوی صفحہ نمبر 97 تا 128)

تمدن ہند کے فرانسیسی مصنف ڈاکٹر گستاؤلی بان جن کی کتاب کا اردو ترجمہ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی نے کیا ہے۔ اردو ترجمہ کے صفحہ نمبر 133 پر رقم طراز ہیں ''اگر پنجاب کی حالت پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جاٹ، گجر اور سکھ جو تورانی اقوام ہیں۔ یہاں کے باشندوں میں تین چوتھائی ہیں اور ایک چوتھائی آریہ ہیں۔ جن کا رنگ انہیں صاف بتاتا ہے۔ اس سے نیچے اتر کر ہمیں راجپوت ملتے ہیں۔ جو آریوں میں شریک ہیں لیکن خالص آریہ نہیں۔ جاٹ ان دراویڈن تورانی لوگوں کی اولاد ہیں۔ دراویڈن لوگوں میں کول، بھیل، منڈا، وغیرہ کا ادغام وسیع پیمانے پر ہوا ہے۔ رومی النسل یعنی تورانی لوگوں کے متعلق مشہور مورخ ''یحیی امجد'' اپنی کتاب ''تاریخ پاکستان قدیم دور'' کے صفحہ 320 پر لکھتے ہیں۔

> ''یہ وہ نسل ہے جو آج بھی مغربی افریقہ سے برصغیر پاک وہند تک کئی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے۔ بعد میں شمالی افریقہ اور ایشیاء میں یہی نسل ظاہر ہوئی۔ یہی نسل اپنی خالص ترین شکل میں مشرق وسطی کے ممالک میں آباد ہے۔ یعنی ''عرب قوم'' ان کی جسمانی خصوصیات میں درمیانے سے لے کر لمبا قد، جلد کا رنگ سانولے سے لے کر کھلتے ہوئے گندمی رنگ تک، سر لمبوترا، اونچی ناک، سر کے بال سیاہ، آنکھیں عموماً بڑی اور کھلی ہوئی۔''

یحیی امجد کا مذکورہ بالا اقتباس جاٹوں کے جسمانی خصائص پر معمولی سی تبدیلی کے ساتھ منطبق ہوتا ہے۔ جاٹوں اور گجروں کی جلد عام طور پر سیاہ یا کم از کم سیاہی مائل ہوتی ہے۔ اگرچہ کچھ کا کھلتا ہوا گندمی رنگ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر گستاؤلی بان کا بیان مندرجہ صفحہ 147 تمدن ہند میں ملاحظہ ہو۔

''بعض تو ان میں سے سیاہ فام ہیں۔ اور بعض کا رنگ اس قدر صاف ہے۔ جیسا راجپوتوں کا۔
مزید صفحہ 149 پر جاٹوں کے متعلق رقم طراز ہیں۔ ''ان کا قد لمبا، کاٹھی مضبوط، جلد کسی قدر سیاہ،
ناک بڑی اور اونچی اور بعض اوقات خم دار گال کی ہڈیاں کم ابھری ہوئیں، بال سیاہ اور کثرت
سے۔''

بعض کا رنگ قدرے صاف ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے وہ اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں۔ ان میں آریہ اثر آیا ہے۔ جو نصف سے زیادہ ہے اور ایک خفیف سا اسلامی اثر بھی ہے۔ جاٹوں کے متعلق دو کتابیں ''تاریخ جٹاں اور جاٹ/قدیم حکمران بالترتیب ایم اے متین اور ایس بی ڈاہیا'' نے تحریر کی ہیں۔ جس میں مولفین حتمی طور پر نہ بتا سکے ہیں جاٹ قوم کیونکر اور کب معرض وجود میں آئی اس کی نسلیات میں کون کون سی قوموں نے حصہ لیا۔

سن عیسوی کی ابتداء سے 140 سال قبل ساکا یا سیکھتی یا ستھین کی قوم برصغیر پاک و ہند میں وارد ہوئی۔ 100ء میں یوچی قوم کا کشان قبیلہ یہاں آیا اور سفید ہن 465ء میں وادی سندھ، پنجاب میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں نے مختلف وقتوں اور مختلف علاقوں پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ ان کی کثیر تعداد برصغیر میں آباد ہوگئی۔ مورخین کی اکثریت کی رائے ہے کہ یہ ساکا، کشان اور سفید ہن تمام ہی ستھین یا تورانی تھے اور بہت بعد کی صدیوں میں ترکوں کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس دور میں نئی سماجی درجہ بندی ہوئی۔

''تاریخ ارض پاکستان وسطی عہد'' کے مصنف یحیی امجد صفحہ 394 پر رقم طراز ہیں۔
''اس نئی سماجی درجہ بندی میں پرانے کھشتریوں کی بھاری اکثریت راجپوت نہیں کہلا سکی بلکہ وہ اس وقت تک نچلی ذاتوں میں جا چکے تھے اور جاٹ، گجر اور آہیر کہلاتے تھے۔ اس طرح آباد کار قبائل (شاکا، ستھین، کشان، سفید ہن) کی اکثریت بھی نچلی ذاتوں میں چلی گئی۔ یوں راجپوت اور غیر راجپوت میں نسلی فرق کوئی نہ تھا''۔ مزید اگلے صفحات پر یحیی امجد لکھتے ہیں۔ راجپوت زمانہ میں پنجاب کے عام کسان جاٹ یا اہیر کہلاتے تھے۔ یہی بات تاریخ ہند قدیم عہد کے مصنف پروفیسر غلام مصطفیٰ بسمل نے صفحہ نمبر 654 پر راجپوتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہی ہے۔ یونانی

پارتھی، سیتھی، کشان اور ہن میں سے جو لوگ کاروباری اور زراعت پیشہ تھے وہ نچلی ذاتوں (گجر، جاٹ وغیرہ) میں شامل ہوگئے اور جو شاہی خاندان تھے۔ وہ راجوپوتوں میں شامل ہوگئے۔''

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاٹ کی نسلیات میں ساکا، کشان اور سفید ہن کا کچھ حصہ شامل ہے۔

جاٹوں کے متعلق دو کتابیں تاریخ جٹاں اور جاٹ/قدیم حکمران بالترتیب ایم۔اے متن اور ایس۔ بی ڈاہیا نے تحریر کی ہیں۔ انہوں نے سارا زور اس پر صرف کر دیا ہے کہ جاٹ یا جٹ ساکا، کشان اور سفید ہن قبائل کی خالص باقیات ہیں۔ اصل میں انہوں نے جاٹوں کی تاریخ نہ لکھی ہے بلکہ ان مذکورہ قبائل کی تاریخ لکھ ڈالی ہے۔ ان کتب میں جاٹوں کے متعلق مواد بہت کم دیا ہے۔ تمام روئیداد ان قبائل کی تحریر کر ڈالی ہے۔ راقم کے مطابق جاٹ صرف ساکا، ستھین، کشان اور سفید ہن کی اولاد نہ ہے بلکہ ان کا ایک جز وان میں شامل ہے۔ اس سلسلہ میں دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ ساکا یا ستھین سن عیسوی کے آغاز سے ایک صدی قبل ہندوستان میں وارد ہوئے۔ کشان یا یوچی 100ء میں اور سفید ہن 465ء میں برصغیر میں آئے۔ لیکن جاٹوں کا ذکر ہندوستانی تاریخ میں پہلے سے ملتا ہے۔ جاٹ مصفین کا دعوٰی ہے کہ جاٹ یادو۔ جادو نسل سے ہیں۔ آریہ 1500 ق م میں وارد برصغیر ہوئے تھے۔ اس دور میں یادو قبیلے کا ذکر ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں دس بادشاہوں کی لڑائی آریہ دور کا مشہور واقعہ ہے۔ اس کی تفصیل قدیم ہندوستانی تواریخ میں ملتی ہے۔ اس لڑائی میں یادو یا جادو قبیلے نے حصہ لیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاٹ 1500 ق م سے برصغیر میں موجود ہیں۔ ساکا، یوچی، اور سفید ہن تو تقریباً دو ہزار سال بعد آئے تھے۔

۲۔ جاٹ مورخین کے مطابق جاٹوں کا 5 ہزار سال قبل کے ہندی ادب میں ذکر ملتا ہے۔ (صفحہ 26,25 تاریخ جٹاں) پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ جاٹ ساکا، ستھین اور سفید ہن کی ہی اولاد ہے۔ جبکہ ان قبائل کا ہزاروں سال بعد آنا ثابت ہے۔

۳۔ تاریخ جٹاں کے مصنف ایم۔اے متین نے آریوں کا ہندوستان میں تین مرحلوں مُیں آنے کا ذکر کیا ہے۔

ا)۔ پہلا قافلہ جاٹ آریہ آسٹرکس سات ہزار قبل مسیح ہندوستان پہنچا۔

ب)۔ دوسرا قافلہ آریہ ڈراور کا تھا۔

ج)۔ تیسرا قافلہ آریوں کا تھا۔ جو دراوڑوں کے ایک ہزار سال بعد میں وارد ہوا تھا۔

آسٹرکس:

آسٹرکس ایک آسٹریلوی نسل (پروٹو اسٹرالائڈ) ہے جو کہ نیگرو کی ہی ایک قسم ہے۔ زورِ خطابت میں مصنف نے ان کو بھی آریہ قرار دے دیا ہے۔ آسٹرکس سیاہ رنگ کے تھے جب کہ آریا سفید فام لوگ ہیں۔ قطع نظر اس کے مصنف نے آسٹریلوی نسل کو آریہ قرار دیے دیا ہے۔ اس سے ثابت کرنا مقصود ہے کہ مصنف خود مانتا ہے کہ جاٹ کی نسلیات میں آسٹریلوی، نیگرو نسل کا حصہ ہے جو سات ہزار قبل ہندوستان میں آئی تھی۔ حالانکہ آسٹرکس کا سات ہزار قبل مسیح میں آنا صحیح نہ ہے۔ آسٹرکس تاریخ کے کسی نا معلوم وقت میں یہاں آئے تھے۔ سات ہزار قبل مسیح سومیری قوم جو اپنے سے قبل کے نیگرو، بھیل، کول سے مخلوط ہوئی اور اس مخلوط نسل کو مصنفین نے ہندوستان میں ڈراویڈن کا نام دیا ہے، ہندوستان میں آئی تھی۔ بہر حال جاٹوں کے سات ہزار قبل مسیح یہاں موجود ہونے کا جاٹ مصنف خود اقرار کرتا ہے۔ (صفحہ 417 تاریخ جٹاں)۔

۴۔ تاریخ جٹاں کے مصنف ایم۔اے متین صفحہ 412 میں لکھتے ہیں ''عرب جٹ جو سمیری قوم کے نام سے آج سے سات ہزار پہلے وادی سندھ میں آباد ہوئے ان کے آثار موہنجوداڑو اور ہڑپہ میں دستیاب ہیں۔'' یہاں مصنف نے خود کو سمیری تسلیم کیا ہے۔ جو سات ہزار۔ پہلے وارد وادی سندھ ہوئے۔ گویا جاٹوں کی قدامت سات ہزار پرانی ہے۔

۵۔ مصنف جاٹ قدیم حکمران کے مطابق ڈول نے وادی سندھ کی بعض مہروں پر گت کا لفظ پڑھا ہے وہ اسے قدیم سمیری بادشاہوں کا لقب قرار دیا ہے۔ ان مہروں کی تحریریں مندرجہ

ذیل ہیں: جو صفحہ 363 کتاب جاٹ/قدیم حکمران مولفہ بی۔ایس ڈاہیا میں درج ہیں۔

☆۔ ساتھی بادشاہ آہامن گت کے تحت مقام اگدو لینڈ

☆۔ ساتھی آقائے عظیم گت

☆۔ ساتھی بادشاہ مرد آقا گت کا بیٹا آرا

مصنف کے مطابق وادی سندھ کے بادشاہ جٹ تھے۔ کیونکہ ان مہروں میں لفظ گت موجود ہے۔ مصنف نے گت سے مراد جٹ لی ہے یہ مہریں 5000/4000 ق م کی ہیں اس سے ثابت ہوا کہ جاٹ برصغیر میں 4000 ق م سے موجود ہیں۔

۶۔ Indus Civilization از عبدالقدوس صفحہ نمبر 44,43 کے مطابق ستھین، کشان، سفید ہن Turco, Mughloid تھے۔ یعنی چہرے منگولین سے ملتے جلتے تھے۔ آنکھوں کے پپوٹے بڑھے ہوئے جن سے آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی تھوڑی پر بہت ہی کم بال ہوتے ہیں۔ اگر داڑھی ہو بھی تو چھدرے چھدرے بال ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں شاہان گجر'' مولفہ مولوی عبدالمالک'' کے صفحہ نمبر 468 پر ہن کا ذکر ہے وہاں مذکور ہے۔ ہن سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ اور ان کی داڑھی پر بال کم مقدار میں ہوتے ہیں۔ یہ خدوخال جٹوں کے نہ ہیں۔

۷۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنی کتاب ''تمدن ہند'' کے صفحہ نمبر 149 پر لکھتے ہیں:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جاٹ پورے مغربی پاکستان کے مالک تھے اور جس وقت جنگجو آریوں نے ان پر حملہ کیا تو یہ آسانی سے ان کے محکوم بن گئے۔ آریہ فاتحین نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور ان کو انہوں نے درمیانی ذات ویش یا تجارت پیشہ ذات میں شامل کرلیا۔ بیچارے اصلی سب شودر بنادیئے گئے۔''

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ جاٹ 100 سال قبل مسیح اور سن عیسوی کے آغاز سے 465ء کے درمیان آنے والی اقوام ساکا، کشان اور سفید ہن کی خالص اولاد نہ ہے۔

بلکہ اس کی نسلیات میں ہندوستان میں موجود ہزاروں سال پرانی اقوام نے حصہ لیا۔ اس لئے ان کی جلد کا رنگ سیاہی مائل ہے۔ برخلاف اس کے کہ اگر یہ لوگ سن عیسوی کے آغاز کے قریب آنے والی اقوام کی خالص باقیات ہوتیں تو یقیناً ان کی جلد کا رنگ سفید یا زردی مائل ہوتا۔ کیونکہ مذکورہ تمام اقوام گورے رنگ کی تھیں۔ بی۔ ایف داہیا مصنف جاٹ/ قدیم حکمران نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 141,140 پر ان کو سفید فام قرار دیا ہے۔ دوسرے اگر یہ مذکورہ اقوام کی خالص باقیات ہوتیں تو ان کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہوتیں۔ جبکہ جاٹوں کی آنکھیں بڑی بڑی اور باہر کو نکلی ہوتی ہیں۔ ان کی داڑھی چھدری کی بجائے گھنی ہوتی ہے۔

۸۔ سکندر اعظم نے 326 م میں برصغیر پاک و ہند پر حملہ کیا۔ اس کا مقابلہ اقوام مساگا، کاٹھیہ، ملوئی یا ملہی نے کیا تھا۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جٹ یا جاٹ برصغیر میں مذکور ستھین وغیرہ کی آمد سے قبل برصغیر میں موجود تھے۔ جیسا پہلے تحریر ہو چکا ہے کہ مساگا اور ملہی جاٹ ہیں۔

جاٹ مورخین یہ واضح طور پر اپنی کتب میں یہ نہ بتا سکے ہیں۔ کہ اس قوم کا نام جاٹ کیونکر پڑا۔ اس سلسلے میں بی۔ ایس ڈاہیا اپنی کتاب جاٹ/ قدیم حکمران صفحہ نمبر 39 پر یوں گویا ہیں۔

''ایف ہیوث کے مطابق لفظ گٹ کا مطلب بیل ہے۔ پرشین انگلش ڈکشنری گٹ (گٹا) کا مطلب عظیم بتاتی ہے۔''

جنوبی ایشیاء کی کتابوں میں جٹ کا مطلب بادشاہ ہے۔

پاکینی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے سمیکھنا یا وفاق بتاتا ہے۔ یعنی مختلف قبیلوں کے جھٹ کو جٹ بتاتا ہے۔ جت یا گت آج بھی جاٹوں کے ہاں لمبے بالوں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاٹ موجودہ سکھ جاٹ دور کے جاٹوں کی طرح لمبے بال اور داڑھیاں رکھتے ہیں۔

وسطی ایشیاء میں فارسی اور فارسی نما ترکی زبان بولی جاتی ہے۔ جن میں ٹ کا حروف ابجد موجود نہ ہے۔ اس لئے وہاں جٹ کا لفظ موجود ہو ممکن نہ ہے۔ البتہ بات یہ ہے کہ جٹ و

گت اور لمبے بال رکھنے پر ان کا نام جٹ مشہور ہوا۔ کسی حد تک قابل فہم معلوم ہوتا ہے۔

اسی مصنف نے 5 صدی قبل مسیح کے سکالر کا حوالہ دیا ہے۔ جس نے اپنی کتاب ترکت (علم سیاسیات) میں ایک اصطلاح ''جاٹیا جاٹ نارا'' تحریر کی ہے۔ جو بظاہر جاٹوں کے لمبے بالوں (جت) کا بیاں معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس لفظ سے صحیح کیا مراد ہے۔ تاہم مصنف کہتا ہے کہ معلوم ہوا ہے کہ قدیم سیتھی قبائل لمبے بال اور داڑھیاں ضرور رکھتے تھے۔

بی۔ ایس ڈاہیاہی جاٹ/ قدیم حکمران صفحہ 51 پر رقم طراز ہیں۔ بھارت میں ایک کتاب جو بہت زیادہ پرانی نہیں کے مطابق جٹ قوم نے شو دیوتا (ہندوؤں کا بہت ہی اہم دیوتا) کے بالوں (جت) سے جنم لیا ہے۔

گویا یہ لوگ اپنے بالوں (جت) کی بنا پر یو جٹ کہلائے۔ جاٹ مورخین نے جاٹ کو ستھین اقوام کی خالص باقیات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس سلسلہ میں بی۔ ایس ڈاہیا نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 51 پر لکھا ہے۔

''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عظیم دیو مالائی ہیرو ہرکولیس کی گھوڑیاں گم ہو گئیں۔ وہ ان کی تلاش میں نکلا۔ اس نے ان کو ایک غار میں پایا۔ اس غار میں ایک پری تھی۔ جس کا اوپر کا دھڑ انسانی اور نچلا دھڑ سانپ کا تھا۔ پری نے گھوڑوں کی موجودگی کا اعتراف کیا اس نے کہا کہ وہ اس شرط پر گھوڑیاں واپس کرے گی کہ ہرکولیس اس کی نفسانی خواہش پوری کرے۔ اس کی شرط پوری کی گئی اور اس کی گھوڑیاں واپس کر دیں۔ اس عجیب الخلقت عورت نے دریافت کیا کہ بچہ پیدا ہونے کی صورت میں وہ کیا کرے۔ اس پر ہرکولیس نے پری کو ایک کمان عطا کی اور کہا کہ اس کمان کو اپنے پاس رکھو۔ اگر لڑکا پیدا ہو تو اسے کہا جائے کہ اس کمان کو آزمائے۔ اگر وہ چلہ چڑھائے تو اس سلطنت میں اس کو ساتھ رکھو۔ جس کی تم ملکہ ہو اور اگر وہ

ایسا نہ کر سکے تو اسے بیکار سمجھتے ہوئے باہر نکال دو۔ کہا جاتا ہے کہ تین لڑکے اگا تھا ٹیرس، گیلنس اور سائیتھا پیدا ہوئے۔ اس میں صرف سائیتھا ہی اپنے باپ کی شرط پوری کر سکا۔ اسی سائیتھا سے گیٹے (جٹ) نسل بڑھی۔"

اسی مصنف نے صفحہ 51 پر ہی ایک اور دیو مالائی کہانی کا ذکر کیا ہے۔

"ایک دوشیزہ دھرتی کی کوکھ سے نمودار ہوئی جس کے جسم کا نچلا حصہ سانپ کا تھا۔ اس کے ہاں دیوتا جوپیٹر کے ملاپ سے سائیتھا نام کا لڑکا پیدا ہوا۔ سیتھی قوم اس سے پیدا ہوئی۔"

• جاٹوں کی ابتداء کے متعلق جاٹ مصنفین نے مذکورہ مافوق الفطرت دیو مالائی کہانیوں کا سہارا لیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ ان پر یقین کر سکتے تھے لیکن علمی روشنی کے اس زمانہ میں ان کا تمسخر ہی اڑایا جا سکتا ہے۔ یقین نہیں کیا جا سکتا۔

جاٹوں کا ایک طبقہ اپنے آپ کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہتا ہے۔ یعنی وہ سورج دیوتا اور چندر دیوتا کی اولاد ہیں۔ اس نظریہ کا راجپوتوں کے ضمن میں تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔

جاٹ مصنفین نے اب خود ہی اس کی تردید کر دی ہے۔ کیونکہ ان کا موقف ہے کہ اس سے ان کی جگ ہنسائی ہوتی ہے۔ تاریخ جٹاں کے مصنف ایم۔ اے متین صفحہ نمبر 29,28 پر لکھتے ہیں۔

"جاٹوں کے خیال میں لفظ جات یاتیہ سے بگڑ کر بنا ہے۔ یعنی مورث اعلیٰ یادوں کا باپ یاتیہ تھا۔ مختلف ممالک میں دیر تک آباد رہ کر ان (جاٹوں) کی مختلف زبانوں کے محاورات میں پڑ کر یاتیہ لفظ یاٹ، یٹی، یوٹی، جاٹ، جٹی، جیٹی، وغیرہ میں تبدیل ہوتا رہا۔"

مزید لکھا گیا کہ:

"مہاراجہ یاتیہ جو کوہ ہمالیہ کے دامن گنگوتری پہاڑ کے دامن میں راجہ ہنس

کی رانی سے چندر بنسی کے مورث اعلیٰ یدھ کی چوتھی پشت میں پیدا ہوا اور مشہور عالم ہو کر یادو، پورو، یاتیہ تین فرقوں کا مورث اعلیٰ کہلایا۔ پورو کی اولاد کے علاوہ اس کے باقی تین بیٹے ارداس، ہیو، اور انو وغیرہ کی نسل جاٹ کے نام سے جانی گئی۔ بعد ازاں یادوں اور پوروں کے بعض فرقے بھی جاٹ مشہور ہوئے۔"

یہاں مصنف نے آریوں کے قبیلوں کو بھی یاتیہ سے جوڑ دیا ہے اور ایک ان مل نظریہ پیش کیا ہے۔ اور کوئی تاریخی حوالہ نہ دیا ہے۔ تاریخی حقائق کے برعکس آریا اس اقتباس کے مطابق مقامی لوگ ہیں۔ اس طرح ان مصنفین نے اور بھی نظریات اپنی کتب میں پیش کئے ہیں۔ طوالت کے پیش نظر ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

تاریخ ارض پاکستان (وسطی عہد) کے مصنف، مشہور مورخ یحیی امجد۔ نے جات نام کی وجہ تسمیہ لکھی ہے۔ جو کہ معقول معلوم ہوتی ہے۔ اور دل کو بھی بھاتی ہے۔ وہ صفحہ 77 پر لکھتے ہیں کہ:

"مساگا وسطی ایشیاء کا ایک قدیم قبیلہ ہے۔ جس کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔ عموماً ان کا نام جمع کی شکل میں مساگاٹی Massagatae لکھا گیا ہے۔ ہیروڈوٹس نے ان کا وطن دریائے اراک یا آرس Araxes جدید Aras یا Arks کے کنارے کو قرار دیا ہے جو کہ آذربائیجان میں واقع ہے۔ اس کے خیال کے مطابق یہ لوگ سیتھین Seythian کی شاخ ہیں۔ جنگجو لوگ تھے۔ ہیروڈوٹس کی کتاب The History کے صفحات 122 تا 128 کے مطابق جارج کا خیال ہے کہ شاکا لوگوں کا ایک گروہ گاٹ یا جاٹ کہلاتا تھا۔ بعد میں یہ رانسن گروہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جس میں سے ایک کو مساگاٹ (بڑا گاٹ) اور دوسرے کو تھیسا گاٹ (چھوٹا گاٹ) کہا جانے لگا۔ ان میں سے ساگا لوگوں کا کچھ گروہ برصغیر

میں بھی صوبہ سرحد کے راستے آیا۔ یہاں آ کر مسا گاٹ سے الگ ہو گیا اور
گاٹ جاٹ سے مختلف پراکرتوں میں جاٹریک اور جاٹ کے الفاظ بنے۔
لیکن بعد میں صرف جاٹ اور پنجابی جٹ کے الفاظ باقی رہے۔ ان لوگوں
کا جو حصہ یورپ چلا گیا وہ گاتھ Gath کہلایا۔''

مقدس کتاب اوسا کے قدیم ترین حصے کا نام گاتھا ہے۔ جسے یورپی زبانوں میں
گاتھا Gatha لکھتے ہیں۔ اس پر بھی ابتدائی گاٹا قبیلے کا اثر نظر آتا ہے۔ جو
مسا گاٹ یا تھیسا گاٹ کی تقسیم سے قبل تھا لفظ گیتا کا تعلق گاتھ یا گاتھا بتایا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو
اس کا تعلق بھی قدیم گاٹ قبیلے سے جا ملتا ہے۔ (صفحہ نمبر 56 کے مطابق مسا گا سائرس اعظم کے
ہند پر حملہ کے وقت 529 ق م برصغیر آباد تھے۔ سائرس اعظم کو مسا گا کی ملکہ توراس سے شکست
ہوئی تھی اور مارا گیا تھا۔ لیکن میکتھیز اور ایرین نے لکھا ہے کہ سائرس نے ہند پر حملہ نہیں کیا تھا۔ لیکن
حقیقت یہ ہے کہ اس نے وادی سندھ کی سلطنت پر جس کا بادشاہ پکوساتی تھا۔ جو ماضی میں اس کا
مددگار تھا۔ دو طرف سے حملہ کیا۔ جس میں اس کی جان گئی۔

جنگ آزادی 1857ء کے بعد انگریز حکومت نے تمام اضلاع کے گزیٹرز عالم فاضل
انگیریز افسروں سے تیار کروائے۔ عموماً گزیٹرز میں جاٹ کو کسان کا مترادف قرار دیا ہے۔ اس
سلسلہ میں ملتان گزیٹر مرتبہ کے صفحہ 92 پر درج ہے ''وسطی پنجاب میں جٹ کی اصطلاح ایک نسل
کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن اس کا آزادانہ استعمال ان تمام لوگوں کے لئے کیا جاتا ہے۔
جن کا پیشہ زمینداری یا مال مویشی پالنا ہے۔ یہ اصطلاح کاشتکار کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔
گویا یہ لفظ لوگوں کے مخصوص طبقہ یا گروہ کے لئے استعمال نہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں
Menial اور نچلی ذات کے وہ لوگ بھی شامل ہیں۔ جو کاشتکاری کرتے ہیں اور وہ بھی جو اپنی
ابتداء راجپوت بتاتے ہیں۔''

برصغیر میں جٹ اکثریت میں ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ وہ شخص جو کاشتکاری اور
زمینداری اور مویشی پالتا تھا۔ اس میں شمار کیا گیا۔ برصغیر میں کاشت کرنے والے لوگ سب سے

زیادہ رہے ہیں۔

جاٹوں کی اپنی روایات اپنے ماخذ کے بارے میں:

جاٹوں کے اپنی نسل کے ماخذ کے مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ کچھ زیادہ اہم جٹ
قبائل کی اپنے ماخذ کے حوالے سے روایات کا خلاصہ دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سبھی
جگہوں پر یہ روایات آپس میں مطابقت نہیں رکھتیں اور بالعموم ایک ہی قبیلہ دو مختلف جگہوں پر متضاد
کہانیاں سناتا ہے۔ لنگا، افغان ماخذ کا دعوی کرتے ہیں۔ تہیم اور للہہ عرب ماخذ گولیا اور لنگڑیال
برہمن نسل کے دعویدار ہیں۔ بھلر، ہیر، مان اور سپرا، بھنگو، وڑائچ اور نول خود کو جٹ نسل سے
بتاتے ہیں۔

بل، چھندر، ہنجرا، ماہل اور سومرہ کا ماخذ راجپوت ہے۔ دیگر جٹ قبائل راجپوت
اجدادیت کا دعوی کرتے ہیں۔ چنانچہ اولکھ، وینس، جنجوعہ، بھٹہ، چاہل، دیو، دھوتر، لنگ، لودیکا،
نیوں، ساہی، سندھو، اور تارڑ، سورج بنسی، ڈھلوں، گھمن، گورایہ اور کاہلوں چندر بنسی ماخذ کا دعوی
کرتے ہیں اور متعدد صورتوں میں جٹ قبیلہ راجپوت قبیلے کے ساتھ تعلق کی نشان دہی بھی کر سکتا
ہے۔ مثلاً دھاریوال، رندھاوا، سرا، سدھو، بھٹی راجپوت نسل، اہلاوت، باجوہ، چٹھہ، چیمہ،
ڈاہیا، مرل اور سوہل، چوہان راجپوت، کھرل، سیال اور سرا، پنوار راجپوت، گل رگھوبنسی راجپوت،
ڈھنکر، راٹھ، راٹھی اور سہراوت، تنوار راجپوت، دلال، دسیوال راٹھور ماخذ بتاتے ہیں۔ اس طرح
گجرات میں مسلمان جٹ قبائل بہت متنوع دعوے کرتے ہیں۔

بھدر، ملانا، مرار، نروان، خود کو مغل برلاس، بہلم، چغتا، بھکرا، مندر خود کو چوغطہ،
ہیر بھی، اعوانوں اور کھوکھروں کی طرح قطب شاہ کی اولاد کے دعویدار ہیں۔ جام خود کو قریشی نسل
کہتے ہیں۔ خود کو کھوکھر راجپوت بتانے والوں میں جالی، جپہ، نپوار راجپوت، اجداد کا دعوی کرنے
والوں میں جکھڑ اور سیال شامل ہیں۔ جنجوعہ جٹ، چوہان جٹ، دھول، سوہیال، کلیال، گورایہ،
لنگڑیال، مرل، مانگٹ خود کو سوم بنسی راجپوت کہتے ہیں۔ بھٹی راجپوت، ماخذ کے دعوے داروں
میں بھٹی، دھاڑیوال، تورا، رندھاوا، سہوترا، گجرال، لدر، مہر اور مہوتا شامل ہیں۔

پنجاب کے علاوہ جٹ زیادہ تر سندھ میں رہتے ہیں۔ بیکانیر جیسلمیر، مارواڑ میں ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔ گوالیار سے اوپر کی طرف گنگا اور جمنا کی بالائی وادیوں کے ساتھ ساتھ موجود ہیں۔ خصوصی وسطی اضلاع سابقہ ریاستوں جنوبی مشرق اضلاع اور ڈیرا جات میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ (جاٹوں کی روایات ماخوذ از ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ 146)

جاٹ برصغیر میں تمام قوموں کے مقابلہ میں اکثریت میں ہیں۔ اس میں مختلف نسلیں شامل ہیں۔ اس لئے اس کی گوتیں بھی دوسری اقوام سے بہت ہی زیادہ ہیں۔ گوتیں اگلی فصل میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆

تیسری فصل

از ایم اے متین مصنف تاریخ جٹاں

پاک و ہند میں جاٹوں کے مشہور گوت

الف: ایندھر، الونے، اہراوت، اوٹھی، اوہلا، آسی، اوٹال، اونین، اولکھ، اویل، ابراء، اوڈی، الہان، اوجلان، اودوال، الاول پور، اتوال، انجرا، انٹال، الومت، اوتیرا، ارانگ، آہر، انجلن، اوجار، اٹھوال، آتل، اچربا، اندار، ایسران، اوکھال، اوہن۔

ب: بڈھ، برار سدھو، باڑ، باجوہ، بڑکھ، بدیچھے، بدیا، بھلی، بھورا، بوبک، بھون، بسراء، بھکھر، بھرتھ، بانگروال، بھٹے، بلوانے، بڑرے، بنگامر، بپڑ، باگڑ، بھنڈر، بھینٹ، بھونبا، بھگھت، بھیم، بگیال، برہماں، بودے، سلا، بٹر، باٹھ، بودیاں، بورا، بوبل، بدھوار، بوگن، بھنسلا، بسال، بسرولا، بیروال، بالا، بھاگا، بنگے، بھروانہ، بھرنگرہ، بریاہ، بھٹی، بچہ، بجارینا، باجڑ، بھینوال، بھارا، بل، بیدوان، بھلر، بلہار، بان، بھادوا، بھونوال، بلاری، بُھانبو، بسی، بھڈھاسرا، بھوپا، بانبل، بدھ وار، بھانگی، بینس، بانہ، بوسن، بھاکر، بھجر، بھنگو، بھابھے، بھیگوے، بھانے، بربر، سلانہ، بسے، بھلوار، بڑھوال، بھوجیہ، بھجا، بھگاڈ، بھیڑیا، بھوکر، بھرالا، بڑرنیا، بھیلے، بھنبھ، بالڑ، بھڈوال، باٹی، بارتھ، بنگڑیال، بلوان، بڑھ، برن، بٹوال، بورے، باگی، بھنگا، بھٹے وڈ، بھنچر، بھولا، بھڑ، برکھ، بوپال، بگوئے۔

پ: پون، پونیا، پنوار، پانن، پردئے، پھلی، پانگر، پنوں، پڈے، پھوگٹ، پہاڑو، پیرو، پھنگل، پڈیار، پوتے، پاڈریا، پڑسوتے، پھوگاٹ، پنجاں، پھلس وار، پاہل، پچھانڈرا، پرہار، پٹھر، پوتالیا، پنگال، پونڈیا، پٹواتھیا، پنجوتھہ، پاندی سر، پھلکا، پھوکا، پنوال۔

ت: تلانیا، تھیم، تسانے، تھکر، تارڑ، تتلے، تبانگو، تنوار، تیوتھیا، تارڑ، تالاتوڑ، تولہ، تھاڑ، تراگ، تاکھی، تلے، تھند، تیلے، تانک، تگڑ، ترکہ، تھنوار، تھیوان، تومر، تھابل، تلاد، تھوتھال، تنگ، تسیار، تھیوکر، تتاروال توکسی، ٹھاکران، تاہم، توڑ، تلوکر۔

ٹ: ٹھیواں، ٹھکرا، ٹھکریلے، ٹھوکر، ٹھٹھیار، ٹھاکر، ٹوڈی، ٹور، ٹومر، ٹھاکن، ٹسار، ٹھوٹھا، ٹکو، ٹاٹران۔

ج: جون، جسرا، جنجوعہ، جونا، جلوٹا، جسپال، جگلین، جونیا، جھریڑے، جادوں، جن، جاجریا، جکھڈ، جے، جوندے، جیسواڑ، جھروکے، جنوار، جڑانا، جھاجھریا، جاہر، جیہ، جوڑیل، جم، جوئیہ، جھمٹ، جھورون، جھور، جنڈے، جوڑا، جینوار، جٹھول، جیولا، جھانبو، جھوریا، جھنجھ، جاکھڑ، جڑنی، جانگل، جنج، جرا، جتوئی، جاٹر، جھندر، جین، جید۔

چ: چیمے، چٹھے، چندرانہ، چندیل، چڑھے، چلکر، چرادے، چندھڑ، چاہیان، چھینے، چارج، چاون، چھدرا، چونڈر، چکتے، چکریال، چندیلے، چانگ، چمہار، چمہور، چھکڑ، چادھراں، چڑیانے، چھیلر چھکارا، چرا، چاہل، چتر، چھجڑے، چندی، چوہنگ، چوکاہی، چھوٹالیا، چورت، چمن، چھگ، چھونگر، چنگرے، چامرالی، چاچڑ، چھوکر، چراس، چج، چھتا، چھم، چاٹر، چوہڑ، چھانگے۔

د: دہیہ، دوگل، دھان، دھمال، دوبل، دھونسر، دہلے، دھن، دھوت، دیس وال، دولتانے، دلیل، دھرا، دھناسر، دیو، دپچی، دھولے، دواس، دھاری وال، دھاران، دھل، دوہان، دھنوئی، دہیٹر، دھررا، دھرڑ، ڈرانگ، ڈنی وال، دہا، دھیمال، داجلے، دھنوئی۔

ڈ: ڈانگر، ڈگلئے، ڈباس، ڈھاکا، ڈاگل، ڈسوال، ڈھینگر، ڈھینگ، ڈھونچک، ڈانگی، ڈاہڑ، ڈھڈی، ڈھنڈوال، ڈونڈا، ڈمانے، ڈاڈے، ڈابڈھال، ڈڈھان، ڈھنکر، ڈھلوں، ڈب، ڈنگری، ڈھیر، ڈھیل، ڈگرا، ڈڈیال، ڈگرا، ڈھینڈس، ڈوسار، ڈیٹے، ڈلا، ڈوڈ۔

ر: رندھاوے، رانجھے، رداسیہ، رنی، روہلانے، روڑا، راوٹ، رانڈھی، راٹھی، ریار، روڑ، روہیلہ، روٹل، راں، رٹول، راج، راٹھی، رادھ، راجوریا۔

س: سندھو، سدھو، سترا، سپرا، ساہی، سپل، سوکھنڈے، سیال، سائیس، سنجرا، ساگروال، سکھیرا، سنسوال، سنگرال، سوکھڑیا، سیلی، سیھراؤں، سوہل، سینور، سمے، سیجوال، سین، سیم، ساگر، سرگانے، ساج، سانسی، سنگھ مار، سہوترے، سنہوال، سواگ، سیجاگ، سینگڑے، سانڈ، سہال، سہراوٹ، سرا، ساہو، سہوتس، سرگانے، سیانے، سندھیلا، سمبا، سجے کھبے، سمیڈھ، سامل، سانگ، ساہن پال، سردات، سراٹھ، سردھی، سالار، سیوراج، سنگوان، سوہڑو، سرن، ساکور، سامور، سربار، سراٹھ، سیان، سادھڑے، سروے، سادھلے، سنوار، سانگڑ، سنگھے، سوبل، سنبل، سوہنو، سندرانہ، سجاگا، سوڈھا، سورنج، سالاہو، سجرا، سپراتی، سوہو، سوبھریا، سنڈران، سانڈھڑ، ساہ ڈول، سانڈو، سانگ، سانگی، سپار، سوہن، سرکا۔

ک: کاہلواں، کالے کامنا، کانگ، کونڈو، کک، کٹاریہ، کہوں، کاکران، کسرا، کنگ، کادیاں، کلیر، کلیار، کاجلے، کھیڑے، کنہیا، کانجو، کلوریا، کلے، کھارے، کنڈھو، کاٹھیا، کھرب، کاشب، گوتری، کھتری، کھکھڑی، کنگن، کھلو، کانڈا، کڑساڑیا، قیمے، کولڑیا، قیتھ کسوان، کوٹل، کلو، کاکڑ، کاسنیا، کلو، کوالا، کملے، کھوکھر، کھچڑ، کسرا، کھر، کلہن، کلوئے، کچھولا، کندھو، کہاڑ، کریانے، کھندے، کہگ، کوروٹانہ، کاک، کاکڑوال، کھریان، کچالے، کندولا، کھٹل، کھیریا، کوالا، کھاگس، کوندے، کھٹکر، کلیر، کلے، کنیال، کنجل، کنول، کھند، کنگر، کرور، کنگروال۔

گ: گل، گولیا، گورائے، گدھر، گھمن، گجرال، گٹھوالا، گوندل، گڈانس، گڈگور، گودارا، گٹال، گروئے، گاکھل، گھٹ، گھڑوال، گھلو، گودھا گریوال، گنبدھر، گادھی، گڑیال، گرو، گوریا، گمر، گوہیل، گالان، گادر، گنجھیرا، گندھوال، گریر، گور، گھوگھس، گہلا، گھنار، گاہڑ، گیولو، گوٹ، گوبل، گر۔

ل: لدھڑ، لور، لتی، لنگاہ، لالی، لنگڑیال، لیورا، لودھرٹے، لیسے، لکھن، لون، للے، لک، لاسبا، لار، لودھرے، لوہان، لوہر، لولے، لوپرال۔

م: مان، مہار، مارتھ، ماہر، مٹرل، مہیس، مرالی، مندھلانہ، مانگٹ، موکل، منڈاہر، مشوریا، مہانس، مرڑ، مونڈھے، متیانے، ماہل، مولے، ماتے، مرنگر، مانگٹ، موتھہ، منڈبے، مہیال،

ماڑے، مہرا، ملہی، مہیس وال، منڈی والا، مہورا، مہیا، ماکڑ، مہلے، مال، مریاک، موری، موہڑ، مسلان، مراتھ، منحکے، منہاس، منگلا، ماڑل، ماڑ، ملک، مکی وال، ماہی، مانگا، مواں، متو، میتلا، میٹا۔

ن: ناگرے، نون، نت، نارو، نگیال، نول، نین، نانگے، نلوہ، نوبار، نیچ، نائیک۔

و: وڑانچ، ورک، وارن، وریا، وینس، وٹ دھن، وراس، وٹو، وراہ، ورہلے، ویلم، وجار، وردکے، ذہنی وال۔

ہ: ہنجرا، ہیر، ہوگرہ، ہری، ہریال، ہانس، ہندل، ہنگیلا، ہونڈھا، ہالہ، ہرے۔

ی: یوہل

آزاد کشمیر کے جاٹوں کے مشہور گوت:

ہنجرال، مکیال، نکیال، کنیال، رینال، کحیال، لیگیاں، چندوال، متیال، سہاگ، گورے، لنگڑیال، نلّے، ہنجری، لنگاہ، بھٹی، گوندل، مٹریال، سیال، برنال، آہیر، منج، ہرل، ہتیار، ہیال، ہونجن، اجرا، وڑانچ، ورک، بھریار، بانٹھ، بنگیال، بوڑ، بھورچہ، بہالو، بسرائے، بہلڑ، بھدر، بوسال، بالہ، بھاگٹ، بہلم، بڑوئے، پتو، پھچرہ، پونی، تتلے، بھکریل، تنور، توڑ، جم، جسپال، جرال، جنجوعہ، چوغط، چھتر، چدھڑ، دھاڑیوال، دھارڑ، دوہدرا، دھول، دھمال، دھوتھڑ، ڈھنڈیہ، ڈب، سوہے، سیاں، سپرائے، کلوال، کوتھڑ، سن، کھیڑو، کنگ، کھیر، کواڑ، کتوار، کھب، گدگور، گھوک، گجرال، گوچھ، لدر، لک، مہے، ملہے، منڈ، متو، مہوٹہ، ملانہ، متی، منڈیر، مٹریال، مرڑ، میکن، مائر، مل، نت، نجرہ، ویسی، وینس، بینش، ہجوال، پھڈیال۔

☆☆☆

چوتھی فصل

راجپوت

برصغیر پاک وہند میں راجپوت قوم بھی بہت بڑی تعداد میں موجود ہے۔ وادی سندھ میں رائے خاندان کے ظہور یعنی 500ء سے لیکر 1200ء تک کا دور راجپوتوں کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

اسی زمانے میں راجپوت پہلی بار تاریخ کے صفحات پر ظاہر ہوئے اور ان کا سیاسی اقتدار بام عروج پر پہنچ کر اسی زمانے کے اندر ختم ہو جاتا ہے۔ راجپوتوں کی ابتدا کے متعلق مشہور نظریہ یہ ہے کہ وہ اگنی کنڈ ہیں جس کا ذکر تمام تاریخی کتب میں ملتا ہے جو زبان زد عام ہے۔ چند بردائی نے اپنی کتاب پرتھوی راج راسو میں لکھا ہے کہ تین عظیم رشیوں دشوامتر۔ گوتم اور اگستی نے دوسرے کئی رشیوں کے ساتھ مل کر آربد پہاڑی (موجود کوہ آبو) پر ایک اگنی کل (آگ کا گڑھا) بنایا اور اس سبب عظیم قربانی کی رسم شروع کی۔ لیکن دہتوں (شیاطین) نے اس کی مخالفت کی اور اسے ختم کر کرنے کے لئے ناپاک کوشش کی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے گوشت۔ ہڈیاں۔ خون اور پیشاب قربانی کی جگہ پر گرایا۔ ان شیاطین کا مقابلہ کرنے کے لئے رشی وسشٹھ نے قربانی کے گڑے سے تین بہادر جنگجو پیدا کئے۔ پری ہار۔ چالوکیہ۔ اور پرمار، لیکن یہ تین بھی شیاطین کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ رشی وسشٹھ نے ایک اور گڑھا قربانی کے لئے کھودا اور اس میں چڑھاوا چڑھایا۔ اس کے گرتے ہی اس آگنی کل میں سے چار بازؤوں والا ایک بلند قامت انسان نکلا جس کا چہرہ سرخ تھا اور دیوتاؤں کی شکل کا تھا۔ اس کے چاروں ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ وہ بڑے بانکپن سے آگ سے نکلا۔ اردگرد کھڑے بیراگیوں نے اسے چوہہ دان

(چوہان) کہہ کر پکارا۔ اس نے آشاپوری کے دیوتا کی مدد سے اکثر شیاطین کو قتل کر دیا۔ اور جو بچ گئے انہیں پاتال میں بھیج دیا۔ تمام راجپوت انہیں اگنی گنڈ چار راجپوتوں کی اولاد ہیں''۔ (پاکستان کی تاریخ ((وسطی عہد)) مولفہ یحییٰ امجد صفحہ 397)۔

یہ کہانی سرسری طور پر دیکھنے سے دیومالائی اور مافوق الفطرت معلوم ہوتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں تو لوگ ایسی کہانیوں پر یقین کر سکتے تھے لیکن اس روشنی کے زمانے میں انسان اس کا تمسخر اڑائے بغیر نہ رہ سکتا ہے۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں بدھ مت اپنے عروج پر تھا۔ ہندومت کا نام تقریباً ختم ہو رہا تھا۔ برصغیر میں اقتدار وسط ایشیاء سے آنے والے قبائل ہن وغیرہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ لوگ اپنی مذہبی رسومات پر کاربند تھے اور اس کام کے لئے ان کے اپنے مذہبی پروہت تھے۔ کٹر برہمنوں کے لئے ایسی صورت حال میں گزر اوقات مشکل ہو رہی تھی۔ ان کے روایتی حقوق سلب ہو گئے تھے۔ ان کو پہلا سا اقتدار حاصل نہ تھا۔ ان حالات میں مذہبی جماعت (برہمنوں) نے اپنے مفاد کے لئے ضروری سمجھا کہ بادشاہوں کے نذرانوں اور خیرات میں سے اپنا حصہ وصول کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے راجستھان میں کوہ آلو پر ایک قربانی کا اہتمام کیا اور بہت سے نوواردا اور مقامی لوگوں کو اس آگ سے پاک کیا۔ ان لوگوں کو راج پتر (بادشاہوں کی اولاد) کا نام دیا۔ اس طرح ایک نیا راجپوتوں کا طبقہ معرض وجود میں آیا۔ اس نئے طبقہ کو بدھ مت کے خلاف خوب بھڑکایا اور اس نئے طبقہ نے نئے مذہبی جوش سے بدھ مت کا نام ونشان مٹا دیا۔

اکثر راجپوتوں کا دعوٰی ہے کہ وہ سورج بنسی اور چندر بنسی راجپوت ہیں یعنی سورج اور چاند کی اولاد۔ جن کا خیال ہے کہ وہ سورج کی اولاد ہیں۔ وہ اپنی پیدائش کا قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں، برہما (جہاں کو پیدا کرنے والا) نے بریچہ (دیوتا) کو پیدا کیا۔ بریچہ سے کشپ دیوتا پیدا ہوا۔ اس سے سورج نے نقش پیدائش لیا۔ یعنی سورج نے طلوع کیا۔ سورج سے ہوسوتھ من اور ہوسوتھ من کی ناک سے بذریعہ چھینک اکھ باک پیدا ہوا۔ اکھ باک کی اولاد سے تین بادشاہ دنیا کے حکمران ہوئے ہیں۔ جن کی سلطنت ہفت اقالیم تھی۔ اول راجہ سگر، دوئم راجہ کٹورنگ، سوئم راجہ

رکھ بحوالہ آئین اکبری جلد سوئم از ابوالفضل صفحہ 44،43۔

چندر بنسی خود کو چاند کی اولاد سمجھتے ہیں اور اپنا سلسلہ نسب یوں بیان کرتے ہیں کہ برہما سے اترا اور اترا کی داہنی آنکھ سے چاند نکلا۔ چاند سے عطارد پیدا ہوا۔ عطارد سے توالد و تناسل شروع ہوا۔ اس خاندان سے اول راجہ جدھشٹر دوئم سنانک ہفت اقالیم کے بادشاہ ہوئے ہیں۔ قارئین خود ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ایسی کہانیوں میں ذرا برابر بھی تاریخی صداقت تلاش نہیں کی جا سکتی۔ سراسر پر از تخیل ہے اور مبالغہ اور جھوٹ سے بھری ہوئی کہانیاں ہیں۔ ان کے خالق زیادہ تر راجپوت جاگیرداروں کے درباری دانشور تھے۔ جو خوشامد کے طور پر ان کی خاندانی عظمت کی کہانیاں تخلیق کرتے رہتے تھے۔ دراصل یہ دانشور کم اور خوشامدی گویے زیادہ تھے۔ جو جھوٹی واریں بناتے اور گاتے تھے اور جھوٹے شجرہ نسب تخلیق کرتے رہتے تھے۔ یہ جھوٹ فروشی کا کاروبار کرنے والے خوشامدی ادیب تھے۔ جن کی کوئی چھوٹا گھٹیا ذہن کا جاگیردار ہی سرپرستی کر سکتا تھا۔

حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ راجپوت ایک نسل نہ ہے۔ بلکہ ایک گروہ ہے جو مختلف قبائل سے معرض وجود میں آیا۔ اس سلسلہ میں مختلف نظریات پیش ہیں۔

ا)۔ مسٹر کے ایم پانیکار ایم۔ اے اپنی کتاب تاریخ ہند قدیم میں لکھتے ہیں۔ آٹھویں اور نویں صدی میں راجپوت قوم کا ستارہ چمکا۔ راجپوتوں کا نسب اور ان کی قومیت تاریخ ہند کا لاینحل مسئلہ ہے اور ان کی اصل ابھی تک سربستہ راز بنی ہوئی ہے۔ غالباً زیادہ تر راجپوت قوم مغول تھی یعنی تاتاری فاتحین کی نسل سے۔ قوم کش بھی مرور ایام سے ہندو مذہب اور ہندو تہذیب اختیار کر کے آریہ درت کے فرزندوں میں داخل ہو چکی تھی۔ بعد میں آنے والے تاتاری قبائل بھی جنہوں نے دولت گپتا کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا اور علاقہ پنجاب میں زبردست حکومت قائم کر لی یعنی آریہ مذہب اختیار کر چکے تھے۔ قیاس غالب یہی ہے کہ یہ تاتاری قبائل آریا مذہب میں داخل ہو کر راجپوتوں کے نام سے مشہور ہو گئے۔ راجپوت روایات کے مطابق یہ قوم اگنی کولا یعنی آگ سے پیدا ہوئی ہے۔ پرمر، پنوار، چوہان، سولنگی چار مشہور خاندانوں کا سلسلہ نسب آگ پر جا کر ختم ہوتا

ہے۔ شاید اس طرح آگ سے پاک ہونا مراد ہے۔ پاک کرنے کی رسم راجپوتوں کو ہندومت میں داخل کرتے وقت ادا کی گئی تھی۔ ان ذاتوں کے علاوہ کچھ ایسی ذاتیں بھی راجپوت قوم میں شامل ہوگئی ہیں۔ جو نسلاً ہندوستان کے قدیم باشندوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس دور کی عام طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر یہ ذاتیں ذی اثر اور ذی اقتدار ہوگئیں۔ سیاسی اقتدار نے انہیں راجپوت بنا دیا۔ چنڈیل، گڑھ دیرا اور راہتور (راٹھور) اسی شاخ سے ہیں۔

۲)۔ لالہ لجپت رائے اپنی کتاب تاریخ ہند حصہ اول میں لکھتے ہیں۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ موجودہ ہندو سوسائٹی کی ورن استھان میں بہت سے ایسے آدمی شامل ہیں۔ جو خالص آریہ نسل سے ہیں۔ اور جن کو ہندوؤں نے اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی سوسائٹی کا معزز رکن مان لیا۔ اسی طریقہ سے انہوں نے بہت سی ایسی قوموں کو بھی ہندو سوسائٹی میں داخل کر لیا جو اس ملک کے ابتدائی باشندوں گونڈ۔ بھیل وغیرہ سے ہیں۔ یہ طریقہ قدیم زمانے سے جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ ہندو سماج میں کئی جاتیاں روز بروز بنتی رہتی ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بعض کو اونچا ورن دیا جاتا ہے اور بعض کو نیچا ورن دیا جاتا ہے۔ یہ امر بھی تاریخی طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ شاکا اور یوچی جو سن عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں اس ملک میں آئے اور ہندو سوسائٹی میں داخل ہوگئے۔ جس طرح بیسیوں خاندان برہمنوں کے اصل آریہ سے نہیں ہیں۔ بلکہ مخلوط ہیں۔ اس طرح موجودہ راجپوت بھی ہو سکتے ہیں۔"

۳)۔ اکبر شاہ خان کی کتاب آئینہ حقیقت سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"جب ہندوستان میں بدھوں کی حکومت اور سلطنت کمزور ہو کر رہ گئی۔ تو برہمنوں نے بدھوں کی حکومت کے ضعف اور اختلال سے فائدہ اٹھانے اور منوجی عہد کے برہمن اقتدار کو پھر واپس لانے کی کوشش کی۔ اس کوشش

کی کامیابی کا انحصار چونکہ بہت سی جنگی طاقت پر منحصر تھا۔ منوجی کی تقسیم کے مطابق چھتری (کشتری) لوگ طاقت کے وارث تھے۔ برہمن چھتری، ویش اور شودر کی تقسیم بالکل آبادی اور مذہب کی تقسیم کے مطابق تھی۔ چھتروں کی نسل کو چونکہ پرس رام تخم سوخت کر چکا تھا۔ لہذا برہمنوں نے بدھوں کے مذہب اور حکومت کو مٹانے کیلئے ایک نئی قوم تیار کر کے اس سے وہ کام لیا۔ جو چھتریوں سے لیا جاتا ہے۔ یہ نئی قوم مغلوں اور تاتاریوں کے جنگجو قبائل اور غیر آریوں یعنی شودروں کے ذی حوصلہ اور بہادر لوگوں کو اپنا ہمدرد اور ہوا خواہ بنا کر تیار کی گئی تھی۔ ان کو راجپوتوں کا خطاب دیا گیا۔ یہ مغل، تاتار اور غیر آریہ یقیناً وہ لوگ تھے۔ جو ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کا پیشہ رکھتے تھے۔"

۴)۔ چوہدری عبدالحمید اور مرزا سعید اپنی کتاب تاریخ ہند حصہ اول صفحہ نمبر 118,117 پر لکھتے ہیں۔

"کہ 600ء سے لے کر 1200ء تک کے زمانہ کو راجپوتوں کا زمانہ کہتے ہیں۔ اس سوال کو حل کرنا کہ راجپوت کون تھے۔ کچھ آسان کام نہیں۔ راجپوت کے معنی راجوں کے بیٹے۔ اس میں شک نہیں کہ شروع میں کشتری لوگ راجاؤں اور سرداروں کے خاندانوں سے ہوتے تھے اور اب بھی ہر راجپوت کو کشتری ہونے کا دعویٰ ہے۔ اصل راجپوتوں کی چند قومیں جو دہلی، قنوج اور وسط ہند میں سلطنت کرتی تھیں۔ وہ کشتری نسل سے تھیں۔ مگر بہت سے راجپوت ان حملہ آوروں کی اولاد سے ہیں۔ جو راجپوتانہ، مالوے اور گجرات میں آ کر بسے۔ ان میں سے بہت سے تو مارے گئے مگر بہت سے بچ بھی گئے اور جلد ہی آرین قوموں میں مل گئے۔ اور بعد میں راجپوت کہلانے لگے۔ یہ ہندو مذہب کے پیرو کار بن گئے اور

برہمنوں کو پرانا مذہب دوبارہ پھیلانے میں خوب مدد دی۔

۵)۔ ابوالفضل اکبر اعظم کے نورتنو میں سے ایک تھا جو اپنے علم کی بنا پر رتبہ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اپنی کتاب آئین اکبری صفحہ 44,43 پر یوں گویا ہے۔

"کھتریوں کی ذاتیں یوں تو پانچسو سے زیادہ ہیں مگر ان میں سے باون مشہور وممتاز ہیں اور پھر باون سے بارہ ذاتیں اعلیٰ درجے کی ہیں۔ جو رتبہ میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اس زمانہ میں (یعنی اکبر کے عہد میں) اصل کھتری نایاب ہیں۔ کیونکہ ان میں سے اکثر نے پیسہ سپاہ گری چھوڑ کر دوسرے پیشے اختیار کر لئے ہیں اور باوجود اس کے لوگ ان کو اب بھی کھتری کہتے ہیں اور بعض دوسرے فرقوں نے اپنے اصل پیشے چھوڑ کر تلوار اٹھالی ہے اور فوج میں ملازم ہیں۔ ان کو عرف عام میں راجپوت کہتے ہیں۔"

گویا کوئی ہندوستانی جو مغلوں کی فوج میں شامل ہوا راجپوت کہلایا۔

۶)۔ پرانے وقتوں میں خدمات کے بدلہ میں یا رقم کے عوض بعض قبیلوں کو راجپوتوں میں شامل کر لیا جاتا تھا اور کئی دفعہ نیچی ذات کا کوئی فرد خودمختار حکمرانی تک پہنچ جاتا تھا تو وہ زبردستی مراثیوں سے شجرہ نسب تیار کروا کر سورج بنسی اور چندر بنسی بن بیٹھتا تھا۔

۷)۔ تمدن ہند کے مصنف ڈاکٹر گستاؤلی بان نے جس نے برصغیر کی تمام ذاتوں کے متعلق بہت سے معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اس کے اردو ترجمہ کے صفحہ 133 پر لکھتے ہیں۔

"اگر پنجاب کی حالت پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جاٹ، گجر اور سکھ تو تورانی قوم ہیں۔ یہاں کے باشندوں میں تین چوتھائی ہیں اور ایک چوتھائی حصہ آریہ ہیں۔ جن کا رنگ انہیں صاف بتاتا ہے۔ اس سے نیچے اتر کر ہمیں راجپوت ملتے ہیں۔ جو آریہ میں شریک ہیں لیکن خالص آریہ سے نہ ہیں۔"

۸)۔ گوجر ذات کی تواریخ جو گجر مصنفین نے زمانہ حال میں لکھی ہیں۔ ان کے مطابق راجپوت گجر حکمرانوں کی اولاد ہونے کی بنا کر راجپوت کہلاتے ہیں۔"

۹)۔ بقول ابٹسن راجپوت کا کسی حکمران بادشاہ کی نسل سے ہونا ضروری نہ ہے۔ لیکن قبیلہ کے کسی رکن کا سیاسی قوت یا خودمختاری حاصل کرنا بھی اس کے ہم قبیلہ افراد کو راجپوت لقب اپنانے کا حقدار بنا دیتا ہے۔ ابٹسن اس یقین کے حامل نظر آتے ہیں کہ قدیم ونسبتاً حالیہ ادوار میں کسی ذات کے قبیلے نے ایک وسیع خطے پر حاکمیت قائم کر لی تو اسے راجپوت کہا جانے لگا۔ اس کے خیال میں کچھ راجپوت کہلانے والے خاندان مقامی باشندے ہیں۔ جیسے چندیل (چنڈال قبیلہ سے) ملاحظہ ہو ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا عنوان راجپوت)

۱۰)۔ تاریخ ارض پاکستان (وسطی عہد) کے مصنف یحییٰ امجد نے راجپوت قبیلہ کی ابتداء کے متعلق صفحہ 394 پر جامع تبصرہ فرمایا ہے۔

"راجپوتوں نے پختہ زور وشور سے اپنے آپ کو کشتری منوانے کی کوشش کی ہے اور ضرورت سے زیادہ اس دعویٰ پر اصرار کیا ہے۔ حالانکہ راجپوتوں کا ماخذ بے حد مبہم رہا ہے اور مورخین کوئی حتمی کہانی بتانے سے قاصر رہے ہیں۔ تاہم اتنا طے ہے کہ راجپوت وادی سندھ میں چھٹی صدی عیسوی میں ظاہر ہوئے۔ اس سے پہلے ان کا تذکرہ کبھی سننے میں نہیں آیا۔ یہ بھی طے ہے کہ راجپوت ایک نسل یا ایک خاندان سے تعلق نہ رکھتے ہیں۔ دراصل لفظ راجپوت نسل، شجرہ نسب یا جدی سلسلے کا نام ہے ہی نہیں۔ راجپوت کا مطلب اس دور کے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے وادی سندھ اور بھارت میں جگہ جگہ اپنی جاگیرداریاں قائم کر لیں۔ ان کو ایک رشتے میں پرونے والا یا ایک مشترکہ شناخت دینے والا عنصر ان کا ایک ہونا یا خونی رشتہ میں منسلک ہونا نہ تھا بلکہ ان کا سماجی طبقہ تھا۔ پھر ان کا مخصوص کردار تھا جو کہ دراصل ان کا نسلی نہیں بلکہ طبقاتی کردار تھا۔ جو تاریخی قوتوں کے دباؤ کے نتیجے میں

وجود میں آیا تھا۔ ان کا یہ مخصوص کردار بہادری، جنگجوئی، قول وقرار پر مرمٹنا،
عورتوں کی عصمت کی حفاظت، انا پرستی، تنگ نظری اور اپنے تشخص کو مٹا کر
بڑے وجود کا حصہ نہ بننے سے اڑے رہنے سے عبارت ہے۔ البتہ اس دور
میں ایسا ہوا کہ راجپوتوں نے سختی سے آپس میں اپنے اوپر شادی بیاہ کی
پابندی عائد کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنے والی نسلیں ذرا ڈھیلے ڈھالے
معنوں پر ایک نسل پروری کی شکل ضرور اختیار کر گئیں۔

راجپوت بلند قامت اور سڈول جسم کے ہوتے ہیں۔ ان کا رنگ صاف مگر ماندہ اور
اکثریت کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ ان کی آنکھیں خوبصورت سیاہ یا بھورے رنگ کی ہوتی
ہیں۔ داڑھی گھنی۔ کئی مورخین کی رائے سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ راجپوت ہن، یوچی اور ساکا اقوام
کے ادغام سے معرض وجود میں آئی ہیں۔ مصنف کے خیال میں یہ تاثر زیادہ صحیح نہ ہے۔ اگر ایسا
ہوتا تو ان کے چہرے چوڑے، آنکھیں ترچھی اور داڑھی مختصر ہوتی، ان کی جلد کا رنگ بالکل
گورا ہوتا۔ اصل بات یہ ہے کہ ان اقوام کے بالائی اقلیتی طبقہ کا ملاپ ہندوستانی اقوام میں اور
آریہ سے کثریت میں ہوا۔ انکے چہرے ہندوستانیوں خاص طور پر آریوں سے ملتے ہیں۔ دور
حاضر کے نامور مورخ ڈاکٹر مبارک علی کے مطابق راجپوتوں کی اکثریت کی ابتداء ہندوستان کے
قدیم باشندوں بھیل، گونڈ سے ہے۔ جو اتفاق سے یا قسمت کی دیوی کی مہربانی سے مقتدر ہو
گئے۔ Punjab Castes کی رپورٹ میں ابٹسن نے قرار دیا ہے کہ راجپوتوں کی اکثریت
کا ماخذ مقامی قدیم ترین اقوام اور خاندانوں سے ہے۔ (Punjab Castes کا باب چہارم
ملاحظہ ہو)۔

راجپوت قوم نے 500ء تا 1200ء تک کے عرصہ میں برصغیر کو تقسیم کر کے اپنے
راجواڑے قائم کر لئے تھے۔ جس وقت مسلمان اس ملک میں آئے تو انہوں نے شمالی ہندوستان
میں ہر جگہ راجپوتوں کا راج پایا۔ ان کی حکومت لاہور، دہلی، قنوج، اجودھیا وغیرہ میں تھی۔ غرض
ان کا راج سندھ وستلج سے لے کر آگرہ تک اور جنوب میں کوہ بندھیاچل تک تھا۔ جب مسلمانوں

نے ان کو شکست دی تو یہ راجپوتانہ کے ملک میں آ بسے، جو دشوار گزار بھی تھا اور جس کی حفاظت بھی
آسان تھی۔ راجپوتانہ میں ان کی سو ریاستیں تھیں۔ سولھویں صدی عیسوی تک راجپوت راجے
مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اکبر مغل بادشاہ نے راجپوت راجاؤں کو حکومت مغلیہ کا جزو بنایا۔
ان سے رشتہ داریاں کر لیں۔ راجپوت ریاستیں نیم آزاد تھیں۔

راجپوتوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان کا خروج وعروج اس زمانہ میں ہوا جب تاریخ لکھنے کا
عام رواج تھا۔ اس لئے راجپوت خاندانوں اور حکمرانوں کے تذکرے ہندوستانی تواریخ میں عام
مل جاتے ہیں۔ لہذا ان کے متعلق مزید لکھنے کی ضرورت نہ ہے۔ ان کی گوتیں اگلے باب/فصل
میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆

پانچویں فصل

ماخوذ از ''راجپوت'' ایم۔اے رشید رانا

راجپوتوں کی گوتیں

اگنی کل راجپوت

برہمنوں کو اپنا مددگار بنانے کے لئے کسی بناوٹ کی ضرورت پڑی۔ پس چالاک برہمنوں نے بڑی چالاکی سے اگنی کل راجپوتوں کی پیدائش کی کہانی گھڑی جس کی تفصیل یوں ہے کہ جورشی لوگ آبو پہاڑ پر رہتے تھے۔انہوں نے خدا سے دعا مانگی کہ کچھ آدمی ایسے ہوں جو ملک کو راکھشوں اور بے دینوں سے پاک کرسکیں۔ان بے دینوں سے مراد یہی بدھ مذہب والے تھے۔غرض رشیوں کی دعا قبول ہوئی تو ان کی ہدایت کے مطابق ایک بڑا اگنی کنڈ تیار کرایا جس کو گنگا جل سے صاف کرایا اور اس میں آگ جلائی گئی، جس سے اس اگنی کنڈ میں سے چار بڑے بہادر شجاع آدمی نکلے جن کے نام یہ ہیں۔

نمبر ۱ پرمار یا پنوار یا پوار یا پنواڑ۔نمبر ۲ پرہار۔نمبر ۳ چوہان۔نمبر ۴ سولنگی یا چالوک وغیرہ۔

کیونکہ یہ چاروں آدمی اگنی کنڈ سے نکلے اگنی کنڈ سے اگنی کل ہوگیا۔اس کہانی کی رو سے ان چاروں کی اولاد سے نکلی ہوئی شاخیں اگنی کل کہلاتی ہیں۔یہ یاد رہے کہ برہمن اپنے مذہب میں ایسا تھا جیسے آج کل مسلمان ذاتوں میں سید یا بہت ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ عالم و فاضل، ولی اللہ، اس طرح برہمن مذہب والے تمام ذاتوں سے افضل پائے جاتے تھے۔یعنی آریوں میں چونکہ یہ اگنی کنڈ برہمنوں نے تیار کرایا اور انہوں نے دعا مانگی دعا ہی کی وجہ سے یہ چاورں شجاع آدمی نکلے۔ لہذا یہ چاروں آدمی بہت جانے مانے تھے اور بہت مشہور تھے۔

ان ہی اگنی کل راجپوتوں کی چار شاخیں ہوئیں۔ چاروں آدمیوں کے ناموں پر اس

کہانی کو سب سے پہلے چاند کول نے اپنی کتاب پرتھی راج راسو میں لکھا ہے۔اس کے بعد دوسروں نے اس کو نقل کیا۔غرض ان چار خاندانوں نے بدھ مذہب والوں کو مار کر پھر سے از سر نو برہمنی مذہب کو رواج دیا۔ان چاروں شاخوں کی شاخیں بھی اگنی راجپوت کہلاتی ہیں۔

نمبر ۱ پرمار راجپوت یا پنوار راجپوت یا پوار راجپوت یا پنواڑ راجپوت:۔

قدیم فہرستوں میں ان کی شاخیں ۸۴ ہیں۔جن میں مشہور و معروف درج ذیل ہیں۔ یہ شاخیں پوار راجپوتوں میں سے ہیں۔نمبر ۱ سومرو راجپوت یا سومرا راجپوت۔نمبر ۲ پیار راجپوت۔ نمبر ۳ میکن راجپوت۔نمبر ۴ کھہڑا راجپوت۔نمبر ۵ سیال راجپوت۔نمبر ۶ کھرل راجپوت۔نمبر ۷ کلیر راجپوت۔

نمبر ۲ اگنی کل سولنگی راجپُوتوں یا چلوک راجپوتوں کی شاخیں:۔

اگنی کل سولنگی راجپوتوں یا چالوک راجپوتوں کی ۱۹ شاخیں ہیں۔جن میں سے مشہور درج ذیل ہیں: نمبر ۱ توگرہ راجپوت۔نمبر ۲ بھوانہ راجپوت۔نمبر ۳ راوت راجپوت۔نمبر ۴ سولنگی راجپوت۔

نمبر ۳ اگنی کل پرہار راجپوتوں کی شاخیں:۔

اگنی کل پرہار راجپوتوں کی شاخیں ۱۲ ہیں۔جن میں سے مشہور درج ذیل ہیں:۔

نمبر ۱ پرھار راجپوت۔نمبر ۲ دودھ راجپوت یا دودا راجپوت یا دودائی راجپوت یا دودیانی راجپوت۔نمبر ۳ بڑگوجر راجپوت۔نمبر ۴ بروہی راجپوت۔نمبر ۵ مہر راجپوت۔

نمبر ۴ اگنی کل چوہان راجپوتان کی شاخیں:۔

اگنی کل چوہان راجپوتوں کی شاخیں تریسٹھ ہیں۔جن میں سے مشہور درج ذیل ہیں۔ نمبر ۱ چوہان راجپوت۔نمبر ۲ کھچی راجپوت۔نمبر ۳ گوندل راجپوت۔نمبر ۴ ڈوگر راجپوت۔نمبر ۵ ڈوگرا راجپوت۔نمبر ۶ مٹرل راجپوت۔نمبر ۷ چیمہ راجپوت۔نمبر ۸ چٹھہ راجپوت۔

سورج بنسی یا چندر بنسی یا نانگ بنسی یا اسر بنسی راجپوتوں کی کل شاخیں ۲۹۹ ہیں۔ یہ تمام ذاتیں

درج کی جاتی ہیں۔ جو ذاتیں آج کل پاک و ہند یعنی پاکستان اور ہندوستان میں اور مقبوضہ کشمیر میں پائی جاتی ہیں۔

نمبر(۱) اعوان راجپوت۔ نمبر(۲) سلار راجپوت۔ نمبر(۳) سوم بنسی راجپوت۔ نمبر(۴) اسر بنسی راجپوت۔ نمبر(۵) پلوار راجپوت۔ نمبر(۶) کھوکھر راجپوت۔ نمبر(۷) گکھڑ راجپوت۔ نمبر(۸) جھمٹ راجپوت۔ نمبر(۹) دھمیال راجپوت۔ نمبر(۱۰) خوجہ راجپوت۔ نمبر(۱۱) جسپال راجپوت۔ نمبر(۱۲) کمبوہ راجپوت۔ نمبر(۱۳) ڈار راجپوت۔ نمبر(۱۴) ٹھکر راجپوت۔ نمبر(۱۵) پال راجپوت۔ نمبر(۱۶) ٹھاکر راجپوت۔ نمبر(۱۷) ڈوگرہ راجپوت۔ نمبر(۱۸) پوار راجپوت۔ نمبر(۱۹) ڈھونڈارا راجپوت۔ نمبر(۲۰) بندیال راجپوت۔ نمبر(۲۱) ورک راجپوت۔ نمبر(۲۲) پکھڑوال راجپوت۔ نمبر(۲۳) سندھو راجپوت۔ نمبر(۲۴) وڑائچ راجپوت۔ نمبر(۲۵) گل راجپوت۔ نمبر(۲۶) نین راجپوت۔ نمبر(۲۷) سپرار راجپوت۔ نمبر(۲۸) باجوہ راجپوت۔ نمبر(۲۹) سکھیرا راجپوت۔ نمبر(۳۰) کھرل راجپوت۔ نمبر(۳۱) تارڑ راجپوت۔ نمبر(۳۲) گوندل راجپوت۔ نمبر(۳۳) میکن راجپوت۔ نمبر(۳۴) سیال راجپوت۔ نمبر(۳۵) ٹوانہ راجپوت۔ نمبر(۳۶) گوجر راجپوت۔ نمبر(۳۷) بڑگوجر راجپوت۔ نمبر(۳۸) وٹو راجپوت۔ نمبر(۳۹) کیانی راجپوت۔ نمبر(۴۰) مرہٹہ راجپوت۔ نمبر(۴۱) راٹھور راجپوت۔ نمبر(۴۲) جونیجو راجپوت۔ نمبر(۴۳) نظامی راجپوت۔ نمبر(۴۴) لنگڑیال راجپوت۔ نمبر(۴۵) جتہ راجپوت۔ نمبر(۴۶) جونیجو راجپوت۔ نمبر(۴۷) سلہریہ راجپوت۔ نمبر(۴۸) کوشک راجپوت۔ نمبر(۴۹) منڈیال راجپوت۔ نمبر(۵۰) مولا راجپوت۔ نمبر(۵۱) سدھانی راجپوت۔ نمبر(۵۲) ڈومال راجپوت۔ نمبر(۵۳) منگرال راجپوت۔ نمبر(۵۴) جرال راجپوت۔ نمبر(۵۵) جپ راجپوت۔ نمبر(۵۶) کلوترا راجپوت۔ نمبر(۵۷) تھکیال راجپوت۔ نمبر(۵۸) سوہلن راجپوت۔ نمبر(۵۹) راے راجپوت۔ نمبر(۶۰) بالا راجپوت۔ نمبر(۶۱) پنوٹ راجپوت۔ نمبر(۶۲) چنڈیل راجپوت۔ نمبر(۶۳) داہیہ راجپوت۔ نمبر(۶۴) کھلوریہ راجپوت۔ نمبر(۶۵) اہاڑیہ راجپوت۔ نمبر(۶۶) مانگیا راجپوت۔ نمبر(۶۷) چندراوت

راجپوت۔ نمبر(۶۸) راناوت راجپوت۔ نمبر(۶۹) سکناوت راجپوت۔ نمبر(۷۰) سبنگر راجپوت۔ نمبر(۷۱) بسین راجپوت۔ نمبر(۷۲) چھونکر راجپوت۔ نمبر(۷۳) گوروارا راجپوت یا گورہارا راجپوت یا گورایہ راجپوت یا۔ نمبر(۷۴) اندولبیہ راجپوت۔ نمبر(۷۵) باچھل راجپوت۔ نمبر(۷۶) مہور راجپوت۔ نمبر(۷۷) ہن راجپوت۔ نمبر(۷۸) ڈوڈے راجپوت۔ نمبر(۷۹) گھروال راجپوت۔ نمبر(۸۰) باگڑھوال راجپوت۔ نمبر(۸۱) بندھیل راجپوت یا بندبلہ راجپوت یا دھندیرہ ارا راجپوت۔ نمبر(۸۲) بینس راجپوت۔ نمبر(۸۳) دینس راجپوت۔ نمبر(۸۴) تکوک چندی راجپوت۔ نمبر(۸۵) گرگ راجپوت۔ نمبر(۸۶) بودار بنس راجپوت۔ نمبر(۸۷) تاؤنی راجپوت۔ نمبر(۸۸) اطرس راجپوت۔ نمبر(۸۹) دابی راجپوت یا ڈانھی راجپوت۔ نمبر(۹۰) راجپالی راجپوت۔ نمبر(۹۱) چیرارا راجپوت۔ نمبر(۹۲) کرالا راجپوت۔ نمبر(۹۳) چاورارا راجپوت یا چورارا راجپوت۔ نمبر(۹۴) شونکلا راجپوت۔ نمبر(۹۵) کرائی راجپوت۔ نمبر(۹۶) سانگلہ یا سنگلہ راجپوت۔ نمبر(۹۷) برھیلہ راجپوت یا بھریلہ راجپوت۔ نمبر(۹۸) کائیل یا کٹیل راجپوت۔ نمبر(۹۹) طاہر راجپوت۔ نمبر(۱۰۰) گوڑا راجپوت۔ نمبر(۱۰۱) گودھڑا راجپوت۔ نمبر(۱۰۲) سل ہارا راجپوت۔ نمبر(۱۰۳) ٹور راجپوت۔ نمبر(۱۰۴) دوسینہ راجپوت۔ نمبر(۱۰۵) بودارا راجپوت۔ نمبر(۱۰۶) ایٹھارا راجپوت۔ نمبر(۱۰۷) بھرگونشی راجپوت۔ نمبر(۱۰۸) بنوونشی راجپوت۔ نمبر(۱۰۹) چاہڑک راجپوت۔ نمبر(۱۱۰) رتھ راجپوت۔ نمبر(۱۱۱) ملکانہ راجپوت۔ نمبر(۱۱۲) تکشک راجپوت یا تاتک راجپوتک یا ناگ ونشی راجپوت۔ نمبر(۱۱۳) بھچر راجپوت۔ نمبر(۱۱۴) جالب راجپوت۔ نمبر(۱۱۵) گھیال راجپوت۔ نمبر(۱۱۶) ہنگیال راجپوت۔ نمبر(۱۱۷) کسنیال راجپوت۔ نمبر(۱۱۸) راوت راجپوت۔ نمبر(۱۱۹) راٹھی راجپوت۔ نمبر(۱۲۰) کنیت راجپوت۔ نمبر(۱۲۱) گیرتھ راجپوت۔ نمبر(۱۲۲) داتھی راجپوت۔ نمبر(۱۲۳) چانگ راجپوت۔ نمبر(۱۲۴) لڈو راجپوت۔ نمبر(۱۲۵) کلچی راجپوت۔ نمبر(۱۲۶) دھاریوال راجپوت۔ نمبر(۱۲۷) کنڈے راجپوت۔ نمبر(۱۲۸) کنڈیارے راجپوت۔ نمبر(۱۲۹) ڈھلوان راجپوت۔ نمبر(۱۳۰) تمول راجپوت۔ نمبر(۱۳۱) اندوترے راجپوت۔ نمبر(۱۳۲)

روتیلا راجپوت۔ نمبر(۱۳۳) چندر عانیہ راجپوت۔ نمبر(۱۳۴) جٹروٹیہ راجپوت۔ نمبر(۱۳۵) جسٹھواہ راجپوت۔ نمبر(۱۳۶) کمری راجپوت۔ نمبر(۱۳۷) اوتیار راجپوت یا اوستیال راجپوت۔ نمبر(۱۳۸) جنوار راجپوت۔ نمبر(۱۳۹) کرچلی راجپوت۔ نمبر(۱۴۰) کھیرووال راجپوت۔ نمبر(۱۴۱) مہیروڑ راجپوت۔ نمبر(۱۴۲) بندل گواتی راجپوت۔ نمبر(۱۴۳) کولبھ راجپوت یا کٹہر راجپوت۔ نمبر(۱۴۴) ترکڑ راجپوت۔ نمبر(۱۴۵) ماگرے راجپوت۔ نمبر(۱۴۶) تانتڑ راجپوت۔ نمبر(۱۴۷) رینہ راجپوت۔ نمبر(۱۴۸) گار راجپوت۔ نمبر(۱۴۹) شاہ میری راجپوت۔ نمبر(۱۵۰) چولن پال راجپوت۔ نمبر(۱۵۱) جج راجپوت۔ نمبر(۱۵۲) روپ لعل راجپوت۔ نمبر(۱۵۳) پہرے راجپوت۔ نمبر(۱۵۴) ڈھاکرے راجپوت۔ نمبر(۱۵۵) سوگندھا راجپوت۔ نمبر(۱۵۶) کہوٹ راجپوت۔ نمبر(۱۵۷) کسر راجپوت۔ نمبر(۱۵۸) ستی راجپوت۔ نمبر(۱۵۹) کٹوال راجپوت۔ نمبر(۱۶۰) دھنیال راجپوت۔ نمبر(۱۶۱) سدھن راجپوت۔ نمبر(۱۶۲) سدھم راجپوت۔ نمبر(۱۶۳) زور راجپوت۔ نمبر(۱۶۴) کلر راجپوت۔ نمبر(۱۶۵) کورو راجپوت یا کہرو راجپوت یا کوراہہ راجپوت۔ نمبر(۱۶۶) گورجانی راجپوت یا گرجانی راجپوت۔ نمبر(۱۶۷) بڑ راجپوت۔ نمبر(۱۶۸) اودی راجپوت۔ نمبر(۱۶۹) پنوں راجپوت۔ نمبر(۱۷۰) ماہل راجپوت۔ نمبر(۱۷۱) بال راجپوت۔ نمبر(۱۷۲) اٹھوال راجپوت۔ نمبر(۱۷۳) سدھو راجپوت۔ نمبر(۱۷۴) کاہلوں راجپوت۔ نمبر(۱۷۵) اولکھ راجپوت۔ نمبر(۱۷۶) مہل راجپوت۔ نمبر(۱۷۷) سڑار راجپوت۔ نمبر(۱۷۸) منگٹ راجپوت۔ نمبر(۱۷۹) ڈھنڈ راجپوت۔ نمبر(۱۸۰) پٹار راجپوت۔ نمبر(۱۸۱) کھٹوال راجپوت۔ نمبر(۱۸۲) ڈاگر راجپوت۔ نمبر(۱۸۳) جاکھڑ راجپوت۔ نمبر(۱۸۴) سنگرال راجپوت۔ نمبر(۱۸۵) سہراوت راجپوت۔ نمبر(۱۸۶) دیہہ راجپوت۔ نمبر(۱۸۷) گولیا راجپوت۔ نمبر(۱۸۸) بنوال راجپوت۔ نمبر(۱۸۹) چینہ راجپوت۔ نمبر(۱۹۰) نول راجپوت۔ نمبر(۱۹۱) باچا راجپوت۔ نمبر(۱۹۲) نائیک راجپوت۔ نمبر(۱۹۳) بخشی راجپوت۔ نمبر(۱۹۴) باگری راجپوت۔ نمبر(۱۹۵) مندھار راجپوت۔ نمبر(۱۹۶) راٹھی راجپوت۔ نمبر(۱۹۷) کالرو راجپوت۔

نمبر(۱۹۸) سرانی راجپوت۔ نمبر(۱۹۹) سرانی راجپوت۔ نمبر(۲۰۰) ڈاہا راجپوت۔ نمبر(۲۰۱) مجھ راجپوت۔ نمبر(۲۰۲) گھیبے راجپوت۔ نمبر(۲۰۳) چانگ راجپوت۔ نمبر(۲۰۴) جیوہر راجپوت۔ نمبر(۲۰۵) اہیر راجپوت۔ نمبر(۲۰۶) منیال راجپوت۔ نمبر(۲۰۷) کشان راجپوت۔ نمبر(۲۰۸) سراہ راجپوت۔ نمبر(۲۰۹) سکر راجپوت۔ نمبر(۲۱۰) چک راجپوت۔ نمبر(۲۱۱) نانک راجپوت۔ نمبر(۲۱۲) ٹانک راجپوت۔ نمبر(۲۱۳) ہرا راجپوت۔ نمبر(۲۱۴) چندیلہ راجپوت۔ نمبر(۲۱۵) بندیلہ راجپوت۔ نمبر(۲۱۶) گوری راجپوت۔ نمبر(۲۱۷) مہان راجپوت۔ نمبر(۲۱۸) کھٹانہ راجپوت۔ نمبر(۲۱۹) نکواہ راجپوت۔ نمبر(۲۲۰) کلہان راجپوت۔ نمبر(۲۲۱) ناگری راجپوت۔ نمبر(۲۲۲) کش راجپوت۔ نمبر(۲۲۳) بھرتے راجپوت۔ نمبر(۲۲۴) لوراجپوت۔ نمبر(۲۲۵) رگھوونشی راجپوت۔ نمبر(۲۲۶) کشواہیہ راجپوت۔ نمبر(۲۲۷) پکھوہر راجپوت۔ نمبر(۲۲۸) نون راجپوت۔ نمبر(۲۲۹) لوہر راجپوت۔ نمبر(۲۳۰) سنجر راجپوت۔ نمبر(۲۳۱) کول راجپوت۔ نمبر(۲۳۲) ملکھانہ راجپوت۔ نمبر(۲۳۳) بھڈانہ راجپوت۔ نمبر(۲۳۴) کول راجپوت۔ نمبر(۲۳۵) سودا راجپوت یا سوڈا راجپوت۔ نمبر(۲۳۶) چچی راجپوت۔ نمبر(۲۳۷) سرہوئے راجپوت۔ نمبر(۲۳۸) اوسوال راجپوٹ۔ نمبر(۲۳۹) پوسوال راجپوٹ۔ نمبر(۲۴۰) لدھر راجپوت۔ نمبر(۲۴۱) سوار راجپوت یا سوری راجپوت۔ نمبر(۲۴۲) میناں راجپوت یا مینے راجپوت نمبر(۲۴۳) ونہور راجپوت یا بیٹو راجپوت۔ نمبر(۲۴۴) باگھوڑیا راجپوت یا لنڈاوت راجپوت یا لنڈا راجپوت۔ نمبر(۲۴۵) رتاوت راجپوت۔ نمبر(۲۴۶) سروہیا راجپوت۔ نمبر(۲۴۷) بودیاں راجپوت۔ نمبر(۲۴۸) جدیاں راجپوت۔ نمبر(۲۴۹) گوہل راجپوت۔ نمبر(۲۵۰) بھملہ راجپوت۔ نمبر(۲۵۱) سگویا راجپوت۔ نمبر(۲۵۲) کٹاریہ راجپوت۔ نمبر(۲۵۳) جنگالی راجپوت۔ نمبر(۲۵۴) چیولی راجپوت۔ نمبر(۲۵۵) بلاوت راجپوت۔ نمبر(۲۵۶) بگھوت راجپوت۔ نمبر(۲۵۷) کہگر راجپوت۔ نمبر(۲۵۸) سکھورا راجپوت۔ نمبر(۲۵۹) بلیانہ راجپوت۔ نمبر(۲۶۰) لکھورا راجپوت۔ نمبر(۲۶۱) نہرواری راجپوت۔ نمبر(۲۶۲) کیہ راجپوت۔ نمبر(۲۶۳) پکھوایا

راجپوت۔ نمبر(۲۶۴) ڈھنگل راجپوت۔ نمبر(۲۶۵) ہینکل راجپوت۔ نمبر(۲۶۶) جدل راجپوت۔ نمبر(۲۶۷) چھرکلوٹ راجپوت۔ نمبر(۲۶۸) ڈیمروٹ راجپوت۔ نمبر(۲۶۹) دولوت راجپوت۔ نمبر(۲۷۰) جمالہہ راجپوت۔ نمبر(۲۷۱) میوال راجپوت۔ نمبر(۲۷۲) پاہٹ راجپوت۔ بھونسلیہ راجپوت۔ نمبر(۲۷۳) جتلاوت راجپوت۔ نمبر(۲۷۴) چاند لوٹ راجپوت۔ نمبر(۲۷۵) کنوالیا راجپوت۔ نمبر(۲۷۶) بنکاوت راجپوت۔ نمبر(۲۷۷) گھوری راجپوت یا گھوری پٹھان راجپوت۔ نمبر(۲۷۸) میو راجپوت۔ نمبر(۲۷۹) گلہوٹ راجپوت۔ نمبر(۲۸۰) بھیلہ راجپوت۔ نمبر(۲۸۱) گورمل راجپوت۔ نمبر(۲۸۲) گور راجپوت۔ نمبر(۲۸۳) چوکر راجپوت۔ نمبر(۲۸۴) پونگلوت راجپوت۔ نمبر(۲۸۵) ییسر راجپوت۔ نمبر(۲۸۶) ننگلوت راجپوت۔ نمبر(۲۸۷) بھنڈارن راجپوت۔ نمبر(۲۸۸) باوٗراوت راجپوت۔ نمبر(۲۸۹) راوت راجپوت۔ نمبر(۲۹۰) راوٗل راجپوت۔ نمبر(۲۹۱) مانگا راجپوت۔ نمبر(۲۹۲) مانیکا راجپوت۔ نمبر(۲۹۳) بٹ راجپوت یا بھٹ راجپوت۔ نمبر(۲۹۴) پال راجپوت۔ نمبر(۲۹۵) بمبہ راجپوت۔ نمبر(۲۹۶) مالہے راجپوت۔

☆☆☆

چھٹی فصل

گوجر یا گجر

گجر اور جاٹ کا ذکر اکثر اکٹھا آتا ہے۔ جیسے ذاتوں کے انسائیکلوپیڈیا صفحہ 369 کے مطابق گوجر تنومند اور جسمانی اعتبار سے جٹ جیسے ہی ہیں۔ ان کا سماجی رتبہ جٹوں والا ہے۔ یا شاید تھوڑا سا کمتر۔ لیکن یہ دونوں کسی تعصب کے بغیر اکٹھے کھاتے پیتے ہیں۔ محاورا ہے کہ جٹ، گوجر، اہیر اور گولا یہ چاروں جگری دوست ہیں۔ یہ محاورا جاٹوں کی تاریخوں کے مصنفین نے بڑے فخر سے پیش کیا ہے۔ یہ محاورہ شاہان گجر مولفہ ابو برکات مولوی محمد عبدالمالک کے صفحہ 495 پر مرقوم ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"گجر ایک طاقتور خوش وضع جوان ہوتا ہے۔ جو جاٹ سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اس کی جسمانی بناوٹ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خویشاوندی اور برادری کے لحاظ سے جاٹ کی مانند ہے۔ وہ عام طور پر ایک دوسرے کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ ایک مثل ہے کہ جٹ، گوجر، اہیر اور گولا یہ چاروں ایک ہی ہیں۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ گوجر اور جاٹ اقوام (ذاتوں) کی نسلیات کے اجزائے ترکیبی ایک ہی ہیں۔ اکثر مورخین نے بہت زبردست تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ جاٹ سومیری (تورانی) قوم سے ہیں۔ جو 4000ء قبل مسیح میں وارد برصغیر ہوئے تھے۔ جن کا مقامی آبادی داراوڑ میں ادغام ہوا تھا۔ جیسے کہ پہلے جاٹ کے ضمن میں تحریر ہو چکا ہے۔ ان کی جلد اکثر سیاہی مائل ہوتی ہے۔ کچھ صاف رنگ کے بھی ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں آریہ، یوچی، ساکا اور سفید ہن اقوام کا ادغام ہوا تھا۔ یہی بات گوجروں پر بھی صادق آتی ہے۔ ان کی جلد کا رنگ بھی اکثر سیاہ یا سیاہی مائل ہوتا ہے اور کچھ صاف رنگ کے

اقوام کے ادغام کی وجہ سے ہے۔
ہوتے ہیں۔ جو مذکورہ مصنفین نے کتابیں لکھی ہیں۔ شاہان گجر کے
گوجروں کے متعلق کافی تعداد میں گوجر
گوجروں کو ساکا، یوچی اور سفید ہن کی اولاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو
مولف نے
بالترتیب ایک صدی قبل مسیح پہلی صدی عیسوی اور پانچویں یا چھٹی صدی میں برصغیر پر حملہ آور
ہوئے تھے اور انہوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں پر اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ مصنفین کا
زیادہ زور اس بات پر ہے کہ گوجر سفید ہنوں کی اولاد ہیں۔ لیکن گوجر قوم کی شکل وشباہت کو دیکھتے
ہوئے یہ بات صحیح معلوم نہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ گوجر جاٹوں سے مشابہ
ہیں۔ ان کی جلد کا رنگ سیاہی مائل ہے۔ بلکہ بعض تو سیاہ فام رنگ کے ہوتے ہیں۔ اگر گوجر
خالص یوچی اور سفید ہن کی اولاد ہوتے تو پھر لازمی تھا کہ تمام گوجر گورے یا کسی حد تک زرد رنگ
کے ہوتے۔ ان کی آنکھیں ترچھی ہوتیں۔ ان کی داڑھیوں کی تھوڑیوں پر چند بال ہوتے۔ زیادہ
سے زیادہ ان کی داڑھیاں چھدری ہوتیں۔ تاریخ جٹاں میں ہے کہ یوچی اور سفید ہن خوبصورت
سفید رنگ تھے۔ ان میں منگولین خدوخال پائے جاتے تھے۔ کیونکہ منگولوں کے ہمسایہ میں رہتے
تھے اور منگول عورتوں سے شادیاں کرتے تھے۔ منگولیں خدوخال کتاب کے شروع میں درج کئے
گئے ہیں۔ سب سے نمایاں بات ان کا زرد رنگ ہے اور کوتاہ قامت ہونا ہے اور ان کی تھوڑی پر
تھوڑے بال ہوتے ہیں۔ جن کے متعلق شاہان گجر کے مولف صفحہ 468 پر لکھتے ہیں۔

"ہن کی خوبصورتی اور بدصورتی کا ثبوت ماروڑ کی ایک ضرب المثل سے
ہوتا ہے کہ وہ ایسا خوبصورت ہے کہ جیسا کہ ہن اور گجرات میں کسی شخص کی
تحقیر واہانت کے موقع پر کہتے ہیں۔ کہ وہ ایسا زرد ہے کوتاہ قامت ہے جیسے
ہن اور اس کی داڑھی۔"

اس سے ثابت ہوا کہ ہن زرد رنگ تھے۔ کوتاہ قامت تھے اور کوتاہ داڑھی کے مالک
تھے۔ یہ خدوخال گوجروں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گوجر یوچی اور
سفید ہن کی خالص اولاد نہ ہیں۔

تاریخ گوجراں کے مولف حافظ عبدالحق سیالکوٹی نے مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔

۱۔ گجر کا لفظ گرزگاہ سے مشتق ہے۔ صفحہ 20

۲۔ قوم سری رام چندر، کرشن، مہاراج اور مہر آنند کی اولاد نہ ہے۔ بلکہ حضرت ابراہیم، حضرت عیض اور سکندر اعظم کی اولاد ہے۔ صفحہ 23 ان کو بعد میں سورج بنسی اور چندر بنسی سے ملایا گیا ہے۔

۳۔ گاؤچر صفحہ نمبر 32

۴۔ صاحب گرز اور آسودہ حال، صاحب گرزاں سے گجر اور صاحب گزاراں سے گرجا بنا۔

۵۔ یونان میں گرائیہ قوم آباد تھی۔ رومیوں کا اس نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ تمام اقوام یونان کو گورائیہ تصور کیا گیا۔ اس سے گریگ ہوا۔ اس قوم نے ایشیاء پر قبضہ کیا۔ گریگ کا لفظ گاجار، یا گرجی بنا اور ہندوستان میں گجر بنا۔

٦۔ لفظ گرگ سے مشتق ہے۔ یعنی گجر گرگ (بھیڑیا) نسل سے ہیں۔

۷۔ ہر فرد گرزا اپنے پاس رکھتا تھا اور دشمن کا مقابلہ کیا جاتا اس لئے گوجر کہلائے۔

مولف تاریخ گوجراں اپنا نظریہ پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کہ حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت عیض روم یونان چلے گئے تھے۔
یونان کا بادشاہ سکندر اعظم حضرت عیض کی اولاد سے تھا اور گجر سکندر اعظم
کے بیٹے شہزادہ اسکندروس گرجی کی اولاد سے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ گجر کے
مورث اعلیٰ شہزادہ اسکندروس نے ملک قفقار (موجودہ چیچنیا اور اس سے
ملحقہ علاقہ) فتح کیا۔ تو اس کے باپ (سکندر) کو اس فتح کی بڑی خوشی
ہوئی اور ایران پر انعام واکرام کی بارش کی۔ ایرانی آریہ ہونے کی وجہ سے
گائے سے محبت رکھتے تھے۔ ایرانی لوگوں نے اسکندروس کے لئے ایک
سنہری گرز جس کا سر گائے کے سر سے مشابہ تھا۔ سکندر اعظم کے حضور

بطور نذرانہ پیش کیا اور عرض کیا کہ گرز اور خطاب گرز گاؤ سر جو ایرانیوں میں سب سے بڑا تصور کیا جاتا ہے۔ ایران کے لوگوں کی جانب سے پیش خدمت ہے۔ شہزادہ اسکندروس کو عطا کریں۔ سکندر اعظم نے اپنی رعایا کی خواہش پوری کرنے کے لئے یہ گرز اور خطاب اپنے بیٹے کو عطا کر دیئے۔ اس دن سے شہزادہ کا لقب گرز گاؤ سر یا شہزادہ گرجی ہو گیا۔ گرز گاؤ سر کا خطاب شہزادے نے بطور وراثت اپنی اولاد کے لئے چھوڑا۔ جس کے بعد اس کی اولاد یعنی گجر نے اپنے مورث اعلیٰ کے لقب اور ہتھیار کی یادگار قائم رکھنے کے لئے اپنے پاس گرز رکھنا اختیار کیا۔ اس لئے وہ گرجی کہلائے ہندوستان میں گرجی سے گجر بنا۔ صفحہ 43۔"

وہ مزید آگے لکھتے ہیں۔

"گوجروں کا مورث اعلیٰ یونان میں پیدا ہوا اور وسط ایشیاء میں جا کر اپنے باپ کے ساتھ فتوحات کرتا رہا۔ اس کی اولاد نے وسط ایشیاء اور دیگر ملکوں پر قبضہ کر کے اپنی حکومتیں قائم کیں۔ پھر وسط ایشیاء سے یونان جا کر گوجروں کا مورث اعلیٰ فوت ہوا۔ صفحہ 61۔"

مزید لکھتے ہیں کہ

"اسکندروس شہزادہ روشنک (ملکہ سکندر اعظم) کا حقیقی بیٹا نہ تھا۔ بلکہ سکندر اعظم کی یونانی بیوی کے بطن سے تھا۔ جو سکندر کی زندگی میں اس کے بادشاہ ہونے سے قبل ملک یونان میں پیدا ہوا تھا۔"

مولف نے بہت خوبصورت کہانی تصنیف کی ہے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے نظریہ کے ثبوت کے لئے کوئی تاریخی حوالہ نہ دیا ہے۔ کسی کتاب میں آج تک شہزادہ اسکندروس گرجی خلف الرشید سکندر اعظم کا نام نہ آیا ہے۔ کسی تاریخ میں نہ ہے کہ اسکندر نے بادشاہ ہونے سے قبل کسی یونانی عورت سے شادی کی تھی۔ افسانہ کی حد تک کہانی خوبصورت ہے۔ سچائی اس میں

بالکل نہ ہے۔ سکندر اپنے باپ کی اچانک وفات پر یونان کا بادشاہ بنا تھا۔ اس وقت اس کی عمر بیس سال تھی اور اس کی شادی نہ ہوئی تھی۔ فتح ایران کے بعد ایرانی فوج کے یونانی کمانڈر میمنان کی بیوہ برسین، ایرانی عورت کی شادی سکندر سے ہوئی۔ جس سے اولاد نہ ہوئی تھی۔ ملاحظہ ہو سکندر اعظم صفحہ 154 از ہیرالڈ ولیم کا اردو ترجمہ از یاسر جواد۔

سکندر اعظم کی ہندوستانی بیوی روشنک سے ایک لڑکا تھا۔ جس کی عمر سکندر کی وفات کے وقت بارہ سال تھی۔ اس کو قتل کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو صفحہ 334 سکندر اعظم۔ سکندر کی یورپ، ایشیاء میں پھیلی ہوئی وسیع سلطنت اس کے جرنیلوں، سلوکس، پٹولمی وغیرہ نے آپس میں بانٹ لی۔ اگر اسکندروس گرجی جیسا اس کا بہادر بیٹا اس کی وفات کے بعد ہوتا تو وہ وارث سلطنت ہوتا جرنیل سکندر اعظم کی وسیع سلطنت کی بندر بانٹ نہ کر سکتے۔ کہانی محض افسانہ ہے جس میں رتی بھر سچائی نہ ہے۔ مصنف نے ہندوستان کی تاریخ کے آغاز سے لے کر گیارھویں صدی تک ہندوستان کے حکمران اور حکمران خاندانوں کو گجر قرار دیا ہے۔ جو کہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔

کتاب تاریخ گورجر موجود ہے جو رانا علی حسن چوہان گجر نے لکھی ہے۔ جس کے صفحہ نمبر 10 کے مطابق برہمنوں اور کھشتریوں کی آپس میں لڑائی ہوئی۔ برہمنوں نے شودروں کی مدد سے کھشتریوں کو شکست دے دی۔ کھشتری بہت بڑی تعداد میں مارے گئے۔ تو سری کرشن جی مہاراج اپنے قرابت داروں یادو بنسی اور اپنے رشتہ داروں سورج بنسی اور چندر بنسی لوگوں کو لے کر کاٹھیاوار گجرات چلے گئے۔ جہاں یہ لوگ گجر کے نام سے موسوم ہوئے تھے۔

مولف نے کسی تاریخ سے کوئی حوالہ نہ دیا ہے۔ اپنی طرف سے نظریہ پیش کر دیا ہے۔ کوئی وجہ نہ لکھی ہے کہ یہ تمام لوگ کیونکر اچانک گجر مشہور ہوئے۔ برصغیر کی کسی تاریخ میں ایسا درج نہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سری کرشن جی مہاراج اور سری رام چندر سے سلسلہ جوڑنے کے لئے یہ بے سروپا کہانی گھڑی گئی ہے۔ اصل کہانی جو تاریخی حوالوں سے اور خود جٹ اور گوجر مورخین کے بیان سے سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ گجر جاٹوں کے بھائی بند ہیں جو 4000 قبل مسیح میں برصغیر میں آنے والے سومیری (طورانی) لوگوں کی اولاد ہیں۔ جو دراوڑوں میں مل جل گئے تھے۔

خودرانا حسن علی چوہان گوجر مصنف تاریخ گورجر لکھتا ہے۔

"گجر ہندوستان کے قدیم ترین باشندے ہیں۔ جو کہ 3101 قبل مسیح
میں برصغیر میں آباد تھے۔"

اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی کتاب میں ایک نقشہ صفحہ نمبر 32 پر دیا ہے۔ جس میں وہ علاقے جس میں گجر آباد تھے، دکھائے گئے ہیں۔ نقشہ برصغیر میں 3101 ق م میں برصغیر میں آباد دوسرے لوگ بھی دکھاتا ہے۔

تاریخ شاہاں گجر کے مصنف نے بھی صفحہ نمبر 505 پر لکھا ہے۔

"بعض مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ گوجر جو قدیم زمانہ سے ہندوستان میں
مقیم تھے۔ بظاہر یہ مشکل ہے کہ پانچویں، چھٹی صدی عیسوی میں آ کر
جلدی سے سلطنتیں قائم کر لیتے بلکہ قرین قیاس نظریہ یہ ہے کہ قدیم
باشندوں میں سے ایک قوم طاقتور ہو گئی اور انہوں نے اپنا قدیمی نام گجر
مشہور کیا۔"

تاریخ ارض پاکستان حصہ دوئم مولفہ مولانا محمد رشید ندوی کے صفحہ نمبر 146 کے مطابق :۔

"300 قبل مسیح میں میگھتیز یونانی سیاح نے اس دور کی سوسائٹی کو سات
طبقات میں تقسیم کیا تھا۔ ان میں سے پہلا طبقہ برہمن علماء اور حکماء کا تھا۔
دوسرا زراعت پیشہ دیہاتی آبادی کا جو زراعت کاشتکاری میں ہر لحظہ
مشغول پائے گئے تھے اور جنہیں کاشت کے سوا کسی اور کاروبار حیات سے
دلچسپی نہ تھی۔ کاشتکاروں کا طبقہ پنجاب، سندھ اور سرحد کی معاشی زندگی کی
ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا اور قبائلی نظام سربراہی کے تابع تھا۔ تیسرا
طبقہ گوجروں، گڈریوں کا تھا۔ یہ لوگ جانوروں کو پرورش کرتے تھے۔"

اس اقتباس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صرف مویشی پالنے والوں کو 300 قبل مسیح میں بھی گجر ہی کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ مویشی پالن پیشے کی بناء پر گجر کہلاتے تھے۔ یہ لوگ ساکا، یوچی اور

سفید ہنوں سے کئی صدیاں پہلے یہاں موجود تھے۔ گویا ساکا، لوچی اور سفید ہنوں کی اولاد نہ ہیں۔ صرف ان میں کچھ حصہ اقوام مذکورہ کا بعد میں آ کر مدغم ہو گیا۔ جیسا کہ دوسری اقوام میں مذکورہ اقوام مدغم ہوئیں۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر اٹک نے گجروں کی ابتداء کے متعلق لفظ گاؤ چر استعمال کیا ہے۔ یعنی گائے چرانے والے۔

ملاحظہ ہو ڈسٹرکٹ گزیٹر اٹک صفحہ نمبر 110 کہ گزیٹر کے مطابق مویشی چرانے اور پالنے کا غالب رجحان اب بھی گجروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آخر میں تاریخ شاہان گجر سے ایک اقتباس:۔

"قرین قیاس نظریہ یہی ہے کہ قدیم باشندوں میں سے ایک قوم طاقتور ہو
گئی اور انہوں نے اپنا قدیمی نام گجر مشہور کیا۔"

پیش کر کے بیان ختم کیا جاتا ہے۔

گجروں کی گوتوں کے لئے ملاحظہ ہو اگلی فصل۔

☆☆☆

ساتویں فصل
ماخوذ از تاریخ شاہان گجر

گجروں کی گوتیں درج ذیل ہیں

گوجروں کی چند گوتیں بہ ترتیب حروف تہجی

الف: اوانہ، آوانہ، امرانہ، امنی، ادہانہ، اووال، اماوتا، الکاری، اتالا، امبک، اتری، اگنی کل، اسول، اندردار، ابار، المیچہ، اندوہ، افتالی، یا فتالی، یا پنہالی، ابھبر، اندانہ، اٹھوار، اٹکیہ، سوار، اسیا، اہمانہ، اکچل، اتلانہ، اہی دال، آنجنا، امولیا، انولہیڑا، انتہ، انہ، آبیٹ، انندما، ایڑی، الیریا، انٹوا، اوار، امٹ، اوددادمر، امروال، اونتا، اوگا، اوٹھا، اٹھوال اودہر۔

ب: باہروال، برہ، بجیران، بوکن یا بھوکن، برکٹ، بجاڑ، بانٹھ، بانیان، ببانیان، باگڑی، بڈھانہ، بٹار، بالا، بسویۂ یا بسویہ یا دسوبہ، بالاسیہ یا بالسی، یا بالا، یا بارسی، بیلی، بگھن، بسوال یا پسوال، بورا، بڈی، بانسلے یا بینسلے، بٹھویہ، باگھیلہ، یاداگھیلہ، یا گھیل، ہارو، بڈ گوجر، بیر گوجر، بوکڑ، بکھاڑ، بانگڑا، بربر یا بربرا، بنکر، بہاردوج، بانجا، بلوٹ یا بھلوٹ، بھالوت، بیلود، بیر پر، بیلز، برگو، بندرا۔

بھ: بھنبلہ یا پہملہ، یا بہملہ، بھٹی، یا بھاٹی، یابٹ، بھرگڑ، بھوسن، یا بوسن، بھینٹ، بھبیسر، یا پھلیسر، بھراوی، بھگروت، بہامبر، بھڈانہ، یا پھڈانہ، بھدرویہ یا بازو، بھلوٹ، بھویہ، بھنڈ، یا پھنڈ، بھلوٹ یا بلوٹ،

پ: پاندھ، پلوٹ، یا پھلوٹ، پسوال، یا بسوال، پمیسر، پوڑ، پوجے، پرمار، یا پرمر، یا پوار، یا پنوار، پرہار، یا پرہار، یا پرتہار، یا پریہر، پلوان، پٹاؤ، پریاگ، پہوچہ، بہوجہ، پنڈار، پونی، پبیا، پوربیہ، پانچہ، پورس، پامر، پرمر۔

پھ: پھڈیانہ، پھامبڑہ، پھکنا، یا پکنا، پھلڑا، یا پھولڑا۔

ت: تک یا تاک، یا تانک، یا تشک، یا تلیک، یا تاس یا طاس، تنور، یا طبور، یا تور، یا طوری، تنگار، تمر، یا تومر، تینجا، تانتیا، ترک، تیڑدیا، تیڑوا، تنتری، تیتراول۔

تھ: تھکڑ، یا دھکر۔

ٹ: ٹوپہ، ٹونگر یا ٹوگرو، ٹاٹررا، ٹنبالی، ٹرڑک، ٹونکن، ٹیٹرا، ٹوڑیوال، ٹیکیا، ٹوریا، ٹانک۔

ٹھ: ٹھلہ، ٹھکریہ، ٹھولے، ٹھینڈے، ٹھیکلہ، ٹھگ، ٹھگریا، یا ٹھکریا، ٹھاکر۔

ج: جاگل، جنگل، جویہ، جوبر، جندھر، یا جینھڈر، یا چھندر، جاولا، جاورا، جام جالا، جاریجہ، جنجوعہ، جاوری، یا چھاوری۔

جھ: جھالے، یا جالے، جھاولا۔

چ: چاپچی، چیچی، چرلے، چوہلے، یا جالے، یا چھالی، چوہان، چاڑ، چوبرا، چنیر، چترانہ، چلوگیا، چلوک، چندیلہ، چرن، چوندا، یا چوڈا، چوہدری، یا چاہدری، چاپ، چندیل، یا چندیالہ، چوہر۔

چھ: چاوڑی یا چاورہ، یا جاورہ، چھوکر، چھوٹکنا، چھپروال، چھمبر، چھالے، یا چالے، چھوڑی۔

د: دیڈر، داپہ، دیوڑا، دسا، دیدا، دودے، دوڑے، دوندا، یا دھوند، یا دھند، دیس مکھی، دیباڈراوتی، دیواڑے۔

دھ: دھونچک، دھکر، یا تھکر، دہدر، دہل، دھوند، یا دھند، دھونتا۔

ڈ: ڈوگہ، یا ڈوگھ، ڈاگڑ، ڈگس، ڈولی، ڈیڈے، یا ڈینڈی، ڈونک، ڈورے، ڈالے، ڈانگی، ڈوئی۔ چیچی

ڈھ: ڈھو، ڈھوئے، ڈھینڈا، ڈھروال۔

ر: رانگر، راٹھی، راٹھور، رلائٹے، رومت، رناسو، یا راؤناسو، روسا، ریوا، یا لیوا، راجپوت، رند، رانا، راول، رویسیہ، یا رویسنے، رواک، رانکیا۔

ز: زیہان۔

س: ساک یاسک، یاسی، سانگو، سرادنہ یا سرانده، سانولہ، سونی گر، سرارہ، سیگل یا سنگل، سپرا، سود، یا سیسود، سنگرانہ یا سگر، سلیمانیہ، سولنگی، سیھڑ یا سلہر، سنادو، سنگم، سریمال، یا شریمال، مورٹھ سمہ، سام پال یا ساہن پال، سنکورا، سنگر یچہ، سرکی، سرادیہ، سندھل، سوجہ، سدن۔

ش: شکل۔

ط: طور یا تور یا طوری، طاس یا تاس یا تک یا تانک یا تکشک۔

غ: غزغز۔

ف: فتالی یا افتالی یا پتھالی۔

ق: قاچار یا کاچار، قاذر یا کاذر۔

ک: کاب، کلموہ، کیچی، کرنانہ، کٹاری یا کٹاریہ یا کٹارو، کسانہ یا کشان یا کوشنی، کولی یا کوہل یا کول، کیسرا، کمرو، کپاسیہ، کرانہ، (راجہ کرن کی اولاد)، کالس یا کلسان یا کلسیان یا کلس یا کایوسر، کوٹری، کاہور، یا کچھیرہ، کالاچ، کیز کلامور، کیراہنہ، یا کرہانہ یا کاہاری، کیھتر یا کیجر، کلیانہ، کچھواہیہ، کوٹوال، کنبے، کدوا، کادگیہ، کاشیاپ، کوشک، کاجار، یا قاچار، کوشلیہ۔

کھ: کھرے یا کھریو، کھٹانہ، کھیپڑ، کھوبر، کھاری یا کھاروا، کھرل، کھیرا، کھرسانہ، کھاجر، کھدان، کھاپڑا، کھدوا، کھینگر، کہولر، کھدور، کھرہڈ، کھروارا۔

گ: گجگاہیہ، گورسی یا گرس یا گراسیہ یا گورس، گوری، گمٹی، گادری یا گاڈری، یا گادی، گسیٹے، گودوانہ، گووسی، گدی، گلہٹ یا گلوٹ یا گھلوٹ، گوجرال، گور یا گوڑ، گرگر، گوٹلوال، گیگی، گوریا، گرجر، گیڑ، گوہل، گوبخل، گوگلا، گالگل، گاٹیلہ، گاٹھیلہ، گراٹیہ، گروریار، گیدا، گچالیہ، گڑ، لاگروچانہ گرٹل، گڑی، گوپلیہ، گوپ، گرڑ، گولہ، گلیریہ، گوگی، گنگوہ، گھورے روپ۔

گھ: گھیلہ، واگھیلہ یا باگھیلہ، گھاکھلا، گرہوال، یا گھروال یا گھوزہال، گھن گس، گھرڑ، گھندا، گھاگھلا، گھریہ، گھاگل، گھوترا۔

ل: لودہ یا لودھی یا لادے، لہسر یا لوسر، لالی، لعبوڑ یا لمعبوڑ۔ لیاسیہ، لکھار، لانبڑے یا لیاڑی، لکھن، رائے، لوہر، لیوایا ریوا، لونداری، لاوا، لوا، لور یا لوہر، گنگاہ لکواہن، لانتے۔

م: موتن، مہنکل، ممیان، موٹے یا موٹھ سرے، موتلے، مہر منگ، میروے، منیا، مولا، مہیسی، مونن، مہلو یا میلو، ماڑو، میترک، مدریچہ، مراڑی، مادی، مدار، منریرا، منی ہار، ملیادت، مڈھار یا منڈھار، مریڑہ، منڈن، مالی یا مالائی، میر، مہر، مورسی، مکڑ، میانہ، مانگر، یا مہنگر، مارسی۔

ن: ناگڑی، نرارا، ندواسیہ، نون انکادیہ، نورے، نیپاک، نیما، نبکدے۔

و: ویٹن، وسویہ یا بسویہ، واگھیلہ یا باگھیلہ یا گھیلہ، واشستھ، ولبھی یا بلبھی، واہگری۔

ہ: ھیل یا ھیلو، ہکلہ، ہامڑا، ہن یا ہون، ہتکر، ہرکوٹ، ہرا۔

ی: یسیا، یوسرا۔

☆☆☆

آٹھویں فصل

کمبوہ

کمبوہ پنجاب کی عمدہ ترین زرعی ذاتوں میں سے ایک ہیں۔ وہ بالائی وادی ستلج میں نیچے منٹگمری تک، مشرقی میدانوں کے سارے شمالی حصہ میں اور نیچے وادی جمنا میں کرنال تک ملے۔ خاص کر کپور تھلہ میں ان کی تعداد بہت ہے۔ لگتا ہے جمنا کے کمبوہ اس وادی میں مغرب سے نقل مکانی کر کے آئے اور کچھ عرصہ پہلے تک پٹیالہ کے شمالی خطوں سے تھانیسر اور دریا کے درمیان واقع گھنے جنگلات میں بہت بڑی تعداد میں امنڈ کر آتے رہے۔ منٹگمری کے ستلجی کمبوہ دو شاخوں میں تقسیم ہیں ایک وہ جو ملتان کے علاقہ سے اوپر دریا کی طرف اور دوسرے جو کپور تھلہ کے نواح سے نیچے وادی میں آئے۔ دونوں نقل مکانیاں سکھ دور حکومت میں وقوع پذیر ہوئیں۔ کمبوہ راجہ کرن کی نسل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کا مورث اعلیٰ کشمیر کی طرف بھاگ نکلا تھا۔ بجنور کے کمبوہ بھی اپنا نسب سندھ پار کے علاقہ میں ملاتے ہیں۔ مسٹر پرسن اس روایت کو واضح طور پر درست تسلیم کرتے ہیں۔ کچھ کے مطابق وہ فارس کے قدیم باشندے ہیں اور کرنال کے کمبوہ اپنا ماخذ غزنی سے ملاتے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں 40 فیصد ہندو اور 25 فیصد سکھ ہونا کم از کم ماضی بعید میں غیر ہندوستانی ہونے کے خلاف فیصلہ کن امر ہے۔ عموماً آرائیں اور کمبوہ کو قریبی رشتہ دار خیال کیا جاتا ہے۔ دراصل منٹگمری میں مسلمان شخص آرائیں اور ہندو کمبوہ کہلاتا نظر آیا ہے۔ لیکن ہر صورت میں ایسا نہ ہونے کی حقیقت اس امر سے واضح ہو جاتی ہے کہ امرتسر، لاہور، فیروزپور، پٹیالہ اور نابھا، ملیر کوٹلہ کے کمبوؤں کے معتدبہ حصہ نے خود کو مسلمان درج کروایا۔ اگرچہ ان علاقوں میں آرائیوں کی تعداد بھی کافی ہے۔ شاید یہ بات قابل تشکیک ہے کہ دونوں میں فرض کئے

گئے تعلق کی اس حقیقت کے علاوہ بھی کوئی بنیادیں ہیں کہ دونوں مغرب سے آئے اور کافی حد تک ایک جیسی ہی سماجی حیثیت اور زراعتی شہرت کے حامل ہیں۔ کچھ نے بنیادی فرق یہ بتایا کہ کمبوہ اپنی بیٹیوں کی قیمت وصول کرتے تھے اور آرائیں نہیں کرتے۔ اکبر کے دور میں شہباز خان نامی ایک کمبوہ نے پانچ ہزار آدمیوں کی قیادت کی تھی اور بنگال میں خود کو کافی ممتاز کر لیا تھا۔ میرٹ (میرٹھ) میں کمبوہ کی تعداد غیر معمولی بتائی جاتی ہے۔ کمبوہ نام کے ماخذ کے متعلق مندرجہ ذیل بیانات ملتے ہیں۔

۱۔ ایک دفعہ سورج بنسی نسل کا طاقتور راجہ (جس کا دارالحکومت اجودھیا تھا) ویرت آباد اور یہاں کے راجہ کو شکست دے کر اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور ورنگر کی بنیاد رکھی جبکہ اس کے بیٹے نے ایک اور شہر دیجاپور قائم کیا۔ اس کے علاوہ بمنی اور گجنی شہر بھی بسائے۔ موخرالذکر اس کا دارالحکومت تھا۔ جو گوجرات کے جنوب میں جزیرہ نما پر واقع کمبے شہر کے قریب تھا۔ سولونو تیوہار کے موقع پر جب وہ مذہبی رسوم انجام دے رہا تھا۔ تو دشمن نے پروہت کے ساتھ ساز باز کر کے اس پر حملہ کر دیا۔ شہر کو لوٹا اور لوگوں کو قتل کیا گیا۔ بچ نکلنے والوں میں سے کچھ لوگ گھگر کے قریب سامانہ چلے گئے اور راستے میں جے پور سر ہند سے گزرے وہیں سے وہ جمنا اور ستلج کے سارے درمیانی علاقے میں پھیل گئے اور پھر پنجاب بھر میں پہنچے کچھ براستہ سندھ ملتان اور منٹگمری میں آ گئے۔ انہیں گجنی نزد کمبے سے آئے ہونے کے باعث کمبوہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ کمبوج کے سوریہ بنسی راجا (اور دیوتا چندر پرتھ کی اولاد) سودکشن نے پانڈدوں اور کوردوں کی لڑائی میں کوردوں کا ساتھ دیا۔ میدان جنگ میں بہت سے کمبوجی مارے گئے۔ اور بھاگ کر نابھہ میں آباد ہونے والے کمبوجی بعد میں کمبوہ کہلانے لگے۔

۳۔ کمبوہ لفظ کہ کے اور انبوہ کا مرکب بتایا جاتا ہے۔ اس بیان کے مطابق یہ قبیلہ فارس کی سلطنت سے تعلق رکھتا ہے۔ کیکاؤس، کیخزو، کیقباد لہراسب اور دارایوش کا تعلق اسی سلطنت سے تھا۔ جب وہ ہجرت کر کے پنجاب آئے تو کے اینوہ یا کمبوہ کہلانے لگے۔

پہلی کہانی کا خود کمبوؤں سے حمایت یافتہ ہونا فطری بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کمبوہ

سولونو تیوہار کو بدشگون خیال کرتے ہوئے نہیں مناتے۔ واحد قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ان کہانیوں میں کمبوج کے بادشاہ سودکشن کی جانب اشارہ ہے۔ یہ سلطنت پہاڑوں کے دامن میں تھی۔ یہاں اب تک اٹک اور راولپنڈی کی شمالی سرحد ہے۔ دریائے سندھ تا جہلم میں مہابھارت کے مطابق اس بادشاہ نے یونوں اور شکوں پر مشتمل ایک فوج کوردوں کی مدد کو بھیجی تھی لیکن کامبوج ایک قبیلے کا نام بھی معلوم ہوتا ہے۔ یہ قیاس اس روایت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ کہ کمبوہ کشمیر سے آئے اس کے علاوہ کمبوؤں اور کامبوجوں کے ایک ہی ہونے کی وجہ نہیں ملتی۔ یہ واضح نہیں کہ ان کی گوتیں برہمنوں اور چھتریوں کی گوتوں کے ساتھ کیسے مطابق رکھتی ہیں۔ کمبوؤں کی ذیلی شاخوں کی تعداد کافی ہے۔ سب سے کثیر التعداد مندرجہ ذیل ہیں۔ تھند، جوسن، جوڑا، ڈھوٹ، میروک، سندے، جموں صفحہ نمبر 312 تا 314 ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا عنوان کمبوہ۔

مسلمان کمبوہ لاہور میں ہیں۔ انہیں آرائیوں سے تمیز کرنا مشکل ہے۔

کمبوؤں کی گوتیں درج ذیل ہیں:

کمبوؤں میں دو طبقے ایک بادن گوتا اور دوسرا چوراسی گوتا ہے۔

بادن گوتا کمبوؤں کی گوتیں

اجاپال۔ ابدال۔ انگیارے۔ برڑ۔ بھون۔ پھوجرتھ۔ بان۔ پاٹھن۔ بٹے یا بٹھی۔ باگھے یا باجنے۔ پندھو۔ پٹن رائے۔ پران۔ تھند۔ تھنجو یا، دھنجو، تاندلے۔ تونہیں یا تمے۔ ترکھ۔ ٹورنے۔ جوشن۔ جپے۔ جج۔ جموں۔ جوڑے۔ جتمل۔ جکھیال۔ چاندنے۔ چندی۔ چاندنی یا چنی۔ چاک۔ چتر۔ ڈوتے۔ ڈھوٹ یا ڈھوڈی۔ رتن پال، سندھے۔ سیامے۔ سوے۔ ساون۔ سونیر۔ کرن پال۔ کوسلے۔ کھتے یا کھندے۔ کوڑھی۔ کائر۔ لوری۔ لنڈے یا نندی۔ مہردکے۔ یا بھوکنے، مولی یا مونے۔ موتی یا متی۔ ناگ پال۔ ناگری، نندن۔ ہانڈے۔

چوراسی گوتا کمبوؤں کی گوتیں

اگلادی۔ انگوتے۔ اندرے۔ بڑگوتے۔ باگیاں۔ بی۔ ہاڑے۔ بہمن۔ پستوڑاے یا پستر۔ برہم۔ باسی۔ بنجاہل۔ باربان۔ بنگار۔ پاہدے یا پدھی۔ بھوکنی۔ پڑیئے۔ تکل۔ تھیگڑے۔

توپچی۔ ٹھٹھی۔ جانگلی۔ جم مان۔ جھنڈ۔ جھام۔ چیڑوا۔ چوپھال۔ چی چارا۔ چمڑی یا چمڑے چیڑیے۔ چمنے۔ چینی۔ چھچھوٹی۔ چھن نے دوتانے۔ دےہل۔ دھابڑے۔ دھراں۔ ڈولیاں۔ ڈھتے۔ ڈھاڑے۔ ڈیوڈھے یا ڈھیوڑیئے۔ ڈھیل۔ ڈونگے۔ سرکوڑے۔ سونی۔ سلہرے۔ سندھیرے۔ سوکے۔ سوہاگی۔ سینک۔ سنپاتی۔ سارنگ۔ صندلی۔ کالرے۔ کوکڑ۔ کلس۔ کھکھر۔ گینڈے۔ گگڑے۔ گوگن۔ گانڈے۔ گاہندے۔ گوسئے۔ گورے۔ گلاڈے۔ گائلے۔ گاڈرے۔ کھسیٹے۔ لئی۔ لہنگ۔ لائے۔ لنگھیرے۔ لنڈے۔ مانڈے۔ مکوڑے۔ مل یا ملئے۔ مچھلئے۔ موم سارنگ۔ مہیس یا مہیسی۔ ملتانی۔ نیپال۔ یا نیپل یا نبر۔ نوری۔ نگمیر۔ نہریئے۔ ہرسے۔

☆☆☆

نویں فصل

اعوان

اعوان زیادہ تر کوہستان نمک میں ملتے ہیں۔ لیکن اس علاقے کے مشرق، جنوب، مغرب میں کافی تعداد ہے۔ سندھ پاربنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان میں مکمل طور پر جٹوں کے ساتھ مدغم ہوگئے ہیں۔ (ان علاقوں میں جٹ سے مراد محض کاشتکار ہے) پشاور کے اعوان ہمسایہ طبقے میں شامل ہیں۔ کوہاٹ کے اعوان کوہستان نمک کے اعوانوں جیسے ہیں۔ لیکن ضلع کے کچھ حصوں میں وہ بنگش اور نیازیوں سے جدا نظر نہیں آتے۔ وہ کبھی مغربی کوہستان کی وادی کے مالک ہوا کرتے تھے۔ لیکن دریائے سندھ سے آنے والے پٹھانوں اور جہلم سے آنے والے ٹوانوں نے انہیں پہاڑوں میں دھکیل دیا۔

ان کے ماخذ کے بارے میں مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اعوان (جو عرب ماخذ کے دعویدار ہیں) قطب شاہ کی اولاد ہیں اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے والی مسلمانی افواج کے ساتھ بطور مددگار آئے۔ کپور تھلہ میں ایک روایت انہیں علوی سادات ثابت کرتی ہے۔ جنہوں نے عباسیوں کی مخالفت کی اور بھاگ کر سندھ میں آئے۔ بالآخر وہ سبکتگین کے حلیف بنے۔ جس نے انہیں اعوان کا خطاب دیا۔ لیکن اس قبیلے کے بارے میں دستیاب بہترین بیان یہ ہے کہ اعوان یقیناً عرب ماخذ رکھتے ہیں اور قطب شاہ کی نسل سے ہیں جو کہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہرات پر حکومت کرتا تھا اور ہندوستان پر محمود غزنوی کے حملہ کے وقت اس کے ساتھ مل گیا تھا۔ برصغیر کی تواریخ ان کا نکاس آنو آریہ قبیلہ سے بتاتی ہیں۔ جنرل کننگھم انہیں راجپوت بتاتے ہیں۔ لیکن اعوان مورخین اس نظریہ کو نہ مانتے ہیں۔

ان کی گوتوں میں گوجر، جٹ، اور دیگر قبائلی شاخوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ اعوانوں کا

سرکردہ گھرانہ کالا باغ کے ملک ہیں۔ ان میں سرداری کی روایت ملتی ہے۔

پٹھان

پٹھان افغانستان اور صوبہ سرحد کے باشندے ہیں۔ برصغیر میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد پھیلی ہوئی ہے۔ اس قوم میں پختون اور افغان دو بڑے طبقے شامل ہیں۔ جن کے ماخذ مختلف ہیں۔ لیکن یہ آپس میں اب اس طرح مدغم ہوگئے ہیں کہ تمیز باقی نہ رہی ہے۔ پختون یا پٹھانوں کے متعلق اب مورخین اب بات پر متفق ہوگئے ہیں کہ وہ آریا نسل سے ہیں۔ جبکہ افغان نسل کے مورخین اپنا تعلق بنی اسرائیل سے جوڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی جنگجو اقوام وسط ایشیا سے ان علاقوں میں وارد ہوئیں اور انہوں نے یہیں بود و باش اختیار کرلی اور صدیوں سے ایک دوسرے سے متصل اور مشترک یا مربوط رہنے کی بناء پر بتدریج ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہوئے کہ آج ایک ہی قوم کے افراد معلوم ہوتے ہیں۔ پٹھان یا پختون میں سے اگر کوئی گروہ کسی حد تک خالص رہ گیا ہے۔ تو وہ الگ ہی پہچانے جاتے ہیں۔ اور آریا خدوخال کے حامل ہیں۔

بلوچ

بلوچ زیادہ تر بلوچستان اور سندھ میں آباد ہیں۔ پنجاب میں ڈیرہ غازی خان، ملتان، بہاولپور، ساہیوال اور فیصل آباد میں ان کی آبادیاں ہیں۔ بلوچ مورخین کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت حمزہؓ کی اولاد ہیں۔ لیکن جدید محققین کے مطابق وہ طورانی الاصل ہیں۔ وہ چہرے کی ہیئت، خدوخال۔ اور قد کاٹھ سے فوری پہچانے جاتے ہیں۔ البتہ ملتان، بہاولپور، ساہیوال اور فیصل آباد کے بلوچ عام پنجابیوں سے الگ معلوم نہ ہوتے ہیں۔

آرائیں

ماقبل ابواب میں بڑی تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں بہت ہی قدیم زمانہ میں مختلف اقوام مثل افریقہ کے نیگرو، (حبشی) آسٹریلوی نیگرو، کول بھیل، منڈا زرد رنگ اقوام منگول، سومیری، آریا، ساکا، شاکا، یوچی (کشان) سفید ہن وارد ہوئیں۔ یہی اقوام جب مختلف اوقات میں مختلف تناسب سے آپس میں مدغم ہوئیں یا دوسرے الفاظ میں ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط ہوئیں۔ توان اقوام سے ڈراور (وحشی اقوام) ڈراویڈن (پست اقوام اور سومیری لوگوں کا ملغوبہ) جاٹ، گجر، راجپوت وغیرہ اقوام وجود میں آئیں۔ ان اقوام کے متعلق گذشتہ ابواب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس طرح اب تک ایک وسیع منظر نامہ وجود میں آچکا ہے۔

آرائیں برصغیر پاک وہند کی بہت اہم اور نمایاں برادری ہے۔ پاکستان میں اس وقت اس کی آبادی تقریباً دو کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ قیام پاکستان سے قبل اور قیام پاکستان کے بعد بھی اس میں بڑی بڑی نامور ہستیاں پیدا ہوئیں۔ تمام برادری نے باحیثیت مجموعی اپنی قابلیت، اہمیت وفوقیت کی بنا پر ممتاز مقام حاصل کیا۔ لیکن مقام افسوس کہ جس طرح مذکورہ اقوام کا ذکر مختلف حوالوں سے تاریخ میں آتا ہے۔ قوم آرائیں کا ذکر اس طرح نہ ملتا ہے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا۔ اس کا ذکر تاریخ میں سرے سے ملتا ہی نہ ہے۔ دیگر اقوام مثل جاٹ، گجر، راجپوت، پٹھان، سید، قریشی، مغل کی ابتداء (ماخذ) سے متعلق کافی معلومات مل جاتی ہیں۔ ان سے متعلق بہت وسیع پیمانہ پر تحقیقات بھی ہوئیں ہیں۔ ان کی اپنی روایات بھی ہیں۔ ان اقوام کے متعلق کئی نظریے بھی سامنے آئے اور اس ضمن میں بہت سی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کی ابتداء

(ماخذ) کے متعلق دھند چھائی ہوئی ہے۔ ابھی تک ان اقوام کے متعلق حتمی آراء قائم نہ ہوئی ہیں۔ بیسیوں قسم کے نظریات زیر بحث آئے ہیں۔ جو اکثر صورتوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن یہ امر بدیہی ہے کہ ان اقوام کے متعلق کافی مواد موجود ہے۔ جو ان اقوام کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے کہ آرائیں برصغیر کی ایک وسیع اور اہم برادری ہے۔ لیکن اس کا تاریخ میں ذکر نہ ملتا ہے۔ لہذا انگریزی دور میں اس قوم کے متعلق دوسروں اور خود قوم کے اپنے افراد میں تجسس اور دلچسپی پیدا ہوئی۔ چنانچہ مختلف افراد نے اس قوم کے متعلق مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔ جو کہ بہت مختصر ہیں اور کسی ایک کتاب میں مربوط نہ ہیں۔ مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ اب تک جتنے نظریات سامنے آئے ہیں۔ ان کو ایک جگہ لکھا جاتا ہے اور تاریخ کے تناظر میں ان کا جائزہ لیا جائے گا اور تاریخی تناظر میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ یہ قوم کب معرض وجود میں آئی۔ یا دوسرے الفاظ میں ایک قوم یا گروہ کی حیثیت ان لوگوں کو کب اور کیسے ملی اور اس قوم کا نسلی تعلق کس قدیم بیرونی قوم یا گروہ سے ہے۔

☆☆☆

پہلی فصل

آرائیوں کی ابتدا کے متعلق مختلف نظریات

ا۔عربی النسل

آرائیں قوم کے متعلق اس کے اپنے دانشور افراد نے مختلف اوقات میں تواریخ لکھیں۔ ان آرائیں مورخین کے مطابق آرائیں قوم عربی النسل ہے۔ پہلے صوفی اکبر علی جالندھری نے ''سلیم التواریخ'' کے نام سے آرائیوں کی تاریخ لکھی۔ مفتی محمد ابراہیم محشر انبالوی نے ''آل ذورعین'' اور چودھری علی اصغر نے ''تاریخ آرائیاں'' کے ناموں سے کتب تحریر کیں۔ تینوں مولفین/مورخین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آرائیں قوم کے اجداد عرب سے آئے تھے۔ اور برصغیر میں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ اگرچہ تینوں کے تاریخی حوالہ جات مختلف ہیں۔ وہ مقامات جہاں سے اس قوم کے اجداد آئے وہ مختلف بیان کیے ہیں۔ ان کے بیان کردہ اجداد بھی مختلف تھے۔ سلیم التواریخ کے مولف صوفی اکبر علی کے مطابق ایک بزرگ سلیم الراعی کا پوتا حلیم الراعی اپنے قبیلہ کے دیگر افراد کے ساتھ ملک شام سے محمد بن قاسم کی فوج میں شامل ہو کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اراعین اس حلیم الراعی کی اولاد ہیں۔ ابراہیم محشر انبالوی کے مطابق اس قوم کے اجداد دو ہزار قبل مسیح میں ملک یمن کے بادشاہ پریم ذورعین کی اولاد ہیں۔ جو بنو قحطان بن عامر کی نسل سے تھا۔ جو کہ یمن کے حمیری/قحطانی بادشاہوں میں ایک تھا۔ اس دور سے قوم اراعین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر آباد ہوتی رہی ہے پھر وہ زمانہ اسلام میں بھی اسلامی لشکر کے ساتھ آتی رہی ہے۔ یہ لوگ رعین سے اراعین اور اراعین سے آرائیں کہلائے۔

تاریخ آرائیاں میں علی اصغر چوہدری نے نظریہ پیش کیا ہے۔ حملہ سندھ کے وقت دیگر عربی قبائل کے علاوہ ایک قبیلہ جو شام کے علاقہ میں واقعہ آریحا چھاؤنی سے آیا تھا اور آریحائی کہلاتا تھا۔ محمد بن قاسم کی فوج میں شامل ہوا۔ آرائیں ان آریحایوں کی اولاد ہیں۔ مصنف کے مطابق آریحائی کو پنجابی لہجے اور تلفظ نے آرائیں بنا دیا۔ یہ لوگ سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔ آرائیں قوم ان کی باقیات ہیں۔

صوفی اکبر علی جالندھری کا آل سلیم الراعی کا نظریہ اور اس کا جائزہ

صوفی اکبر علی جالندھری اور مفتی محمد ابراہیم محشر انبالوی کے نظریات بالترتیب تفصیل سے پیش کیے جائیں گے اور علی اصغر چوہدری نے اپنی کتاب ''تاریخ آرائیاں'' میں ان نظریات کا جو جائزہ لیا ہے۔ وہ علی اصغر چوہدری کی زبانی ہی درج کیا جاتا ہے۔ جس سے موجودہ کتاب کے مولف کو اتفاق ہے۔ چنانچہ علی اصغر چوہدری لکھتے ہیں ''قوم آرائیں کی پہلی مطبوعہ تاریخ جس میں ان کی ہندوستان میں آمد سے لے کر 1919ء تک حالات لکھے گئے ہیں۔ صوفی محمد اکبر علی جالندھری کی کتاب ''سلیم التواریخ'' ہے۔ جو 1919ء میں شائع ہوئی تھی۔ ذیل میں ہم اس کے اقتباسات اس انداز سے درج کرتے ہیں۔ کہ تسلسل اور ربط کے ساتھ ضروری واقعات قلم بند ہو جائیں۔

''تذکرۃ الاخوان فی ذکر عمدۃ البیان'' مصنفہ مولانا خان قندھاری سے اخذ کر کے سلیم التواریخ میں شجرہ لکھا ہے۔ تاکہ آپ کو آئندہ ابواب میں دیئے گئے شجروں کو سمجھنے اور ان سے تعلق رکھنے میں آسانی ہو۔ ہم اس شجرہ میں حضور نبی کریم ﷺ کا شجرہ بھی درج کرتے ہیں۔ تاکہ قرابتی تعلق واضح ہو جائے۔

☆☆☆

شجرہ نسب

فہریاقریش

غالب

لوی

کعب	قیس
مرہ	عمر
کلاب	مغیرہ
قصیٰ	عبدالدار
عبدمناف	حارث
ہاشم	شیخ سلیم الراعی
عبدالمطلب	حبیب الراعی
حضرت عبداللہ	حلیم الراعی
حضرت محمد ﷺ	(جو محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ تشریف لائے)

اس سے آگے جو علی اصغر چوہدری نے صوفی محمد اکبر علی جالندھری کا نظریاتی اقتباس کہ آرائیں آل سلیم الراعی ہیں۔ بحوالہ سلیم التواریخ صفحہ نمبر 63 تا 65 صوفی صاحب کے الفاظ میں درج کیا ہے۔ اقتباس یوں ہے۔

"قوم راعین ان عربوں کی اولاد ہیں۔ جنہوں نے محمد بن قاسم کی ہمراہی میں سندھ کو فتح کیا تھا۔ جن کی پے در پے فتوحات کی سارے ملک میں دھاک بندھ گئی تھی۔ تفصیل اس کی اس طرح ہے کہ قوم راعین کا بزرگ شیخ سلیم الراعی یزیدی مظالم کی وجہ سے شام کی طرف چلا آیا تھا اور دریائے فرات کے کنارے قیام کر کے عربوں کا آبائی پیشہ گلہ بانی شروع کر رکھا تھا۔ اس گلہ بانی کے سبب یہ بزرگ سلیم الراعی کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کا بیٹا شیخ حبیب الراعی ایک با کمال بزرگ تھا۔"

کشف المحجوب (مصنفہ علی ہجویری لاہوریؒ) میں لکھا ہے۔

"کہ شیخ حبیب الراعی دریائے فرات کے کنارے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ شیخ حبیب نے حضرت سلیمان فارسی سے فیض حاصل کیا تھا۔ جو رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے۔ شیخ حبیب اس نسبت سے تابعی بھی تھے۔"

جب ملک سندھ پر چڑھائی کا چرچا شام میں پھیلا اور جنگی جوان منتخب ہوئے تو عربوں میں چونکہ غزوات کا نشہ چڑھا رہتا تھا۔ بہت سے جوانوں نے اپنے تئیں پیش کیا۔ اس وقت شیخ حبیب کا باہمت بیٹا حلیم بھی مع اپنے ہمراہیوں اور قرابتی جوانوں کے ساتھ آ شامل ہوا اور سندھ کی فتوحات میں شامل رہا۔

جب خلیفہ سلیمان بن عبدالمالک نے محمد بن قاسم کو مروا دیا اور باقی جو سندھ میں پہنچے ان کے لئے فرمان بھیج دیا کہ عرب میں واپس نہ آئیں تو وہ مجبوراً سندھ میں رہ گئے تھے۔ اس وقت ان عربوں نے گزر اوقات کے لئے مختلف کام شروع کر دیئے کسی نے زراعت کسی نے گلہ

بانی کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ۔ اس وقت یہ لوگ بھی مجبور ہوئے کہ اپنا آبائی پیشہ گلہ بانی اور زراعت شروع کر دیں اور تلوار کو میان میں کر لیں۔ جو بالکل زنگ آلود نہ ہوتی تھی۔ بلکہ بوقت ضرورت اپنی چمک دکھا جاتی تھی۔ لوگ سندھ کی وادی میں گلہ بانی کرنے لگے اور وہیں بودوباش اختیار کر لی۔ بعد میں قبیلے کے دوسرے زن و مرد بھی آ کر ملنے لگے۔ یہاں تک کہ خاصا جتھہ تیار ہوگیا۔ یہ آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اپنے عرب ساتھیوں میں یہ لوگ راعی یا الراعی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ یہی لفظ راعی ہے۔ جو بعد میں تبدیلی تلفظ سے راعین بولا جانے لگا۔ اور الراعی سے یہ تخفیف تشدید راعین ہوگیا۔ ایسے بہت سے الفاظ ملتے ہیں جو پنجاب میں نون غنہ کی زیادتی کے ساتھ بولے جاتے ہیں۔ جیسے دہی کو دہیں، گائے کو گائیں، پانی کو پانیں وغیرہ وغیرہ اور عین کو بجائے الف بولنا اہل پنجاب کی عام عادت ہے۔

تاریخ فرشتہ میں یہ لفظ راعی ہی لکھا گیا ہے۔ مگر سیر المتاخرین میں رائیں لکھا گیا ہے۔ آج کل رائیں یا آرائیں بھی لکھتے ہیں۔ نسب کے لحاظ سے ان کو آل سلیم یا بنی سلیم کہنا مناسب ہے یا فاروقی کی طرح سلیمی کہنا بجا ہے۔ آرائیں لفظ سے نفرت کرنا اس کی اصلیت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ گلہ بانی تو پیغمبروں کا پیشہ رہا ہے۔ حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ اور خود ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے بھی گلہ بانی کی ہے۔ عرب لوگ جہاں گلہ بانی کرتے ہیں وہاں ان اراضیات کے مالک اور ان پر قابض بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی اپنی چراگاہ نہ ہوگی۔ تو گلہ بانی کہاں کریں گے۔

علی اصغر چوہدری سلیم التواریخ کی تاریخی حیثیت کے عنوان کے تحت اس کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

"یہ صوفی محمد اکبر علی صاحب کی قابل قدر تصنیف ہے جو کہ بڑے سائز کے 794 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں صفحہ 366 سے 794 تک ڈائریکٹری اور برادری کے معززین کا تعارف شامل ہے۔ اور یہی حصہ دراصل زیادہ قابل داد ہے۔ کیونکہ اسے مکمل کرنے کے لئے مصنف

کو بقول ان کے تیس سال محنت کرنی پڑی۔ اگرچہ ان تیس سالوں کی محنت میں صفحہ نمبر 1 سے 365 تک مواد شامل ہے۔ لیکن ان صفحات کا انداز تاریخی کم اور تبلیغی زیادہ ہے اور تاریخ قوم آرائیں کی نسبت غیر متعلق مواد زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ اس پر تبلیغی رسالہ ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ چونکہ اسے برصغیر میں آرائیں برادری کی پہلی تاریخ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس لئے اس کی افادیت سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کسی نامعلوم شے سے متعلق معلومات فراہم کرنا سخت محنت اور غور و فکر کا تقاضا کرتی ہے۔ مصنف کی محنت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں ذوق تجسس اور مطالعہ کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی واسطہ پڑا ہو۔"

سلیم التواریخ میں چند ایک سہو بھی ہو گئے ہیں۔ لیکن اس قسم کے سہوؤں سے چشم پوشی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ جس چیز نے اس کتاب کی تاریخی حیثیت کو مجروح کیا ہے۔ وہ صفحہ نمبر 64 کا مندرجہ ذیل پیرا ہے۔

"جب ملک سندھ پر چڑھائی کا چرچا شام میں پھیلا اور جنگی جوان منتخب ہوئے تو عربوں میں چونکہ غزوات کا نشہ چڑھا رہتا تھا۔ بہت سے جوانوں نے اپنے تئیں پیش کیا۔ اس وقت شیخ حبیب کا باہمت بیٹا حلیم بھی مع اپنے ہمراہیوں اور قرابتی جوانوں کے آ شامل ہوا اور سندھ کی فتوحات میں شامل رہا۔"

ہمیں افسوس ہے کہ حلیم کے لشکر اسلام میں شامل ہونے کی تاریخ سند نہ دے کر صوفی صاحب نے اس کتاب کی تاریخی حیثیت کو خود مجروح کر دیا ہے۔ کیونکہ اس پوری کتاب کی بنیاد شیخ حلیم کا لشکر اسلام میں شامل ہونے کا واقعہ ہے اور جب یہ واقعہ ہی نا قابل اعتبار ہو تو کتاب کی حیثیت خود بخود کم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ واقعہ تاریخی حقائق پر مبنی ہوتا تو مورخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اپنی مایہ ناز تصنیف "آئینہ حقیقت" (جسے مصنف نے بلند پایہ اردو، انگریزی، فارسی،

عربی اور سندھی کتابوں کے حوالے سے مرتب کیا ہے) کے صفحات نمبر 168-169 پر آرائیں کے عنوان پر کئی پیراگراف نہ لکھتے۔ حالانکہ یہ کتاب 1921ء میں شائع ہوئی تھی اور اگر اکبر شاہ خاں صاحب کا نظریہ غلط ہوتا تو خود صوفی صاحب یا دوسرے اہل علم آرائیں اس کی تردید کرتے۔ لیکن 1919ء سے لے کر 1974ء تک کوئی ایسی شہادت تحریری شکل میں ہمارے سامنے نہ آئی۔ جس میں نظریہ آریحا کی تاریخی حیثیت کو چیلنج کیا گیا ہو۔

ہم نے اس سلسلہ میں بے شمار عربی، فارسی، سندھی اور انگریزی کتابوں کے صفحات کھنگال ڈالے ہیں۔ مگر ہمیں حلیم الراعی نام کا کوئی شخص محمد بن قاسم کے ساتھیوں میں اور لشکر اسلام کے اعلیٰ سے ادنیٰ سپاہیوں میں نظر نہیں آیا۔ اس لئے ہم پورے وثوق اور شرح صدر کے ساتھ اپنے قارئین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ حلیم الراعی کی لشکر اسلام میں شمولیت اور سندھ کی عظیم فتوحات میں اس کے کسی کارنامے کی تاریخی اسناد کے ساتھ نشاندہی کریں۔ کیونکہ ہماری نظر میں اس کی تاریخی حیثیت محل نظر ہے۔ تاہم ان تمام کمزوریوں کے باوجود ہم اسے آرائیں برادری کے لئے ایک مفید دستاویز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس میں 1850ء سے 1918ء تک کے بیشتر معززین کے مختصر تذکرے شامل ہیں۔

اب ہم سلسلہ وار چند معروضات پیش کرتے ہیں تا کہ اس کی تاریخی حیثیت کا جائزہ لیا جا سکے۔

ا۔ پہلی قابل اعتراض بات یہ ہے کہ صوفی صاحب نے جو شجرہ پیش کیا ہے وہ مجروح ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ لوی کی نویں پشت سے ہیں۔ اور سلیم الراعی چھٹی پشت میں۔ ان دونوں کے زمانہ میں تین پشتوں کا فرق ہے۔ اس لئے عمر اور زمانہ کا حساب لگایا جائے۔ تو ایک دادا کی چھٹی پشت سے کسی کا مسلمان ہونا ناممکن نظر آتا ہے۔ جبکہ اسلام پھیلانے والے اس دادا کی نویں پشت میں سے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ شجرہ اس تاریخی اہمیت کا حامل نہ ہے۔ جس پر صوفی صاحب نے تکیہ کیا ہے۔

۲۔ صوفی صاحب نے شیخ سلیم الراعی کی مدینہ سے شام کو ہجرت کا سبب یزیدی مظالم

لکھا ہے۔ اگر اس کو درست مان لیا جائے تو لامحالہ یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ شام نہیں جا سکتے تھے۔ کیونکہ بنی امیہ کا پایہ تخت ہی شام تھا اور وہاں کسی ایسے شخص کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ جو بنوامیہ کا دشمن ہو۔ پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بنوامیہ کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ جیسی مقدس جگہ چھوڑ جائے اور عراق میں جہاں بنوامیہ کے مخالفین کا ہیڈ کوارٹر تھا نہ جائے۔ بلکہ کسی دوسری جگہ جانے کی بجائے شام ہی چلا جائے۔ اس سے دو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

ا)۔ یا تو انہوں نے ہجرت ہی نہیں کی تھی۔

ب)۔ اور اگر ہجرت کر کے شام چلے گئے تھے تو پھر یزیدی مظالم سے تنگ آ کر نہیں گئے ہوں گے۔ بلکہ دوسرے حامیان بنوامیہ کے مانند گئے ہوں گے جو ملک شام میں اس لئے جمع ہو رہے تھے کہ وہاں ان کو جاگیریں مل جاتی تھیں اور نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یزیدی مظالم سے تنگ آ کر گئے ہوتے تو ان کا پوتا بنوامیہ کے حکمرانوں کے لشکر میں شامل ہو کر سندھ میں نہ آتا۔ کیونکہ محمد بن قاسم کے ساتھ تمام حامیان بنوامیہ تھے۔ نیز اس مہم کی اہمیت کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو حجاج بن یوسف نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو لکھا تھا۔ اور ولید بن عبدالملک نے جواباً تحریر کیا تھا۔ کہ اس کے لشکر میں کوئی ایسا فرد نہ جانے پائے جس کی وفاداری مشکوک ہو۔ پھر اس کے پوتے کو کیسے شامل کر لیا گیا۔ جو یزیدی مظالم سے تنگ آ کر مدینہ سے ہجرت کر گیا تھا۔

۲۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حلیم الراعی کی شخصیت واقعی تاریخی اہمیت کی حامل ہے اور کیا اس نام کا کوئی شخص محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ میں بطور سپاہی آیا۔

یہ سوال یہاں بڑا اہم ہے وہاں اس کا جواب تلاش کرنا بھی جوئے شیر لانے کے برابر ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ صوفی صاحب نے کسی تاریخ کا حوالہ نہیں دیا۔ جس سے ہم ان کے بیان کی صداقت کو جان سکتے اگر وہاں حلیم الراعی کا نام ملتا تو ہم ہرگز اعتراض نہ کرتے۔ فتوحات سندھ کے متعلق جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں ان کا تذکرہ تک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ

فتوحاتِ سندھ پر البلاذری میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔اس سلسلہ میں قدیم ترین ماخذ چچ نامہ عرف فتح نامہ سندھ ہے۔چچ نامہ یہ کتاب قدیم سندھ کی تاریخ پر سند کی حیثیت رکھتی ہے۔صوفی صاحب نے اس سے کوئی حوالہ نہ دیا ہے۔

یہ بات بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔کہ ان دنوں یعنی محمد قاسم کی فتوحات کے وقت ہر قبیلہ اپنا اپنا لشکر لے کر اپنے سردار کے ماتحت شریک جنگ ہوتا تھا۔میمنہ،میسرہ،ہراول یا قلب پر سالارِ اعظم مختلف قبیلوں کی خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں مقرر کرتا تھا۔مثلاً جب تیر اندازوں کی ضرورت ہوتی تو بنو ازد کے لوگوں کو وہاں متعین کیا جاتا تھا۔کیونکہ وہ بہترین تیر انداز تھے۔اگر الراعی کوئی قبیلہ تھا یا شیخ سلیم الراعی کسی قبیلے کا سردار تھا تو ان کا قبیلہ ان کے پوتے حلیم الراعی کی سرکردگی میں شریک جنگ ہوا تھا۔اور ظاہر ہے کہ محمد بن قاسم جیسا مردم شناس کمانڈر کسی قبیلے کے سردار اور کسی جمیعت کے کمانڈر کو کیسے نظر انداز کرسکتا تھا۔محمد بن قاسم چار سال تک سندھ میں رہا۔اس دوران کبھی نہ کبھی حلیم الراعی کا نام اس کے ہمراہیوں میں آنا چاہئے تھا۔مگر جب ہم فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ پڑھتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہوتی ہے۔کیونکہ حلیم یا کسی دوسرے الراعی کا نام نظر نہیں آتا ہے۔اب اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کشف المحجوب میں شیخ حبیب الراعی کا نام ملتا ہے۔تو ہم کہیں گے کہ یہ ممکن ہے مگر حلیم الراعی کے سندھ آنے کا ذکر کہیں نہیں ملتا ہے۔ہمیں حبیب الراعی کی شخصیت سے کوئی واسطہ نہ ہے۔ہمیں محمد بن قاسم کے لشکر میں حلیم الراعی کو تلاش کرنا ہے۔مگر کیا کریں ان صاحب کا کوئی سراغ نہ ملتا ہے۔

☆☆☆

لشکرِ اسلام کے نامور مجاہدین

ہم یہاں ان تمام مجاہدوں کے نام درج کرتے ہیں۔جن کا ذکر چچ نامہ میں آیا ہے۔تاکہ اس فہرست میں آپ حلیم الراعی کو تلاش کرسکیں۔جہم بن زحر الجعفی،عطبہ بن سعد العونی، عبدالرحمٰن بن سلیم الکلبی،سفیان الدبرد الکلبی،قطن بن برک الکلبی،جراح بن عبداللہ الحکمی،نباتہ بن حنظلہ کلابی،تمیم بن زید القینی،حکم بن عوانہ کلبی،(محمد بن قاسم کا معتمد خاص سیاسی معاملات میں ثالث سندھ کا گورنر بعد میں ہوا)۔خریم،ابن نصیرہ،حقونہ اسلمی،عمرو بن خالد الکلبی،تمام نامور سپہ سالار اور کہنہ مشق سپاہی تھے۔ان کے علاوہ حمید بن وداع البحری،الحواری بن زیاد العتکی،محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن،موسیٰ بن سلام القندی،مجاشع بن نویہ ازدی،عطا بن مالک القیسی،عون بن کلیب دمشقی،ذکوان بن علوان البکری،عجل بن عبدالمالک بن قیس العبدی،سلیمان بن ہنمعان قشیری،محزر بن ثابت الدمشقی،اویس بن قیس،حسن بن مجۃ البکری،ابو صابر ہمدانی،ہذیل بن سلیمان ازدی،زیاد بن حواری ازدی،مسعود بن الشعری الکلبی،خارق بن الراسی،محمد بن زیاد العبدی،بشیر بن عطیہ،محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن ثقفی،خریم بن عروہ مرتی،سلیمان بن نبھان،ابو فضہ قشیری،شجاع حبشی،دارس بن ایوب،عمرو بن مغیرہ کلابی،قیس بن عبدالملک بن قیس الرسی، خالد انصاری،مسعود تمیمی،ابن شیبہ جریدی،فراس عتکی،صابر لشکری،عبدالمالک بن عبداللہ الخزاعی،مہنیٰ ولد عسکہ،الوقا بن عبدالرحمٰن،قیس بن ثعلبہ،جنید بن عمر،رواح بن اسد،عتبہ بن سلمی تمیمی،

(بحوالہ فتح نامہ سندھ صفحہ 244 اردو ایڈیشن)

ہم نے فتح سندھ کے علاوہ دوسری تمام تواریخ کے صفحے چھان مارے ہیں لیکن ہمیں نہ

کہیں الراعی قبیلے کا سراغ ملا ہے اور نہ ہی محمد بن قاسم کے ساتھیوں میں حلیم الراعی کا نام نظر آیا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ الراعی قبیلے کے مورث اعلیٰ سلیم الراعی کے پوتے اور اس کے ہمراہیوں کے نام چچ نامہ میں کہیں نہیں ملتے۔ حالانکہ سلیم التواریخ کی پوری داستان اس شخص کے گرد گھومتی ہے۔'' علی اصغر چوہدری کے اس تاریخی جائزہ کی روشنی میں صوفی محمد اکبر علی جالندھری کا نظریہ ''اراعین یا آرائیں آل سلیم الراعی'' محل نظر ہے

آل کمبوجیا کے مصنف چوہدری اللہ دتہ مجیٹھیا کے الفاظ میں۔ ''شیخ سلیم کا بکریاں چرا کر الراعی کا لقب حاصل کرنا تو نہایت ہی مضحکہ خیز بات ہے۔ کیونکہ اس طرح سے حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے، حضرت موسیٰ کنعان کے وہ چرواہے جنہوں نے 1690 تا 1620 ق م مصر پر حکومت کی تھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ کی بکریاں چرانے والے نبی اکرم ﷺ اور چودھویں صدی کے ترک نژاد چرواہے یعنی تیمور خان وغیرہ بکری چراتے تھے۔ لیکن آج تک کسی تاریخ میں ان کو راعین نہ کہا گیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں اس قسم کی کوئی بھی مبہم و موہوم حکایت درج نہ ہے اور تاریخ کی ایک مسخ شدہ صورت ہے جو قابل پذیرائی نہیں ہے۔''

دوسرا نظریہ: آل ذو رعین۔

مفتی محمد ابراہیم محشر انبالوی اپنی کتاب آل ذو رعین مطبوعہ 1922 میں لکھتے ہیں۔

''کہ آرائیں دراصل قحطانی عرب ہیں اور پریم ذو رعین کی اولاد ہیں۔ ذیل میں ہم ان کا شجرہ نسب بہت سے معروف افراد کا نام حذف کر کے درج کرتے ہیں۔

☆☆☆

شجرہ نسب

آدم ثانی

حضرت نوح علیہ السلام

حضرت سام

عابد یا ہود علیہ السلام

حمیرا

سہل

- کعب الظلم
  - زرعہ
    - عوف
      - غوث
        - حضرت امام مالک
      - زید
  - حارث الرائشی
- زید الجمہور
  - حرث
    - پریم ذو رعین (آرائیوں کا مورث اعلیٰ)
      - عبد کلال الاکبر
        - مدثر
          - نعمان ذو رعین
          - ⋮
          - نعمان ذو
        - شیبہ
          - ابرہہ (جس نے مکہ پر حملہ کیا تھا)
- مالک

(چوتھی پشت میں نعمان ذو رعین جو 633ء میں حضور اکرم ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر مسلمان ہوا تھا)۔
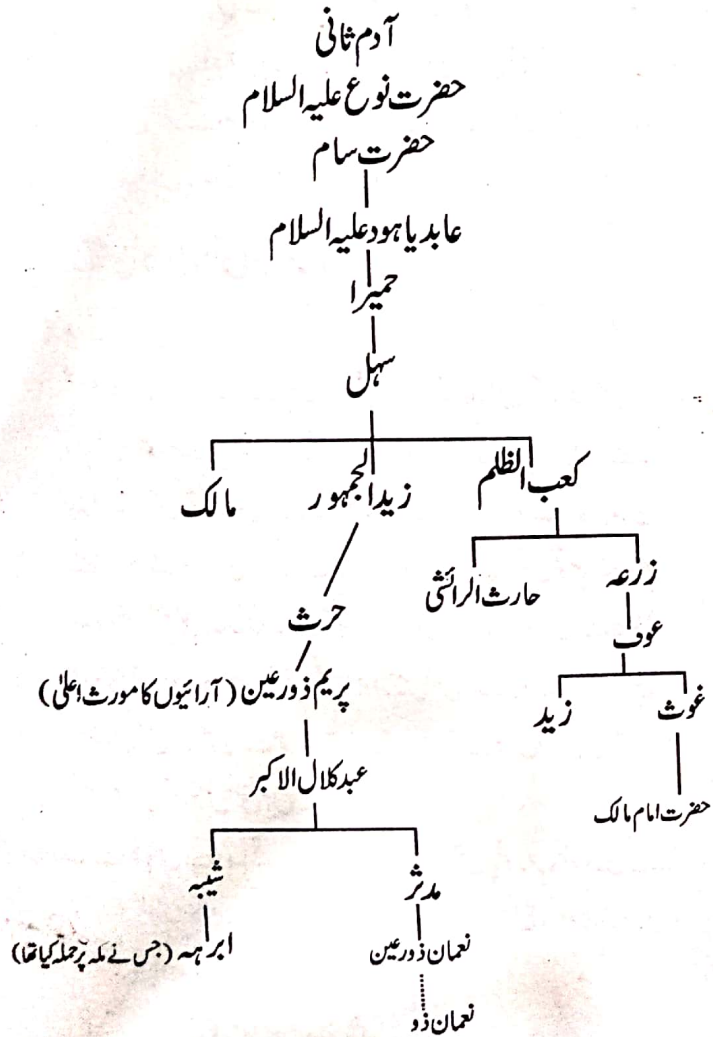
پریم ذورعین زید الجمہو ریمن کا بادشاہ تھا۔ اس کا پوتا پریم ذورعین آرائیوں کا مورث اعلیٰ ہے۔ اس نے یمن میں رعین پہاڑی پر ایک قلعہ تعمیر کیا۔ اس لئے ذورعین کا لقب پایا۔ ہندوستان میں یہ لفظ رعین سے راعین اور پھر راعین سے آرائیں ہوا۔ پریم ذورعین وہ شخص تھا جو 1354ق م میں پیدا ہوا۔ جس کے زمانہ سے قوم راعین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر آباد ہوتی رہی۔ یعنی اسلام سے تقریباً دو ہزار سال پہلے سے ہندوستان میں آنا شروع کیا تھا۔ پھر زمانہ اسلام میں بھی اسلامی لشکر کے ہمراہ آتی رہی ہے۔ رعین کی پہاڑی اب بھی وہاں اسی نام سے پکاری جاتی ہے۔ بلکہ وہاں کا علاقہ ہی رعین کہلاتا ہے۔

آل ذورعین کا تاریخی جائزہ

علی اصغر چوہدری لکھتے ہیں۔

''مصنف کا خیال ہے کہ حارث الرائش کے ساتھ اور اس کے بعد میں جو ذورعین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر یہاں آباد ہوتے رہے وہ مشرک تھے۔ لہٰذا یہاں بھی مشرک ہی رہے۔ جو اسلام کے بعد وارد ہوئے وہ مسلمان تھے۔ مصنف کو یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر ظہور اسلام سے قبل قوم رعین کا ہندوستان آنا ثابت نہ کیا جائے تو ہندو آرائیوں کی توجیہہ ناممکن ہے۔ اور پھر آج آرائیوں کی اس کثیر آبادی کا جواز نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ اگر چند عربی مسلمان آل ذورعین سے محمد بن قاسم کے ساتھ آئے ہوں تو ان کی نسلیں کس طرح اتنی پھیل سکتی ہیں۔''

محشر صاحب کے اقتباس سے دو باتیں ایسی ظاہر ہوتی ہیں۔ جن پر غور کرنا ضروری ہے۔

۱۔ ظہور اسلام سے قبل آل ذورعین کا ہندوستان پر حملہ آور ہونا اور یہاں پر مستقل آباد ہو جانا۔

۲۔ آل ذورعین کا لشکر اسلام کے ساتھ آنا۔

پہلی بات کے متعلق تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ زمانہ قدیم میں عربوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اور نہ ہی کسی ایسی ہمہ گیر مہم کا سراغ ملتا ہے کہ آل ذورعین وقتاً فوقتاً ہندوستان پر حملہ کرتے اور یہاں آباد ہوتے رہے۔ البتہ تجارتی قافلوں کا نشان ملتا ہے۔ مگر ان کی سرگرمیاں ساحلی علاقوں تک ہی محدود تھیں۔ اندرون ملک ان کو کوئی رسائی حاصل نہ تھی۔ محمد بن قاسم کے ساتھ فتح نامہ سندھ میں ایک مجاہد سردار مروان بن اشحم یمنی کا ذکر ہے۔ جس نے محمد بن قاسم کے حکم پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ راجہ داہر پر حملہ کیا تھا۔ شدید لڑائی کے نتیجہ میں راجہ داہر قتل ہوا تھا۔ اس سردار کا شجرہ نسب فتح نامہ سندھ میں موجود نہ ہے۔ اس لئے ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ آل ذورعین کا ہی سردار ہوگا۔ ہاں اس کے خلاف تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ اگر ذورعین کا فرد ہوتا تو اس قدر بہادر سردار کے ساتھ ذورعین کا لفظ ضرور ہوتا۔ کیونکہ آل ذورعین اس وقت تک مقتدر تھے۔ نیز ذورعین کی صفت نسبتی کی وجہ سے رعینی بمطابق شامی، عراقی، اور یمنی کہلانا ضروری تھا۔ مگر اس صورت حال میں رعینی سے آرائیں بن جانا ناقابل قبول ہے۔ جس زمانے میں یعنی 1354ق م میں محشر صاحب کے مطابق آل ذورعین نے برصغیر پر حملہ کیا تھا وہ تاریخ سے مطابقت نہ رکھتا ہے۔ اس دور میں تو آریہ (جن پر سب کا اتفاق ہے) ہندوستان پر حملہ آور ہو رہے تھے اور یہی آباد ہو رہے تھے۔ چوہدری صاحب کے مطابق یہ نظریہ بھی محل نظر ہے۔

تیسرا عربی النسل نظریہ: اریحائی سے آرائیں۔

یہ نظریہ علی اصغر چوہدری نے اپنی کتاب ''تاریخ آرائیاں'' میں پیش کیا ہے۔ وہ یوں رقم طراز ہیں۔

''ملک شام کے علاقہ آریحا سے مجاہد اعظم محمد بن قاسم کی شامی فوجوں میں شامل ہو کر ہندوستان آنے والے یہ آریحائی لوگ جو عرب سے براہ راست اسلام کا پیغام لائے اور جنہوں نے برصغیر میں تہذیب اسلامی کے پھول بکھیرے، سندھ کو فتح کرنے کے بعد یہیں آباد ہو گئے۔ بعد ازاں

امتداد زمانہ کے ہاتھوں اور ماحول کے زیر اثر صوتی تبدیلی سے اریحائی کی بجائے آرائیں بن گیا۔ اور ان اولین فاتحوں کی اولاد ہندو پاک میں اب آرائیں کے نام سے پکاری اور پہچانی جاتی ہے۔''

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے یوں لکھا ہے۔

''برصغیر ہندوپاک کے مشہور مورخ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی اپنی معرکہ آراء تصنیف ''آئینہ حقیقت'' کے صفحہ 166-167 پر'' مسلم فاتحین کے سندھ پر احسان'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

ان شامی لوگوں کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ملک شام واپس جانا نصیب نہ ہوا۔ اور مجبوراً یہی اقامت اختیار کرنا پڑی۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں ان پر مصائب آئے۔ پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ منصورہ کی خودمختاری کا قیام پھران کے لئے راحت و اطمینان کا زمانہ تھا۔ اس ریاست کی بربادی پھران کیلئے مصائب ونوائب کا نزول تھا۔ کچھ کوہ سلیمان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ کچھ ملتان میں آکر آباد ہوگئے اور جہاں کسی کے سینگ سمائے چلے گئے۔ ملتان میں اگرچہ قرامطہ کا طوفان آیا لیکن محمود غزنوی نے جلد ہی اس فتنہ کو فرو کر دیا۔ اس طرح ان عربی باقیات میں شام سے آئی ہوئی نسلوں کو زیادہ ملتان ہی میں جمع ہونا پڑا۔ جب پنجاب کا تمام ملک غزنی سلطنت کا صوبہ بن گیا۔ اور مستقل طور پر محمود غزنوی نے اسلامی حکومت قائم کر دی ملتان سے اکثر قبائل پنجاب کی طرف چلے آئے۔''

آرائیں:۔

ان ہی قبائل میں ایک قبیلہ وہ تھا۔ جو شام کے علاقہ اریحا سے آیا تھا اور اریحائی کہلاتا تھا۔ پنجابی لہجے اور تلفظ نے اس کو آرائیں بنا دیا۔''

تبصرہ: جناب علی اصغر چوہدری نے مولانا محمد اکبر شاہ نجیب آبادی کی کتاب آئینہ حقیقت نما

سے اقتباس بر صفحہ 166-167 کو اپنے نظریہ کی بنیاد بنایا ہے۔ چوہدری صاحب نے اقتباس کو مختصر کر کے لکھا ہے۔ چوہدری صاحب کے نظریہ (پیش کردہ مولانا نجیب آبادی) کا تاریخی جائزہ لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے اقتباس کو حضرت مولانا کے الفاظ میں صفحہ قرطاس پر لایا جائے۔

اقتباس از مولانا نجیب آبادی از آئینہ حقیقت نما:

سندھ کی قومیں:

سندھ میں ایک قوم چاچڑ ہے۔ جو اپنے آپ کو راجہ داہر کے وزیر سیاکر کی اولاد بتاتے ہیں اور اسلام کے بڑے پابند ہیں۔ ایک ڈاہر کہلاتی ہے۔ وہ راجہ داہر کی اولاد ہے اور مسلمان ہیں۔ صدیقی، انصاری، فاروقی، عباسی، سادات وغیرہ خالص عربی قومیں سندھ میں بکثرت آباد ہیں۔ نپوار، پرہار وغیرہ خالص راجپوت قومیں سندھ میں موجود ہیں۔ کچھ قومیں ایسی بھی موجود ہیں۔ جو عام لوگوں کی نگاہ میں ہندی قومیں سمجھی جاتی ہیں۔ حالانکہ وہ خالص عربی قومیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ قابل تذکرہ آرائیں قوم ہے۔ اوپر کئی جگہ محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کا ذکر آ چکا ہے کہ وہ شامی، عراقی، گروہوں پر مشتمل تھے۔ شامی لوگ سب سے زیادہ بااعتماد اور خلافت بنو امیہ کے حامی و ہمدرد تھے۔ انہیں لوگوں کو شاہی سمجھا گیا۔ یہ عموماً بنوامیہ اور حجازی تھے۔ جو حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں حجاز سے شام جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد ملک شام کے مقام آریحا میں آباد تھی۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے محمد بن قاسم کے ساتھ جو چھ ہزار شامی فوج بھیجی تھی۔ اس میں ایک معقول تعداد آریحا کے باشندوں کی بھی تھی۔ ان شامی لوگوں کو جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ملک شام میں واپس جانا نصیب نہ ہوا اور ان کو مجبوراً یہیں اقامت اختیار کرنا پڑی۔ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں ان پر مصائب آئے۔ پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ منصورہ کی خودمختاری کا قیام پھران کے لئے راحت واطمینان کا زمانہ تھا۔ اس ریاست کی بربادی پھران کیلئے مصائب ونوائب کا نزول تھا۔ کچھ کوہ سلیمان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کچھ ملتان میں آکر آباد ہو گئے اور جہاں کسی کے سینگ سمائے چلے گئے۔ ملتان میں اگرچہ قرامطہ کا طوفان آیا

لیکن محمود غزنوی نے جلد ہی اس فتنہ کو فرو کر دیا۔ اس طرح ان عربی باقیات میں شام سے آئی ہوئی نسلوں کو زیادہ ملتان ہی میں جمع ہونا پڑا۔ جب پنجاب کا تمام ملک غزنی سلطنت کا صوبہ بن گیا۔ اور مستقل طور پر محمود غزنوی نے اسلامی حکومت قائم کر دی ملتان سے اکثر قبائل پنجاب کی طرف چلے آئے۔ ان ہی قبائل میں ایک قبیلہ وہ تھا۔ جو شام کے علاقہ اریحا سے آیا تھا اور اریحائی کہلاتا تھا۔ پنجابی لہجے اور تلفظ نے اس کو آرائیں بنا دیا۔ ان تمام مذکورہ حوادث اور تغیرات کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا۔ کہ یہ لوگ پنجاب کے سرسبز و شاداب علاقہ میں آ کر افغانی اور ہندو مفتوحوں سے بے تعلق رہ کر زراعت اور کاشتکاری میں مصروف ہو جائیں اور اپنے تجربات کو کام میں لائیں۔ جو ریاست منصورہ کی سرسبزی اور شادابی کے لئے وہ کام میں لا چکے تھے۔ عرب کا ملک زرعی ملک نہیں ہے۔ لیکن عربی قومیں جہاں بھی گئیں وہ سب سے بہتر کاشتکار اور نہایت قابل کسان ثابت ہوئیں۔ یہی عرب قومیں جب اندلس پہنچیں۔ تو انہوں نے اندلس کو گل و گلزار بنا دیا اور ایک چپہ بھر زمین ایسی نہ چھوڑی جہاں کھیتی باڑی نہ ہوتی ہو۔ جب اندلس سے بے دخل ہوئے تو وہ ملک پھر بنجر اور ویران نظر آنے لگا۔ آج تک وہ سرسبزی واپس نہیں آئی۔ جو عربوں نے وہاں پیدا کر دی تھی۔ اسی طرح عربوں نے منصورہ کو گلزار بنا دیا تھا۔ پنجاب میں آ کر بھی انہوں نے اپنی اسی قابلیت کا اظہار کیا۔ چنانچہ ان محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کی سیاسی زندگی سے دور بے تعلق رہنے اور کاشتکاری میں ہمہ تن مصروف ہو جانے کی وجہ سے اپنی حیثیت کو بہت کچھ گھٹا اور مٹا دیا۔ ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر حصے میں ایسی قومیں آباد اور موجود ہیں۔ جو ملتان سے ان صوبوں میں جا کر آباد ہوئیں۔ ایک قوم جو پنجاب سے بہار و بنگال تک پائی جاتی ہے۔ ملتانی قوم کے نام سے مشہور ہے۔ اپنا کوئی دوسرا نام نہیں بتا سکتی۔ یہ ملتانی عموماً نجاری، آہنگری اور معماری کا پیشہ کرتے ہیں۔ ملتان ہندوستان کی صدہا قوموں کا منبع و مرکز ہے اور جس قدر قومیں ملتان سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ سب کی سب عربی النسل سمجھی جاتی ہیں اور یقیناً عربی باپوں اور ہندی ماؤں کی اولاد ہیں۔ یہ عربی قومیں پنجاب کے سلطنت غزنی میں شامل ہو جانے کے بعد پنجاب آئیں۔ اور شہاب الدین غوری کے بعد جب مسلمانوں کی حکومت تمام شمالی ہندوستان میں قائم ہوئی تو بہار

اور بنگال تک پھیل گئی۔ پنجاب کے اعوان، کشمیر کے کھکھے اور ہمبے بھی یقیناً انہیں لوگوں میں سے ہیں۔ مسلمانوں کا سندھ پر حملہ کوئی معمولی واقعہ نہ ہے۔ محمد بن قاسم اپنی تلوار میں محبت، رواداری، درگزر اور رعایت کو لایا تھا۔ وہ ہرگز ضائع نہیں ہوئی۔ اس کے ہمراہیوں میں سے ایک ایک شخص غالباً ایک ایک قوم کا مورث اعلیٰ بنا۔"

علی اصغر چوہدری صاحب نے مولانا محمد اکبر شاہ نجیب آبادی کے پیش کردہ نظریہ کو ہو بہو اپنا لیا ہے۔ مولانا نجیب آبادی کی اصل کتاب "آئینہ حقیقت نما" کا براہ راست مطالعہ کیا گیا۔ لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑا ہے کہ مولانا نے اپنے اس نظریہ کو پیش کرنے کی تاریخ سے کوئی سند نہ دی ہے۔ حالانکہ بقول چوہدری صاحب مولانا نے آئینہ حقیقت نما سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد تحریر کی ہے۔ تاریخی سند کی عدم موجودگی سے مولانا کے نظریہ کی تاریخی حیثیت نہایت مجروح ہوئی ہے۔ چوہدری صاحب نے اپنی کتاب تاریخ آرائیاں میں بیسیوں کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ لیکن انہوں نے بھی مولانا کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت نہ دی ہے۔ مولانا اور چوہدری صاحب کا سب سے بڑا نکتہ یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھی مجاہدین میں حملہ سندھ کے وقت آریحا کے لوگوں کی معقول تعداد شامل تھی۔ بلکہ اپنے اقتباس کے آخر میں لکھا ہے۔ انہی قبائل میں سے ایک قبیلہ وہ تھا۔ جو شام کے علاقہ اریحا سے آیا تھا اور اریحائی کہلاتا تھا۔ پنجابی لہجے اور تلفظ نے اس کو آرائیں بنا دیا۔ تاریخ آرائیاں میں درج چچ نامہ کے اقتباسات سے خود بخود اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ چوہدری صاحب نے فتح نامہ سندھ المعروف چچ نامہ کو تاریخ سندھ کا قدیم ترین ماخذ تسلیم کیا ہے۔ یہ کتاب المدائینی کے حوالوں اور روایت سے ترتیب دی گئی ہے۔ جو کہ تاریخ اسلام کے واقعات کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے مشرقی ممالک کے متعلق علیحدہ علیحدہ گیارہ کتابیں لکھیں۔ جس میں کتاب تغیر الہند، کتاب اعمال سندھ، کتاب اخبار ثقیف، فتوحات سندھ، اور ثقفی کی خدمات کے متعلق نہایت مستند اہم و مفصل ہیں۔ چچ نامہ کتاب عربی میں لکھی گئی تھی۔ جس کا فارسی ترجمہ علی کوفی نے ناصر الدین قباچہ کے دور میں اوچ یا اوچہ پہنچ کر کیا۔ علی کوفی نے عربی نسخہ مولانا قاضی اسماعیل ثقفی سے لیا تھا۔ یہ کتاب قاضی صاحب کے

اجداد میں سے کسی کی تحریر کردہ تھی۔ جو کہ فتح سندھ میں شامل تھا۔ یہ کتاب ان کے خاندان میں دو یا اڑھائی صدیوں تک بطور میراث منتقل ہوتی رہی تھی۔ اس فارسی نسخہ کے سندھی اور اردو ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

تاریخ آرائیاں کے صفحہ 30 کے مطابق حجاج بن یوسف نے خلیفہ وقت ولید سے ہندوستان پر حملہ کی اجازت طلب کی۔ جو خلیفہ نے بڑی ردوکد کے بعد دی۔ اجازت کے بعد حجاج بن یوسف نے مندرجہ ذیل عرضداشت دربار خلافت بھیجی۔ جو کہ چچ نامہ میں درج ہے۔

"اے امیر المومنین آپ کے اجازت نامہ سے مشرف ہوا ہوں۔ اب آپ مہربانی کر کے شام کے سرداروں میں سے چھ ہزار کو حکم فرمائیں کہ جنگ کے ہتھیاروں اور دوسرے ساز و سامان کے ساتھ اس لشکر کی طرف روانہ ہوں۔ یہ لوگ ایسے نامور ہوں کہ جنگ کے وقت ان میں سے ہر ایک کا نام مجھے معلوم ہو۔ وہ میری موافقت کریں اور لڑائی کے وقت منہ نہ موڑیں۔ ابوالحسن مدائنی نے اسحاق بن ایوب سے روایت کی ہے کہ حجاج کی تحریر پر شام کے امیروں کے فرزندوں میں سے چھ ہزار نامور بہادر اور جم کر لڑنے والے جوان حاضر ہوئے۔"

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ملک شام سے چھ ہزار جوان ضرور بھیجے گئے تھے۔ لیکن یہ کہیں درج نہ ہے کہ یہ نامور جوان آریحا کی چھاؤنی سے بھیجے گئے تھے۔ اور ان میں آریحائی نام کے قبیلہ کے جوان بھی شامل تھے۔ خود چوہدری صاحب نے اپنی کتاب میں محمد بن قاسم کے نامور ہمراہیوں / مجاہدین کے نام چچ نامہ فتح سندھ سے لے کر درج کئے ہیں۔ جو کہ موجودہ کتاب میں سلیم التواریخ کا جائزہ لیتے وقت تحریر کر دئے گئے ہیں۔ یہ جوان کلبی، تمیمی، الکلابی، الحکمی، القینی، العبدی، ازدی، ثقفی، الخزاعی، البکری، وغیرہ خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن آریحائی قبیلہ سے کسی جوان کا نام نہ ملتا ہے۔

دوسرے کچھ کے نام شہروں کی نسبت سے بھی ملتے ہیں۔ جیسے عون بن کلیب دمشقی، محرز بن ثابت الدمشقی، خریم بن عروہ مدنی، لیکن کسی نام کے ساتھ آریحائی کا اندراج نہ ملتا ہے۔ سندھ کی لڑائی میں مختلف اوقات میں نامور مجاہدین کے نام اور ان کے کارنامے شامل ہیں۔ لیکن کسی

آریحائی کا نام یا اس کے کسی کارنامہ کا ذکر مفقود ہے۔ چچ نامہ یا دوسری کسی کتاب میں آریحائی سردار یا مجاہد کا نام موجود نہ ہے۔ حالانکہ چچ نامہ کے اقتباس میں بتایا گیا ہے کہ شام کے چھ ہزار مجاہدین تمام ہی نامور تھے اور ان کے نام تک حجاج بن یوسف کو معلوم تھے۔

صفحہ نمبر 31 تاریخ آرائیاں پر خود چوہدری صاحب نے تاریخ الجنت سندھ سے ایک اقتباس دیا ہے۔

"مندر پر عربی لشکر یعنی محمد بن قاسم کے ساتھیوں نے حملہ کیا تھا۔ اس میں شامی، عراقی، یمانی اور حجازی افسر تھے۔ ان میں سے کئی ایسے بزرگ تھے۔ جنہوں نے صحابہؓ کی صحبتوں سے فیض اٹھایا تھا اور بعض ایسے تھے۔ جنہوں نے تابعین سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اس لشکر میں قریش، بنو امیہ، بنو کلب، بنو قیس، بنو اسد، بنو تمیم، بنو سلیم، ربیع، شیبانی، عمانی، ازدی، یمن اور حجاز کے شریف مجاہد شامل تھے۔"

پیراگراف مذکورہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں آریحائی نام کا کوئی قبیلہ شامل نہ ہے۔ جس طرح یمن، عراق، حجاز کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر آریحا سے کوئی آریحائی نام کا قبیلہ شامل لشکر ہوتا۔ تو ضرور آریحا سے اس کے آنے کا ذکر ہوتا۔

خود چوہدری صاحب نے لڑائی کے وقت صفوں کی ترتیب جس طرح قبیلے صف بند ہوتے تھے۔ صفحہ 99 پر اپنی کتاب میں دی ہے۔ لیکن اس صف بندی میں کسی آریحائی نام کے قبیلہ کا ذکر موجود نہ ہے۔

صوفی محمد اکبر علی جالندھری نے عربی مجاہدین کے ہندوستان میں آباد ہو جانے کی وجہ لکھی تھی کہ خلیفہ سلمان ولد عبدالملک نے محمد بن قاسم کو معزول اور گرفتار کرنے کے ساتھ باقی ماندہ مجاہدین کے متعلق حکم متناہی جاری کر دیا تھا کہ وہ عرب / شام میں واپس نہ آئیں۔

صوفی کے اپنے الفاظ میں "فوج کے سپہ سالار محمد بن قاسم کے ساتھ خلیفہ سلمان نے جو سلوک کیا سو کیا۔ اس کے ہمراہی عربوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کا بیان تاریخ ذکائی میں اس

طرح لکھا ہے۔ کہ ''ان کو جیسا آگے بڑھنا مشکل تھا ویسا ہی وطن پیچھے جانا بھی دشوار تھا۔'' تاریخ
طبری میں لکھا ہے کہ خلیفہ سلمان نے جو خلیفہ ولید کا جانشین تھا۔ ان لوگوں کی نسبت یہ حکم دے
دیا۔ جہاں چاہو محنت مزدوری کرو، زمین بوؤ، جوتو، ملک شام میں تمہارے واسطے جگہ نہیں۔ اس
خلیفہ کے دور خلافت تک دو اڑھائی برس تک کو یہاں رہے ہوں گے۔ پھر اس کے مرنے کے بعد
سب واپس نہ چلے گئے ہوں گے۔''

چوہدری صاحب نے صوفی محمد اکبر کے نظریہ آل سلیم سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن معلوم
ہوتا ہے کہ انہوں نے صوفی صاحب کی مذکورہ تحریر کو درست تسلیم کیا ہے۔ جبھی تو انہوں نے اپنی
کتاب کے صفحہ 57 پر خلیفہ سلیمان کا حکم صوفی صاحب سے بھی سخت الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔
چوہدری صاحب کے الفاظ میں محمد بن قاسم کے ہمراہیوں کے بارے میں خلیفہ نے کہا ''تمہیں
شام آنے کی اجازت نہیں اگر آؤ گے بلا تامل قتل کر دیئے جاؤ گے۔''

چوہدری صاحب مزید لکھتے ہیں: اس صورت حال میں کچھ لوگوں نے اپنے بیوی بچے
اور لواحقین منگوا لئے اور دوسروں نے نو مسلم عورتوں سے شادی کر لی۔ آریحا والوں کا ذوق
کاشتکاری اب ان کے کام آیا۔ اور انہوں نے اپنے تجربات سے کھیتی باڑی کی نئی راہیں متعین
کیں اور فتوحات سے لاتعلق ہو گئے۔ چنانچہ مفتوحین نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ تین
سال خلافت کے بعد خلیفہ سلمان وفات پا گیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوئے۔
انہوں نے حکم بن عوانہ کلبی کو سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ اس وقت سندھ میں اکثر جگہ پر بغاوت پھیل
رہی تھی اور راجہ داہر کے لواحقین اور دیگر شہزادے اپنا آبائی ملک واپس حاصل کرنے کی کوشش کر
رہے تھے اور نو مسلم دوبارہ مرتد ہو رہے تھے۔ اس تحریک ارتداد نے عراقی اور شامی عربوں کو جو
جہاں سلیمان بن عبدالملک کے حکم امتناعی کے بعد مستقل آباد ہو گئے تھے۔ خطرے میں مبتلا کر دیا
تھا کیونکہ تھوڑی تھوڑی تعداد میں مختلف شہروں اور قصبوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ حکم بن عوانہ نے
گورنری کا چارج لیتے ہی ان تمام عربوں کو مختلف مقامات سے بلوا کر جمع کیا اور ان کو جلوائی ندی
کے کنارے پر ایک شہر محفوظہ کی بنیاد رکھ کر اس میں منتشر لوگوں کو آباد کیا۔ اب ان عراقی اور شامی

لوگوں نے پھر ہتھیار سنبھال لئے اور جا بجا فتوحات حاصل کیں۔ حکم بن عوانہ کی وفات پر عمرو بن
محمد بن قاسم گورنر سندھ مقرر ہوا۔ اس نے جلوائی ندی کے مغربی کنارے پر منصورہ آباد کیا۔ اب
محفوظہ اجاڑ ہونے لگا اور منصورہ آباد ہوتا گیا۔ اس طرح منصورہ گویا سندھ میں آریحائیوں کا پہلا
مستقل مسکن بن گیا۔ اس کے کوئی تقریباً ایک سو بیس سال بعد بنو حباز نامی ایک عربی قریشی
خاندان نے منصورہ کی خود مختار حکومت قائم کر لی جو 300 سال قائم رہی۔ یہ آریحائیوں کے لئے
راحت کا زمانہ تھا۔ منصورہ میں قرامطہ کے فتنہ کی بناء پر سلطان محمود غزنوی نے المنصورہ پر لشکر کشی
کی اور ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان آریحائیوں کو ہوا۔ جہاں بنو سامہ
نے المنصورہ سے الگ ہو کر خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا''۔

اس اقتباس سے چوہدری صاحب اور صوفی صاحب دونوں نے اتفاق کیا ہے کہ
ہندوستان میں بقول صوفی صاحب آل سلیم اور بقول چوہدری صاحب آریحائیوں کے بس جانے
کی وجہ خلیفہ سلمان کا حکم امتناعی تھا۔ مگر تاریخ میں ایسا ذکر نہ ہے تاریخ طبری از علامہ ابی جعفر محمد بن
جریر الطبری جلد پنجم صفحہ 425 پر بعنوان فتح سندھ صرف اس قدر لکھا گیا ہے۔

''نیز اسی 90ھ میں محمد بن قاسم الثقفی نے جسے حجاج بن یوسف نے فوج
دے کر سندھ فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ داہر بادشاہ سندھ کو قتل کیا۔''

اس کے سوا فتح سندھ کے متعلق اور مواد ہرگز نہ ہے۔ لہذا تاریخ طبری کے مطابق خلیفہ کا کوئی حکم
امتناعی جاری نہ ہوا۔ تاریخ ہندوستان مولفہ مولانا ذکاء اللہ کا مطالعہ کیا گیا۔ خلیفہ سلمان کا ایسا حکم
بابت مجاہدین موجود نہ ہے۔

مولانا اطہر مبارکپوری نے ''خلافت امویہ اور ہندوستان'' کتاب لکھی ہے۔ بڑی
جامع کتاب ہے۔ اس کے صفحہ 122 پر محمد بن قاسم کی گرفتاری کا حال لکھا گیا ہے۔ لیکن خلیفہ
سلیمان کا ممانعت کا حکم اس میں موجود نہ ہے۔ تاریخ طبری کے صفحہ 249 پر خلیفہ سلمان ولد
عبدالملک کی خلافت کے حالات درج ہیں۔ لیکن محمد بن قاسم کا ذکر نہ ہے اور نہ ہی کوئی حکم امتناعی
پایا جاتا ہے۔

چوہدری صاحب نے صوفی صاحب کی کتاب کی روشنی میں خلیفہ سلیمان کے حکم امتناعی کو زیادہ سخت الفاظ کی زبان دی ہے۔ اپنی طرف سے اس حکم کی تائید میں کوئی سند نہ دی ہے۔ دوسرے تاریخ از مولانا ذکاء اللہ میں یہ درج ہے۔ کہ محمد بن قاسم کے بعد یزید بن کبشہ گورنر بن کر آ گیا تھا جو اٹھارہ دن بعد انتقال کر گیا اور اس کی جگہ نیا گورنر آنے میں دیر ہو گئی تو راجہ داہر کے بیٹے جیسیہ نے برہمن آباد پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ کیونکہ بہت سے مجاہدین واپس چلے گئے تھے۔ ویسے بھی خلیفہ سلیمان دو یا اڑھائی سال برسر اقتدار رہا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسا شخص خلیفہ بنا۔ جس کے زمانہ میں خلافت راشدہ کا دور واپس آ گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں تو کسی قسم کی ممانعت نہ دی تھی۔ خود صوفی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ سلیمان خلیفہ کے دور خلافت میں دو یا اڑھائی سال ادھر رہے ہوں گے۔ اس کے مرنے کے بعد سب کے سب واپس نہیں چلے گئے ہوں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کم از کم دو یا اڑھائی سال بعد مجاہدین کی واپسی پر کوئی پابندی نہ تھی۔ لہذا آل سلیم یا آریحائیوں کا مجبوری کے عالم میں سندھ میں آباد ہونے کا نظریہ قابل پذیرائی نہ ہے۔

چوہدری صاحب اپنی کتاب کے صفحہ 118 پر لکھتے ہیں۔ ''کہ ملک سندھ پر پورے چالیس برس تک خلفائے بنوامیہ کی خلافت رہی۔ اور اس کے بعد نوے سال تک خلفائے عباسیہ کی شہنشاہی کا دور رہا۔ اس کے بعد منصورہ اور ملتان کی دو وسیع اور طاقتور ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اس لئے ان آزاد و خود مختار اسلامی ریاستوں میں آریحائیوں کی کافی تعداد پھر سے آباد ہو گئی تھی۔ یہ لوگ مجموعی طور پر مفسدوں کے مقابلہ میں غالب تھے۔ انہوں نے اب کاشتکاری اور زراعت کا کام شروع کر دیا تھا۔ اور ان ریاستوں کی شادابی کو قابل رشک بنا دیا تھا۔

محمد بن قاسم نے 90ھ میں سندھ پر حملہ کیا تھا۔ جسے اس وقت تک (یعنی 300ھ تک) تقریباً دو سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور آریحائیوں کی تیسری نسل بڑھ رہی تھی۔ ان کی تعداد کافی ہو چکی تھی۔ اور دوسرے لوگوں میں وہ آریحائیوں کے نام سے ہی جانے جاتے تھے۔''

تاریخ آرائیاں کے صفحہ 106 پر ایک مضمون سردار محمد مالک علمی کتب خانہ لاہور،

پبلشر تاریخ آرائیاں نے لکھا ہے۔

''میں نے نئے ایڈیشن تاریخ آرائیاں کو شروع کرنے سے پہلے خود ایسی تاریخوں کا مطالعہ شروع کیا۔ جو تاریخ کے پرانے ماخذوں کی مدد سے لکھی گئی ہوں۔ چنانچہ میں نے ڈپارٹمنٹ آف سندھیالوجی کی شائع کردہ کتاب ''عرب کنگڈم آف المنصورہ'' از مختار حسین پٹھان (یہ موصوف مصنف کا پی۔ایچ۔ڈی کا تھیسز تھا۔ جو انہوں نے سندھ یونیورسٹی کو پیش کیا تھا) کا مطالعہ کیا۔ یہ بڑی تحقیقی کتاب ہے تمام مسلم مورخوں، مسلم سفیروں جنہوں نے مختلف بادشاہوں کے دور میں سندھ کا دورہ کیا تھا۔ اور تاریخی یادداشتیں بنائی تھی کے حوالوں سے لکھی گئی ہے۔ دوسری اور تیسری دو کتابیں ہندوستان میں عربوں کی حکومت از مولانا اطہر مبارکپوری ایڈیٹر البلاغ کمیٹی بھی پرانے تاریخی ماخذوں کی مدد سے تیار کی گئی ہیں۔ (۱)۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں (۲)۔ سندھ پر عربوں کی حکومت بنوامیہ کے دور میں آرائیں ہونے کی وجہ سے میں نے ان کتب میں لفظ آرائیں، الزاعی، آریحائی، آل ذورعین کی تلاش شروع کر دی۔ لیکن مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔

چوہدری صاحب تو لکھتے ہیں کہ تین سو سال کے عرصہ سندھ میں رہ جانے والے ایک گروہ کو آریحائیوں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ حاجی سردار محمد کی مطالعہ کردہ کتب سندھ کی فتح اور اس کے بعد کے واقعات اور اسلامی ریاستوں پر اتھارتی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں حاجی صاحب کو آریحائی یا آرائیں نام کا کوئی لفظ نہ ملا ہے۔ عربوں میں مسعودی اور مقدسی، مشہور سیاح اور مورخ گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنے مشاہدات اور معلومات سے سفرنامے اور تاریخی کتب لکھی ہیں۔ انہوں نے منصورہ اور ملتان کے اس وقت کے باشندوں میں کسی گروہ کو آریحائی نہ لکھا ہے۔

مقدسی نے 375ھ (986ء) میں ملتان کا دورہ کیا تھا۔ مقدسی کے الفاظ میں کتاب پنجاب مصنف ڈاکٹر انجم رحمانی اپنی کتاب کے صفحہ 186,185 پر لکھتے ہیں۔

''آبادی کی اکثریت عربوں پر مشتمل ہے۔ باشندے کالے اور گندمی رنگ

کے ہیں۔" آرائیں یا آریحائی کا ذکر نہ ہے باشندے کالے رنگ کے
ہیں جب کہ آرائیں سفید رنگ ہوتے ہیں۔

چوہدری صاحب نے صفحہ 121 پر لکھا ہے۔

"اوچ آرائیوں کی تیسری بڑی ریاست تھی۔ جو منصورہ اور ملتان کی تباہی کے بعد قائم ہوئی اور یہیں سے اٹھکر انہوں نے محمود غزنوی اور محمد غوری کی افواج کے شانہ بشانہ مختلف تاریخی جنگوں میں حصہ لیا۔"

جب ملتان کی قائم کردہ ریاست میں قرامطہ کا فتنہ زور پکڑ گیا تھا۔ تو سلطان محمود غزنوی نے ملتان پر حملہ کر کے اس فتنہ کا خاتمہ کیا تھا۔ اس وقت اوچہ میں بہاطیہ گروہ (بھٹی راجپوتوں) کی حکومت تھی۔ برصغیر کی ہر تاریخ اٹھا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ تمام تواریخ کے مطابق اوچہ میں بھوٹا (بھٹہ یا بھٹی راجپوتوں) کی حکومت ملے گی۔ محمد غوری کے وقت بھی اوچہ پر ان ہی لوگوں کی حکومت تھی۔ خود چوہدری صاحب کی کتاب میں مندرجہ اس خط سے جو آپ نے پروفیسر عباسی مصنف (حقیقت قوم کمبوہ) کو لکھا تھا۔ ثابت ہے۔ لہذا اوچہ ارائیوں کی تیسری ریاست کی تھیوری غلط ہے۔

چوہدری صاحب نے آرائیوں کی تیسری ریاست اوچہ کے متعلق تاریخ سے کوئی سند نہ دی ہے۔ مولف نے اردو، انگریزی میں پاکستان کی تاریخ، تاریخ سندھ، علاقائی تاریخوں، تاریخ بہاولپور، تاریخ ملتان، تاریخ اوچہ شریف، تاریخ خانیوال، تاریخ وہاڑی، علاقائی ضلعی گزیٹر کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ کسی سے ثابت نہ ہوا کہ اوچہ آریحائی یا آرائیں کسی عربی قبیلہ کی ریاست تھی۔ البتہ اوچہ سے آرائیں قوم کا بنیادی تعلق ہے اس کے متعلق تاریخی حوالہ جات، اقتباسات از تاریخ اوچہ شریف آئندہ کسی باب میں پیش کئے جائیں گے۔ یہاں پر اس ساری بحث کے پیش نظر بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ مولانا نجیب آبادی اور علی اصغر چوہدری کا نظریہ کہ آرائیں آریحا چھاونی سے محمد بن قاسم کے ساتھ آ کر سندھ کو فتح کرنے والے آریحائی قبیلہ کے اخلاف ہیں اور آریحائی کا لفظ لہجے اور تلفظ کی تبدیلی سے آرائیں بنا قابل پذیرائی نہ ہے۔

چوہدری صاحب اپنے زور خطابت کے دوران آریحائیوں اور باقی شامی، عراقی مجاہدین کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آرائیں آریحائیوں ہی کی نہیں بلکہ تمام عربی مجاہدین کی اولاد ہیں جو لشکر اسلام میں شامل تھے۔ یہی بات حاجی سردار محمد کتاب آرائیاں از علی اصغر چوہدری کے پبلشر نے اپنے مضمون میں کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"درست نظریہ: آرائیں دراصل عربی ہیں جن میں مختلف عرب قبیلے شامل ہیں۔ کسی ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے کو محل نظر قرار دینا درست نہ ہے۔ اس لئے یہ قریشی، عراقی، آریحائی، یمنی سب ہی کافی عرصہ بعد آرائیں نام سے پکارے جانے لگے۔"

حاجی صاحب نے کچھ پرانی آرائیوں کی جاگیروں کی اسناد اور بعض بیع نامہ جات میں کچھ ناموں کے ساتھ شیخ کے لقب کی بناء پر آرائیوں کو عربی کہا ہے۔ اور مندرجہ بالا اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔

آیا لفظ شیخ کی بنا پر عربی ہیں۔ اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

مولف کے نقطہ نظر سے مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر آرائیں عربی النسل نہ ہیں۔

لفظ شیخ اور آرائیں:

صوفی اکبر علی جالندھری اپنی کتاب سلیم التواریخ کے صفحہ 66 پر لکھتے ہیں۔ کہ آرائیں خاندان کٹار بنداں لاہور کے ایک بزرگ کو مغلیہ شہنشاہ کی طرف سے جاگیر عطاء ہوئی تھی۔ ان کا نام شیخ محمد عارف لکھا گیا ہے۔ جس سے وہ عربی ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح تاریخ آرائیاں مرتبہ علی اصغر چوہدری میں صفحہ 107 پر درج ہے۔ کہ بعض خاندانوں کے شجرہ سے معلوم ہوا کہ وہ شیخ کہلاتے تھے۔ جو عربوں کا عام دستور ہے۔ لاہور کے کاردار خاندان کے بزرگ جب وہ مغل بادشاہ شاہجہان کی فوج میں بڑے افسر تھے۔ تو دونوں بھائیوں کے نام شیخ سے شروع ہوتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ آرائیں ان عربوں پر اس وقت چسپاں کیا گیا۔ جب [illegible] نے جہاد فی سبیل اللہ کا مقدس فریضہ چھوڑ کر اپنی زمینوں پر زمیندار [illegible]

اس لفظ شیخ سے مورخین قوم آرائیں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شیخ کہلانا عربوں کا دستور ہے۔لہذا آرائیں بھی عربی ہیں۔آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ اگر کوئی خاندان شیخ کے لقب سے پکارا جاتا رہا ہے تو کیا یہ اس کے عربی النسل ہونے کی دلیل ہے۔

صوفی محمد اکبر علی جالندھری مصنف ''سلیم التواریخ'' اپنی کتاب کے صفحہ 66 پر خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔

''شیخ عربوں کا خاص لفظ ہے۔جو شروع اسلام میں ہر نومسلم کے واسطے بولا جاتا تھا۔اور اب تک جاری ہے۔شاہی وقتوں میں یہ لفظ زیادہ مروج تھا۔بزرگ اور ذی عزت لوگوں کے واسطے بولا جاتا تھا۔''

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی خاندان کا لقب شیخ ہو تو اس کا عربی ہونا لازمی نہ ہے۔بلکہ وہ نومسلم بھی ہوسکتا ہے۔یا کسی فرد یا خاندان کی بزرگی یا اس کے ذی عزت ہونے کی بنا پر یہ لقب دیا جاسکتا ہے۔اگر کوئی نیک طینت بزرگ معرفت کے بہت اونچے مرتبے پر فائز ہو جائے تو اس کو شیخ کے معزز لقب سے پکارا جاتا ہے۔خواہ اس کا تعلق کسی قوم سے ہو۔تاریخ لاہور کے مطابق حضرت شیخ حسو جو بہت کامل بزرگ اور ولی اللہ لاہور میں گزرے ہیں۔ان کا مقبرہ لاہور میں ہے۔جو مرجع خلائق عام ہے۔حضرت صاحب قوم کے تیلی تھے۔اور حضرت شیخ حسو تیلی کے نام سے مشہور ہوئے۔شیخ سعدی جنہوں نے گلستان اور بوستان جیسی یگانہ روزگار کتابیں لکھیں۔پرانے وقتوں میں فارسی کے مشہور شاعر اور نثر نگار ہو گزرے ہیں۔فارسی النسل تھے ان کو بزرگی کی بنا پر شیخ کہا جاتا ہے حالانکہ وہ عربی نہ تھے۔بلکہ ایرانی تھے۔''تحقیقات چشتی'' کے صفحہ 107 کے مطابق حضرت علی ہجویری جب سلطان محمود غزنوی کے عہد میں غزنی سے لاہور تشریف لائے اسوقت لاہور کا حاکم رائے راجو تھا۔جو حضرت علی ہجویری کے دست مبارک پر مشرف بااسلام ہوا تھا۔اور مشرف بااسلام ہونے کے بعد شیخ ہندی کہلایا۔اس کی اولاد علی ہجویری کے دربار کی مجاور رہی۔تاوقتیکہ دربار کو محکمہ اوقاف نے اپنی تحویل میں نہ لیا۔شیخ ہندی کی اولاد بھی شیخ ہی کہلاتی رہی۔شیخ ہندی کی اولاد کا مکمل شجرہ نسب تحقیقات چشتی کے صفحات پر

موجود ہے۔جو کہ شیخ ابن شیخ کی طرز پر ہے۔جہاں رائے راجو راجپوت تھا۔جو اسلام لانے کے بعد شیخ کے لقب سے پکارا جانے لگا اس کی اولاد بھی شیخ کہلاتی رہی۔

خاندان کارداراں میں لقب شیخ کے لئے تلاش بسیار کی گئی۔لاہور کے متعلق تواریخ لاہور کا مطالعہ کیا۔کہ کہیں خاندان کارداراں کے کسی فرد کا لقب شیخ نہ ملا ہے۔اس خاندان کے افراد میاں کہلاتے تھے۔عہد سکھاں میں اس خاندان کا ذکر ملا ہے۔میاں امام بخش سکھوں کے عہد میں نہایت مشہور عہدہ کارداری پر فائز تھے۔جہاں تک خاندان کٹار بنداں کے شیخ محمد عارف کا تعلق ہے۔چوہدری صاحب نے اس خاندان کا مفصل ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اس خاندان کے مورث اعلیٰ کمال الدین میاں کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔اس خاندان کی شجاعانہ قابلیت اور فوجی خدمات کے عوض شاہجہان نے دربار منعقد کر کے اس خاندان کے فرد میاں حبیب اللہ کو دوسرے عطیات کے ساتھ ایک تلوار بھی عطا کی تھی۔اس لئے اس خاندان کا نام کٹار بنداں ہوگیا۔اسی خاندان میں شیخ عارف کو اورنگزیب عالمگیر نے جاگیر دی تھی۔سکھوں کے عہد میں یہ خاندان بہت مقتدر رہا۔اسی خاندان سے مہر شادی لاہور کا مقدم تھا۔انگریزی عہد میں اس خاندان سے میاں اللہ بخش ذیلدار تھا اور اس کا بڑا بیٹا میاں خدا بخش ذیلدار اور آنریری مجسٹریٹ تھا۔خاندان کٹار بنداں کی تفصیلات ارائیں مصنفین کی کتب سے لی گئی ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے مورث اعلیٰ میاں کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔جیسے میاں کمال دین،میاں حبیب اللہ صرف محمد عارف کو جاگیر دیتے وقت ذی مرتبہ ہونے کی بناء پر سند میں شیخ عارف لکھا گیا۔بعد میں اس خاندان کے افراد مہر اور کہیں میاں کہلاتے رہے۔شیخ عارف بڑے ذی وقار شخص ہوں گے۔یا معرفت الٰہی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گے۔اس لئے ان کو شیخ کے لقب سے پکارا گیا۔

عربی خاندانوں میں لفظ شیخ شروع سے آخر تک قائم رہتا ہے۔مثلاً اوچ شریف مولفہ از زبیر شفیع غوری صفحہ 175 ملاحظہ فرمایئے۔

میاں حضرت جمال الدین خنداں رو کا سلسلہ نسب دیا گیا ہے۔جو حضرت ابوہریرہ کی

اولاد سے تھے اور جو حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری کے فرزند حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے ہمعصر تھے اور اوچ شریف میں مقیم تھے۔ شجرہ نسب یوں ہے۔

شیخ جمال الدین خنداں رو ابن شیخ رضی الدین بن حاجی عثمان بن شیخ غزنوی بن شیخ عبداللہ بن شیخ حس بن شیخ القاسم محمد بن شیخ یحیی ۔۔۔۔۔۔۔۔ بن حضرت ابو ہریرہؓ۔

ایک اور آرائیں بزرگ اللہ داد کا شجرہ نسب تاریخ آرائیاں میں ہی دیا گیا ہے۔ جو شیخ اللہ داد کہلائے۔ کیونکہ وہ پہلے دور کے بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ سرسہ میں ان کا مقبرہ اب بھی ریلوے سٹیشن کے متصل ہے شیخ بڈھن بھی معرفت میں اونچا مقام رکھتے تھے۔ لہذا شیخ بڈھن کہلائے۔ ایسا ہی شیخ کالو کے ضمن میں ہوگا۔ ان کے علاوہ اس خاندان میں کسی کو شیخ نہ لکھا گیا ہے۔ اس خاندان کے افراد مہر اور چوہدری کہلاتے تھے۔ اس خاندان میں چوہدری شان محمد نمبردار بارہ آرائیاں کے رئیس اعظم تھے۔ ان کی ہندوستان میں 22 ہزار ایکڑ اراضی تھی۔ اس خاندان میں بھی لفظ شروع سے آخر تک نہ آتا ہے۔ لہذا کسی خاندان کے ایک شخص کے لقب شیخ سے خاندان عربی نہیں کہا جاسکتا۔

صوفی صاحب نے سلیم التواریخ میں اسناد جاگیرات پیش کی ہیں۔ ان میں صرف محمد عارف کو شیخ لکھا گیا ہے۔ کچھ اور بیعنامہ جات کی نقولات بھی صفحہ کتاب پر دی ہیں۔ ان بیعنامہ جات میں مالکان تو واضح طور پر دوسری اقوام کے ہیں۔ مشتریوں کے نام کے ساتھ لفظ شیخ نہ لکھا گیا ہے۔ البتہ صوبہ پنجاب کے دو بیعنامہ جات میں مشتریوں کے نام کے ساتھ شیخ لفظ لکھا ملتا ہے۔ جس میں مشتری ایک ہی ہیں۔ شیخ بدرالدین بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ اولیاء، دوسرے میں بدرالدین بن نجم الدین ابن عبدالعزیز بن شیخ اولیاء درج ہے۔ لیکن ان دونوں میں مشتریان کی قوم درج نہ ہے۔

لہذا قارئین خود فیصلہ کرسکتے ہیں۔ کہ آیا ان کے خاندانوں کو عربی کہا جاسکتا ہے؟ البتہ تین چار بیعنامہ جات میں افراد کا لقب شیخ موجود ہے اور قوم بھی رائن لکھی گئی ہے۔ یہ دستاویزات یا بیعہ جات یوپی (ہندوستان) کے ہیں۔ جہاں قوم آرائیں رائن کہلاتی ہے۔ رئیس خاندانوں

کے بعض اشخاص شیخ کہلاتے ہیں۔ یوپی کے آرائیں سرسہ اور جالندھر سے اٹھکر 1773ء میں اتر پردیش میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ سرسہ اور جالندھر کے آرائیں مہر اور میاں کہلاتے تھے۔ اور یوپی میں بھی اکثریت آرائیوں کی میاں ہی کہلاتی ہے۔ رئیس آرائیوں نے یوپی میں شیخ کہلانا کیوں شروع کیا۔ اس پر آئندہ مناسب باب میں روشنی ڈالیں گے۔

تاریخ لودھراں میں مصنف محمد تقی شمیم صفحہ 204 پر لکھتے ہیں۔ مہتہ لیکھراج ہندو اروڑہ ساکن قادر پور چمنہ ضلع لودھراں نے بوقت تقسیم ملک اسلام قبول کرلیا۔ اس کا نام غلام مصطفیٰ رکھا گیا۔ اس کا بیٹا شیخ رب نواز ہے۔ جو اس علاقہ کا بہت بڑا زمیندار ہے۔ تاریخ گوجراں مولفہ حافظ عبدالحق سیالکوٹی صفحہ 46 پر ایک شخص شیخ جمال گوجر کو تاریخ گجرات کا مولف لکھا ہے۔

12 مئی 2003ء کو روزنامہ نوائے وقت میں ڈاکٹر رشید کا ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ انحصار کے طور پر اس میں لکھا ہے کہ بھیرہ میں خاندان کمبوہ کے افراد شیخ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ خاندان کمبوہ بڑی عزت وتوقیر رکھتا ہے۔

ذاتوں کے انسائیکلوپیڈیا میں راجپوت منج قوم کے مورثین میں ایک کا نام شیخ چاچو لکھا گیا ہے۔ کیا شیخ رب نواز روڑا، شیخ جمال گوجر، پھر لقب شیخ کی بناء پر کمبوؤں اور شیخ چاچو منج راجپوت کو آرائیں اس بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کا لقب شیخ ہے؟

جواب نفی میں ہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کسی فرد یا خاندان کے نام کے ساتھ شیخ موجود ہو تو یہ اس خاندان یا فرد کے عربی النسل ہونے کی دلیل نہ ہے۔ لاہور کے ککے زئی خاندان کے بعض افراد شیخ اور بعض ملک کہلاتے ہیں۔ حالانکہ وہ پٹھان ہیں۔

☆☆☆

کیا آرائیوں کے نام ان کے عربی ہونے کی دلیل ہیں؟

مورخین اقوام آرائیں:

اس بناء پر بھی آرائیوں کو عربی النسل شمار کرتے ہیں کہ اس میں مردوں اور عورتوں کے نام عربی ہیں۔

سلیم التواریخ میں مردوں اور عورتوں کے نام:

مردوں کے نام:

ابراہیم (ابرا۔ ایہ) اسمٰعیل (سیلا) اکبر (اکو) احمد۔ امیر الف دین۔ اعظم۔ انبیاء۔ اسحاق۔ الیاس۔ اسداللہ۔ اسلم۔ آصف۔ امیر الدین۔ اصغر۔ انور۔ اختر۔ اکرم۔ احسان الحق۔ الٰہی بخش۔ بدرالدین (بدرا) بشیر احمد۔ برکت۔ تاج۔ جلال (جالو) جلو۔ جمال (جمالا) جمیل۔ حسن (حسو، حسنا) حسین (سینا) حاجی۔ حکیم۔ حبیب۔ حمید۔ رشید۔ رفیق۔ رمضان۔ رحمت۔ ستار۔ شریف۔ شکور۔ صدیق۔ صابر۔ صادق۔ طالب۔ ظہور۔ عارف۔ عبدالحق۔ عبدالرحیم۔ عبدالرشید۔ عبدالمجید۔ عبدالعزیز۔ غوث (غوثا۔ غونث) فضل (فضلا) قادر (قادا۔ کادو) محمود۔ مبارک۔ یونس۔ یوسف (جوسف) یعقوب (قوبا)۔ غلام محمد۔ غلام نبی۔ غلام رسول۔

عورتوں کے نام:

آمنہ۔ آسیہ (آسی) اصغری۔ انوری۔ جنت (جنتے) حلیمہ (حلیماں) ہاجراں۔ حبیبہ (حبیاں) حفیظہ۔ خیر (خیراں) خدیجہ۔ رابعہ (رائباں) رحمت (رحمتے) رشیدہ (رشیداں۔ شیداں) سائرہ (سائراں) زینب (زیبے) شریفہ (شریفاں) عائشہ (ایشاں) فاطمہ (فتی۔

فاتو۔ فاتاں) کریمہ (کریمن)۔ نورہ (نوراں)۔ غلام فاطمہ۔

یہ تقریباً تمام نام سوائے چند کے عربی اور ہندی کا مرکب ہیں۔ اگر آرائیں عربی ہوتے۔ تو لازمی طور پر فاتحین سندھ عربی مجاہدین کے ناموں کی جھلکیاں ان آرائیوں کے ناموں میں مل جاتیں۔ ملاحظہ ہو: نباتہ، زیاد، عقبہ، منذر، عوانہ، جریم وغیرہ۔

- یوں یوں ہم نیچے سے اوپر کو جائیں۔ ان کے نام ہندی ہو جاتے ہیں جیسے بڈھا، بڈھن، کالو، گلاب، رلیا وغیرہ۔

عورتوں میں رلی، متی، بخشاں وغیرہ حالانکہ اس کے الٹ ہونا چاہئے تھا۔ شجرہ نسب ہائے میں بہت اوپر کے نام عربی ہونے چاہئیں۔ آہستہ آہستہ ہندی کا اثر ہوتا۔ ہاں اب عبدالرحمٰن، مسعود، حسن، سلیمان، جنید، نام مل جاتے ہیں۔ لیکن جن ناموں کو عربی قرار دیا گیا ہے اور آرائیوں سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ تمام نام دوسری اقوام جاٹ، راجپوت، کمبوہ مردوں اور عورتوں کے بھی ہیں۔ اگر جاٹ راجپوتوں کے نام عبدالرحمٰن، مسعود، حسن، سلیمان، جنید ہوں تو کیا ہم ان کو ان ناموں کی بناء پر عربی النسل آرائیں کہہ سکتے ہیں۔

جواب نفی میں ہے۔

ثابت ہوا کہ ناموں کی بناء پر آرائیوں کو عربی النسل قرار نہ دیا جا سکتا ہے۔

عربوں کی خصوصیات آرائیوں میں مفقود ہیں

اب ہم عربوں کی مخصوص خصوصیات پر غور کرتے ہیں اور موازنہ کرتے ہیں کہ عربوں کی خصوصیات کس حد تک آرائیوں میں پائی جاتی ہیں۔

عرب انساب کے ماہرین:

اہل عرب علم انساب کے ماہر ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد اکبر شاہ نجیب آبادی اپنی ایک دوسری کتاب "تاریخ اسلام" میں صفحہ 58 پر یوں رقم طراز ہیں۔

''اہل عرب کو اپنے نسب کے سلسلے محفوظ رکھنے کا بہت شوق ہے۔ آباؤ اجداد کے ناموں اور کارناموں کو وہ فخریہ بیان کرتے تھے۔ اس ذریعہ سے لڑائیوں میں جوش اور بہادری کا جوش وشوق پیدا ہوتا ہے''

محبت حسین اعوان اپنی کتاب ''تاریخ علوی'' کے صفحہ 134 پر لکھتے ہیں۔

''تمام دنیا جانتی ہے کہ اہل عرب علم انساب میں ماہر ترین لوگ ہیں۔ ہر عرب اپنے حسب نسب کے بارے میں اچھی طرح واقفیت رکھتا ہے۔ اہل عرب تو اس معاملہ میں اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ اپنے گھوڑوں اور گھوڑیوں کے حسب نسب کو یاد رکھتے تھے۔ وہ علم انساب میں اس قدر ماہر تھے کہ ان میں سے کچھ لوگ رسول اکرم ﷺ کا نسب نامہ حضرت اسماعیل تک پشت در پشت جانتے تھے۔''

علامہ حافظ ابن کثیر اپنی کتاب ''تاریخ ابن کثیر'' صفحہ 52 پر لکھتے ہیں۔

''معد کو اپنے والد عدنان سے پہلے کا اپنا سلسلہ نسب جو اس نے ارمیا کے کاتب اخیاء کے پاس ایک کتاب میں دیکھا تھا بفضل خدا اچھی طرح یاد ہے۔''

عدنان حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے قیدار کی نسل سے ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب کئی پشتوں بعد حضرت اسماعیلؑ سے جا ملتا ہے۔ عدنان کی اولاد حضرت اسماعیلؑ کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے۔

☆☆☆

عدنان کا شجرہ نسب مطابق تاریخ اسلام از مولانا نجیب آبادی صفحات 53-55 یوں ہے۔

شجرہ نسب عدنان

شجرۂ نسب بنی سام

نوح علیہ السلام

حام — سام — یافث

ارم — لادو — خلیم — ارفحشد

ماش — عوص — کاثر

فارس — طسم — عملیق

نمرود

کنعان

نمرود

بخاریف

حاد

عابر — لقمان — حضور — شداد

رقیم — سعد — ایاح — ہدواد

عاد — جیرون — عبداللہ — ہداد

ہود — شداد

ثمود — عبدضخم

عبیل

شالخ

سف

عبیل

صالح

حاثم

فراعنہ مصر

لادو

عملاق — امیم — طسم

شالخ

عابر

فالغ — یقطن

ارغون — ملکان — نمرود

ساروغ — کنعان — لکوش

تاجور

ابراہیم — اباران

سارہ

اسمعیل — مدین — اسحٰق

قیدار

عیصو — یعقوب

حضور — جرہم — حضرموت — یعرب

سباہ

موسیٰ ـــ عمران ـــ قاہث ـــ لاوی

عدنان
معد
نزار
مضر
ایاد
انمار
ربیعہ
قیس غیلان
یاس
عجل
سدوس
امازم
ضبیعہ
نمر
لجیم
اسد
مدرکہ
لہانجہ
عبدالقیس
بکر
عجل
ازیل
خزیمہ
بنومزینہ
جنہ
اباب
بنوتمیم
جدیلہ
وایل
اسد
ہون
کنانہ
ثور
یتیم
ثعلبہ
ایاح
تغلب
بکر
بنوحنیفہ
بنوشیبان
عبدمناۃ
عامر
نضر
مالک
بنوبکر
بنوتغار
مالک
بنوفراس
فہر یا قریش
ہوازن
مازن
عقیل
عدوان
بنوکلب
سلیم
باہلہ
غطفان
حشم
بنوسعد
بنوبکر
بنوثقیف
ذبیان
عبس
مزارہ
بنوعامر
بنونمیر

فہر بن مالک (قریش)

ملاحظہ فرمایئے عربوں کے حافظہ کو کہ ان کو حضرت رسول اکرم ﷺ سے حضرت اسماعیلؑ تک کا شجرہ نسب یاد تھا۔ اتنے اتنے طولانی شجرہ نسب زبانی یاد رکھنا عرب حافظہ کا ہی خاصہ ہوسکتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ آرائیں حضرات نسب نامہ کے یاد رکھنے میں عربوں کے مشابہ ہیں یا ان کی گرد کو بھی پہنچتے ہیں۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آرائیوں کی اکثریت کو اپنے پڑدادا تک کے نام یاد ہوتے ہیں۔ اس سے آگے اپنے نسب کا معلوم نہ ہوتا ہے۔ بلکہ کچھ کو تو پڑدادا کا نام بھی یاد نہ ہوتا ہے۔ بہت تھوڑے تعلیم یافتہ خاندانوں میں تحریری نسب نامے ملتے ہیں۔ جو زیادہ سے زیادہ سات آٹھ پشت تک ہوتے ہیں اور مختصر ہوتے ہیں۔ اگر آرائیں عربی النسل ہوتے تو وہ بھی نسب کے یاد رکھنے میں طاق ہوتے اور یقیناً ان کو بھی پندرہ بیس پشتوں تک شجرہ نسب خاندان خود یاد ہوتا۔ آرائیں مورخ اول صوفی محمد اکبر جالندھری نے سلیم التواریخ لکھنے سے قبل ہندوستان بھر کا دورہ کیا تھا۔ تمام اہم علاقوں میں گئے اور آرائیں اکابرین سے بالمشافہ ملاقاتیں کیں۔ لیکن ان کو کسی خاندان کا شجرہ نسب نہ مل سکا۔ جو محمد قاسم کے ہمراہی مجاہدین میں سے کسی تک پہنچتا ہو۔ نسب کو یاد رکھنے اور تحریر کرنے کی عادت آرائیوں میں نہ پائی جاتی ہے۔ اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آرائیوں کا عرب نسل سے کوئی تعلق نہ ہے۔ اگر عربی ہوتے تو ضرور حسب ونسب کے یاد رکھنے میں طاق ہوتے اور اپنے شجرہ نسب محفوظ رکھتے۔

شاعری حافظہ اور فصاحت و بلاغت

مولانا نجیب آبادی ہی کی کتاب ''تاریخ اسلام'' کے صفحہ 62 کے مطابق

''ایام جاہلیت میں کوئی ایسا عربی شخص نہ تھا۔ جس کو شاعری کا سلیقہ نہ ہو۔ مرد، عورت، بچے، بوڑھے، جوان سب کے سب تھوڑے بہت شاعر ضرور ہوتے تھے۔ گویا وہ ماں کے پیٹ سے شاعری اور فصاحت لے کر پیدا ہوتے تھے۔ ان کی شاعری عموماً فی البدیہہ ہوتی تھی۔ غور کرنے مضمون تلاش کرنے کی ان کو ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اہل عرب کی قوت حافظہ بہت زبردست تھی۔ کئی کئی سو اشعار کے قصیدے ایک مرتبہ سن کر یاد کر لینا اور

نہایت صحت کے ساتھ سنا دینا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ ان کو اپنی فصاحت اور قادر کلامی پر اس قدر ناز تھا کہ وہ باقی دنیا کو اپنے آگے گونگا یا عجمی جانتے تھے۔''

قابل غور بات یہ ہے کہ آرائیوں میں شاعری کا ذوق کم ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ محمد بن قاسم کے ورود سے ایک ہزار سال تک بھی کوئی اہم تو کجا قابل ذکر ارائیں شاعر کا ذکر نہ ملتا ہے۔ اشعار کے یاد رکھنے میں بھی سوائے خال خال افراد عموماً آرائیں پھسڈی واقع ہوئے ہیں۔ دور حاضر کے ظفر اقبال اور عبدالعزیز خالد کے علاوہ کوئی قابل ذکر شاعر اس قوم میں نہ پایا جاتا ہے۔ یو۔ پی، سی۔ پی میں بریلی، بھیلی پیت، رام پور، مرادآباد میں شاعری کا چرچا عام ہے۔ وہاں کی فضاء شاعری سے معطر ہے۔ اتر پردیش میں آرائیوں کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ لیکن وہاں کے آرائیوں میں کوئی بھی قابل ذکر شاعر نہ ہوا ہے۔ غالباً جلال کا تعلق اس قوم سے ہے۔ سندھ تاریخ کا مطالعہ کیا گیا۔ اس میں بہت سے عرب نسب کے شاعر ہیں مثلاً شاہ عبداللطیف بھٹائی، حضرت سچل سرمست جو نہ صرف سندھ اور پاکستان کے عظیم صوفی شعراء ہیں۔ بلکہ ان کی شاعری کی پہچان بین الاقوامی سطح تک ہے۔ برصغیر میں ہندو پاک میں معلوم عرب نسل کے سینکڑوں شاعر موجود ہیں۔ جن کی شاعری کا ڈنکا تمام برصغیر میں بجتا ہے۔ سید وارث کو پنجابی کا شیکسپئر کہا جاتا ہے۔ سید بابا بلھے شاہ، خواجہ فرید جو نسباً فاروقی ہیں، بہت بڑے صوفی اور شاعر ہوگزرے ہیں۔

جہاں تک فصاحت و بلاغت کا تعلق ہے۔ اس ضمن میں آرائیں قوم کا دامن خالی ہے۔ ان کی بول چال عمومی طور پر فصیح و بلیغ نہ ہوتی ہے۔ فصاحت و بلاغت سے مزین اس قوم میں مقرر بہت کم دیکھنے میں ملتے ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رئیس تحریک احرار ہند کے سوا ان میں کوئی اعلیٰ پایہ کا خطیب نہ ہوا ہے۔ عربی نسل کو دیکھئے سید عطاء اللہ بخاری، فصاحت و بلاغت کے بادشاہ تھے۔ رات گیارہ بجے تقریر شروع اور صبح تک ان کی تقریر کا جادو چلتا۔ مجمع اس قدر مسحور ہو جاتا کہ کوئی وہاں سے اٹھ کر نہ جاتا تھا۔ مجمع کا جس انداز سے چاہتے رخ موڑ دیتے تھے۔ اس اعلیٰ تعلیم کے زمانہ میں بھی آرائیں قوم میں حضرت سید بخاری کے پائے کے مقرر،

خطیب پیدا نہ ہو سکے ہیں۔ آرائیں اگر عربی النسل ہوتے تو شاعری اور فصاحت و بلاغت ان کی طبیعت کا خاصہ ہوتی۔

برصغیر میں عرب نسب کے اولیاء اکرام اور علماء آرائیں:

برصغیر میں اولیاء اکرام کی اکثریت سید، قریشی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی عرب نسل سے ہیں۔ حضرت علی ہجویری سید، حضرت بہا الحق زکریا ملتانی حباری قریشی، بابا بلھے شاہ سید، حضرت عبداللطیف بھٹائی سید، حضرت سچل سرمست فاروقی، حضرت جلال الدین سرخ بخاری، اوچہ شریف سید، حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی، حضرت بابا فرید الدین فاروقی، حضرت سچل سر مست کے جدامجد شہاب الدین اول بن عبدالعزیز 93ھ میں فاتح سندھ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے۔ محمد بن قاسم نے ان کو سوہن (سیون شریف) کا حاکم مقرر کیا۔ یہ عہدہ ان میں موروثی ہو گیا۔ جہاں تک گیارھویں صدی میں محمود غزنوی نے اس خاندان کے فرد محمد فاروق کو برطرف کیا اور اس خاندان کے لئے جاگیر مقرر کی۔ اس کے علاوہ تمام قابل ذکر اولیاء اکرام اور روحانی خاندانوں کا تعلق عرب نسل سے ہے۔

سندھ کے حردوں کے روحانی رہنما پیر صاحب پگاڑہ کا تعلق محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والے مجاہدین کے ایک خاندان سے ہے جو کہ قریشی تھا۔ ملاحظہ ہو رود کوثر از شیخ محمد اکرم صفحہ 296 آرائیں مورخین کا دعوی ہے کہ آرائیں محمد بن قاسم کے ہمراہی مجاہدین کی اولاد ہیں۔ جہاں تک صوفی اکبر علی جالندھری مصنف سلیم التواریخ نے اپنے نظریہ کی بنیاد ہی ایک بزرگ سلیم الراعی پر رکھی ہے۔ ان کا فرزند شیخ حبیب دریائے فرات کے کنارے بکریاں چرایا کرتا تھا۔ کشف المحجوب مصنفہ حضرت علی ہجویری کا انہوں نے حوالہ دیا ہے۔ کشف المحجوب کے اردو ترجمہ سے اس سلسلہ میں اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"شیخ حبیب ولی کامل تھے۔ جو کہ عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ ان کی بکریاں بھیڑیئے چراتے تھے۔ ان کا بیٹا شیخ حلیم محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آیا تھا۔ اس کی اولاد بقول صوفی صاحب ارائین کہلائی۔ جو کہ ارائیں میں بدل گیا۔

قابل غور بات یہ ہے۔ کہ ولی کامل کا اپنی اولاد پر کسی پشت میں اثر نظر نہ آتا ہے۔

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کی اولاد کے روحانی سلسلے پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قوم ارائیں میں محمد بن قاسم کے بعد ہزار سال تک کسی قابل ذکر ولی کا ذکر نہ ملتا ہے۔ پہلے ارائیں ولی کامل شاہ عنایت قادری شطاری کا ذکر اٹھارہویں صدی میں ملتا ہے دوسری اقوام راجپوت، بھٹی، گجر کھرل میں بہت سے ولی اور اولیائے اکرام کے خلفاء سے روحانی سلسلے جاری ہوئے آج سے آٹھ سو برس پہلے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کا ذکر ملتا ہے۔ جو قوم کے کھرل تھے بہاولپور سرزمین کے بہت ولی اللہ ہو گزرے ہیں۔

شاہ عنایت اللہ جو کہ قوم لنگا راجپوت سے تعلق رکھتے تھے۔ ملتان میں 1655ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ مہر علی رانجھا، حضرت معروف خوشحال جو کہ حضرت فرید الدین شکر گنج کی اولاد سے تھے، کے خلیفہ تھے۔ اسی طرح ملا غازی گوندل بھلوال، چوہدری پیچو تارڑ، چوہدری علاؤ الدین تارڑ، حضرت شاہ سلیمان نوری قریشی بھلوال (تاریخ پیدائش 1508ء) کے خلیفہ تھے۔

شیخ ابراہیم ناگوری قوم کے بھٹہ تھے۔ شیخ بہاؤالدین کے مرید تھے۔ مخدوم احمد بھٹی، تاریخ وفات 1528 سندھ میں بڑے کامل ولی ہو گزرے ہیں۔ ان کے فرزند مخدوم محمد اور مخدوم عبدالرؤف بھٹی بھی بڑے عارف اور کامل بزرگ تھے۔

اسلام کی روشنی کے بعد دیگر اقوام مذکور میں روحانی بزرگ ہو گزرے ہیں۔ آرائیوں میں فتح سندھ کے ہزار برس بعد بھی کسی ولی کے آثار نہ ملتے ہیں۔ آرائیوں میں روحانیت کا رجحان بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عربی النسل نہ ہیں۔ آرائیں ولیوں کے نام نہ ملنے کے اسباب کا ذکر کسی مقام پر کیا جائے گا۔

آرائیں مورخین کا خیال ہے۔ کہ آرائیں قوم ابتدائی دور میں معرض وجود میں آ گئی تھی۔ ان کو بقول صوفی اکبر علی رائی اور بقول چوہدری علی اصغر اریحائی کہا جاتا تھا اور بقول مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی آرائیوں کے آباؤ اجداد میں سے بہت سے لوگوں نے

مقامی عورتوں سے شادیاں کرلیں تھیں۔ان کی اولاد اپنے باپوں کی وجہ سے آرائیں کہلاتی تھی۔
پانچویں صدی ہجری یا بارھویں صدی عیسوی کے آخر تک مکران، سندھ، پنجاب میں عربوں کا دور حکومت رہا۔اس دور میں بہت اہل علم مقامی سندھی عورتوں اور عربوں کی اولاد سے پیدا ہوئے۔
ایک بڑی فہرست مولانا اظہر مبارک کی کتاب خلافت عباسیہ اور سندھ کے صفحہ نمبر 426 تا 429 دی گئی ہے۔لیکن بہت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ان میں سے بھی ایک کے نام کے ساتھ راعین، آرائیں یا آریحائی کا لفظ نہ ہے۔ بلکہ سندی لکھا ہوا ملتا ہے۔ حالانکہ بقول آرائیں مورخین عرب ریاستوں منصورہ، ملتان، اوران کے شہروں میں علم کا عام چرچا تھا۔ راعین، رائیں یا آریحائی ان ریاستوں کے باشندے تھے۔ان پانچ صدیوں میں دو چار علمائے عظیم کے نام کے ساتھ لفظ راعین، آریحائی آنا چاہئے تھا۔اس فہرست سے بطور نمونہ تھوڑے سے علماء کے نام لکھے جاتے ہیں:۔ابو العباس احمد بن عبداللہ بن سعید دیبلی ، ابراہیم بن محمد بن ابراہیم دیبلی ، ابو محمد حسن بن حامد بن حسن دیبلی ، ابو عبداللہ بن احمد بن موسیٰ دیتار دیبلی ، ابو حامد بن محمد منصوری، ابو العباس احمد بن محمد بن صالح منصوری، ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ منصوری، ابو بکر احمد قاسم بن سیما سندی، بشیر بن عمرو بن ابو ہارون سندی۔عبداللہ محمد سندی، عبدالحمید سندی، علی بن سنان سندی، علی بن عبداللہ سندی، علی بن محمد سندی، ابو جعفر سندی، ابو حذیفہ ہندی، ابو بحار ہندی، ابو محمد ہندی۔ابوالقاسم منصوری بن ممد سندی، ابو الفرج سندی۔
فہرست مذکور سے چند تھوڑے نام بطور نمونہ دیئے ہیں اگر کوئی تحقیق کرنا چاہے تو تمام نام کتاب مذکورہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔لیکن آرائیں علماء کا نام مفقود ہے۔عربی اپنے نام کے ساتھ قبیلے کا نام ضرور لکھتے ہیں۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فتح سندھ کے بعد بھی آرائیوں کو راعین یا آریحائی نہ کہا جاتا تھا۔راعی یا آریحائی کا نظریہ صحیح نہ ہے۔

☆☆☆

کچھ اور شہادتوں سے ثابت کرتے ہیں کہ آرائیں عربی نہ ہیں

قومی اور علاقائی تواریخ

ارض پاکستان کی قومی اور علاقائی تواریخ میں اقوام دراوڑ، ڈراویڈن، آریا، جاٹ، مغل، راجپوت، عربی اور افغان اقوام کا تذکرہ تو ملتا ہے۔لیکن کسی مورخ نے آرائیوں کو عربی نہ کہا ہے۔موجودہ دور میں علاقائی تواریخ مثلاً تاریخ ملتان، تاریخ ساہیوال، تاریخ وہاڑی، تاریخ خانیوال ، تاریخ بہاولپور اور تاریخ اوچ شریف وغیرہ لکھی گئی ہیں۔جن میں اقوام آرائیں، جاٹ، راجپوت، گجر، اعوان، ڈوگر، سید، قریشی، کمبوہ، پر بسیط تحقیق مضامین لکھے گئے ہیں۔لیکن کسی مورخ نے آرائیوں کو عربی نسل سے قرار نہ دیا ہے۔مختلف اقوام مثلاً راجپوت، گجر، جاٹ، کی تواریخ لکھی گئی ہیں۔ان میں آرائیوں کا ضمناً ذکر آتا ہے۔لیکن کسی مولف نے بھی ان کو عربی النسل قرار نہ دیا ہے۔

مردم شماری رپورٹیں:

ارض پاکستان کی مردم شماری 1881ء کے مطابق جو رپورٹس ہائے انگریز نے مرتب کی ہیں اس کے مطابق بھی آرائیوں کو عربی النسل قرار نہ دیا گیا ہے۔ان کی ابتداء کے متعلق ابٹسن نے اپنی کتاب Punjab Castes میں مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔لیکن آرائیوں کو عربی النسل نہ بتایا ہے۔

ضلعی گزیٹرز:

انگریزوں نے جب برصغیر پر قبضہ کیا تو انہوں نے برصغیر میں موجود تمام اقوام/ [illegible]

اور نسلوں کی عادات و اعتقادات اور رسم و رواج کو جاننے کے لئے گزیٹرز مرتب کئے۔ انکو کتابی شکل میں شائع کیا۔ اگر چہ ان ابتدائی کاوشوں کا مقصد صرف یہ تھا۔ کہ برصغیر کے قبائل کی نیچر کو سمجھ کر مختلف قبائل کو مختلف انداز سے قابو کر کے ان پر اپنی حکومتی گرفت کو مضبوط کیا جائے۔ انگریز نے یہ جانا کہ بعض قبائل اپنی ضروریات کے مطابق اقتدار کے قریب رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کو وسیع قطعات اراضی دیئے گئے۔ جاگیرداروں کا ایک وفادار ٹولہ پیدا کیا۔ جنہوں نے اپنی وفاداری اور نمک حلالی کا مظاہرہ کیا۔ اپنے اپنے علاقے کے سادہ لوح لوگوں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اور اکثر اوقات ظلم و جبر سے انکو اپنے قابو میں رکھتے۔ تا کہ انگریز حکومت کے لئے یہ مسائل پیدا نہ کریں۔ دوسرا طبقہ جو پہلے بڑے قطعات کے مالک تھے۔ اور ثابت ہوا کہ ان کی وفاداریاں انگریز کے ساتھ مشکل سے ہوسکتی ہیں۔ ان کی حیثیت کو گھٹایا، امن پسند اقوام کو نظر انداز کر دیا گیا۔ خیر یہ ایک الگ موضوع ہے۔ جس پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں اس کا ذکر ضمنی طور پر آ گیا۔ اس کا موضوع سے زیادہ تعلق نہ ہے۔ بات مردم شماری اور ضلعی گزیٹرز کی ہو رہی تھی۔

ان مردم شماریوں اور ضلعی گزیٹرز سے برصغیر کی اقوام اور قبائل کی نسلیات پر روشنی پڑتی ہے۔ ان رپورٹس ہائے سے دیگر اقوام ہائے راجپوت، جاٹ، گجر، وغیرہ کے متعلق خاصی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ یہ اقوام کس طرح معرض وجود میں آئیں ان کا ماضی کیا تھا۔ آیا مقامی ہیں یا یہ اقوام باہر سے برصغیر میں وارد ہوئی ہیں۔ ان کا نزول برصغیر میں کب ہوا۔ ان کا تعلق کس نسل سے ہے۔ اگر چہ ان نظریات سے اختلافات کی کافی گنجائش ہے۔ یہ مختلف علاقوں کے لوگوں کی زبانی روایات اور ان قبائل کے مراثیوں کی فراہم کردہ معلومات پر مبنی ہیں۔ قوم آرائیں کے متعلق بھی مردم شماریوں اور ضلعی اور صوبائی گزیٹروں میں معلومات ملتی ہیں۔ لیکن ان سے آرائیں قوم کے عربی ہونے کا کوئی اشارہ نہ ملتا ہے۔ تاریخ آرائیاں میں ڈینزل ابٹسن کی رپورٹ مردم شماری 1881ء کا ذکر ملتا ہے۔ اس میں دیگر معلومات ملتی ہیں۔ لیکن آرائیوں کے عربی النسل ہونے کی طرف کوئی خفیف اشارہ بھی نہ ہے۔ ضلعی گزیٹروں کی رپورٹیں تو تاریخ آرائیاں میں موجود ہیں۔ ان میں آرائیں قوم کے متعلق کچھ معلومات ملتی ہیں۔ ان ضلعی گزیٹروں سے بھی آرائیں عربی

النسل ثابت نہ ہوتے ہیں۔

آرائیں مورخین کا نظریہ یہ ہے کہ قوم آرائیں سندھ کے فاتح محمد بن قاسم کے ہمراہی مجاہدین کی اولاد ہیں۔ یہ قوم فتح سندھ کے بعد سندھ میں ہی معرض وجود میں آئی۔ وہاں سے ملتان اور اوچہ میں اور بعد میں پانچوں دریاؤں کی وادیوں میں پھیل گئی۔ بلکہ دہلی اور صوبہ یوپی تک اس نے قدم جمالئے۔

اس سلسلہ میں سورلے کا سندھ گزیٹر بزبان انگریزی بہت معتبر ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پروفیسر انور رومان نے کیا ہے۔

جو پہلی بار 1991 میں طبع ہوا تھا۔ اس میں صفحہ نمبر 182 پر باب چہارم لوگ (نسل، قبیلہ، ذات) کے متعلق ہے۔ اس میں ہندوستانی بشریات پر بڑے سائینٹفک انداز سے بحث کی گئی ہے۔ اگر چہ یہ سورلے کے گزیٹر کا انتخاب ہے۔ لیکن باب چہارم ایک سو پچاس صفحات پر محیط ہے۔ اس کو سندھی آبادی کے انگریزی دور تک محدود کیا گیا ہے۔ جو صفحہ نمبر 194 پر درج ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

”برصغیر کے شاید ہی کسی اور حصے کی آبادی اتنی مختلف الماخذ ہو جتنی سندھ کی ہے۔ لیکن تین بڑے اجزاء میں کسی حد تک تمیز کی جاسکتی ہے یہ ہیں راجپوت اور بلوچ اور خالص سندھی جس میں جاٹ اور موہانو شامل ہیں۔ راجپوت اس ہندو سلطنت میں غالب نسل تھے۔ جسے محمد بن قاسم نے 711ء میں فتح کیا اور مشرق کی طرف سے ان پر کبھی یلغار بند نہیں ہوئی۔ عرب حملہ کے وقت ان کے جو قبیلے تھے جیسے سمہ اور سمرا وہ صدیوں پہلے مسلمان ہو چکے ہیں۔ لیکن بعد میں آنے والے جیسے سوڈھا ابھی تک ہندو ہیں۔ دوسرا جز وبلوچی ہیں۔ اور وہ انگریزی فتح کے وقت حکمران نسل تھی۔ اور اس سے پہلے صدیوں سے مغرب کی طرف سے یورش کرتے رہے تھے۔ ان دونوں کے درمیاں تیسرا جزو ہے۔ دھرتی کے بیٹے جو مشرق و مغرب کی اس آویزش اقتدار میں خون پسینہ بہاتے رہے اور مصائب جھیلتے رہے۔ ان میں اہم قدیم ہندو کاشت کاروں یا پہلی صدی ق م سے آنیوالے سیتھی لشکروں یا دیگر بہم پیوست عناصر کی اولاد کو پہچان سکتے ہیں۔ وہ اب سب

مسلمان ہو چکے ہیں۔ شاید ہمیں لوہانہ کو بھی انہی کے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ لوگ عرب فتح پر یقیناً یہاں موجود تھے۔ لیکن کوئی نہیں جانتا کہ سندھ کے موجودہ لوہانہ جزوی طور پر ان لوہانوں کی اولاد ہیں۔ جو مسلمان نہ ہوئے۔ یا وہ سب کے سب بعد میں پنجاب سے جہاں آ بسے۔ ان تین اہم اجزاء کے علاوہ بھی عناصر ہیں۔ جو صاف طور پر ممیّز نہ ہو سکتے ہیں۔ جیسے نچلی ذات کے ہندو اور مشرق سے آنیوالے قدیم باشندے جن میں ڈھیڈ اور بھیل بڑے بڑے گروہ ہیں۔ قبیلے اور خاندان جو عرب فاتحین کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں اور اپنے شجرہ ہائے نسب کو تازہ و ممتاز رکھتے ہیں۔ افغان، مغل جو بعض فاتحین کے جلو میں آئے اور یہی کے ہو رہے ان کے علاوہ بہت ہیں۔

فی الحال مذکورہ اقتباس میں یہ فقرہ قبیلے اور خاندان جو عرب فاتحین کی اولاد ہونے کی بنا پر فخر کرتے ہیں۔ اور اپنے شجرہ و نسب کو تازہ و ممتاز رکھتے ہیں۔ اس اقتباس میں ارائیں قبیلہ کا نام نہ ملتا ہے حالانکہ محمد بن قاسم کا ذکر موجود ہے۔ اگر ارائیں عربی قبیلہ کی اولاد ہوتے تو ضرور آرائیوں کو عربی کہا جاتا۔ آرائیں اپنے شجرہ نسب تیار نہ کرتے ہیں۔

عربی سے کونسے خاندان مراد ہیں گزیٹر کا صفحہ نمبر 21 ملاحظہ فرمائیں۔

سادات

سادات اسلام کے سماجی مراتب میں سرِ فہرست ہیں اور سابقہ سندھ میں ان کے ساتھ گہری اور اندھی عقیدت پائی جاتی ہے۔ گزیٹر کے 1907ء کے ایڈیشن کے مطابق لفظ سید کا معنی سردار ہے اور یہ آنحضور ﷺ کے نواسوں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے اولاد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا سید حسنی ہوتے ہیں یا حسینی۔ 1901ء کی مردم شماری میں حسنی 10607 اور حسینی 25613 تھے جو سندھ میں گنے گئے۔ جب مشرک منگول وسط ایشیاء کی مسلمان سلطنتوں کو تباہ کر رہے تھے تو بہت سے پارسا اور عالم فاضل سادات سندھ میں پناہ گزین ہوئے۔ بعد میں کچھ اور بھی آ گئے اور سہون، سکھر اور ٹھٹھہ میں آباد ہو گئے۔ جہاں سے ان کی اولاد خوب پھیلی اور بعض حکمرانوں بالخصوص تالپوروں نے ان کی بہت سرپرستی کی۔ صادق علی کے بموجب سید قریشی الہاشمی، یا حسنی یا حسینی ہوتے ہیں۔ قریشی الہاشمی [illegible] قریش [illegible] جو آنحضور [illegible] کے سگے پردادا ہاشم کی

اولاد ہیں۔ ہاشم کی اولاد قریشی الہاشمی کہلاتی ہے اور فہر کی باقی اولاد قریش۔ قریشی الہاشمی کو سرفہرست رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضور خود اسی نسب سے ہیں اور تمام اسلامیانِ عالم اسے معزز ترین قبیلہ گردانتے ہیں۔ صادق علی کے مطابق قریشی الہاشمی کی شاخیں سید، علوی، بنی عباس، جعفری، عقیلی، کلہوڑو اور کلوار ہیں۔ لیکن کلہوڑو اور کلواڑ کا عرب حسب و نسب سے تعلق بیحد مشکوک ہے۔ صادق علی حسنی سادات کی سندھ میں دو شاخیں بناتا ہے یعنی حسنی یا جیلانی یا گیلانی، گیلان ایک ایرانی صوبہ ہے اور گیلانی سادات کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کا مورثِ اعلیٰ اسی صوبہ میں رہتا تھا۔ روہڑی کے علاقہ میں گھونکی کے پیر اور سابقہ ریاست خیر پور میں رانی پور کے پیر گیلانی سید ہیں۔ صادق علی کے مطابق سندھ کے حسینی سید حسینی، بخاری، مٹیاری، لکیاری، رضوی، شیرازی، شکر اللہی، مشہدی، مازندرانی، مرخی، عریضی، امیر خانی، مشوانی، شمسی، خراسانی، موسوی، استرآبادی، وجیہہ الدین، لودینی، تارن اور کہیری ہیں۔ ان میں سے بخاری سید ایشیائی ترکستان میں بخارا سے آئے۔ مٹیاری ضلع حیدرآباد کے ایک گاؤں مٹیاری میں رہتے ہیں۔ لکیاری عرب سے آئے اور وہ سندھ آنے سے پہلے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ کیونکہ لک کا معنی درہ ہے یا پھر وہ ضلع دادو میں لکی میں آباد ہوئے۔ انہیں لکوی بھی کہا جاتا ہے۔ رضوی امام موسیٰ رضا کی اولاد ہیں۔ شیرازی ایران کے شہر شیراز سے آئے اور مشہدی مشہد سے جہاں امام رضا مدفون ہیں۔ مازندرانی ایرانی صوبہ مازندران سے آئے۔ مرخی اور عریضی افغانستان سے سندھ میں آئے۔ امیر خانی دہلی سے ٹھٹھہ آئے۔ شمسی ملتان کے شاہ شمس الدین کی اولاد ہیں اور خراسانی ایرانی صوبہ خراسان سے آئے۔ پیرانِ کنگری خراسان سے آئے لہذا خراسانی کہلاتے ہیں۔ موسوی بغداد (کاظمین) کے امام موسیٰ الکاظم کی اولاد ہیں۔ استرآبادی بحیرہ کیسپئن پر واقع شہر استرآباد سے آئے۔ تارن امام علی رضا کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہیری اپنے آپ کو امام موسیٰ کاظم سے منسوب کرتے ہیں۔

قریشی کہلانے والے سندھی قبائل شیخ، صدیقی، تونیا، پیرزادہ، داؤدپوتہ، شجرہ، تانچ، اور بھایا ہیں۔ شیخ صدیقی خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نسبت سے موسوم ہیں۔ لیکن تونیا

سندھی ہیں اور سمو قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہاولپور کا حکمران خاندان داؤد پوترہ سے ہے۔ شجرہ
نائچ اور بھایا عرب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن وہ مقامی سندھی سمجھے جاتے ہیں۔

اس اقتباس میں سادات کے علاوہ عربی کہلوانے والے سندھی قبائل کے نام گنوائے
گئے ہیں۔ اس میں آرائیں قبیلہ کا نام درج نہ ہے۔ اگر آرائیں عربی النسل ہوتے تو گزیٹر سندھ
میں یہ کسی طور پر نظر انداز نہ ہوتے کیونکہ سندھ میں آرائیں بہت کثیر التعداد میں موجود ہیں۔ بھٹو
آرائیں قبیلہ بہت مشہور، نامور، اور مقتدر ہے۔ گزیٹر کی تیاری کے وقت یہ بہت بڑا جاگیر دار
خاندان تھا۔ اور صاحب اقتدار تھا۔ آرائیں قبیلہ کو سندھی آبادی کے مطالعہ کے وقت گزیٹر میں کس
کیٹگری میں رکھا گیا۔ اس پر آئندہ بحث کی جائے گی۔

برصغیر میں بسنے والی عربی نسلیں سید، قریشی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، قاضی، آرائیوں کو
عربی تسلیم نہ کرتے ہیں۔ وہ آرائیوں سے رشتے ناطے نہ کرتے ہیں۔ عرب اس وقت برصغیر
میں آئے تھے۔ جب تاریخ عام تحریر ہو رہی تھی۔ عرب علم انساب کے ماہر تھے۔ اس میں علم محمد بن
قاسم کے حملے کے وقت سے چلا آ رہا ہے۔ آرائیں مورخین کیمطابق آرائیں بھی انہیں قبائل سے
تعلق رکھتے ہیں۔ ان عربی قبائل کو لازمی اپنے دیگر حصہ قبائل کے متعلق معلومات ہونی چاہئے۔
کیونکہ یہ دونوں حصے تاریخ کے معلوم دور میں ایک دوسرے سے الگ ہوئے ہیں اور زیادہ عرصہ
بھی نہ گزرا ہے۔ قوموں کی زندگی میں تو یہ عرصہ لمحہ معلوم کہا جا سکتا ہے۔ عرب انساب کے ماہر
ہیں۔ اگر آرائیں عربی ہوتے تو ان کو ضرور خبر ہوتی اور وہ ان کو عربی مانتے اور ان سے رشتہ داریاں
بھی کرتے۔

یہ کہ مولف نے دیگر قدیم اقوام مثلاً جاٹ، گجر کے بزرگوں سے آرائیں قوم کے متعلق
معلومات حاصل کی ہیں۔ ان اقوام کے بزرگ یہ کہتے ہیں کہ آرائیں عربی النسل نہ ہیں۔ ان کا
تعلق ایرانی نسل سے ہے۔ یہ اقوام بھی ایک دوسرے کے متعلق کافی معلومات رکھتی ہیں۔ کیونکہ
یہ اقوام کئی صدیوں سے پہلو بہ پہلو آباد چلی آ رہی ہیں اور معلومات بھی سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی
ہیں۔

حلیہ:

موجودہ دور میں ٹیلی ویژن نے بھی بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ بہت سی باتیں
انسان دوسرے ملکوں میں جا کر معلوم کر سکتا تھا۔ لیکن اب یہ ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو دیکھ کر
ہی مشاہدہ میں آ جاتی ہیں۔ عربی لوگ عام طور پر سانولے رنگ کے ہوتے ہیں۔ یا کم از کم سیاہی
مائل گندمی رنگ کے ہوتے ہیں۔ کچھ گندمی رنگ سرخی مائل ہوتے ہیں۔ گورے اور کھلتے ہوئے
گورے رنگ کے خال خال ہوتے ہیں۔ ان کا قد عام طور پر اوسط درجہ کا ہوتا ہے۔ کچھ لمبے قد
کے بھی ہوتے ہیں۔ ان کا بدن دوہرا اور گٹھیلا ہوتا ہے۔ چہرے کے نقوش موٹے موٹے ہوتے
ہیں۔ ان کا چہرہ لمبوترا اور رخسار بھرے بھرے ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں موٹی ہوتی ہیں۔ اس
سلسلہ میں تاریخ ارض پاکستان جلد اول کے صفحہ نمبر 322 پر یحییٰ امجد لکھتے ہیں۔

"عرب قوم کی جسمانی خصوصیات میں درمیانے سے لے کر لمبا قد، جلد کا
رنگ سانولے سے لے کر کھلتے ہوئے گندمی رنگ تک، سر اور چہرہ لمبوترا،
اور اونچی ناک، سر کے بال سیاہ، آنکھیں عموماً بڑی اور کھلی ہوئی ہوتی ہیں"۔

یہ درست ہے کہ دوسرے ملک کی آب و ہوا، ماحول کے تفاوت، خوراک کی تبدیلی،
مشاغل میں فرق، اور عادات کی تبدیلی سے انسان کی جسمانی ساخت میں فرق آ جاتا ہے۔ عربی
نسل کو برصغیر میں رہتے ہوئے کوئی تیرہ سو سال ہو گئے ہیں۔ پھر ان کا برصغیر کی اقوام سے اختلاط
بھی ہوا ہے۔ ان کی شکل و صورت میں تبدیلی کو ظہور پذیر ہونا لازمی ہے۔ اور تبدیلی آئی بھی، مثل
مشہور ہے کہ باپ پوت پتا کے گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا، اب بھی برصغیر کی عربی نسلوں
کو بغور مشاہدہ کیا جائے تو ان میں آبائی جسمانی خصوصیات کافی حد تک پائی جاتی ہیں۔ ان کے
برعکس آرائیں عموماً زیادہ لمبے قد کے ہوتے ہیں۔ ان کا جسم اگر دبلا پتلا نہیں ہوتا تو موٹا بھی نہیں
ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان کا جسم سمارٹ ہوتا ہے۔ عموماً دراز قامت اور متناسب الاعضاء اور
چھریرے بدن کے ہوتے ہیں۔ ان کا رنگ کھلتے ہوئے گندمی سے کھلتا ہوا گورا رنگ۔
آنکھیں چھوٹی سیاہ سے بھورے رنگ کی ہوتی ہیں۔ بعض کی آنکھیں نیلی اور سبزی مائل ہوتی

ہیں۔ چہرہ لمبوترا لیکن رخسار زیادہ ابھرے ہوئے نہیں ہوتے۔ چہرے کے نقوش تیکھے ہوتے ہیں۔ جس وجہ سے چہرہ خوبصورت نظر آتا ہے۔اس لئے بھی آرائیں عربی نہ ہیں۔لیکن ایک نہایت ہی قلیل حصہ قوم سانولے یاسیاہی مائل گندمی رنگ کا ہوتا ہے۔ان کا جسم گٹھا ہوا ہوتا ہے۔ ڈیل ڈول سے ذرا مختلف نظر آتے ہیں۔ یہ حصہ قوم کیوں الگ نظر آتا ہے۔اس پر آئندہ صفحات میں بحث کی جائے گی۔

مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی اپنی کتاب ''آئینہ حقیقت نما'' کے صفحہ پر لکھتے ہیں۔''ان عربی مجاہدین میں سے ہر ایک برصغیر کے نامور قبائل کا بانی ہوا''۔اگر آرائیں ان عربی مجاہدین کی اولاد ہوتی تو لازمی طور پر ان کی گوتیں مقامات کے لحاظ سے عراقی ،یمنی ،حجازی ،مدنی ، اور شامی وغیرہ ہوتیں یا مجاہدین کے قبیلوں کے نام پر کلبی ،ازدی ،تمیمی ، القیسی ، البکری ، کلابی ، الکلبی ، ثقفی ہوتیں ، یا مجاہدین کے ناموں کی مناسبت سے قطنی ،نبانی ،قیسی ، رواحی ، سلیمانی ،اویسی ، حسینی وغیرہ ہوتیں ، البتہ سندھ میں عربوں کے بہت سے خاندان اب بھی موجود ہیں۔ جو سندھیوں کی طرح رہتے ہیں ۔ مثلاً ثقفی تمیمی ، بنی بقرہ ، انصاری ، صدیقی ، فاروقی ، عباسی ، عثمانی ، وغیرہ بھی ہیں۔جن کو مولانا اکبر شاہ خان بھی عربی تسلیم کرتے ہیں ۔ یہ لوگ مخدوم ، میاں ، پیرزادہ ، قاضی اور شیخ کہلاتے ہیں اور مختلف پیشے رکھتے ہیں لیکن عموماً کاشتکار اور معلم ہیں۔آرائیوں سے کوئی تعلق واسطہ نہ رکھتے ہیں اور نہ ہی آرائیوں کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سندھ کے علاوہ ملتان ، بہاولپور ، اور پنجاب کے مختلف اضلاع میں قریشی ، شیخ اور سید لاکھوں کی تعداد میں رہتے ہیں۔صرف ضلع اٹک میں گزیٹر اٹک کے مطابق ان کے بیس گاؤں اس ضلع میں موجود ہیں۔سات آٹھ گاؤں سرگودھا ضلع میں موجود ہیں۔ ملتان ، بہاولپور میں ان کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔اگر پاکستان کے تمام اضلاع کے گزیٹر کا مطالعہ کیا جائے تو تقریباً تمام اضلاع میں معقول تعداد میں پائے جاتے ہیں۔تمام اضلاع میں جہاں جہاں بھی سید ، اور قریشی پائے جاتے ہیں۔عموماً وہ بڑے مقتدر ہیں۔ سندھ ، ملتان ، بہاولپور ، ساہیوال ،

جھنگ ، سرگودھا میں بہت بڑی بڑی اراضیات کے مالکان ہیں۔تعداد میں کم ہونے کے باوجود بھی باقی اقوام کے مقابلہ میں زیادہ مقتدر ہیں۔سیاسی اداروں میں بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن آرائیں اسقدر مقتدر نہ ہیں اور نہ ہی سوائے چند خاندانوں کے بڑی اراضیات کے مالک ہیں۔اگر عربی ہوتے اور مجاہدین اسلام ہوتے تو باقی عربی نسلوں کی طرح ہی مقتدر ہوتے۔ آرائیوں کی گوتیں عربی مقامات ، عربی ، خاندانوں یا عربی مجاہدین کے نام پر نہ ہیں۔مولانا نجیب آبادی نے کہا ہے کہ عربی مجاہدین میں ہر ایک نامور قبائل کا بانی ہوا۔لیکن آرائیں گوتوں سے یہ ثابت نہ ہے۔ آرائیں گوتیں ہندی الاصل ہیں ملاحظہ فرمائیں آرائیں گوتیں۔ صفحہ نمبر 121,135,136۔

حضرت میاں قاضی اطہر مبارک پوری نے زمانہ حال میں کتب الموسوم عرب اور عہد رسالت ﷺ ، خلافت راشدہ اور ہندوستان ، خلافت امویہ اور ہندوستان ، خلافت عباسیہ اور ہندوستان ، اسلامی ہند کی عظمت ، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ، تحریر فرمائیں ہیں۔مولانا صاحب نے یہ کتب ، تقریباً تین چار سو کتب کے مطالعہ کے بعد لکھی ہیں۔فتح سندھ سے لے کر عربوں کی سندھ میں حکومتوں ، منصورہ ، ملتان کی ریاستوں کی چھوٹی چھوٹی جزویات ان کتب میں موجود ہیں۔لیکن مجاہدین سندھ سے آرائیں قوم کے معرض وجود میں آنے کا انہوں نے کوئی ذکر نہ کیا ہے۔ان کے مطابق عربی باپوں اور ہندی عورتوں سے جو نسل پیدا ہوئی ہے۔اسے بیاسری کہا جاتا تھا۔اور وہ نسل بیاسری قرشی کہلاتی تھی ، اس سے بھی آرائیں مصنفین کے نظریہ کی نفی ہوتی ہے۔

اگرچہ اس پہلو پر اور بھی بہت سے دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔لیکن طوالت کے پیش نظر بحث ختم کرتے ہیں۔کہ آرائیں عربی النسل نہ ہیں۔

☆☆☆

دوسری فصل

۲۔آرائیوں کے متعلق یورپی سکالرز کا نظریہ:

انگریزوں نے برصغیر میں مختلف اوقات میں ریکارڈ مردم شماری و زراعت تیار کیا۔ انگریز محقق مسٹر ایچ۔اے روز نے ریکارڈ مردم شماری سے اور یہاں کی اقوام کی روایات کی روشنی میں ''اے گلوسری آف دی ٹرائیبز اینڈ کاسٹس آف دی پنجاب اینڈ نارتھ ویسٹرن پرادنس نامی'' کتاب شائع کی۔جس میں آرائیوں کے متعلق حسب ذیل مضمون درج ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

''آرائیں، رائیں اس نام کی موخرالذکر صورت رائیں وادی جمنا میں آباد ہے۔آرائیں کے دو مختلف معنی ہیں۔وادی ستلج اور مشرقی حصہ میں آرائیں ایک حقیقی قوم کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔لیکن ان صوبوں کے علاوہ باقی سب صوبوں میں آرائیں ہر اس فرد کا نام ہے جو باغبانی کرتا ہو۔اور اس نسبت سے یہ باغبان، مالی اور ملیار کے ہم معنی ہے اور جنوب مغربی پنجاب میں یہ جاٹ کے نام سے موسوم ہیں۔ .

ہماری موجودہ تحقیق بابت قوم آرائیں کے مطابق آرائیں زیادہ تر مسلمان ہیں اور سختی سے قدامت پسند ہیں۔ان کے مطابق وہ اوچ کے مہاجر ہیں اور ان کی کمبوؤں سے قرابتیں ہیں۔دوسری جانب کچھ ایک آرائیں اور ہندو سینی قبیلوں کے نام ایک جیسے ہیں۔اچ سے یہ سرسا گئے اور وہاں سے پنجاب میں آئے۔سرسا میں ستلجی آرائیں گھا گھرا کے آرائیوں سے ملتے ہیں۔لیکن یہ آپس میں شادی نہ کرتے ہیں۔وادی گھگھر کے آرائیں کہتے ہیں کہ وہ راجپوت

تھے۔جو پنج نند کے علاقہ ملتان سے آئے ہیں۔یہاں سے انہیں سید جلال الدین سرخ بخاری نے اوچ سے نکال دیا تھا۔یہ اپنا تعلق جسلمیر (راجپوتانہ کی ریاست) سے بھی بتاتے ہیں۔آرائیں 1759 اور 1781 کے بڑے قحط تک چوبا اور گھگھر کی وادیوں پر قابض تھے۔بعد ازاں بھٹیوں نے سومروں کو ہراساں کیا۔تو ملک میں افراتفری پھیل گئی۔جس سے اراعین گنگا عبور کر کے رام پور بھیلی پیت اور بریلی کے قرب وجوار میں آباد ہو گئے۔لیکن گھگھر کے آرائیں صرف بریلی کے آرائیوں سے شادیاں کرتے ہیں۔

سرسہ میں آباد وادی ستلج کے آرائیوں کا کہنا ہے کہ وہ لاہور منٹگمری کے آرائیوں سے مماثلت رکھتے ہیں اور اصل میں ہندو کمبوؤں سے ماخذ ہیں۔اور مسٹر ولسن کے خیال کے مطابق دونوں طبقے دراصل کمبوہ ہیں۔جو کہ مسلمان ہو کر آرائیں کہلائے۔گھگھر کے آرائیں گروہ نے ملتان سے ہجرت کی۔جبکہ دیگر طبقے آہستہ آہستہ اپنی موجودہ جگہوں پر آباد ہوئے۔مسٹر ولسن کے مطابق سرسہ میں گھا گھرا کے آرائیں بہت مہذب اور ترقی پذیر لوگ تھے۔پٹیالہ کے جٹوں سے معاشرتی طور پر بلند تھے۔حالانکہ جٹوں کی وہاں حکومت تھی۔

فیروز پور، لدھیانہ، انبالہ اور حصار کے آرائیں بھی اپنی اصل اوچ یا اس کے قرب و جوار سے بتاتے ہیں۔بحیثیت مجموعی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آرائیں غالباً زیریں سندھ کے علاقہ سے پنجاب کے مختلف خطوں میں دریاؤں کے درمیاں تاریخ کے اولین دور میں پھیل گئے تھے۔ان میں سے ایک گروہ گھا گھرا تک پھیل گیا۔شاید اس وقت تک یہ ایک مستقل دریا تھا۔جو دریائے سندھ میں گرتا تھا، چنانچہ ان لوگوں نے وہاں بہت اہمیت حاصل کر لی اور جب دریائے گھگھر خشک ہو گیا اور ہمسایہ علاقے ویران ہو گئے۔یہ جمنا اضلاع کی طرف ہجرت کر گئے اور عام طور پر ستلج کی وادی میں پھیلتے گئے۔اور پہاڑوں کے دامن میں اپنے سے قبل لوگوں کے نقش قدم پر زیادہ زرخیز اور بڑے دریاؤں کے علاقہ میں رفتہ رفتہ پھیلتے گئے۔ان کی مالیوں سے نسبت غالباً مشترک پیشہ ہے۔لیکن ان کی کمبوؤں سے نسبت کی کچھ وجوہات ضرور ہیں۔جن میں سے کچھ اسلامی اور بعض دوسرے معمولی اختلاف کے باوجود پیشتر ایسی وجوہ ہیں۔کہ یہ کمبوؤں کے نسلی

قرابتدار ہیں۔ بہت سے کمبوہ بھی مسلمان ہیں۔

انبالہ میں آرائیں دو علاقائی قبیلوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ نمبر ایک ملتانی، دوسرے سرسہ والے۔ اول الذکر اپنے آپ کو شیخ کہتے ہیں۔ مگر موخر الذکر سے شادیاں نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ انہیں اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں۔ مسٹر روز نے آرائیوں کی مندرجہ ذیل گوتیں مردم شماری سے لکھی ہیں۔

ارائیں گوتیں

ا۔ آدن، بگہ شاہ پور، ارکی سیالکوٹ، بگا گجرات، باغبان بہاولپور، برار، بٹ اور بھٹ، بھدوا اپنے آپ کو دکن (جنوب) سے راجپوت کہتے ہیں۔ بھوپر، بھمیان، ڈیرہ غازی خان، بھٹی ڈیرہ غازی خان اور بہاول پور، بھٹہ بہاول پور بوٹ، بٹ[illegible] اپنے آپ کو ملوک سے کہتے ہیں۔ جو کہ جہانگیر کا ٹیوٹر تھا۔ جس سے انہوں نے گرانٹ حاصل کی۔ ڈھوٹ، بہاوی ڈولے، گیلانہ اپنی ابتداء راجپوت بتاتے ہیں۔ گڑھی، گاڈھی، گاندھر، بہاولپور، گوہیر سیالکوٹ، گلو سیالکوٹ، گیلن ملیر کوٹلہ، گہلن وریاہ ڈیرہ غازی خان، ہاسی، اندار یا انداری، جنجوعہ گجرات، جنجوعہ شاہ پور، جندراں بہاولپور، جیاء بہاولپور، وہ کہتے ہیں کہ وہ صحیح تو کمبوہ ہیں آرائیں نہیں۔ جتالہ سیالکوٹ، مقصود پوریہ، منڈو، متیلا (مٹلا) ڈیرہ غازی خان، میردک بہاولپور، ندھی بہاولپور، نین گجرات، پڈو، برجی، پٹھان، بہاولپور، قریشی، راحیلہ (راحیل) رائی، رائے یا رامی، ربنی، ستونکل (سنگل) ڈیرہ غازی خان، سجا، سلوٹا، سیالکوٹ، سندھی بہاولپور، سندھو، سوہادہ، تارڑ گجرات، تھیند بہاولپور، ٹنڈ، تھانون سیالکوٹ، ٹھیکری، بہاولپور، واہند گجرات، اور راولپنڈی، براہمن برجی، چھچھر، سیالکوٹ، چاندھر سیالکوٹ، ملرکوٹلہ، چینیال، سیالکوٹ، ملیر کوٹلہ، چھنی، شاہ پور، بہاولپور، ڈابری، ڈھنجن، ڈھینگا، ملیر کوٹلہ، ڈھینگا سیالکوٹ، (اپنے آپ کو فتو کی اولاد کہتے ہیں۔ فتو مہر مٹھا کا بیٹا تھا۔ جو کہ دھاریوال جاٹ آف دوھلہ تھا۔ فتو اکبر کے عہد میں مسلمان ہوا تھا) ان کے علاوہ چاچڑ، چنڈور، چوغطہ، آرائیوں کی مشہور گوتیں ہیں۔

گجرات میں داہند، کھوکھر اور بگا اور نین کمبوؤں اور کھواروں سے رشتہ ناطہ نہ کرتے ہیں۔ جو کہ ان کو اپنے سے کمتر خیال کرتے ہیں۔ جالندھر کے آرائیں کہتے ہیں کہ وہ سرسہ رانیہ

اور دہلی سے آئے ہیں اور اپنے آپ کو رائے جاج (لہو کا پوتا) جس نے لاہور کی بنیاد رکھی کی اولاد کہتے ہیں۔ جو کہ سرسہ کا حکمران تھا۔ وہ بارھویں صدی میں مسلمان ہوئے تھے اور وہاں سے تین سو سال قبل جالندھر دوآب میں آئے تھے۔ بھٹہ اپنے آپ کو راجہ بھٹہ جو کہ راجہ کرن کی پانچویں پشت سے تھا، کی اولاد تصور کرتے ہیں۔ جن کو محمود غزنوی نے زبردستی مسلمان کیا تھا۔

ارائیں قبائل اور ان کی مشہور گوتیں

(ماخوذ از تاریخ آرائیاں مولفہ حکیم معراج الدین امرتسری)

اندری۔ بھدرو یا بدو۔ بھاٹیا۔ بھٹی۔ باہمن یا بھمنی۔ بھٹے یا بھیڈے۔ بھٹا۔ بگہ۔ باسن۔ پوچھڑیال۔ پریتی۔ پھٹا۔ ٹنڈ۔ جتالہ۔ جنجوعہ۔ جوٹا۔ جندرو۔ چنڈور۔ چھچھر۔ چھونگے۔ چڑیلا۔ چاولی۔ چوٹیا۔ چاچو۔ چاپڑ۔ چابیا۔ دھرانگی۔ داگرہ۔ دودے۔ ڈھینگے۔ ڈھڈے۔ ڈولے۔ ڈھڈ۔ رحیل۔ راہی۔ رامے۔ سانین۔ سپال۔ سریر۔ سندھیں۔ سیٹ۔ سگے۔ ساندھے۔ سمانے۔ سندل۔ سندھو۔ سامسی۔ سود۔ قطب شاہی۔ کسو۔ کتھورا۔ کاکڑ۔ کھوکھر۔ گہلن یا گیلن۔ گھڑیال۔ گڑھی۔ گہیر۔ گنگو۔ گورے۔ گلکسی۔ گل۔ گگرو۔ گھاگھر۔ لہو۔ لٹو۔ لودے۔ مندن یا مندنے۔ منڈے یا منڈا۔ ملانہ۔ متھیلا۔ مٹھا۔ مدھ۔ میاں۔ نرائن یا نین۔ نارو۔ نیل گوریا۔ وہرو۔ واگرہ۔ ولیاہ یا وریاہ۔ واہندہ۔ ہانسی۔

تبصرہ:

مسٹر ایچ۔ اے روز نے اپنی کتاب Castes and tribes میں آرائیں قوم کے متعلق جو مضمون لکھا ہے اس میں مختلف روایات اور دوسرے مختلف یورپی محققین کے نظریات کو ارائیں قوم کی ابتداء سے متعلق جواز بنایا ہے۔ فاضل مصنف نے ان روایات اور نظریات کے مطابق ارائیں قوم کا نکاس دیگر اقوام سے بتایا ہے۔ فاضل انگریز مولف کا خیال یہ ہے کہ ارائیں قوم کا نکاس قوم کمبوہ سے ہوا ہے۔ گویا کمبوہ ارائیں کے مورثین ہیں۔ یہاں ہم صرف یورپی سکالرز کے اس نظریہ سے کہ ارائیوں کا نکاس قوم کمبوہ سے ہوا

ہے۔اس پر بحث کریں گے اور باقی روایات اور نظریات بابت قوم آرائیں کا دیگر نظریات پر بحث کے دوران مختلف اوقات میں جائزہ لیں گے۔ چونکہ یورپی سکالرز کے نظریہ نکاس کمبوہ پر بحث کر رہے ہیں۔ساتھ ہی یہاں تاریخ آل کمبوجیا کی کے مصنف چوہدری اللہ دتہ مجیٹھیا کے نظریہ ماہر الزراعی کا بھی جائزہ لیں گے۔ چونکہ اس نے بھی ارائیوں کا نکاس قوم کمبوہ سے بتایا ہے۔

ارائیں اور کمبوہ ہر دو اقوام زراعت میں مہارت تامہ رکھتی ہیں۔ دونوں کی سماجی حیثیت بھی آج سے سو سال قبل ایک ہی جیسی تھی۔ دونوں کا پیشہ بھی عموماً کاشتکاری تھا اور مولف (موجودہ کتاب کے مولف) کے مطابق دونوں دیگر اقوام جاٹ، گجر، راجپوت وغیرہ سے قد کاٹھ، شکل وصورت اور جلد کے رنگ کی وجہ سے مختلف ہیں۔ دونوں کی جلد کا رنگ باقی اقوام کی نسبت زیادہ سفید اور صاف ہے۔ دونوں اقوام مردم شماری 1881ء کے مطابق برصغیر میں بہت بڑی تعداد میں ایک جیسے علاقوں میں آباد پائی گئیں۔ ستلج اور مشرقی اور مشرقی میدان دونوں اقوام آرائیں اور کمبوہ کے بہت بڑے مسکن تھے۔ سرسہ، حصار، دہلی، کرنال، انبالہ، پٹیالہ، اور ان کی نزدیکی ریاستیں نابھہ، جیند، وغیرہ ان کے گڑھ تھے۔ ارائیں 1755 اور 1781 میں بھٹیوں کی سورش اور سکھوں کے مظالم کی بنا پر دریائے گھگھر کی وادیوں سرسہ وغیرہ سے بہت بڑی تعداد میں رام پور، بھیلی بیت، بریلی اور ان کے قرب وجوار گنگا اور جمنا کی وادی میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے یو۔ پی کے ان اضلاع میں بہت بڑی بڑی زمینداریاں قائم کر لیں۔ کچھ جالندھر میں آباد ہوئے اس کے علاوہ ستلج وغیرہ کی وادی میں لدھیانہ، ہوشیار، گورداسپور اور لاہور میں بہت بڑی تعداد میں ارائیں آباد تھے اس طرح کمبوہ بھی بالائی وادی ستلج میں نیچے منٹگمری مشرقی میدانوں کے سارے تمام حصوں اور نیچے وادی جمنا میں وادی کرنال تک ملے۔ ستلج اور جمنا کے درمیانی علاقوں منٹگمری کے تحت کمبوہ دو شاخوں میں تقسیم ہیں۔ ایک وہ جو ملتان کے علاقہ سے اوپر دریا کی

طرف، اور دوسرے جو کپورتھلہ کے نواح سے نیچے وادی میں آئے۔ دونوں کی نزدیکی دور میں سکھوں کے مظالم کی بناء پر نقل مکانیاں ہوئیں۔ ہر دو قوموں کی چند گوتیں مشترک ہیں۔ مردم شماری کے وقت کچھ کمبوہ ارائیں کہلاتے ہوئے بھی ملے اور چند ایک مقامات پر ارائیوں نے بھی کمبوؤں میں سے اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ یورپی سکالرز نے قرار دیا کہ دونوں مغرب کی جانب سے آئے ہیں۔ انہی وجوہات کی بناء پر یورپی سکالرز نے نظریہ قائم کیا کہ ارائیں اور کمبوہ قریبی رشتہ دار ہیں۔ کمبوؤں کے جس گروہ نے اسلام قبول کر لیا وہ ارائیں ہیں۔ ہندو اور سکھ مذہب والے کمبوہ، کمبوہ نام سے منسوب رہے۔

یورپی سکالرز یہ بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ کمبوؤں کے جس گروہ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کو ارائیں کیونکر کہا جانے لگا۔ جہاں جاٹ، گجر، راجپوت، پٹھان، سید وغیرہ کی وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے۔ قوم ارائیں کی وجہ تسمیہ یورپی سکالرز نہ بتا سکے ہیں۔ آیا کمبوؤں میں ارائیں نام کا کوئی گروہ یا قبیلہ موجود تھا۔ جو مسلمان ہو گیا اور اپنے نام کی بناء پر ارائیں کہلایا۔ کمبوؤں کی گوتیں کمبوہ مصنفین کی کتب سے مطالعہ کی گئیں۔ یہ گوتیں اس کتاب کے صفحات 79-80 پر درج ہیں۔

ان میں سے کسی گوت کا نام ارائیں نہ ہے۔ آیا لفظ ارائیں کسی پیشہ کا نام ہے۔ ارائیں کے لفظی معنی کاشتکار کے نہ ہیں۔ اگر کاشتکاری کی بناء پر قوم ارائیں کہلائی۔ تو کمبوؤں کا باقی ماندہ حصہ بھی کاشت کاری کرتا ہے۔ اس طرح ان کو بھی ارائیں کہا جاتا۔ دیگر اقوام جاٹ، گجر، راجپوت، کی بہت بڑی تعداد کا معاش بھی کاشتکاری ہی تھا۔ ان کو بھی ارائیں کہا جاتا۔ لیکن ان کو ارائیں نہ کہا گیا۔ لہذا یورپی سکالرز کا نظریہ کہ آرائیں اسلام لائے ہوئے کمبوہ ہیں درست معلوم نہ ہوتا ہے۔ یہ بات بھی صحیح نہ ہے کہ چونکہ دونوں گروپ مغرب کی جانب سے آئے۔ اس لئے آرائیں کمبوؤں سے ماخذ ہیں۔ مغرب کی طرف سے اور بھی بہت سے قبائل آئے تھے۔ جن میں سے جاٹ، راجپوت بھی تھے۔ پھر

آرائیوں کو جاٹ اور راجپوت کیوں نہیں کہا گیا۔ لفظ ارائیں کیونکر معرض وجود میں آیا۔ اور برصغیر کی آبادی میں کون سا گروہ تھا جو ارائیں کہلایا باقی ماندہ نظریات پر بحث کرتے ہوئے اس پر روشنی ڈالیں گے۔

کمبوہ، جاٹ، گجر کی طرح ایک بنیادی قوم ہے۔ تاریخ کے ابتداء سے اسی نام سے منسوب ہے۔ کمبوؤں کے ماخذ کے بارے میں مندرجہ ذیل بیانات ملتے ہیں۔

الف: ایک مرتبہ سورج بنسی نسل کا طاقتور راجہ (جس کا دارالحکومت اجودھیا تھا) ویرت آیا۔ اور یہاں کے راجہ کو شکست دے کر اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور ورنگر کی بنیاد رکھی۔ جبکہ اس کے بیٹے نے ایک شہر دیجاپور کی بنیاد رکھی اور گجنی شہر بھی بسایا۔ موخر الذکر اس کا دارالحکومت تھا۔ یہ گجرات کے جنوب میں جزیرہ نما پر واقع کمبے شہر کے نزدیک تھا۔ سولونوتہار کے موقع پر جب وہ مذہبی رسوم سرانجام دے رہا تھا۔ تو دشمن نے پروہت کے ساتھ ساز باز کر کے حملہ کر دیا۔ شہر کو لوٹا اور لوگوں کو قتل کیا گیا۔ بچ نکلنے والے گھر کے نزدیک سمانہ چلے گئے اور پھر ستلج اور جمنا کی وادیوں میں پھیل گئے۔ انہیں گجنی نزد کمبے سے آئے ہوئے ہونے کی بناء پر کمبوہ کہا جاتا ہے۔

ب: کمبوہ کے سورج بنسی راجا سودکشن نے پادونڈوؤں کے ساتھ لڑائی میں کوردوں کا ساتھ دیا۔ میدان جنگ میں بہت سے کمبوجی مارے گئے اور بھاگ کر نابھہ میں آباد ہونے والے کمبوجی کہلاتے تھے اور بعد میں یہی کمبوج کمبوہ کہلائے۔

ج: کمبوہ لفظ کہ کے اور انبوہ کا مرکب بتایا جاتا ہے۔ اس بیان کے مطابق یہ قبیلہ فارس کی سلطنت سے تعلق رکھتا ہے۔ کیکاؤس، کیخرو، کیقباد، لہراسب، اور دارایوس اس سلطنت کے مشہور شہنشاہ تھے۔ ان کے زمانہ میں ایران ایک سپر پاور تھی۔ جب وہ ہجرت کر کے پنجاب آئے۔ تو کے انبوہ یا کمبوہ کہلائے۔ بہت تحقیق کے بعد تاریخ کمبوؤں کے مصنف اور تاریخ آل کمبوجیا کے مصنف چوہدری اللہ دتہ کھیا نے بھی کمبوؤں کو سکندر ذوالقرنین

(سائرس اعظم) کے بیٹے کمبوج کی اولاد بتایا ہے۔ کمبوج مصر پر حملہ سے واپسی پر جب پر اسرار طور پر مر گیا یا سازش سے قتل ہوا۔ تو اس کے چچا زاد دارا اول یا دارایوش نے تخت پر قبضہ کر لیا۔ تو کمبوج کی اولاد وہاں سے بھاگ نکلی۔ تاکہ اپنے باپ کے دشمن دارا اول کے ہاتھوں قتل نہ ہو جائے۔ کمبوج کی اولاد نے موجودہ افغانستان میں کمبوج سلطنت قائم کر لی۔ اور بعد میں وسطی ایشیاء کی اقوام شاکا، یوچی نے ان کو وہاں سے برصغیر میں دھکیل دیا۔ وہ یہاں آ کر کمبوہ کہلائے۔

چونکہ یورپی سکالرز نے ارائیوں کا نکاس کمبوؤں سے بتایا ہے۔ کمبوؤں کے متعلق نظریات (روایات) کے رو سے پہلی روایت کے مطابق وہ سورج بنسی راجپوت ہیں۔ دوسری روایت کی رو سے سلطنت کمبوج کے بادشاہ سودکشن سے ان کا تعلق ہے۔ جس نے ہندوستان کے کوردوں اور پانڈووں کے درمیان جنگ میں حصہ لیا تھا۔ یہ لڑائی مشہور رزمیہ داستان رامائن کا موضوع ہے۔ رامائن ہندی ادب کا نہایت ہی قدیم ورثہ ہے۔ ادب میں اس کو بہت اونچا مقام حاصل ہے۔ رامائن کو مذہبی تقدس بھی حاصل ہے۔ اور تیسری روایت کے مطابق کمبوہ سکندر ذوالقرنین (سائرس اعظم) ایرانی سلطنت کے شہنشاہ کے بیٹے کمبوج کی اولاد ہیں۔ سکندر ذوالقرنین نے اپنے وقت میں ایشیاء کی سب سے بڑی شہنشاہیت قائم کی تھی۔ دارا اول نے اس کو ایشیاء کی سپر پاور بنا دیا تھا۔

ان روایات کی روشنی میں بھی آرائیوں کا کمبوؤں سے کوئی تعلق ثابت نہ ہوتا ہے۔ وجوہات ذیل ہیں:۔

کمبوؤں کی پہلی روایت کے مطابق ان کا اصلی وطن افغانستان نہیں بلکہ اجودھیا موجودہ یوپی تھا۔ وہاں سے آ کر انہوں نے گجنی شہر بسایا۔ جو کہ گجرات کے شہر کمبے کے نزدیک تھا۔ انہیں گجنی نزد کمبے سے آنے کی بناء پر کمبوہ کہا جاتا ہے۔

دوسری روایت کے مطابق ان کا تعلق افغانستان کی سلطنت کمبوج سے تھا۔ اس

کے برعکس ارائیوں کا دعوی اجودھیا اور افغانستان کے کمبوج علاقہ سے آنے کا کبھی نہ رہا ہے۔ نہ ہی آج تک کسی مشرقی یا کسی مغربی سکالرز نے ان کا اصلی وطن اجودھیا یو۔ پی اور افغانستان کا علاقہ کمبوج قرار نہ دیا ہے۔ بعض ارائیں مورخین نے ان کا عرب سے آنا قرار دیا ہے اور ان کو عربی النسل قرار دیا ہے۔ اس نظریہ سے تو پہلے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اس کو رد کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ کہ ارائیں عربی النسل نہ ہیں۔ ارائیوں کی اپنی روایات کے مطابق جو تواتر اور کثرت سے دہرائی گئی ہیں ان کو یقین کا رتبہ حاصل ہو چکا ہے۔ ارائیوں کا ابتدائی وطن اوچہ نزد ملتان تھا۔ اوچہ سے ارائیں دریائے گھگھر وادی ستلج اور مشرقی میدانوں میں پھیلے۔ مردم شماری وغیرہ کرتے ہوئے انگریز محققین نے بھی قرار دیا۔ کہ ان کا ابتدائی وطن اوچہ نزد ملتان ہی تھا۔ گویا یہ جنوب سے مشرق اور شمال کی طرف دریائے گھگھر اور ستلج کی وادیوں میں آباد ہوئے۔ اس سلسلہ میں مختلف گزیٹروں سے اقتباسات، مختلف روایات اور مختلف محققین کے خیالات پیش ہیں۔

الف: مخزن پنجاب کے مولف مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ پہلے ارائیں اوچہ کے علاقہ میں رہتے تھے۔ آخر پنجاب کی طرف چلے گئے اور اس قدر پھیلے کہ کوئی شہر اور قصبہ ان سے خالی نہ رہا۔

ب: گزیٹر حصار 1892ء میں لکھا ہے۔ سرسہ کے ارائیوں کا بیان ہے کہ وہ 1787 تک وادی گھگر پر قابض رہے۔ آخر 1787 میں بھٹیوں کی لوٹ مار اور قحط سالی کی وجہ سے منتشر ہو گئے اور کثیر تعداد میں جالندھر، بریلی، اور رامپور چلے گئے۔

ج: گزیٹر لدھیانہ 1888-89 سے معلوم ہوتا ہے کہ ضلع کے ارائیں ستلج وادی میں از طرف ملتان آئے۔ ان کی آبادیاں فیروز پور، لاہور تک ہیں۔

د: گزیٹر جالندھر 1887-88 میں لکھا ہے کہ ارائیں سرسہ سے آ کر آباد ہوئے۔

رپورٹ مردم شماری 1883-84 میں ہے کہ

A)۔ معلوم ہوتا ہے کہ ارائیں اصلی پنجابی قوم ہے۔ جو ملتان کے قرب و جوار سے آئی ہے۔

B)۔ پرسر صاحب لکھتے ہیں۔ مجھے دریافت ہوا ہے کہ فیروز پور اور لاہور کے ارائیں اپنی اصل کو اوچہ یا ملتان بتاتے ہیں۔

C)۔ ولسن کا کہنا ہے کہ فیروز پور، لدھیانہ، انبالہ اور حصار کے ارائیں اپنی اصل اوچہ یا اس کے گرد نواح سے بتاتے ہیں۔

D)۔ بارکلی کہتے ہیں کہ ان کے اصلی وطن کی وسعت ہانسی، حصار، سرسا سے ملتان تک بیان کی جاتی ہے اور جالندھری ارائیں حصار کی طرف سے آئے ہیں۔

مندرجہ بالا مہیا شدہ مواد سے معلوم ہوا کہ کمبوہ شمال سے جنوب کی طرف پھیلے۔ جبکہ ارائیں جنوب مغرب سے شمال مشرق کی طرف پھیلے۔ دونوں کے ابتدائی رہائشی مقامات ایک دوسرے سے ہزاروں نہیں تو کم از کم سینکڑوں میل دور تھے۔ اس لئے ان کا ایک قوم ہونا محل نظر ہے۔

تیسری روایت کہ کمبوہ شہنشاہ سکندر ذوالقرنین کے بیٹے کمبوج کی نسل سے ہیں اس کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اس پر بعد میں بحث کی جائے گی۔

۵۔ کچھ یورپی سکالرز کو مردم شماری کرتے وقت معلوم ہوا کہ کمبوہ اپنی بیٹیوں کی قیمت وصول کرتے ہیں جبکہ ارائیں ایسا نہیں کرتے۔ اس دلیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں مختلف قومیں ہیں اگر ایک ہوتیں تو دونوں میں رواج بھی ایک جیسا ہوتا۔

۶۔ یورپی سکالرز نے دیکھا کہ منٹگمری میں مسلمان شخص ارائیں اور ہندو کمبوہ کہلاتا نظر آتا ہے۔ یعنی وہ کمبوہ جس نے مذہب اسلام قبول کر لیا وہ ارائیں کہلاتے ہیں۔ جو ہندو یا سکھ مذہب کے پیروکار رہے، کمبوہ ہی کہلاتے تھے۔ اس کی تردید اس بات سے ہو جاتی ہے۔ امرتسر، لاہور، فیروز پور، پٹیالہ، نابھہ اور ملیر کوٹلہ، کے کمبوؤں کی اکثریت نے خود کو

مسلمان درج کرایا۔ لیکن اپنے آپ کو کمبوہ کہا۔ اگر چہ ان علاقوں میں ارائیں بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ اگر مغربی سکالرز کا نظریہ کہ مسلمان ہو کر کمبوہ آرائیں کہلاتے تھے، درست ہوتا تو ان علاقوں میں کوئی مسلمان کمبوہ نہ کہلاتا، بلکہ آرائیں کہلاتا۔

مندرجہ بالا معلومات کی روشنی میں حتمی طور پر نہیں تو کم از کم یقین کی حد تک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ ارائیوں کا نکاس کمبوؤں سے نہ ہوا ہے۔ یورپی سکالرز کا نظریہ مسترد کیا جا سکتا ہے کہ ارائیوں کا نکاس کمبوؤں سے ہوا ہے۔ لیکن اس حد تک درست ہے۔ کہ کمبوؤں کی چند گوتیں دیگر ہمسایہ اقوام کی طرح ارائیوں میں شامل ہیں۔ جو کہ باقی اقوام کی شامل گوتوں سے بہت ہی کم ہیں۔ راجپوتوں کی گوتیں سب سے زیادہ شامل ہیں۔ اگلے ابواب میں اس نکتہ پر تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

☆☆☆

۳۔ نظریہ ماہر الزراعی

یہ نظریہ تاریخ آل کمبوجیا کے مصنف چوہدری اللہ دتہ مجیٹھیا نے پیش کیا ہے۔ وہ کتاب کے صفحہ 68 پر مولانا سید ابوظفر ندوی کی تاریخ سندھ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ سندھ پر اسلامی حملہ (محمد بن قاسم) سے قبل ڈھوٹ خاندان کے راجہ سی پال نے ملتان کے جنوب مشرق میں سات قلعہ آباد کئے تھے۔ جن میں ایک قلعہ سکہ (سی کا) کہلاتا تھا۔ راجہ سی پال کی نسل سے ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں راجہ مہی پال اس ریاست کا حکمران تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں جن میں سے ایک کا تعلق چونیاں کے رتن پال کمبوہ خاندان سے تھا۔ جبکہ دوسری حاکم سندھ راجہ داہر کے رشتہ داروں میں سے تھی۔ اول الذکر رانی کے شکم سے ایک لڑکا راجکمار مہاں چادر اور ایک لڑکی گنگن پریم پیدا ہوئی۔ جبکہ ثانی الذکر رانی کے بطن سے راجکمار سدھ پال پیدا ہوا۔ جب محمد بن قاسم نے قلعہ سکہ پر حملہ کیا۔ تو اس وقت راجکمار سدھ پال ریاست کا حکمران بن چکا تھا۔ گھمسان کی جنگ کے بعد قلعہ سکہ محمد بن قاسم نے فتح کر لیا۔ چونکہ اسلامی فوج کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا تھا۔ چنانچہ ریاست حکمران سے فدیہ (تاوان جنگ) کا بھاری مطالبہ کیا تھا۔ جس کی ادائیگی شاہی خاندان کے بس سے فی الحال باہر تھی۔ چنانچہ اس کے بدلہ میں محمد بن قاسم نے راجکمار مہاں چادر اور ان کے دیگر اقرباء کو قیدی بنا کر مال خمس کے ہمراہ خلیفہ ولید کے حضور دارالخلافہ دمشق شام بھیج دیا تا کہ راجہ سدھ پال ان کو تاوان ادا کر کے انہیں رہا کرا لے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ چنانچہ یہ بات قرین قیاس ہے۔ کہ خلیفہ نے انہیں فلسطین میں واقع آریحا یا آریحو میں بھیج دیا اور آریحا میں چونکہ باغ اور سبزیاں کثرت سے ہوتی تھیں۔ لہذا اس شہر کے حاکم نے انہیں باغ اور

سبزیوں کے دلدادہ یہودی مسلمانوں کے سپرد کر دیا تھا۔ تاکہ تاوان جنگ ادا ہو سکے۔ چنانچہ زرعی مشقت میں ان کا وقت گزرا۔ چنانچہ 99ھ میں خلیفہ سلیمان کی وفات پر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ تو انہوں نے ان تمام قیدیوں کو جو قبل ازیں اسلام قبول کر کے حج اور حرمین شریفین کی زیارت کو جا چکے تھے، رہا کر دیا۔ شہزادہ مہاں چادر قبول اسلام کے بعد حاجی شیر دیوان چاولی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کا شمار مشائخ اسلام میں ہوا۔

ملتان سندھ واپس آنے کے بعد اب یہ لوگ اپنے عرب حاکموں کی زبان میں ماہر الزرعی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ماہر الزرعی لفظ دو الفاظ پر مشتمل ہے۔ یعنی ماہر اور الزرعی اور اس میں لفظ ماہر کا مادہ مہر یعنی م۔ ھ۔ ر۔ ہے۔ جس کے لفظی معنی کسی کام میں مہارت تامہ کے ہیں۔ جبکہ الزرعی زراعت (کھیتی) سے مشتق ہے۔ اور اس سے مراد کاشتکاری یا کھیتی باڑی ہے۔ لہٰذا ان ہر دو الفاظ کا مفہوم کاشتکاری یا کھیتی باڑی میں مہارت حاصل کرنا ہے۔ یعنی ماہر زراعت۔

بعد کے زمانہ میں جب ان لوگوں کی اولاد کسب معاش کے سانحہ کے سبب ملتان/ سندھ سے ہجرت کر کے پنجاب کے اضلاع لاہور امرتسر، پٹیالہ اور جالندھر وغیرہ میں آباد ہوئی۔ تو ان کا مذکورہ خطاب بھی آہستہ آہستہ پنجابی زبان میں منتقل ہونے لگا۔ اور ہر زبان کی طرح اس میں بھی تبدیلی واقع ہونی شروع ہوگئی۔ اس لئے انسانی زبان ہمیشہ سے دوسری زبانوں کے الفاظ اپنے ہجے میں جذب کرتی چلی آئی ہے۔ چنانچہ اس لفظ میں بھی تخفیف لفظی ہوئی۔ اور یہ بھی ثقل سماعت شکار ہو کر پہلے یا آخری لفظ سے پکارا جانے لگا۔ یعنی مہر اور راعی۔ پنجاب کی دیگر اقوام نے اس گروہ کے خطاب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اس کے نصف اول کو کنایتاً مہر سے موسوم کیا۔ جو بعد میں اس کا لقب قرار پایا۔ باقی نصف ہجے کے سبب راعین کہلایا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کمبوؤں کا یہی وہ گروہ ہے۔ جو آریحا سے زراعت کے نئے طریقے سیکھ کر واپس سندھ آیا اور راعین کے نام سے جانا گیا اور اس کے بعد جو بھی کمبوہ اس نفع بخش پیشہ باغ و سبزیوں کی کاشت میں داخل ہوا۔ وہ شروع میں کمبوہ راعین کے نام سے موسوم

ہوئے۔ لیکن بعد میں اس پر بھی راعین ہونے کی مہر لگ گئی۔

تبصرہ:

فاضل مصنف نے ارائیوں کے ماخذ کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے۔ وہ بہت خوش نما لگتا ہے۔ جو کسی حد تک منطقی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس ضمن میں انہوں نے اپنے نظریہ کے ثبوت میں کسی تاریخی کتاب کا حوالہ نہ دیا ہے۔ جہاں تک قلعہ سکہ پر حملہ اور مہاں چادر کے تاوان کے لئے دمشق بھیجے جانے کا تعلق ہے۔ اس میں تو صداقت موجود ہے۔ کہ راج کمار مہاں چادر کو یرغمال بنا کر دارالخلافہ دمشق بھیجا گیا۔ وہاں انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور واپس آئے ولایت کے رتبہ پر فائز ہوئے اور حاجی شیر دیوان چاؤلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کو مشائخ عظام میں اونچا رتبہ حاصل ہے۔ اولیاء اکرام کی سوانحی کتابوں میں شیر دیوان چاؤلی کے متعلق مذکورہ مواد ملتا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ وہ کمبوہ رانی کے بطن سے تھے۔ لیکن یہ واضح نہ ہے کہ ان کے ساتھ ان کے قریبی رشتہ دار بھی یرغمال بنائے گئے تھے اور انہوں نے یہودی کاشتکاروں سے زراعت سیکھی۔ اس میں ماہر ہوئے اور واپس آ کر عربوں کی زبان میں پہلے ماہر الزرعی کہلائے۔ اس سے مہر راعی بنا اور پھر مہر راعین یا ارائیں بنا۔ کسی تاریخ نے ایسے کمبوؤں کا ذکر نہ کیا ہے۔ جو واپس آ کر ماہر الزرعی کہلائے۔ تاریخی کتب کی رو سے یرغمالی حاجی شیر دیوان چاؤلی کمبوہ نہیں تھے۔ بلکہ ڈھڈی گوت کے تھے۔ ڈھڈی راجپوتوں کی مشہور گوت ہے۔ ساندل بار کے مصنف احمد غزالی نے ان کو ڈھڈی بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو ''ساندل بار'' از احمد غزالی عنوان حاجی شیر دیوان چاؤلی۔

تاریخ پاکپتن کے مصنف میاں اللہ بخش نے اپنی کتاب میں حضرت بابا فرید شکر گنج کا حوالہ تفصیل سے لکھا ہے۔ حضرت بابا فرید کے حالات میں دیوان رائے چاؤلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ وہ ڈھڈی راجپوت نسل سے تھے۔ اب تاریخی حوالہ جات کی رو سے حاجی شیر دیوان چاؤلی ڈھڈی گوت سے تھے۔ کمبوہ نہ تھے یہ درست ہے کہ چاؤلی رانی کمبوہ کے بطن سے تھے۔ لیکن نسل تو باپ سے چلتی ہے۔ جو کہ ڈھڈی راجپوت تھے۔ ارائیں قوم کی برصغیر میں کروڑوں کی

عداد موجود ہے۔ اگر بحث برائے بحث کی خاطر مان لیا جائے کہ حضرت شیر دیوان چاؤلی کمبوہ تھے۔ ان کے کچھ رشتہ دار بھی دمشق یرغمال بنا کر بھیجے گئے تھے اور وہاں مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی تعداد نہ بتائی گئی ہے۔ ظاہر ہے بیسیوں یا چند سو رشتہ دار ہی ساتھ گئے ہوں۔ محمد بن قاسم کا حملہ سندھ ملتان پر سن 90 ہجری میں ہوا تھا۔ بارہ چودہ سو سال میں بیسیوں یا چند سو کی اولاد کروڑوں میں کیسے پہنچ سکتی ہے۔ یہ بات کئی سوالوں کو جنم دیتی ہے۔ مذکورہ نظریہ کی تائید میں تاریخی حوالہ جات کی عدم فراہمی اور تاریخی حوالہ جات سے سرکار چاؤلی کا ڈھڈی راجپوت نسل سے ہونا فاضل مصنف کے نظریہ کو جھٹلاتا ہے۔ لہذا فاضل مصنف کے نظریہ سے اختلاف کیا جاتا ہے کہ ارائیں کمبوہ نسل کا ایک گروہ ہیں۔

☆☆☆

۴۔ نظریہ اَرِاِی۔

تاریخ ارض پاکستان کے مصنف رشید اختر ندوی صفحہ نمبر 92 پر لکھتے ہیں کہ تقریباً 3000 ق م میں اَرِاِی نام کا بادشاہ مخلوط بابل کا حکمران تھا۔ ممکن ہے کہ اس کی اولاد سومیریوں کی طرح وارد برصغیر ہوئی ہو اور ارای لفظ آہستہ آہستہ مقامی لوگوں کے لہجے کی بنا پر آرائیں بن گیا ہو۔ اس طرح آرائیں بابل کے حکمران ارای کی اولاد ہیں۔

تبصرہ:

ول ڈیورنٹ نے ایک ضخیم کتاب ''تاریخ تمدن'' کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں اس نے مختلف ملکوں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ جہاں انسانی تمدن کی بنیادیں رکھی گئیں۔ جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ ''عرب'' عنوان کے تحت اس نے سومیری، اشوری، بابلی اور مصری تہذیبوں کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ اس نے عراق کی سومیری تہذیب کو دنیا کی اولین تہذیب قرار دیا ہے۔ عرب حصہ کو الگ کر کے اس کا ترجمہ اردو میں یاسر جواد نے کیا ہے۔ اس اردو ترجمہ کے صفحہ نمبر 22 پر ول ڈیورنٹ نے لکھا۔ کالدیس کے آر میں 300 تا 700 قبل مسیح میں ار کی سومیری تہذیب عروج پر تھی۔ اس کا عظیم ترین بادشاہ ارانیگر سارے مغربی ایشیاء کو اپنی امن کوش حکومت میں لایا اور سارے سومیر کے لئے تاریخ کا پہلا جامع ضابطہ قوانین کو مشتہر کیا۔ فرات میں ہونے والی تجارت سے حاصل ہونے والی دولت کے ساتھ ار امیر ہوا۔ تو ارانیگر نے بھی اپنے شہروں کو معبدوں سے زینت بخشی اور محکوم شہر لارسا، اروک، اورنی پر میں بے پناہ اسراف سے تعمیرات کیں۔

رشید اختر ندوی نے تاریخ ارض پاکستان میں اس بادشاہ کا نام ارای لکھا ہے۔ جبکہ دل دیورنٹ نے ارائنگر (ارای نگر) لکھا ہے۔ کیا اسی ارای یا ارائنگر کی اولاد دیگر سومیری کی طرح کبھی برصغیر میں آئی اور کیا قبیلہ ارای کے نام سے موسوم رہا اور برصغیر میں آ کر مرور ایام کے ساتھ ارای کا نام ارائی ہوا اور پھر مزید وقت گزرنے پر ارائیں ہوا۔ ارای لفظ کا مرور ایام کے ساتھ ارائی پھر ارائیں ہو جانا قرین قیاس تو معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس نام کے قبیلے کے برصغیر میں آنے کی کوئی تائیدی شہادت نہ ملتی ہے۔ اگر اس نام کا کوئی قبیلہ جو مغربی ایشیاء کے عظیم تاجدار کی اولاد تھا۔ برصغیر آیا ہوتا تو تاریخ ہند میں کسی نہ کسی حوالہ سے اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سومیری تاریخی حوالوں سے برصغیر میں آ کر ڈراویڈی سیاہ فام اقوام سے ادغام کر کے ڈراویڈن کہلائے۔ چونکہ ان کا سیاہ فام ڈراوڑوں سے ادغام ہوا تھا۔ اس ڈراویڈن کی جلد کا رنگ عمومی طور پر سیاہی مائل ہوا۔ ڈراویڈن آریہ سے تقریباً 1500 ق م سے پہلے برصغیر پر حکمران تھے۔ ان کو آریہ نے مغلوب کر لیا۔ پروفیسر گستان باؤلی کے مطابق آریوں سے مغلوب ہونے والے جاٹ تھے۔ گویا ڈراویڈن بعد میں جاٹ کہلائے۔ لیکن ارائیں کی جلد کا عمومی رنگ سفید یا سفیدی مائل ہوتا ہے۔ سیاہی مائل نہ ہوتا ہے۔ جاٹوں کا قد کاٹھ اور چہرے کے خد و خال بھی ارائیوں سے مختلف ہوتے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی محقق بہت تحقیق سے حتمی نتائج حاصل کر سکے۔ لفظ ارائیں جس پر تاریخی دھند لکے چھائے ہوئے ہیں۔ ارائیں کی وجہ تسمیہ ارای یا ارائنگر مغربی ایشیاء کے عظیم تاجدار سے جوڑنے میں کامیاب ہو جائے۔

☆☆☆

۵۔ اورائیں نظریہ

چھٹی صدی قبل مسیح وسط میں سندھو، سودیر، (صوبہ سندھ اور سرائیکی پنجاب) کے ایک اہم بادشاہ کا نام اورائیں تھا گزرتے وقت کے ساتھ اورائیں لفظ مختصر ہو کر آرائیں میں تبدیل ہو گیا۔ آرائیں اس کی اولاد ہیں۔ آرائیوں کا مرکز بھی سرائیگی علاقہ میں واقع ملتان کے نزدیک اوچ یا اوچہ شریف ہی بیان کیا جاتا ہے۔

تبصرہ:

پروفیسر یحیی امجد مصنف تاریخ پاکستان وسطی عہد نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 31,30 پر پروٹو پاکستان کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔ کہ چھٹی صدی قبل مسیح کے وسط میں یعنی 550 ق م کے قریب گندھارا کا بادشاہ پکوساقی تھا۔ اس کو سنسکرت کی کتابوں میں پشکراساری کہا گیا ہے۔ وہ مگدھ کے مشہور بادشاہ بمبی سار اور اونتی مالوہ دارالحکومت اجینی موجودہ اجین صوبہ مدھیا پردیش بھارت کے بادشاہ مرادیوت کا ہم عصر تھا۔ وہ گندھاری ریاست کی تفصیل لکھتے ہوئے ایک شہر کس پیورس موجودہ نام ملتان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ ملتان گندھاری شہر تھا۔ ملتان اس وقت پوری وادی سندھ کے تجارتی راستوں اور دریائی جہاز رانی کا مرکزی نقطہ تھا۔ یحیی امجد نے بدھ پرکاش کا ذکر کیا ہے۔ بدھ پرکاش بدھ مت لٹریچر پر اتھارٹی کا درجہ رکھتا تھا۔ بدھ پرکاش کہتا ہے کہ موخر بودھ تصانیف میں سندھو سودیر سلطنت (صوبہ سندھ و سرائیکی پنجاب) کے ایک اہم بادشاہ کا ذکر ملتا ہے۔ بدھ مت سے متعلق کتاب اودان کلپ لتا میں اس کا نام اورائیں لکھا ہے۔ جبکہ ودیا دوان میں رورائیں اس طرح جین مت کی کتاب بھگوتی سوتر اور اتردھیان سوتر میں اس کا نام ادائن مذکور ہے۔ اس کے بارے میں ان کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ

اونتی کے بادشاہ چندر پرادیوت کا دشمن تھا۔ بمبی سار کا دوست اور مہابدھ کا مقلد اورائین روراٸیں یا ادائین کی زندگی کی تفصیلات ہو بہو وہی ہیں۔ جو پکوساتی کی ہیں۔ اس مماثلت کی بناء پر بدھ پرکاش نے قیاس آرائی کی ہے۔ کہ غالباً اورائین یا رورائین یا ادائن دراصل وہی شخص ہے۔ جس کا ذکر بدھ مت کی پالی تصانیف میں پکوساتی آیا ہے۔ سنسکرت کی تصانیف میں اسی کا نام پشکراساری ہے۔ اگر یہ دونوں شخص ایک ہی ہیں تو پھر گندھارا کشمیر اور تقریباً پوری وادی سندھ اس کی سلطنت میں شامل تھی۔ اگر اورائن یا رورائین یا آدائین اور پکوساتی ایک ہی شخص کے دو نام تھے۔ تو پھر اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ پوری وادی سندھ کا بادشاہ تھا۔ جس کی حکومت میں چھ صوبے تھے۔ جسمیں 363 بڑے شہر واقع تھے۔

قدیم بودھ اور یونانی تصانیف سے ہمیں پکوساتی (اورائیں) نام کے بادشاہ کے تذکرے ملتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ بادشاہ نہایت ہی وسیع و عریض سلطنت کا مالک تھا اور بہت باوسائل اور دولت مند تھا۔

مولف نے بڑی کوشش کی کہ اس کے متعلق معلومات زیادہ سے زیادہ حاصل ہوں لیکن اس سے زیادہ نہ مل سکیں۔ ہوسکتا ہے کہ اورائن وقت کے ساتھ مختصر ہوکر ارائیں میں تبدیل ہوگیا ہو وہی ارائیوں کا مورث اعلیٰ ہو۔ وہ آرائیوں کے کردر کا نمائندہ تو معلوم ہوتا ہے۔ تاریخی روایات کی رو سے وہ بڑا منصف مزاج اور رحم دل بادشاہ تھا۔ گوتم بدھ سے ملاقات کے بعد اس نے دنیاوی اقتدار کو لات ماردی۔ بودھی چولا پہنا، ہاتھ میں کشکول گدائی پکڑا اور شہر سے باہر نکل کھڑا ہوا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ پاکستان صفحہ نمبر 46 از یحیی امجد)۔

وی۔ اے سمتھ نے اپنی کتاب قدیم تاریخ ہند میں اس شخصیت کو آدائن یا آدن کے نام سے شناخت کیا ہے۔ جو مگدھ کا حکمران تھا۔ آدن اب آرائیوں کی گوت بھی ہے۔ آدن گوت کی تفصیل صفحہ نمبر 179 پر درج ہے۔ اورائیں آدائن یا آدن کا کوئی تعلق آرائیون سے بنتا ہے۔ شائد کوئی محقق تفصیل سے بیان کرنے کے قابل ہو سکے۔

٦۔ آرائیوں کے آریہ ہونے کا نظریہ

آرائیں ایرانی یا مشہور عالم آریا نسل کی ہندوستان میں بچی اصل باقیات ہیں۔ آریا لوگوں کی اکثریت برصغیر کی اقوام میں مدغم ہو کر اپنا وجود کھو چکی ہے۔ جبکہ وہ آریا جنہوں نے مقامی اقوام میں گھل مل جانے سے احتراز کیا اور آریا کہلاتے رہے۔ لفظ آری پہلے آریائی اور جمع کے صیغہ میں آریائیں بنا۔ پنجاب میں آکر پنجابی لہجہ کا آریائیں، ارائیں میں تبدیل ہوا۔ چونکہ آریا سے ارائیں نام ہوا اس وجہ سے قوم ارائیں کے نام سے پکاری جانے لگی۔

آریہ نسل:

اس کی حکومتوں کے ذکر سے برصغیر کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ جب اس میں سے ایک حصہ کا نام آریا کے بجائے آرائیں پڑا۔ تو تاریخی کڑیاں ٹوٹ گئیں۔ تاریخ سے تعلق ٹوٹ جانے کی وجہ سے قوم آرائیں دھندلکوں میں گم ہوگئی۔ حالانکہ جب اس کا نام آریہ تھا تو تاریخ اس کے نام اور کارناموں سے بھری پڑی تھی۔

تبصرہ:

پروفیسر غلام مصطفیٰ بسمل نے تاریخ ہند قدیم تحریر فرمائی ہے۔ اس نے برصغیر کی تمام آبادی کو نسل کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ وہ صفحہ 52,51 پر لکھتے ہیں۔ آریہ برصغیر پاک و ہند کی قدیم عہد کی نسلوں میں سے ایک نسل جو قد کے لمبے صاف رنگ، ناک لمبی والے تھے۔ جن کی زبان سنسکرت سے ماخوذ تھی۔ ان لوگوں کو آرین یا ہند آرین کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

ڈراوڑ: ان کے جسمانی خدوخال بڑی حد تک آریوں سے مختلف تھے۔ ان کی زبان کا سنسکرت

سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

سوئم: یہ وہ قدیم قبائل تھے جو شروع سے پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے تھے۔ یہ لوگ آریاؤں اور دراوڑوں سے مختلف تھے، ان کے قد چھوٹے، رنگ سیاہ اور ناک چپٹی تھی۔ ان کی زبان بھی مختلف تھی۔ ان کو بھیل منڈا اس کہا جاتا تھا۔

چہارم: ان لوگوں کے چوڑے چکلے جسم، ابھرے ہوئے رخسار، بغیر داڑھی، رنگ زرد اور ناک چپٹی تھی۔ یہ لوگ مضبوط جسمانی خدوخال کے مالک ہوا کرتے تھے۔ یہ لوگ عموماً ہمالیہ اور اسام کی پہاڑیوں میں رہائش پذیر تھے۔ ان کو گورکھا، بھٹیاس (بھوٹانی) اور کھاسی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان مذکورہ نسلوں میں دو موخرالذکر نسلیں پتھر کے زمانہ کی جانشین سمجھی جاتی تھیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہزار ہا سال میں یہ لوگ کوئی اہم یا نمایاں ترقی نہیں کر پائے''

جہاں تک بھیل منڈا اس کا تعلق ہے۔ یہ قد کے چھوٹے، سیاہ رنگ، اور چپٹی ناک والے تھے۔ ان کو شودر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نزدیک کے زمانہ تک پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے تھے۔ بلکہ اب بھی ان کی اکثریت جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتی ہے۔ تہذیب کی بالکل ابتدائی سٹیج میں ہیں۔ عموماً جنوبی ہندوستان کے باسی ہیں۔

آرائیوں کا بھیل منڈا اس سے کوئی تعلق نہ ہے کیونکہ ارائیں دراز قامت، صاف رنگ اور اونچی ناک کے مالک ہیں۔ ان کا مسکن عموی پنجاب اور سندھ ہے۔ عام طور پر دریاؤں کے کناروں، زرخیز زرعی میدانوں میں پائے جاتے ہیں۔ دریائے سرسوتی، دریائے گھگھر، بیاس، ستلج کی وادیاں عموی طور پر ان کے مسکن تھے۔ اوچ شریف، نزد پنجند ان کا ابتدائی مسکن تھا۔ اگر آرائیوں کا تعلق بھیل منڈا اس سے ہوتا تو وہ قد کے چھوٹے، سیاہ رنگ اور چپٹی ناک والے ہوتے۔ پہاڑ اور جنگل، جنوبی ہندوستان ان کے مسکن ہوتے۔

جہاں تک طبقہ چہارم منگول نسل کا تعلق ہے۔ اس کے نمایاں خدوخال میں چوڑا چکلا جسم، ابھرے ہوئے رخسار، بغیر داڑھی، ترچھی آنکھیں، زرد رنگ، ناک چپٹی ان کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ یہ عموماً نیپال، بھوٹان، آسام، اور دیگر ہمالائی ریاستوں کے رہائشی ہیں۔ اس

نسل سے بھی آرائیوں کا ہرگز تعلق نہ بنتا ہے۔ ان کے خدوخال نسل مذکورہ سے بالکل مختلف ہیں اور سکونت بھی زرخیز میدان اور دریاؤں کی وادیاں ہیں۔ جہاں تک ڈراوڑ نسل کا تعلق ہے۔ تاریخ ارض پاکستان کے مصنف محمد رشید اختر ندوی نے اس کو سومیری اور طورانی کہا ہے اور ڈراوڑی نسلوں یعنی بھیل منڈا اس سے امتیاز کے لئے ان کو ڈراویڈن کا نام دیا ہے۔ تاریخ پاکستان قدیم عہد کے مصنف یحیی امجد نے ان کو رومی النسل قرار دیا ہے۔ یہ ڈراویڈن شودروں سے علیحدہ نسل ہے۔ اس سلسلہ میں صفحہ 323 ملاحظہ ہو۔ اس ڈراویڈن / دراوڑی گروہ کا جنوبی ہندوستان کے موجودہ دراوڑی لوگوں سے کوئی تعلق نہ ہے۔

تمدن ہند کے فرانسیسی مصنف ڈاکٹر گستاؤلی بان کے اردو ترجمہ کے صفحہ 133 کے مطابق ان کو طورانی کہا جاتا ہے۔ یہ ڈراویڈن یا طورانی جاٹ کے نام سے موسوم ہوئے۔ آریوں کی آمد کے وقت انہوں نے برصغیر میں مختلف علاقوں پر اپنی حکمرانیاں قائم کر رکھی تھیں۔ یہ آریوں کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے۔ آریوں نے ان کو اپنی ذات ویش میں شامل کر لیا۔

جاٹ کے ضمن میں ہم اس کا حلیہ مختلف مصنفین کے مطابق درج کر چکے ہیں۔ ان کا قد لمبا، کاٹھی مضبوط، جلد کسی قدر سیاہ، ناک بڑی اور اونچی، بال سیاہ اور کثرت سے، آنکھیں عموماً بڑی بڑی اور کھلی ہوئیں۔ چہرے چپٹے اور رخسار ابھرے ہوئے۔

ان کے برعکس ارائیوں کا جسم سڈول اور سمارٹ ہوتا ہے۔ رنگ سفید یا سفیدی مائل ہوتا ہے۔ آنکھیں جاٹوں کی طرح بڑی بڑی اور کھلی ہوئی نہ ہوتی ہیں۔ ان کو جاٹوں اور گجروں سے آسانی سے تمیز کیا جا سکتا ہے۔ لہذا ارائیوں کا ڈراویڈن یا طورانی نسل سے بنیادی تعلق نہ ہے۔ معمولی سا طورانی بزار ارائیں نسل میں شامل ہو گیا ہے۔ تفصیل بعد میں آئے گی۔

اب صرف اولین طبقہ آریوں کا رہ جاتا ہے۔ آریہ دراز قامت قد، ارائیں بھی دراز قامت ہیں۔ آریہ سفید فام، صاف رنگت کے تھے۔ ارائیں سفید اور سفیدی مائل رنگت کے ہوتے ہیں۔ آریوں کے چہرے بیضوی اور ارائیوں کے چہرے بھی بیضوی ہوتے ہیں۔ آریوں کی آنکھیں نیلی، بھوری ہوتی ہیں۔ ارائیں [illegible] آنکھوں کی پتلیاں باقی ہندوستانی اقوام کی طرح

بالکل سیاہ نہ ہوتی ہیں بلکہ کبھی نیلی سبز یا بھوری ہوتی ہیں اور عام طور پر مائل بہ بھورا رنگ اور چمکدار ہوتی ہیں۔ اس طرح ارائیں ہی ڈاکٹر بسکل کے اقتباس کے پہلے حصہ کے زمرہ میں آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آرائیں آریہ ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی باتوں سے ارائیں آریہ ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ علاقائی تواریخ کے مورخین اس علاقہ میں بسنے والی اقوام کا ذکر اپنی کتابوں میں کرتے ہیں ان اقوام کے احوال لکھنے سے پہلے ان قوموں کے متعلق تحقیق کر کے حقائق اکٹھے کرتے ہیں اور ان حقائق کی روشنی میں مختلف اقوام کے متعلق اپنا نکتہ نظر پیش کرتے ہیں۔ ان علاقائی اقوام کے مورخین کا قوموں کے متعلق نظریہ بہت ہی قرین قیاس اور اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ تاریخ لیہ کے مورخ مہر نور محمد تھند نے صفحہ 511 پر ارائیں قوم کے متعلق لکھا ہے۔ کہ ارائیں بعض مورخین کے مطابق آریا قوم کی باقیات ہیں۔ مہر نور محمد تھند نے مولف کے اوپر اخذ کردہ نتیجہ سے اتفاق کیا ہے۔

۲۔ قوموں (ذاتوں) کی تواریخ کے مصنفین کو بہت وسیع اور دقیق تحقیق کرنی پڑتی ہے۔ قومی تواریخ میں حکمرانوں اور حکومت سے متعلق افراد کا ذکر ہوتا ہے۔ قوموں (ذاتوں) کے متعلق خال خال حوالے ہوتے ہیں۔ اس لئے قوموں کے مورخین کو کسی قوم (ذات) کی تاریخ لکھنے میں نہایت ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لئے اس کو ملکی علاقائی تواریخ سرکاری دستاویزات، صوفیا کرام کے ملفوضات شخصی سوانح عمریوں اور مختلف اقوام کی تواریخ کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ قوموں کی ابتدا ان اقوام کے خدوخال، قدوقامت، چہرے کی بناوٹ، اور رنگت کے متعلق معلومات اکٹھی کرنا پڑتی ہیں۔ پھر اس مواد کے پیش نظر کسی قوم (ذات) کی تاریخ مرتب کرتا ہے۔ تاریخ لکھتے وقت دوسری اقوام (ذاتوں) کے متعلق اس کو معلومات ملتی ہیں۔ یا اس کا ان کو تقابلی معائنہ کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے مورخ دوسری اقوام کے متعلق بھی لکھ جاتے ہیں۔ جاٹوں کے متعلق تاریخ "جاٹ قدیم حکمران" کے مصنف ایس۔ بی۔ ڈاہیا، نے صفحہ 402 پر ارائیوں کو آریا لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ارائیں/آریہ Arri آرائی کے نام

سے یونان میں موجود ہیں۔ یونانی مسلمہ آرین ہیں۔ اس طرح ارائیوں کے آریا ہونے میں کوئی شک نہ رہ جاتا ہے۔

اس طرح ایس۔ بی۔ ڈاہیا اپنی کتاب مذکورہ کے صفحہ 216 پر تحریر کرتے ہیں کہ 326 ق م میں یونانی سیاح رمورخ میگھشینز نے اس وقت کے مشہور انڈین قبائل اوپل، سگی، (ایک کھتری) قبیلہ منڈ، ملی، اندار، موکل، کھرل، لائی، رانجھا، سلا، (سیال)، کھوکھر، سپرا، سمرا وغیرہ 44 قبائل کا ذکر ہے جس میں 39 نمبر پر آریا یا ہاری آرین (آریانہ سے) کا ذکر کیا گیا۔ اس قبیلہ آریا کو اپنی زبان میں Irri یعنی آرآئی لکھا ہے۔ جو کہ حوالہ مذکورہ کے مطابق آریا/ارائیں کے مترادف ہے۔ اس طرح بھی ارائیں آریا ثابت ہوتے ہیں۔

۳۔ تاریخ ارض پاکستان مولفہ مولانا رشید اختر ندوی کے مطابق بہت ہی قدیم زمانہ میں وسطی ایشیاء میں انسانی معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہوا۔ ایک وہ جو کھیتی باڑی کرنے لگے آریا کہلائے اور دوسرے وہ جو جنگلوں میں گھوڑے ہنکاتے تھے اور مویشی پالتے تھے، طورانی کہلاتے تھے۔

ڈاکٹر انجم رحمانی اپنی کتاب "پنجاب" میں صفحہ نمبر 132 پر لکھتے ہیں۔ اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ آریا وادی سندھ کے متمدن قبائل سے بہت پسماندہ تھے۔ چنانچہ وہ جب پنجاب میں آئے۔ تو انہوں نے شہری زندگی پر دیہاتی زندگی کو ترجیح دی۔

تاریخ ارض پاکستان کے مصنف رشید اختر ندوی سے بھی یہی مرقوم ہے۔ کہ آریا گاؤں میں آباد ہو کر کھیتی باڑی کرنے لگے۔ اور یہ ان کا ذریعہ معاش تھا۔ کسی حملہ کے وقت گاؤں کا ایک فرد ان کا سپہ سالار بن جاتا۔ یہ تمام دیہاتی اس کی ماتحتی میں دشمن سے معرکہ آرائی کرتے تھے۔ تقسیم برصغیر سے قبل آرائیں دیہاتوں کے باسی تھے۔ ان کا پیشہ بھی کھیتی باڑی تھا۔ زمینداری کاشتکاری کو معزز پیشہ خیال کیا تھا۔ دیگر پیشے پسند نہ کئے جاتے تھے۔ ان خصوصیات کی بنا پر ارائیوں کے آریا ہونے میں کوئی شبہ نہ رہ جاتا ہے۔ ان کا پیشہ اور بودوباش ہو بہو آریوں سے ملتی

(نوٹ): یہاں یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ دیگر اقوام جاٹ، راجپوت، گجر، ڈوگر، مغل وغیرہ بھی دیہاتوں میں آباد رہے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے رہے ہیں۔ اس اعتراض کا مختصر جواب یہ ہے کہ ان اقوام کا زیادہ انحصار مویشی پالنے پر رہا ہے۔ یہ نیم دلانہ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ بلکہ کھیتی باڑی کو حقیر تصور کرتے تھے۔ انہوں نے انگریزوں کی آمد پر کھیتی باڑی کو کل وقتی ذریعہ معاش بنایا تھا۔ اس سلسلہ میں کسی کو اعتراض ہو تو وہ ان اضلاعی گزیٹرز کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ جو انگریز کے پنجاب پر 1857ء میں قبضہ کرنے کے بعد مختلف اوقات میں مرتب کئے تھے۔ مویشی پالنے کے علاوہ انگریزوں نے ان کے دیگر مشاغل کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو کہ معاشرتی طور پر گھناؤنے فعل تھے۔ جو ان اقوام کے نزدیک شاید اُس وقت قابل فخر ہوں گے۔ لیکن آج کے زمانہ کی ان کی نسل کے لئے باعث ندامت ہوں گے۔

۴۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان اپنی کتاب تمدن ہند کے صفحہ 133 پر لکھتے ہیں۔ اگر پنجاب کی حالت پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جاٹ، گجر اور سکھ تورانی اقوام ہیں۔ یہاں کی اقوام میں وہ تین چوتھائی ہیں اور ایک چوتھائی آریہ ہیں۔ جن کا رنگ انہیں صاف بتاتا ہے۔ اس سے نیچے اتر کر ہمیں راجپوت ملتے ہیں۔ جو آریوں میں شامل ہیں لیکن خالص آریہ نہ ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ جاٹ، گجر، اور راجپوت قوم کے علاوہ ارائیں قوم پنجاب کی بہت بڑی آبادی والی قوم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے راجپوتوں کو آریوں میں شامل کیا ہے لیکن وہ ان کو خالص آریہ نہیں مانتے ہیں۔ لہذا چوتھائی آبادی میں جو آریہ ہیں، وہ آرائیں ہی ہیں۔ جو کہ سفید رنگت اور سمارٹ اجسام کی بناء پر آریہ ہیں۔

۵۔ تاریخ قدیم ہند از غلام مصطفیٰ البسمل کے صفحہ نمبر 80 کے مطابق سر برٹ از لے نے ہندوستان کی آبادی کو سات قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ہم اپنے موضوع کے لئے قسم دوئم کو لیتے ہیں۔ ہند آریائی جس میں پنجابی، کشمیری، راجپوت اور جاٹ شامل ہیں۔ خلاصہ رپورٹ مردم شماری 1883,84ء میں درج ہے۔ ''معلوم ہوتا ہے کہ ارائیں اصلی پنجابی قوم ہے۔'' سر برٹ کے مذکورہ اقتباس کہ پنجابی آریا ہیں۔ خلاصہ رپورٹ کے مطابق اصلی پنجابی آرائیں قوم ہے۔

لہذا آرائیں اصلی آریہ ہیں اس طرح آرائیوں کے آریہ ہونے میں کوئی شبہ نہ رہ جاتا ہے۔

۶۔ رگ وید آریوں کی بنیادی مذہبی کتاب ہے۔ جو کہ اکثر محققین کے مطابق 1200ء قبل مسیح میں تصنیف ہوئی۔ رگ وید کے مطابق آریوں کے برصغیر میں آمد کے بعد دس بادشاہوں کی لڑائی ہوئی تھی۔ پاکستان کی تاریخ قدیم ہند میں یحیٰی امجد نے صفحہ 427 پر لکھا ہے۔ کہ دس بادشاہوں کی لڑائی میں پانچ بڑے قبائل پورد، یادو، تروش، آنو اور درھیو اور پانچ چھوٹے قبائل الین، پکتھا، بھلان، اور وشانی نے حصہ لیا تھا۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ

''مذکورہ قبائل کا اگر جائزہ لیا جائے تو پکتھا، پکتھ وہی قبیلہ ہے۔ جسے سکندر کے حملہ کے وقت یونانی پکتھائی کے نام سے یاد کرتے تھے اور جسے آجکل پختون یا پٹھان کہتے ہیں۔ پکتھا قبیلہ دریائے کرمو (موجودہ کرم) کے منبع کے قریب رہتا تھا۔ پکتھیوں کے الینوں سے قریبی تعلقات تھے۔''

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ

''الین کا لغوی معنی ہے شہد کی مکھی تو گویا شہد کی مکھی ان کا ٹوٹم (امتیازی نشان) رہا ہوگا۔ اس کا ایک تلفظ الائیں بھی ہے۔ جو ارائیں کے قریب ہے۔ الین آریا قبیلہ ہے۔''

ان اقتباسات کی روشنی میں یحیٰی امجد کے مطابق ارائیں آریا ہیں۔

۷۔ ایرانی شہنشاہ دارا اول جس نے 522-486 ق م ایران پر حکومت کی، نے برصغیر پر حملہ کیا تھا۔ اس کے زمانہ میں پاکستان کے موجودہ علاقہ میں کئی ریاستیں قائم تھیں۔ ارض پاکستان کی تاریخ کے مولفہ رشید اختر ندوی کے حصہ دوئم صفحہ 37 پر درج ہے کہ ریاست امبشٹہ ایک خودمختار ریاست تھی۔ اس ریاست کے باشندے کشتری تھے۔ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ لوگ زیادہ کاشتکار تھے۔ سکندر مقدونی کے حملہ کے وقت یہ لوگ خاصے طاقت ور تھے۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں۔ امبشٹہ کے ہمسایوں میں دو اور قبیلے بہت ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ ان

میں ایک کھتورا اور دوسرا اسادیو تھا۔میک کرنڈلے (ایک انگریزی محقق) کی تحقیق کے مطابق یہ دونوں کشتری تھے۔آرائیوں کی ایک گوت کھتورا ہے اس طرح آرائیں کشتری ہیں اور آریا ہیں۔

۸۔قدیم زمانہ میں ایران کے ایک حصہ کو میڈیا کہا جاتا تھا۔اس کے باشندوں کو میڈیا منڈ کہا جاتا تھا۔ارض پاکستان کی تاریخ کے صفحہ نمبر 204، جاٹ قدیم حکمران کے صفحہ 421 اور انسانی نسلیات از پروفیسر عزیز احمد میں عنوان آریا کے مطابق میڈیا منڈ لوگ آری کہلاتے تھے۔ آریا اس آری سے مشتق ہے۔ارائیوں کی ایک گوت منڈیا منڈے ہے۔اس لحاظ سے ارائیں آریا ہیں۔ممکن ہے منڈیا منڈ ایک ہزار ق م آریا کے ساتھ برصغیر کیساتھ ہندوستان آئے ہوں۔ تاریخ ارض پاکستان کے صفحہ نمبر 144 کے مطابق میڈی لوگوں کا برصغیر آنا تاریخی طور پر ثابت ہے۔ان کے برصغیر میں آنے کی وجہ تاریخ ارض پاکستان کے مطابق یہ تھی کہ اسیری حکومت کے خلاف میڈیا کافی دنوں سے بغاوت کا مرکز بنا ہوا تھا۔اشور بنی پال کے زمانے سے لے کر وہاں بڑی زوردار بغاوتیں ہوتی رہی ہیں۔اسیریا کے بادشاہ سارگون کے زمانے میں بغاوت وسیع پیمانے پر پھیل گئی۔سارگون کو خود میڈیا آنا پڑا۔اس نے میڈیا کے پانچ ضلعوں میں کچھ اس طرح کی حربی نمائش کی کہ بغاوت دم توڑ گئی۔ایک اور کتبے کے مطابق سارگون کے خلاف پینتالیس میڈی سربراہوں نے بغاوت کی تھی۔سارگون نے میڈیا کے آرین کی بغاوت کے وقت ان پر غیر معمولی سختی کی تھی۔پورے میڈیا میں انتہائی دہشت پھیلا دی تھی۔بہت سے میڈی باغی قبائل سارگون سے ڈر کر ہندوکش کی طرف بھاگ گئے تھے۔اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سیالکوٹ میں ایک میڈی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔یہ لوگ آٹھویں صدی قبل مسیح میں برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔

۹۔برصغیر کی تمام تواریخ کا اس بات پر اتفاق ہے۔کہ آریا لوگوں کی اکثریت ایک ہزار سال پنجاب میں رہنے کے بعد دریائے گنگا اور جمنا کی وادیوں میں جا کر آباد ہو گئی۔اور وہاں بڑی بڑی عظیم سلطنتیں انہوں نے قائم کر لیں۔

ڈاکٹر گستاؤلی بان تمدن ہند کے صفحہ نمبر 143 پر لکھتے ہیں۔بہار کے باشندوں کی جلد سیاہ ہے۔لیکن ان کے چہرے کا نقشہ پوربیوں سے ملتا جلتا ہے۔اودھ (یو۔پی) کے باشندے

ان سے بھی اعلیٰ ہیں۔اور یہ اصلی آریہ قوم معلوم ہوتے ہیں۔ان کا رنگ صاف، چہرہ بیضوی، نقشہ سڈول اور قد بلند ہے۔ارائیں بھی رنگ صاف، چہرہ بیضوی، قد بلند کے مالک ہیں۔ان کے چہرے کا نقشہ یو۔پی کے لوگوں سے ملتا ہے۔جو ان کے آریا ہونے کی دلیل ہے۔اسی طرح سرحد کے پختون قبائل سے، جن میں ترک عناصر کی آمیزش کم سے کم ہے۔اور ایرانیوں سے ارائیوں کے خدوخال ملتے ہیں۔دنیا کے اکثر اور بیشتر محققین کے مطابق پختون یا پٹھان مسلمہ آریا ہیں۔ارائیوں کے چہرے کا نقشہ ایرانی لوگوں کے چہرے سے بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔اگرچہ ایرانی لوگوں میں یوچی، شاکا ترک قبائل کا بہت بڑی تعداد میں اور عربی عناصر کا بھی ادغام ہوا ہے۔اگرچہ ارائیوں اور ایرانی لوگوں میں مقام، زبان، آب وہوا اور ماحول کا فرق بھی ہے۔پھر بھی آج میڈیا کے دور میں ایرانی اور ارائیں قوم کے خدوخال کا بہت آسانی سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ایرانی لوگ تو ہیں ہی آریا۔ان کے متعلق دو رائے نہ ہو سکتی ہیں۔مغربی اقوام کی اکثریت محققین کے مطابق آریہ نسل سے ہے۔اگرچہ ان میں بھی رومی النسل کی بہت زیادہ آمیزش ہوئی ہے۔لیکن آرائیوں کے خدوخال یورپی اقوام سے کافی حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔ اگرچہ آب وہوا، ماحول، خوراک اور زبان و مقام کا فرق ہے۔ان حقائق کے پیش نظر ارائیوں کے آریا ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہ جاتی ہے۔

۱۰۔تاریخ جٹاں کے مصنف ایم۔اے متین آریا عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔آریہ قبائل اپنی سکونت کے لئے دریاؤں کے سنگھم کو پسند کرتے تھے۔اس لئے پنجند کے قریب انہوں نے اوچ کی بستی کو اپنا مرکز بنایا۔اور سندھ پنجاب اور دریائے سرسوتی کے درمیان ایک ریاست قائم کی۔جسے پنچال کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔آریا کے کچھ قبائل دریائے گنگا کے کنارے آباد ہوئے۔ڈاکٹر انجم رحمانی مصنف کتاب ''پنجاب''، صفحہ نمبر 133 پر رقم طراز ہیں۔پنجاب میں تقریباً ہزار سال ق م کے بعد یہ آریہ لوگ مشرق کی جانب دریائے سرسوتی کے کنارے جا کر مستقل آباد ہو گئے۔دریائے سرسوتی کا ذکر رگ وید آریوں کی مذہبی کتاب میں بہت تواتر سے ہوا ہے۔اس دریا کو بہت اہمیت حاصل تھی۔آریوں نے سرسوتی کی شان میں بہت سے گیت گائے
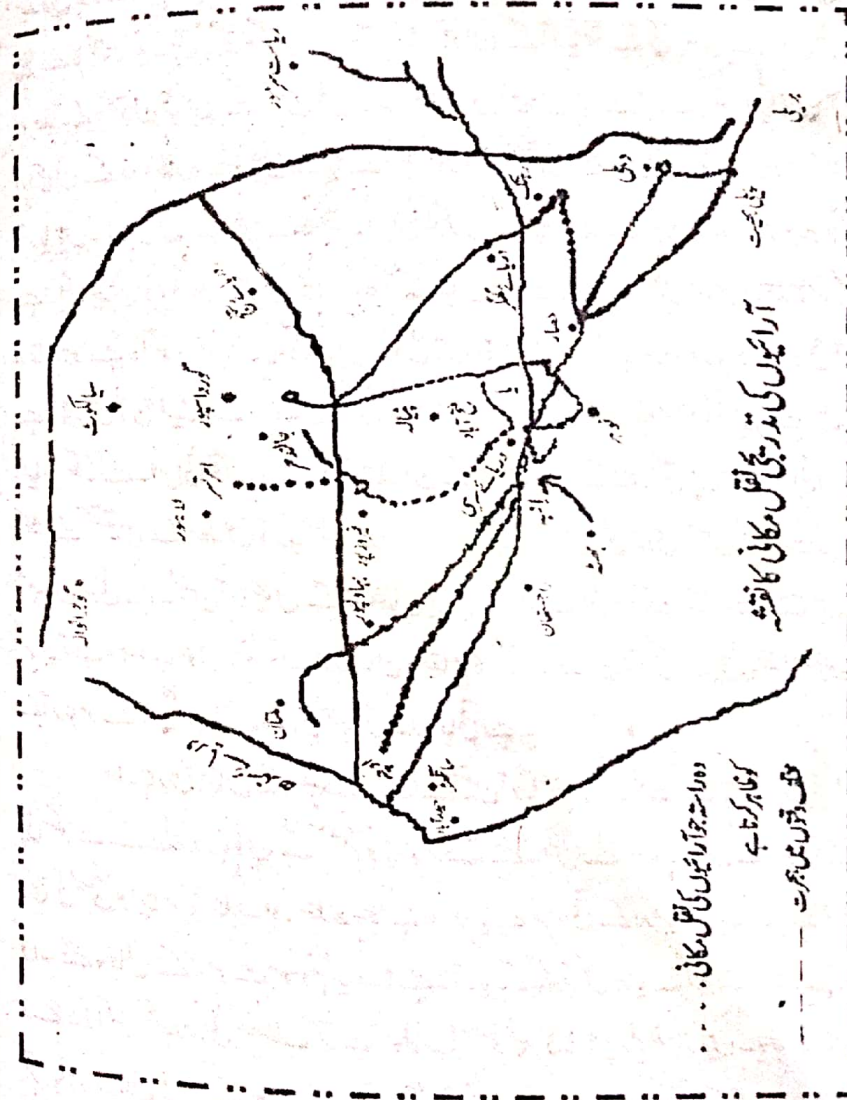
ہیں۔ تاریخ ارض پاکستان جلد اول صفحہ 287 کے مطابق ایک شاعر کہتا ہے۔

''سرسوتی تو اپنی بہنوں میں سے سب سے زیادہ خوبصورت سب سے زیادہ معزز ہے اور تو ہمیں ہمارے دشمن سے محفوظ رکھتی ہے۔ تیری مثال ایسے شہر کی ہے۔ جو ہتھیاروں سے بھرا پڑا ہے۔ یہاں بہنوں سے مراد باقی دریا ہیں۔

تواریخ کے مطابق آرین دریائے ہگرہ (ریاست بہاول پورہ میں سرسوتی دریا کو ہیکڑہ کہتے ہیں) کے کنارے کنارے سرسوتی دریا اور اس کے ایک معاون دریا گھگر کی وادی میں یعنی انبالہ، کرنال، سرسہ، حصار اور روہتک تک پہنچ گئے تھے اور وہاں سے پھر دریائے گنگا اور جمنا کی وادیوں میں جا پہنچے۔

برصغیر میں ارائیوں کی بتدریج نقل مکانی بھی آریوں کی نقل مکانی سے بالکل مشابہت رکھتی ہے۔ ہم نے کمبوہ عنوان کے تحت ارائیوں کو کمبوؤں سے الگ طبقہ ثابت کرنے کے لئے ارائیوں کے ابتدائی وطن اور ان کی نقل مکانی کا ذکر کیا ہے۔ تفصیل گذشتہ صفحات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مختصر طور پر مولانا غلام سرور لاہوری کے مطابق ارائیوں کا ابتدائی وطن اوچہ تھا۔ گزیٹر لدھیانہ کے مطابق ارائیں از طرف ملتان آئے واضح رہے۔ اوچہ بالکل ملتان سے ملحقہ ہے۔ پرسر اور ولسن کے مطابق ارائیوں کا اصل وطن اوچہ یا ملتان ہے۔ بارکلی کے مطابق انکے اصل وطن کی وسعت ہانسی، حصار، سرسا، سے ملتان تک بیان کی جاتی ہے۔ گزیٹر حصار میں مسٹر پرسر کا بیان ہے۔ وہ 1781 تک وادی گھگر پر قابض رہے۔ آخر 1799 کو بھٹیوں کی لوٹ مار اور قحط سالی کی وجہ سے کثیر تعداد میں جالندھر، بریلی، پھیلی پیت، اور رام پور چلے گئے۔

اب مذکورہ سابقہ اقتباسات سے واضح ہے کہ آریوں کا ابتدائی وطن اوچہ تھا۔ ارائیوں کی اصل سکونت بھی اوچہ میں تھی۔ آریا دریائے سرسوتی کی وادیوں میں آباد رہے تھے۔ پھر ان کی اکثریت دریائے گنگا اور جمنا کی وادیوں میں آباد ہوگئی۔ ارائیں نقل مکانی سے بھی ثابت ہے کہ وہ اوچہ سے ہجرت کر کے دریائے سرسوتی اور گھگر کی وادیوں میں آباد ہوئے۔ اور جب انہوں نے گھگر کی وادیوں کو چھوڑا۔ تو آریوں کی راہ پر چلتے ہوئے دریائے گنگا اور جمنا کی وادیوں بریلی،

بھیلی پیت اور رامپو چلے گئے۔

اب تاریخ ارض پاکستان صفحہ 298 اور دیگر تواریخ سے واضح ہے کہ آرین قبائل کا ریلہ سرسوتی سے آگے بڑھ کر جمنا اور گنگا کے علاقوں میں داخل ہوا۔ تو پنجاب کے دریاؤں کے کنارے آباد آرین میں کچھ نے ترک وطن نہیں کیا تھا۔ ارائیں بہت بڑی تعداد میں دریائے گھگھر، سرسوتی، ستلج اور بیاس کے کنارے آباد پائے گئے ہیں۔ یہ پیچھے رہ جانے والے آریا ہی ہیں۔ جو بعد میں آرائیں کہلائے۔ ارائیوں اور آریوں کا ابتدائی مسکن ان کی نقل مکانی کا راستہ مشترکہ، دونوں کا وادی گنگا اور جمنا میں آباد ہونا ثابت کرتا ہے کہ دونوں ایک ہیں۔ یہ بات ارائیوں کے آریا ہونے کی پختہ دلیل ہے۔

۱۱۔ برصغیر میں تاریخ لکھنے کا رواج نہ تھا۔ آرین کی آمد سے قبل تاریخی کتب کا سراغ نہ ملتا ہے۔ جب بقول ہورنل آرین برصغیر میں داخل ہوئے۔ تو انہوں نے رگ وید اپنی مذہبی کتاب تصنیف کی۔ اگر چہ یہ مذہبی کتاب ہے لیکن اس میں پہلی بار تاریخی شخصیات قبیلوں، اور تاریخی واقعات پر کوئی مربوط نہیں بلکہ بکھری ہوئی حالت میں روشنی پڑتی ہے۔ محققین کے مطابق برصغیر میں تاریخ کا آغاز آریوں کی آمد سے ہی شروع ہوتا ہے۔ ارض پاکستان کی تاریخ کے صفحہ 295 پر درج ہے کہ تاریخ کا آغاز اس وقت ہوا۔ جب آرین قوم شمال مغربی علاقے سے پہلی بار متعارف ہوئی۔

ڈاکٹر انجم رحمانی اپنی کتاب (پنجاب) کے صفحہ 180 پر رقم طراز ہیں۔ آریوں کی آمد کے بعد پنجاب میں تاریخی دور کا آغاز ہوا تھا۔

مسٹر ایچ روز اپنی کتاب گلاسری آف ٹرائیبز اینڈ کاسٹس میں قوم ارائیں پر اپنے مضمون کے آخر میں لکھتا ہے۔

"بحیثیت مجموعی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ارائیں غالباً زیریں سندھ کے علاقہ سے پنجاب کے مختلف خطوں میں دریاؤں کے درمیان تاریخ کے اولین دور میں پھیل گئے تھے ان میں ایک گروہ گھگھر تک پھیل گیا۔ شاید اس وقت تک یہ ایک مستقل دریا تھا۔ جو دریائے سندھ میں گرتا تھا۔ چنانچہ ان

لوگوں نے وہاں بڑی اہمیت حاصل کی اور جب دریائے گھگھر/سرسوتی خشک ہو گیا یہ جمنا اضلاع کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور عام طور پر ستلج کی وادی میں پھیلتے گئے۔ اور پہاڑوں کے دامن میں اپنے سے قبل لوگوں کے نقش قدم پر زیادہ آباد اور زرخیز اور بڑے دریاؤں کے علاقہ میں آہستہ آہستہ پھیلتے گئے۔ ڈاکٹر انجم رحمانی کے مطابق پنجاب میں تاریخ کا آغاز آریوں کی آمد سے ہوا۔ ایچ اے روز کے مطابق ارائیں تاریخ کے آغاز میں دریائے گھگھر/سرسوتی کی وادیوں سرسہ، حصار اور کرنال، انبالہ میں پھیل گئے۔ وہاں سے دیگر علاقوں میں پھیلے دریائے گھگھر/سرسوتی کے درمیان میں آریوں کی آمد کا خاص طور پر تواریخ میں ذکر ہے۔ آریوں نے سرسوتی دریا کی شان میں بہت سے گیت بھی گائے ہیں۔

سرسوتی کے کنارے سرسہ اور اس کے ارد گرد کا علاقہ ارائیوں کا مشہور مسکن رہا ہے۔ وہاں سے دیگر علاقوں میں پھیلے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ارائیں ہی وہ آریا ہیں۔ جو تاریخ کے آغاز میں گھگھر/سرسوتی کی وادیوں میں آباد ہوئے تھے۔ جو اپنی اکثریت کی طرح گنگا اور جمنا کی وادیوں میں نہ گئے تھے۔ اور پیچھے رہ گئے تھے ان میں سے کچھ 1799 میں دوسرے آریوں کے راستہ پر چلتے یو۔ پی میں بریلی، بھیلی پیت، رامپور چلے گئے۔ اور کچھ ستلج بیاس کی وادیوں جالندھر، فیروزپور، لدھیانہ، امرتسر، گورداسپور اور لاہور میں آباد ہو گئے۔ ان اضلاع میں ارائیوں کی کثیر آبادیاں ملتی ہیں۔ سرسہ اور حصار میں کچھ لوگ رہ گئے تھے۔ جو قیام پاکستان کے بعد وہاں سے ہجرت کر کے پاکستان میں آ گئے۔

۱۱۔ یہ کہ اکثر محققین نے مسلسل طور پر یہ قرار دیا ہے کہ شروع میں آریا کے معنی معزز اور شریف کے تھے۔ جہاں شریف سے مراد شرف والا، اونچے رتبہ والا تھا۔ اقوام جاٹ، گجر، راجپوت، میں یہ بات زبان زد عام ہے کہ ارائیں شریف قوم ہے۔ اگر چہ اس سے ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ کہ ارائیں امن پسند ہیں۔ لیکن لفظ شریف کی ارائیوں پر چسپاندگی ان کا آریا ہونا ظاہر کرتی ہے۔

۱۲۔ یہ کہ دنیا کے مختلف ممالک میں مقتدر، معزز آدمیوں کے لئے کہیں خاں، مرزا،

چوہدری، سید لکھنے کا رواج ہے۔ قیام پاکستان سے قبل ارائیوں کو پنجاب میں مہر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مہر فارسی لفظ ہے ایران میں مقتدر، معزز آدمی کے لئے مہر مستعمل تھا۔ جیسے بزرج مہر، آریامہر، ارائیوں کے نام کے ساتھ مہر سے ان کا فارسی النسل یعنی ایرانی / آریا ہونا ثابت ہے۔ پنجاب میں اگر مہر کا لفظ کسی شخص کے لئے بولا جائے تو اسکا مطلب ارائیں کے مترادف ہے۔ اگرچہ دوسری اقوام کے لوگ بھی اپنے آپ کو معزز ظاہر کرنے کے لئے مہر کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ان کو اپنی ذات لازمی ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ جیسے مہر خدا داد لک، مہر ولی داد سیال، مہر غلام عباس ہراج وغیرہ۔

اب مہر کا لقب متروک ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی جگہ چوہدری، میاں نے لے لی ہے۔ اگرچہ میاں کو زیادہ حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ زمیندار اقوام میں کسی نام کے ساتھ صرف میاں ہو۔ تو اسے ارائیں سمجھا جاتا ہے۔ دوسری زمیندار اقوام لکھیں تو وہ اپنی ذات ساتھ لکھتی ہیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ آریا قوم گروہ در گروہ 1500 ق م سے 1000 ق م کے دوران میں بہت بڑی تعداد میں برصغیر میں وارد ہوتی رہی ہے۔ یہ بہت سے قبائل پر مشتمل تھی۔ اس سلسلہ میں یحیی امجد اپنی کتاب تاریخ ہند کے صفحہ نمبر 409,410 پر لکھتے ہیں۔ بے شمار قبائل کو مشترکہ طور پر آریا کہا جاتا تھا۔ جو کہ ایک خاص زمانے میں مستقل ارض پاکستان میں داخل ہوتے رہے۔ ان کی ایک زبان نہ تھی۔ بلکہ آریائی لسانی گروہ کی بے شمار زبانیں اور بولیاں بولتے تھے۔ لیکن آریا قوم جو بے شمار زبانیں اور بولیاں بولتی تھی۔ یہ تمام زبانیں سنسکرت سے نکلی تھیں اور مقدس ویدان سب کی الہامی کتابیں ہیں۔

ہم نے ارائیوں کو مختلف حوالوں اور دلائل سے آریا ثابت کیا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا صرف ارائیں ہی آریا تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو برصغیر پاک و ہند میں آبادی کا اکثر حصہ ارائیوں پر مشتمل ہوتا۔ لیکن ایسا نہ ہے بلکہ ارائیں تو برصغیر کی آبادی میں نہایت ہی قلیل تعداد میں ہیں۔ برصغیر کی اس وقت آبادی تقریباً [illegible] کے نزدیک ہے۔ ارائیوں کی آبادی پاک و ہند میں تقریباً چار کروڑ کے نزدیک ہے۔ ایسا کیونکر ہے۔ تواریخ کے مطالعہ اور آریوں کے ماضی سے

متعلق غور خوض سے معلوم ہوتا ہے۔ آریوں کا بہت بڑا حصہ براہمنوں کی ذات پات کے مضبوط بندھنوں کے باوجود برصغیر کی سابقہ اقوام میں مدغم ہوگیا۔ آریوں نے ارض پاکستان سے نیپال تک آبادی کو متاثر کیا۔ آریائی اشکال کے خدوخال نیپال تک دیکھے گئے ہیں۔ آریوں کا بہت بڑا مرکز دریائے جمنا کے پار وادی گنگا میں تھا۔ وہاں جا کر آریوں کی علیحدہ حیثیت تقریباً ختم ہو کر رہ گئی۔ اتر پردیش، یو۔ پی میں مقامی لوگوں کا آریوں میں ادغام معمولی ہوا ہے۔ اس لئے یو۔ پی کے لوگوں کے خدوخال اب بھی آریوں کے مشابہ ہیں۔ بہار میں مقامی لوگوں کا ادغام نصف سے زیادہ ہے۔ اگرچہ خدوخال آریوں کے نزدیک ہیں۔ لیکن رنگ میں بہت فرق آ گیا ہے۔ آریا نام کی قوم/ ذات وہاں پر نہ پائی جاتی ہے۔

آرائیوں کی کم آبادی کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آریوں کا بہت چھوٹا سا گروہ جو ملتان سے لے کر روہتک، حصار تک دریائے سرسوتی کے کنارے کنارے اور دریائے گھگھر کی وادی میں آباد تھا۔ مقامی آبادی میں مدغم نہ ہوا۔ آریا ہی کہلاتا رہا۔ پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ ملتان سے لے کر روہتک، حصار تک آرائیوں کی آبادیاں تھیں۔ یہیں سے یہ لوگ باقی برصغیر میں پھیلے۔ ان کے دو گروہ سرسہ وال اور ملتانی مشہور ہوئے۔ پہلے یہ لوگ آریا کے نام سے پکارے جاتے رہے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ صوتی تبدیلیوں سے آریا کا لفظ ارائیں میں تبدیل ہوگیا۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان قبائل میں ہو سکتا ہے کہ کسی قبیلہ کا نام ہی آریا ہو۔ مقامی آبادی اور باقی آرین قبائل اس قبیلہ کو آریا ہی پکارتے ہوں۔ یحیی امجد اپنی کتاب تاریخ ہند کے صفحہ 411 پر لکھتے ہیں۔ کوسامبی (ایک محقق) کا خیال ہے کہ برصغیر میں آنے والے آریوں میں سے کوئی نہ کوئی گروہ ایسا ہوگا۔ جو اپنے تائیں نسلی معنوں میں آریا کہتا تھا۔ فارس کے بادشاہ دارا یوش اول نے اپنی لوح مزار پر 486 ق م میں یہ عبارت کندہ کروائی تھی کہ "پارسو، پارسہا پترا، آریہ، آریہ چتھرا"، یعنی پارسی، پارسی کا بیٹا آریہ نسب ہو سکتا ہے اسی آریہ گروہ سے آرائیں قوم معرض وجود میں آئی ہو۔ رشید اختر ندوی اپنی کتاب ارض پاکستان کے صفحہ 204 پر لکھتے ہیں۔ "ہیرودوٹس (مشہور یونانی مورخ) بانی تاریخ انسانی) راوی ہے۔ کہ جب آریہ قبائل

برصغیر میں داخل ہوئے تھے۔ تو میڈیا کا یہ گروہ بھی ان کے ساتھ برصغیر میں داخل ہوا تھا۔ مقامی لوگوں میں اور اپنے باقی آرین قبائل میں یہ آریہ یا آری کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہیں آریہ یا آری لفظ آرائیں میں تبدیل ہوا۔

جس زمانہ میں آرین قبائل برصغیر میں وارد ہوئے۔ اس زمانہ میں ایران کے ایک مخصوص حصہ کا نام ہی آریا یا آریانہ تھا۔ یہ علاقہ موجودہ ہرات کا علاقہ ہے۔ بہت اغلب ہے کہ آرین قبائل کے ساتھ اس علاقہ سے آنے والے لوگ اس علاقہ کی نسبت سے آریائی یا آریانی مشہور ہوئے ہوں۔ بعد میں ان الفاظ سے لفظ آرائیں نکلا ہو۔ ہرات کے علاقہ میں اب بھی فارسی بولنے والے لوگ آباد ہیں۔ جواب آریان کہلاتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص عبدالحسیب آریان نے افغانستان کے صدر حامد کرزئی کے خلاف صدارت کا الیکشن لڑا تھا۔

یہ بات تو مستند ہے کہ آریوں کا ایک گروہ یورپ چلا گیا۔ اور ایک ایران میں وارد ہوا تھا۔ یہاں سے وہ برصغیر ہندوستان میں آیا۔ یورپی گروہ میں جرمن قبائل میں سے ایک گروہ آری کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو رشید اختر ندوی کی کتاب ''ارض پاکستان'' صفحہ 205 غالبا رائن کی وادی انہیں لوگوں سے موسوم ہے۔ جرمنی والے جرمنی میں وارد ہونے والے ارائیوں کی شاید اسی وجہ سے بڑی عزت کرتے ہیں۔ شاید وہ آرئیوں کو اپنے آری حصہ قوم کے افراد سمجھتے ہیں۔ جرمن مسلمہ آریا ہیں۔ باقی آریائی زبانیں بولنے کی وجہ سے آرین کہلائے تھے۔ برصغیر میں آریا کو آری کہا گیا ہے، یونان میں آری آئی۔

ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آرین قبائل میں ایک گروہ ہی آریہ تھا۔ رشید اختر ندوی اپنی کتاب ارض پاکستان کے صفحہ نمبر 140 پر رقم طراز ہیں۔ برصغیر میں سب سے پہلے قبیلہ ہری یا متی وارد ہوا تھا۔ ہری یا متی اس سے قبل ارض اسیریا (موجودہ شام) پر بڑی تیزی سے غالب آ گئے تھے۔ اور جن کا پہلا بادشاہ اشتار اور دوسرا آرت آتما تھا۔ عراق کی تاریخ نے واضح شہادت دی ہے۔ کہ متی اور ہری قبیلے دونوں ایک ہی اصل سے پھوٹے تھے۔ ان ہری یا متی بادشاہوں کی رشتہ داریاں اس وقت کے مصر کے بادشاہوں کے ساتھ تھیں۔ رشید اختر ندوی کی

کتاب ارض پاکستان کے مطابق اس گروہ میں ''ہ'' کبھی ''الف'' سے بدل گئی اور کبھی ''الف'' نے ''ہ'' کی شکل اختیار کر لی۔ اس اصول پر معلوم ہوتا ہے کہ ہری اری کی ہی شکل ہے۔ یہاں لفظ ہ لفظ الف میں تبدیل ہوا اور ہری سے آری بنا۔ وہ پھر اس سے آریا بنا۔ اور پھر ارائیں لفظ معرض وجود میں آیا۔ اسی ہری قبیلہ کی نسبت سے روہتک، حصار، انبالہ اور کرنال کو ہریانہ کا نام دیا گیا۔ تاریخ کے مطابق آرائیوں کے سب سے بڑا گروہ سرسہ وال کی ابتداء بھی یہی علاقے تھے۔ ہم آرائیوں کی آبادیوں کی تفصیل میں درج بحث کو لیتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ارائیں ان آریا کی باقیات ہیں۔ جو کہ مقامی آبادیوں میں مدغم نہ ہوئے۔ اور مقامی آبادی اور دیگر قبائل میں آریا کے نام سے مشہور ہوئے۔ یا آرین قبائل میں ایک گروہ کا نام ہی آریا تھا یا ایران کے علاقہ آریا سے آنے کی بناء پر ان کو آریائی کہا جاتا تھا۔ اب تک جتنی بحث ہوئی ہے اس سے یہی بات ثابت ہوئی ہے۔ کہ ارائیں آریا ہیں۔ جو ایران کے علاقہ سے آئے تھے۔ لیکن لفظ ارائیں کیونکر تشکیل ہوا۔ اس کا جواب ابھی تک نہیں ملا ہے اور نہ ہی دیا گیا ہے۔ اب ہم لفظ ارائیں کی وجہ تسمیہ اور اس کے معرض وجود میں آنے پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ماقبل ابواب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ برصغیر میں تقریباً تمام اقوام ہی باہر سے وارد ہوئی تھیں۔ یہ نسلیں نیگرو، آسٹریلین، بھیل کول، طورانی، سمیری، آریا، ساکا، یونانی، یوچی، ہن، سامی، افغان اور مغل تھے۔ قدیم اقوام میں سے بھیل کول نام کی اقوام اپنا ابتدائی نام قائم رکھنے میں کامیاب رہی ہیں۔ باقی کے نام معدوم ہو گئے تھے۔ کیا یہ اقوام برصغیر سے معدوم ہو چکی ہیں۔ یا گروہ آپس میں مل گئے اور نئے نام کی اقوام آرائیں، راجپوت، جاٹ، گجر وغیرہ معرض وجود میں آ گئی ہیں۔ سوال کا دوسرا حصہ صحیح ہے۔

نئی اقوام کے نام کیونکر پڑے۔ اس کی وجہ تسمیہ ہر قوم کے عنوان میں درج کر دی ہے۔ جہاں موضوع کی وضاحت کے لئے مختصر طور پر ان اقوام کے ناموں کی وجہ تسمیہ بیان کر دیتے ہیں۔ یحیی امجد نے اپنی تاریخ ہند صفحہ نمبر 77 پر لکھا ہے کہ مساگاٹ ایک قبیلہ جو کہ ساکا یا ستھین قوم کا ایک گروہ تھا۔ اپنی رہائش گاہ آذربائیجان سے تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح برصغیر

میں آیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ مسا کا لفظ گاٹ سے الگ ہو گیا۔ قوم کو گاٹ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ پھر "گ" کا حرف تہجی "ج" سے بدل گیا۔ اور جاٹ بن گیا۔ چونکہ ان لوگوں کا بڑا پیشہ کاشتکاری اور مویشی پالنا تھا۔ اس لئے برصغیر کی وہ اقوام جن کا پیشہ کاشتکاری اور مویشی پالن تھا۔ جاٹ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ چونکہ اس زمانہ میں کاشتکاری اور مویشی پالنا ہی سب سے بڑا پیشہ تھا۔ اس لئے جاٹ قوم برصغیر کی سب سے بڑی قوم بن گئی۔ اس کی گوتیں بھی سب اقوام سے زیادہ ہیں۔

جاٹ مورخین کہتے ہیں کہ ایک گروہ لمبے بال رکھتا تھا۔ ان بالوں کو جت یا گت کہا جاتا تھا۔ ت، ٹ سے تبدیل ہوئی۔ جت سے جٹ کا لفظ بنا۔ اور اس قوم کو جٹ کے نام سے پکارا جانے لگا۔

دوسرا امکان یہ بھی ظاہر کرتے ہیں۔ جٹ کا لفظ جادو سے بنا ہے۔ ان کے مطابق جادو جد میں تبدیل ہوا۔ پھر جد، جڈ سے بدلا، بعد میں "ڈ" لفظ "ٹ" میں تبدیل ہوا اور لفظ جٹ بنا۔ جاٹ نام کی قوم سکندر اعظم کی برصغیر میں آمد 326 ق م سے پہلے معرض وجود میں آ چکی تھی۔ ہن قوم برصغیر میں وارد ہو کر پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں حکمران ہوئی۔ اس کے حکمرانوں نے پہلی بار اپنی اولاد کو راج پتر کہا۔ اس طرح دوسرے حکمرانوں نے خواہ وہ شودر اقوام میں سے تھے۔ اپنی اولاد کو راج پتر کہنا شروع کر دیا۔ بعد میں پتر ہندوستانی لہجہ میں پوت میں تبدیل ہوا۔ تو پورا نام راجپوت ہو گیا اور راجپوت نام کی قوم نمودار ہو گئی۔ پانچویں صدی عیسوی سے قبل برصغیر میں راجپوت نام کی کوئی قوم نہ تھی۔

گجر اقوام کا دعوی ہے کہ گجر کا نام گزر گاؤ سر سے بنا ہے۔ گجر قوم کے عنوان میں اس کی پوری تفصیل دی گئی ہے۔ یہ لفظ گزر گاؤ سر وقت کے ساتھ مختصر ہو کر گجر بن گیا اور قوم گجر کہلانے لگی۔ بعض گجر مورخین کے مطابق گجر قوم تین ہزار ق م میں ہندوستان میں موجود تھی۔ گجر یا گجراتر کے نام سے جانی جاتی تھی۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ آریوں کی اکثریت کے دیگر اقوام میں مدغم ہو جانے کے بعد بھی ایک گروہ آریا کہلاتا رہا یا آرین قبائل میں سے ایک گروہ کا نام ہی آریہ

تھا۔ یا ایران کے علاقہ آریا سے آنے کے وجہ سے آریہ کہلاتا تھا۔ یہی لفظ وقت گزرنے کے بعد آریائی بنا۔ پھر جیسے پنجابی میں دہی کو دہیں اور گائے کو گائیں بولتے ہیں۔ اس پنجابی لہجہ میں آریائیں بنا۔ پھر اس لفظ میں ضرورت کی تخفیف ہو کر آخر لفظ ارائیں معرض وجود میں آیا۔ اسطرح آریا باقیات ارائیوں کے نام سے پکاری جانے لگی۔

☆☆☆

۷۔ سندھ کے رائے خاندان سے آرائیں قوم کا نکاس کا نظریہ

یحییٰ امجد کی کتاب کے صفحہ نمبر 371 کی رو سے سندھ میں ہنوں کے دور اول میں ایک خاندان جو رائے کہلاتا تھا۔ 499ء میں برسر اقتدار آیا۔ یہ حکومت رائے ڈیوایہ نے قائم کی تھی۔ رائے ڈیوایہ، رائے سہرس یا رائے سہرا اول، رائے ساہسی اول، رائے سہرس دوئم، رائے سہرادوم، اور رائے ساہسی دوئم، اس خاندان کے مشہور حکمران ہوئے ہیں۔ اس خاندان نے سندھ پر 137 سال حکومت کی۔ پھر حکومت ایک براہمن خاندان میں منتقل ہوگئی۔ اس میں سے مشہور حکمران راجہ داہر ہوا ہے۔ جس کے زمانہ میں مسلمانوں نے سندھ پر محمد بن قاسم کی قیادت میں حملہ کیا تھا اور اسلامی حکومت قائم کی تھی۔

مولف کے مطابق اس رائے خاندان نے ارائیں قوم کی نسلیات میں بڑا حصہ ڈالا ہے۔ سندھ کے قدیم ترین مقامی آرائیوں کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ اس رائے خاندان کا لفظ رائے جمع کے صیغہ میں رائیں بنا۔ جب آباد کار آرائیں سندھ میں آباد ہوئے۔ تو قدیمی مقامی رائیں بھی آرائیں کہلانے لگے۔

☆☆☆

۸۔ آرائیوں کے راجپوت ہونے کا نظریہ

بہت سے مصنفین کے مطابق ارائیں یا رائیں راجپوتوں کی ایک شاخ ہیں۔ جو پہلے رائے یا رائی کہلاتے تھے۔ بعد میں ان کو رائے یا رائی کی جمع کے طور پر رائیں یا آرائیں کہا جانے لگا۔ اس گروہ نے چونکہ ہتھیار چھوڑ کر کاشتکاری کا پیشہ اپنا لیا تھا۔ یہ گروہ راجپوتوں سے الگ ہو گیا۔ تاریخ سے ان کا تعلق منقطع ہوگیا اور تاریخ کے صفحات سے یہ قوم محو ہوگئی۔

تبصرہ:

برصغیر میں مختلف گروہ ازقسم نیگرو رحبشی، آسٹرلائیڈ، بھیل، منڈا، کول، منگول، سومیری، آریا، ساکا، یوچی، ہن وغیرہ مختلف اوقات میں داخل ہوئے۔ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ ان اقوام کے گروہ جب مختلف تناسب میں ایک دوسرے میں مدغم ہوئے۔ تو موجودہ نام کی اقوام ازقسم جاٹ، ارائیں، راجپوت، تامل وغیرہ معرض وجود میں آئیں۔ جس دور میں یہ قومیں تشکیل پذیر ہوئیں۔ تاریخ نویسی عام نہ تھی۔ برصغیر کی ملکی سطح کی تاریخیں لکھی گئیں۔ جن میں حکمران خاندانوں کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ لڑائیوں کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ لیکن برصغیر میں بسنے والی اقوام کے متعلق جامع اور مسبوط حوالے نہ ملتے ہیں۔ خاص کر یہ حوالے کہ موجودہ اقوام کیونکر وقوع پذیر ہوئیں۔ کئی اقوام ایک دوسری میں مخلوط ہوئی ہیں۔ ہر قوم کی بے شمار گوتیں ہیں۔ بہت سی گوتیں کئی اقوام میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں۔ اس سلسلہ میں مختلف قوموں/ ذاتوں کے مورخین اور علاقائی تواریخ کے مصنفین کے نظریات دیگر اقوام کے متعلق بہت اہم اور قابل التفات ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب کسی قوم کا مورخ اس قوم کی تاریخ مرتب کرتا ہے۔ تو اسے بہت کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ خاص قوم/ ذات کا مطالعہ کرتا ہے۔ تو لامحالہ دوسری

اقوام بھی اس مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر اس کے مطالعہ میں شامل ہو جاتی ہیں۔ ان کے متعلق بھی اس کو بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ بہت زیادہ تحقیق اور غور وخوض کے بعد تمام مواد سے اپنے موضوع /قوم سے متعلق لکھتا ہے۔ دوسری اقوام کے متعلق بھی اس کی رائے قومی مورخین کے مقابلہ میں بڑی وقیع ہو جاتی ہے۔ اس طرح علاقائی مورخین بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ جب وہ کسی ایک علاقہ کی تاریخ مرتب کرتے ہیں۔ تو اس علاقہ میں بسنے والی اقوام کا ذکر بھی اپنی ان علاقائی تواریخ میں کرتے ہیں۔ ان کے متعلق قلم اٹھانے سے پہلے ان کے متعلق تحقیق بھی اور مطالعہ بھی کرتے ہیں۔ اس کو بھی تمام ذاتوں کا مطالعہ اور مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ان کے نظریات بھی بڑی تحقیق، سوچ وبچار پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے نظریات بھی ہمارے موضوع کے لئے اہمیت کے حامل ہیں۔ ملکی تواریخ سے بھی ذاتوں کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

قوموں کے متعلق سینہ بہ سینہ ملنے والی روایات نے قدیم تواریخ اور خاص طور پر قوموں / ذاتوں کی تواریخ مرتب کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔ ملکی تواریخ میں افغانستان کی مثال بہت واضح ہے۔ افغانستان کی تاریخ پہلے منضبط نہ ہوئی تھی۔ زمانہ حال میں روایات کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں سلطنت افغانستان از راشد عزیز خان کا صفحہ نمبر 86 قابل ملاحظہ ہے۔

ایچ۔ اے روز انگریز مصنف نے 1881ء کی مردم شماری سے ایک کتاب Tribes And Castes مرتب کی تھی۔ اس میں جاٹوں، ارائیوں، راجپوت، کمبوؤں، اور گجروں کی بیان کردہ روایات پر بہت انحصار کیا ہے۔ کیونکہ کسی قوم کے نسب نامے اپنے بیان کردہ مورث اعلیٰ تک نہ پہنچتے ہیں۔ بہت کم نسب نامے تواریخ میں ایسے ملتے ہیں۔ جو مورث اعلیٰ تک پہنچتے ہیں۔ لیکن یہ بھی قابل اعتبار نہ ہیں۔ کیونکہ یہ نسب نامے مختلف علاقوں میں مختلف ہیں۔ تاریخ شاہان گجر کے مصنف مولوی محمد عبدالمالک نے اپنی قوم گجر کے متعلق کچھ نسب نامے اکٹھے کئے تھے۔ ان کی روشنی میں گجروں کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر اس ضمن میں وہ اپنی کتاب کے صفحہ 127 پر رقم طراز ہیں۔

''غالباً تعلیم یافتہ اصحاب واقف ہوں گے کہ قوموں کے نسب نامے مکمل نہیں ہیں اور جہاں ہمیں مکمل ملے جب ان کا مقابلہ کیا گیا تو ان میں بہت فرق نکلا۔ دو تین سال تو ہم نے اسی خبط میں صرف کئے کہ شجروں کو مکمل کریں کچھ مکمل بھی ہوئے۔ مگر اختلاف کی صورت میں ہمارے پاس کوئی ذریعہ ترجیح نہیں تھا۔ کہ کس کو صحیح کہیں اور کس کو غلط۔ اس خبط نے ہماری صحت پر برا اثر ڈالا۔ اور آخر ایں دفتر بے معنی مے ناب ادنیٰ سمجھ کر مکمل اور نامکمل شجرے پھینک دیئے اور تحقیقات کا دوسرا راستہ (گوتوں سے تاریخ مرتب کرنا) اختیار کیا۔ اگر چہ یہ راستہ بھی مشکل تھا۔

راجپوتوں کی سردار قوم چوہان کا شجرہ نسب اپنے مورث اعلیٰ تک نہ پہنچتا ہے۔ ایچ اے روز کی کتاب Tribes and Castes جس کا ترجمہ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے نام سے یاسر جواد نے کیا ہے۔ اس کے صفحہ نمبر 189 کے مطابق انبالہ کے چوہان جو سورج بنسی راجپوت ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ وہ اپنا شجرہ نسب یوں بیان کرتے ہیں۔ راجا نانک راؤ بن رلا گوند بن نتھامل بن سمجھ مل۔ حالانکہ ان کو سورج بنسی یعنی سری رام چندر کی اولاد سے ہونے کے دعویدار ہونے کی وجہ سے پچاس کے قریب پشتوں تک اپنا شجرہ نسب بتانا ضروری ہے۔ رام چندر گوجروں کی تواریخ کے مطابق تقریباً تین ہزار قبل مسیح میں ہو گزرے ہیں۔ اور رشید اختر ندوی مصنف تاریخ ارض پاکستان میں ٹیکسلا عنوان میں سری رام چندر کو 2000 ق م اور کم از کم 1200 ق م کی شخصیت قرار دیا ہے۔ اسی طرح ڈھلوں، جاٹ بھی سورج بنسی ہونے کے دعویدار ہیں۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے ڈھلوں عنوان کے مطابق امرتسر کے ڈھلوں اپنا شجرہ نسب یوں بیان کرتے ہیں۔

☆☆☆

ڈھلوں کا شجرہ نسب
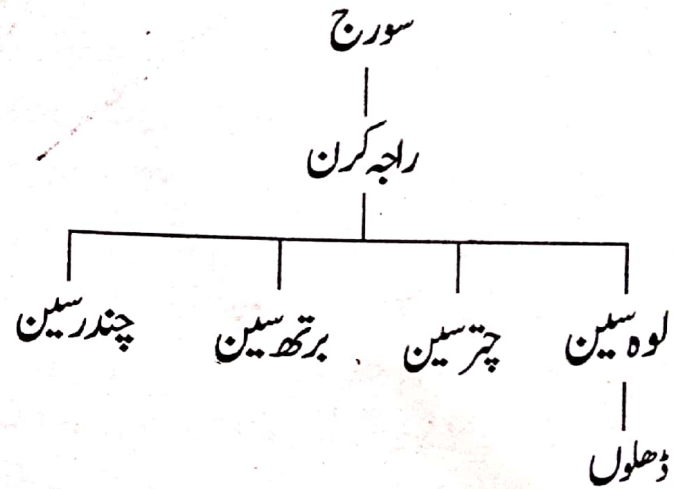
ڈھلوں سے موجودہ نسل تک کتنی پشتیں ہیں ان کے نام کیا ہیں۔ ایسا نسب نامہ کسی تاریخ میں درج نہ ہے۔ ایچ اے روز نے محض ڈھلوں قبیلہ کی روایت کی بنا پر ہی مذکورہ شجرہ نامکمل دے دیا ہے۔

انگریز مصنف نے Tribes and Castes میں تمام ذاتوں کی سینہ بہ سینہ روایات کا سہارا لیا ہے۔ بعض قبیلے اپنے متعلق مختلف روایات بیان کرتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک ہی قبیلہ ایک علاقے میں ایک روایت بیان کرتا ہے۔ اور دوسرے علاقے میں دوسری مثلاً جٹ باجوہ کی ایک روایت کے مطابق وہ سورج بنسی راجپوت ہیں۔ ان کے جدامجد راجہ شلیپ کو سکندر لودھی کے عہد میں ملتان سے بیدخل کیا گیا تھا۔ اس کے دو بیٹے کلس اور لیس عقاب پالنے والے کے بھیس میں فرار ہوئے۔ جموں کی طرف گیا اور وہاں ایک راجپوت عورت سے شادی کر لی۔ جبکہ کلس نے پسرور کی ایک جاٹ لڑکی کو اپنی بیوی بنایا۔ اول الذکر کی اولاد راجپوت جبکہ موخرالذکر کی اولاد جٹ کہلائی۔ دوسری روایت کے مطابق ان کو رائے پتھورا نے دہلی سے نکالا تھا۔ تیسری روایت کے مطابق جموں کے نارد راجہ نے ایک طاقتور پٹھان کو مارنے کے لئے سیالکوٹ میں 8 دیہات دیئے تھے۔

لہٰذا ہم اپنی قوم آرائیں کے متعلق ذاتوں کے مصنفین کے خیالات، نظریات، ذاتوں کی تواریخ، علاقائی تواریخ اور ملکی تواریخ سے اقتباسات پیش کریں گے کہ اصل میں آرائیں راجپوت ہی تھے۔ جو ان سے الگ ہو کر ایک علیحدہ قوم بن گئے۔ آرائیں قبیلہ کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان کی سینہ بہ سینہ روایات بیان کی جائیں گی جو مختلف کتابوں اور ضلعی گزیٹرز میں ملتی ہیں۔ گوتوں سے بھی لوگوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ان سے بھی مدد لی جائے گی۔

ذاتوں کے مصنفین کے نظریات:

علی اصغر چوہدری مولف تاریخ ارائیاں نے تاریخ قوم ارائیں کے سلسلہ میں جناب پروفیسر محمود عباسی پروفیسر سابق ہسٹری ڈیپارٹمنٹ علی گڑھ یونیورسٹی اور مصنف ''حقیقت قوم کمبوہ'' کو ایک خط لکھا۔ اس خط کا جواب پروفیسر محمود عباسی نے دیا۔ جو کہ تاریخ ارائیاں کے

صفحہ 82 پر درج ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ’’جناب من مجھے نہ کسی ایسی کتاب کا نہ علم ہے جس میں الراعی قوم کا حال یا نسب درج ہو اور نہ ہی قبائل عرب میں کوئی قوم یا قبیلہ الراعی نام کا تھا۔ اور نہ ہی محمد بن قاسم کے ساتھی عرب مجاہدینمیں کسی الراعی قبیلہ کا کوئی شخص شامل تھا۔ ارائیں یا رائین ہندی قوم ہے۔ شریف اور کثیر التعداد ان میں اہل علم و صاحبان وجاہت اشخاص ہوتے رہے ہیں۔ پنجاب اور یوپی میں متعدد مقامات پر ان کی آبادی ہے۔

مزید وضاحت کی خاطر جناب پروفیسر کو لکھا گیا۔ تو گرامی نامہ مورخہ 12 جنوری 1963ء میں لکھا۔ جناب چوہدری صاحب بجواب استفسار عرض ہے کہ یوپی کے مختلف اضلاع بریلی، بھیلی بیت، رام پور، مراد آباد میں رائیں یا ارائیں قوم کے لوگ آباد ہیں۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں۔ بعض لوگ کمبوہ قوم سے ان کا نکاس بتاتے ہیں۔ ان کی بہت سی شاخیں ہیں۔ شاید پچاس سے بھی زیادہ ہیں۔

ارائیوں کی زیادہ تعداد تو پنجاب میں ہے۔ روایتوں میں اوچ کے علاقہ سے ان کا نکاس بتایا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ راجہ کرن کی پانچویں میں کوئی راجہ بھوٹا تھا۔ اس کی اولاد بھوٹا ارائیں کہلاتی۔ بلکہ ایک کبت بھی مشہور ہے کہ محمود غزنوی سے لڑکر اور بیٹی بسنتی نہ دے کر اوچ سے نکلے۔ کبت کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

اوچہ نہ دیتا بھوٹیاں چتا بسنتی نار، دانہ پانی چگ گیا چابن موتی ہار۔‘‘

خط کے شروع کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ علی اصغر چوہدری نے پروفیسر صاحب کو اس لئے خط لکھا تھا۔ کہ انہوں نے کمبوؤں کے متعلق تحقیقی کتاب ’’حقیقت کمبوہ‘‘ لکھی تھی۔ اس لئے کمبوؤں سے متعلق تحقیق کرتے وقت ارائیوں کے متعلق بھی ان کو معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ چوہدری صاحب چونکہ ارائیں قوم کے متعلق کتاب لکھ رہے تھے۔ جس میں وہ ثابت کرنے کی کوشش کررہے تھے کہ ارائیں (ان کے الفاظ میں) قوم عربی النسل ہے اور ارائیں قبیلہ کے لوگ شام کی فوجی چھاؤنی آریحا سے محمد بن قاسم فاتح سندھ کے لشکر کے ساتھ سندھ آئے تھے۔ اور انہوں نے فتح سندھ میں حصہ لیا تھا۔ بعد میں یہ آریحا کے مجاہدین یہی سندھ میں بس

گئے۔ اور آریحائی کے نام سے مشہور ہوئے اور یہی لفظ آریحائی زبان اور مقام کی تبدیلیوں کے بعد ارائیں بن گیا۔ لیکن پروفیسر صاحب نے چوہدری صاحب کے نظریہ کی تصدیق نہ کی۔ بلکہ انہوں نے ارائیوں کو بھی دوسری اقوام کی طرح ہندی قرار دیا۔ جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔

پروفیسر صاحب سے مزید وضاحت کے لئے چوہدری نے دوبارہ کہا۔ تو انہوں نے اپنے جواب میں دو باتیں فرمائیں۔

ایک یہ کہ انہوں نے ان روایتوں کا ذکر کیا تھا۔ جن کے مطابق ان کا نکاس کمبوہ سے بتایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ راجا کرن کی پانچویں پشت میں کوئی راجہ بھوٹا تھا۔ اس کی اولاد رائیں کہلائی۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے۔ انہوں نے کمبوؤں کے متعلق تحقیق بھی کی اور کتاب بھی لکھی۔ لیکن انہوں نے حتمی طور پر قرار نہ دیا ہے۔ کہ ارائیوں کا نکاس کمبوؤں سے ہوا ہے۔ ہم نے بھی بہت تفصیل سے کمبوؤں کے متعلق لکھا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ ارائیوں کا نکاس کمبوؤں سے نہ ہوا ہے۔ ہاں البتہ یہ ایک بات دونوں میں مشترکہ ہے کہ دونوں آریا ہیں اور دونوں کا تعلق ایران سے ہے۔ اگر بحث برائے بحث یہ مان لیا جائے۔ کہ ارائیوں کا نکاس کمبوؤں سے ہے۔ تو اب ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کی ایک روایت کے مطابق ان کا تعلق سری رام چندر کی اولاد سے ہے۔ جس کو سورج بنسی راجپوت بھی کہا جاتا ہے۔ تاریخ ارض پاکستان مولفہ محمد رشید ندوی کے صفحہ نمبر 332 کے مطابق قبل مسیح میں کمبوج نام کی ایک سلطنت موجود تھی۔ اور کتاب جاٹ قدیم حکمران کے مطابق ایس۔ بی ڈاہیا کے صفحہ نمبر 143 کے مطابق کمیوج یا کمبوہ بھی کشتری تھے۔ جنہوں نے برہمنوں کے مذہب کو ماننے سے انکار کیا تھا۔ اور برہمنوں نے اپنی کتابوں میں ان کو کشتریوں سے خارج کر دیا۔ حالانکہ انسانوں کا انسانوں کو بلند یا پست مقام دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ قبل مسیح میں براہمن مذہب کے اجارا دار تھے۔ علم کی روشنی نہ تھی۔ جہالت عام تھی۔ اس لئے لوگ برہمنوں کی واہیات باتوں پر یقین کر لیتے تھے۔ اور ان کے

ذہنوں میں انسانوں کی اونچ نیچ کا تصور جڑ پکڑ گیا تھا۔ جس طرح اور قوموں میں جن کی برادری سے کوئی شخص ایک علاقہ میں طاقت پکڑ لیتا یا خودمختار حکمران بن جاتا۔ تمام برادری راجپوت کہلانے لگتی تھی۔ اور چونکہ کمبوہ تاریخی قوم ہے۔ جس کا ذکر مہا بھارت کی لڑائی میں بھی ملتا ہے۔ ان کے بادشاہ سودکشن نے کوردوں اور پانڈوں کی لڑائی میں لیا تھا۔ اور ان کی کمبوج نامی ریاست کا ذکر بھی برصغیر کی ملکی تواریخ میں ملتا ہے۔ اس لئے وہ ہر لحاظ سے راجپوت ہیں۔ اس طرح استخراجی طور پر ارائیں راجپوت ہیں۔ ہم نے جب راجپوت قوم پر روشنی ڈالی تھی تو ذاتوں کے انسائیکلوپیڈیا میں ایچ اے روز مصنف ڈینزل ابٹسن کا نظریہ دیا تھا کہ راجپوت وہ ہیں جن کے کسی ایک فرد نے کسی علاقہ میں سرداری خودمختاری حاصل کر لی ہو۔ وہ اور اس کی تمام برادری بھی راجپوت نام سے جانی جانے لگی۔ راجپوتوں کے سورج بنسی، چندر بنسی، اگنی کل کے نظریات انگریز اور دور حاضر کے تمام مورخ رد کر چکے ہیں۔ اور قرار دے چکے ہیں کہ راجپوتوں کے ان دعوؤں کو زمانہ جاہلیت میں تو لوگ مان لیتے تھے۔ لیکن اگر کوئی موجودہ علمی روشنی کے زمانہ میں مذکورہ دعوی جات کرے تو باعث جگ ہنسائی اور تضحیک ہوں گے۔

جہاں تک پروفیسر صاحب کی دوسری بات کا تعلق ہے۔ روایتوں میں اوچہ سے ان کا نکاس بتایا ہے۔ اور وہ راجہ کرن کی پانچویں پشت میں کسی راجہ بھوٹا کی اولاد ہونے کی بناء پر رائیں یا ارائیں کہلاتے ہیں۔ جہاں تک اوچہ سے ارائیوں کا تعلق ہے۔ اس کے متعلق روایتیں یقین کی حد تک پہنچ گئیں ہیں اور انگریزوں نے 1881 سے 1911 تک برصغیر میں جو مردم شماریاں کی ہیں ان میں انگریزوں نے حتمی طور پر قرار دیا ہے کہ ارائیوں کا ابتدائی مسکن اوچہ تھا جو اس وقت ملتان کا حصہ تھا اور موجودہ علاقہ احمد پور شرقیہ، سابقہ ریاست بہاول کا حصہ ہے۔ اوچہ سے اٹھ کر وہ سرسہ گئے۔ اور سرسہ اور اوچہ سے تمام برصغیر میں پھیلے۔ مردم شماریوں سے اوچہ سے تعلق ان کی نقل مکانی کے ضمن میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔ طوالت کے پیش نظر اب ان کا ذکر تکرار کے ضمن میں آئے گا۔

اب یہ بات کہ ارائیں راجہ بھوٹا جو کہ راجہ کرن کی پانچویں پشت سے تھا، کی اولاد ہیں،

بہت اہم ہے۔ راجہ کرن قبل مسیح کی بہت معتبر ہستی ہے۔ جس کا شجرہ نسب ڈھلوں قوم کے ضمن میں دیا گیا ہے۔ اکثر راجپوت اپنا شجرہ نسب اس سے ملا کر سورج بنسی راجپوت ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ چونکہ ارائیں پروفیسر صاحب کی بیان کردہ روایات کے مطابق راجہ بھوٹا کہ اولاد ہیں۔ جو کہ راجہ کرن کی پانچویں پشت تھا۔ اس سے صاف واضح ہے کہ ارائیں راجپوت ہیں۔ پروفیسر صاحب کی رائے بڑی وقیع ہے۔ اس لئے کہ وہ برصغیر کی معتبر ترین یونیورسٹی علی گڑھ میں پروفیسر تھے۔ جہاں سے مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان جیسی یگانہ، روزگار ہستیاں زیور علم سے آراستہ ہوئیں۔ جنہوں نے برصغیر کی جنگ آزادی میں بہت اہم ترین کردار ادا کیا۔ برصغیر کو انگریزوں سے آزادی نصیب ہوئی۔ پھر وہ صاحب یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر تھے۔ اور انہوں نے ذات کمبوہ کے متعلق تحقیق کر کے کتاب بھی لکھی تھی۔

پروفیسر صاحب کی بیان کردہ روایت اور ان کی بیان کردہ کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ بھوٹا ایک قوم تھی۔ جو کہ اس وقت اوچہ میں آباد تھی۔ اس کا کوئی راجہ تھا جو رائے یا رائی کہلاتا تھا۔ اس سے محمود غزنوی نے لڑائی کی تھی اور محمود غزنوی نے ان پر فتح پائی تھی۔ پروفیسر کی روایت کی تائید برصغیر سے متعلق تواریخ سے بھی ہوتی ہے۔ کہ محمود غزنوی نے اوچ پر قبضہ کیا تھا۔ اوچ شریف از زبیر غوری میں اوچ یا اوچہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ صفحہ نمبر 61 کے مطابق

"دور غزنوی سے متعلق اوچ کا ایک اور نام مورخین و محققین کے مابین خاصی بحث و تمحیص کا باعث بنا۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں جب سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس کی ترکتازیوں کی حدود میں بھاٹیہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اور اس کے مختلف تلفظ ساتھ آئے ہیں۔ اسے بھاٹیہ، بہاطیہ، باتیہ، اور بھتیہ لکھا گیا ہے۔ غزنوی عہد کا مشہور مورخ ابونصر محمد عتبی تاریخ یمینی میں رقمطراز ہیں۔ سلطان محمود سجستان کے معاملات سے فارغ ہوا تو بھاٹیہ کی لڑائی کے لئے ملتان کے عقب سے ہوتا ہوا دریائے سندھ پار کر کے بھاٹیہ جا پہنچا، شہر کا حاکم اس وقت باج رائے تھا۔ سلطان کو اس لڑائی میں فتح نصیب ہوئی۔

سلطان محمود غزنوی کے دور سے متعلق مورخین ابوالفضل بیہقی البیرونی ور گدیزی نے بھاٹیہ کا ذکر کیا ہے۔ ریورٹی کا خیال ہے کہ بیہقی عقبی البیرونی نے بہاطیہ کے تحت اوچ کا ہی ذکر کیا ہے۔ تاریخ مبارک شاہی کے مطابق شہاب الدین غوری نے بھی اوچ پر حملہ کیا تھا۔ اقتباس یوں ہے۔

''571ھ میں شہاب الدین غوری نے اوچ بھاطیہ اور ملتان پر چڑھائی کی گروہ بھاٹیہ اوچ کے قلعہ میں محصور ہو کر سلطان سے آمادہ پیکار ہوئے ایک عرصہ بعد اللہ کی مدد سے اوچ کا قلعہ فتح ہو گیا۔''

طبقات اکبری میں بعینہ یہی روایت موجود ہے گروہ بھاٹیہ اوچ کے قلعہ میں محصور ہو گیا چند روز برسر پیکار رہا۔ آخر سلطان کو فتح حاصل ہوئی۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق اس کو بھاتیہ اسوجہ سے کہا جانے لگا کہ محمود غزنوی کے عہد میں وہاں بھٹی قوم کی آبادی غالب تھی۔''

منتخب التواریخ کے مصنف ملا عبدالقادر کے بقول سلطان محمد غوری نے اوچھ اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ قبیلہ بہتہ نے اپنے آپ کو قلعہ بند کر رکھا تھا۔ ان کا بھی قلع قمع کیا۔ ریورٹی نے اپنی کتاب میں اپنے ہم عصروں کے بیانات اور بعد کے ادوار سے متعلق مورخین کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے نتیجہ نکالا۔ (اس کا پیراگراف زبان انگریزی میں ہے۔) یہ اوچ شریف کے صفحہ 18-19 پر درج ہے۔ اس کا ترجمہ بھی مصنف کے الفاظ میں درج کیا ہے۔

''سلطان محمد غوری نے ملتان کو قرامطہ کے قبضہ سے آزاد کر لیا۔ اور اس کے بعد بھاٹیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ (جو بھٹی کی جمع ہے) جو اوچ کے قلعہ میں محصور تھے۔ اور انہیں شکست دی اس امر سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ مورخین جن کی تصانیف کے تراجم سامنے آ چکے ہیں۔ مثلاً عقبی کی مراد بھاٹیہ سے کسی قلعہ یا شہر کی نہیں بلکہ بھاٹیہ قوم کا قلعہ تھی۔ اور وہ اوچ ہی تھا جس پر بھٹی قبیلے نے سلطان محمود غزنوی کے دور سے پہلے اس وقت قبضہ کر لیا تھا جب سندھ اور ملتان کے علاقہ پر بغداد کے عباسی خلفاء کی گرفت

برائے نام رہ گئی۔''

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ سلطان محمود غزنوی نے اوچ کے مقام پر بھاٹیہ (بہاٹیہ) بہتہ قوم کے راجہ سے لڑائی کی تھی۔ جس کا نام باج رائے تھا۔ جس کی قوم بھاٹیہ (بہاٹیہ) تھی۔ (بہاٹیہ) بہتہ قوم پروفیسر صاحب کی بیان کردہ روایت کی قوم بہوٹا ہے۔ جس کے کسی راجہ کو راجہ بہوٹا کہا گیا۔ جو رائے کہلاتا تھا۔ یہی رائے، رائی میں تبدیل ہوا اور رائی جمع کے صیغے میں رائیں بنا اور قوم آرائیں کا نام ٹھہرا۔

۲۔ محمد انور قمر شرقپوری (نوشاہی) اپنی کتاب نقوش مطالعہ شرقپور کے صفحہ 607 پر رقم طراز ہیں:

''راجپوت لوگ جو کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ ایسے راجپوتوں کو رائے یا راؤ کہتے ہیں۔ یہی لوگ رائی بھی کہلائے اور یہی رائی پنجابی لب ولہجہ میں آ کر ارائیں یا آرائیں بن گیا۔ انہی لوگوں کی دیکھا دیکھی جو مسلمان کے ساتھ آئے اور انہوں نے کھیتی باڑی کا کام سنبھالا، بھی ارائیں کہلاتے تھے۔ راجپوت ارائیوں کا مذہب چونکہ ہندو تھا۔ اس لئے انہیں ہندو ارائیں بھی کہتے ہیں۔ اس طرح ارائیں کی دو قسمیں بن گئیں۔ (۱)۔ مسلمان ارائیں۔ (۲)۔ ہندو ارائیں۔ جن ہندو ارائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کا شمار بھی مسلمان ارائیوں میں ہونے لگا۔ اس طرح آریا لوگ اور ایرانی لوگ بھی ارائیں بن گئے ہیں۔''

محمد انور شرقپوری (نوشاہی) نے جناب محمود عباسی صاحب پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی کے نظریہ کی تائید کر دی ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنے جوابی خط میں لکھا تھا کہ ارائیں ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں پائے جاتے ہیں۔

۳۔ تاریخ حافظ آباد عزیز علی شیخ نے لکھی ہے۔ بڑی جامع، تحقیقی اور مدلل تاریخ ہے۔ یہ کتاب انہوں نے علاقائی تواریخ اور ذاتوں/قوموں کے متعلق کتب سے مرتب کی۔ انہوں نے

حافظ آباد کے علاقہ میں آباد قوموں پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ارائیوں کے متعلق لکھتے ہیں۔

''اس قوم کی بے شمار گوتیں ہیں اور ان کا ماخذ راجپوتوں سے ہے۔'' اگلے صفحات پر آرائیوں اور راجپوتوں کی مشترکہ گوتوں کا ذکر کریں گے۔

۴۔ مہر نور محمد تھند اپنی کتاب تاریخ لیہ، صفحہ 311 پر جہاں دوسری اقوام کے متعلق لکھتے ہیں وہاں ارائیوں کے متعلق رقم طراز ہیں۔ گھاگھر وادی کے ارائیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ راجپوت خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو حضرت جلال الدین بخاری سرخ اوچ شریف کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے۔

۵۔ تاریخ مخزن پنجاب مفتی غلام سرور قریشی لاہوری نے لکھی ہے۔ جس میں اس نے پنجاب کے تقریباً تمام شہروں اور بڑے بڑے دیہات کا احوال لکھا ہے بلکہ ان کی تاریخ لکھی ہے اور وہاں بسنے والی اقوام کے متعلق اور ان کے ماخذ پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ 558 پر جہاں دیگر اقوام کے متعلق لکھتے ہیں وہاں ارائیوں کے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں۔

''یہ اپنا نکاس راجپوتوں اور کھتریوں سے بیان کرتے ہیں۔''

آرائیوں کی گوتیں بڑی تعداد میں راجپوت اور کھتری گوتوں سے ملتی ہیں۔ ان کا تذکرہ مناسب جگہ پر کریں گے۔

۶۔ تاریخ جہلم کے مصنف انجم سلطان شہباز صفحہ 314 پر یوں لکھتے ہیں۔

''یہاں کے ارائیں اپنے آپ کو راجپوت یا دیگر قبائل میں شمار کرتے تھے۔''

۷۔ تاریخ ارائیاں کے مصنف علی اصغر چوہدری نے آرائیوں کو اپنی کتاب میں عربی النسل قرار دیا ہے۔ انہوں نے آرائیوں کے ایرانی، ہندی، آریائی ہونے کے دیگر نظریات کا جائزہ بھی لیا ہے۔ اگرچہ انہوں نے ان نظریات کو رد کیا ہے وہ عربی النسل کے ہی حامی ہیں۔ وہ ان نظریات کے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے اپنی کتاب کے صفحہ 83 پر لکھتے ہیں۔

''بعض کہتے ہیں کہ ارائیں راجپوتوں ہی کی ایک شاخ ہے۔ جو کاشتکاری

پیشہ کی وجہ سے راجپوتوں سے الگ ہو گئے ہیں۔''

۸۔ موجودہ ہندوستان کے علاقوں گانگڑہ، پانی پت، تھانیسر اور ہماچل پردیش سابقہ ریاستوں میں ہندو رائی پائے جاتے ہیں۔ وہ ارائیں بھی کہلاتے ہیں۔ وہ مسلمہ راجپوت ہیں۔ مطالعہ نقوش شرقپور کے مصنف کے نظریات کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ ارائیں راجپوت ہیں۔ جو مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی۔

۹۔ مہر فارسی کا لفظ ہے پرانے وقتوں میں ایران میں سرکردہ لوگ مہر کہلاتے تھے۔ جیسے بزرج مہر۔ مہر کے معنی تاریخ شاہان گجر کے مصنف نے صفحہ 313 پر سردار قوم کے لکھتے ہیں۔ اس کے مطابق راجہ کے مقابلہ میں مہر کا لفظ زیادہ پر عظمت ہے۔ برصغیر کے کئی پر عظمت راجوں نے اپنے آپ کو مہر کہا۔ جیسے مہر بھوج جو ساتویں صدی عیسوی میں ریاست فتوج کا بہت نامور (گجروں کے مطابق گجر) راجپوت بادشاہ ہو گزرا ہے۔ سندھ میں اب بھی ایک مہر خاندان ہے۔ جن سے غلام غوث مہر وفاقی وزیر پاکستان اور علی محمد مہر سندھ کے وزیر اعلیٰ رہے ہیں۔ یہ سندھی مہر راجپوت ہیں۔ پنجاب میں اگر خالی کسی کو مہر کہا جائے تو اس کا مطلب ارائیں ہی ہوتا ہے۔ اور اقوام اگر اپنے ساتھ مہر کا لفظ لکھیں تو اپنی قوم بھی ساتھ لازمی لکھتے ہیں یا بتاتے ہیں۔ مثلاً مہر امان اللہ سیال، مہر عمر حیات ہراج وغیرہ۔ مہر پنجابی لہجہ میں مَہر بن گیا ہے۔ سرائیکی لوگ چونکہ لفظ کو اونچا اور لمبا کر کے بولنے کے عادی ہیں۔ انہوں نے اس کو مُہر بنا دیا ہے۔ راجپوت ماخذ کی دعویدار قوم سیال مہر کہلاتے ہیں۔ اس لئے مہر لفظ کی عظمت راجپوت ماخذ کی اقوام کا مہر کہلانا اور سندھی مہروں کا راجپوت ہونا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ ارائیوں کا ماخذ راجپوتوں ہی سے ہے۔ تبھی تو دیگر اقوام ان کو مہر کے نام / خطاب سے پکارتی ہیں۔

۱۰۔ شاہان گجر کے مصنف اپنی کتاب کے صفحہ 385 پر جالندھر کے گوجروں کے متعلق لکھتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

''موجودہ زمانے میں تو ضلع جالندھر کے گوجر کاشتکار قبائل ارائیوں اور جاٹوں کے برابر ہو گئے ہیں۔ تاریخ سے ظاہر ہے کہ ارائیں اور جاٹ عرصہ دراز سے جب سے ان کی حکومت

جاتی رہی۔کھیتی باڑی کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔اس لئے افسران بندوبست ان کو بہت اچھا کاشتکار لکھتے ہیں۔اور یہ فارمولہ کہ مویشی کی پرورش گوجروں سے متعلق ہے باطل ہو گیا ہے۔"

اقتباس سے ظاہر ہے کہ ارائیں حکمران قوم سے ہیں۔تھیوری کے مطابق حکمران خاندان اور اس کی قوم کو راجپوت کہا گیا ہے۔

۱۱۔ علی اصغر چوہدری تاریخ آرائیاں کے صفحہ نمبر 121 پر لکھتے ہیں۔

"کہ نومبر 1967ء کو ساہیوال کے میاں عبدالحق ممبر قومی اسمبلی اور چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل ساہیوال نے مجھے بتایا تھا۔ایک دفعہ سابق گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان نے بلوچستان کی کاریزیں (زمین دوز ندیاں جن سے پہاڑی علاقوں کی آبپاشی کی جاتی ہے) کا مجھ سے ذکر کیا تھا۔جو مقامی لوگوں کی روایات اور کتبوں کے مطابق ارائیوں نے بنوائی تھیں۔کیونکہ ارائیں قدیم زمانہ میں وہاں حکمران تھے۔مقامی لوگ کہتے ہیں کہ ارائیں ایک قوم تھی۔جو یہاں حکومت کرتی رہی ہے۔یہ کاریزیں ان کی بنائی ہوئیں تھیں۔"

جائزہ لیتے ہیں کہ آیا کبھی سندھ اور بلوچستان پر آرائیوں کی حکومت رہی ہے؟ تو ارتخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ محمد بن قاسم نے اپنی زندگی میں سندھ کو فتح کر لیا تھا۔خلفاء بنوامیہ گورنروں کے ذریعہ ان علاقوں پر حکومت کرتے تھے۔سب سے گورنر پہلے تو محمد بن قاسم ہی تھے۔اس کے علاوہ مختلف گورنر خلافت بنوامیہ کی طرف سے آتے رہے۔چونکہ مرکز میں خلافت بنوامیہ سے بنو عباس میں منتقل ہو گئی تھی۔سندھ اور ملتان کے علاقہ پر بھی بنو عباس کی حکومت قائم ہو گئی تھی اور 140ھ میں موسیٰ بن کعب التمیمی ہندوستانی مفتوحات کے پہلے عباسی گورنر مقرر ہوئے۔جہاں تک کہ آخری عباسی گورنر عمران بن موسیٰ کے عہد میں قبائلی مخالفت جو نزاریوں اور یمنیوں میں چلی آرہی تھی۔شدید جنگ کی صورت اختیار کر گئی۔عمر بن عبدالعزیز حباری رنزاریوں (حجازی) کا لیڈر بن گیا۔گورنر نے یمنی لوگوں کا ساتھ دیا۔وہ اقلیت میں تھے۔اس لڑائی میں عمران بن موسیٰ

مارا گیا۔اس سے عمر بن عبدالعزیز کو جنوبی سندھ کے بڑے حصے پر حکمرانی کرنے کا موقع مل گیا۔اس نے عباسی خلیفہ المتوکل کو درخواست بھیج دی کہ اگر عمران کی جگہ اسے سندھ کا گورنر بنایا جائے۔تو وہ سندھ کے حالات درست کر سکتا ہے۔خلیفہ نے اس کو گورنر بنا دیا۔اس نے منصورہ کو دارالخلافہ بنایا وہ سندھ کا خود مختار حکمران بن بیٹھا۔اس طرح سندھ میں منصورہ ریاست کے نام سے حکومت خاندان بنو حبار میں منتقل ہو گئی۔872ء میں حباری خاندان کی موروثی حکومت شروع ہوئی۔اور 1022ء میں محمود غزنوی نے اس حباری خاندان کو شکست دے کر اس موروثی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

ابتداء میں برصغیر کی تمام فتوحات پر بنو حبار کی حکومت تھی۔وہ ریاست منصورہ کہلاتی تھی۔لیکن 902ء میں ملتان میں بنو سامہ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔اس وقت عرب مقبوضات ملتان اور منصورہ دو خود مختار ریاست میں منقسم ہو گئے۔ملتان کی ریاست پر سلطان محمود غزنوی نے حملہ کر کے فتح کر لیا کیونکہ وہاں قرامطی عقائد بہت زور پکڑ گئے تھے۔قرامطیوں نے وہاں اودھم مچا رکھا تھا۔بنوامیہ اور بنو عباس کے گورنروں کے بعد یہ دو خود مختار ریاستیں برصغیر میں قائم ہو گئی تھیں۔ابنوامیہ اور بنو عباس کے دور میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر کے مقبوضات پر عربوں کی حکومت تھی۔منصورہ اور ملتان ریاستوں پر بنو حبار اور بنو سامہ خاندانوں کی حکومتیں تھیں۔حباری اور سامہ کے نام سے مشہور تھیں۔منصورہ اور ملتان ریاستوں پر کسی آریحائی خاندان یا گروہ کی حکومت کسی تاریخ سے ثابت نہ ہے۔

لہٰذا علی اصغر چوہدری کے مذکورہ اقتباس میں جو کاریزیں بقول گورنر میر محمد خان ارائیوں کی بنائی گئی بیان ہوئی ہیں۔وہ عربوں کے دور کے نہ تھیں۔کیونکہ کوئی آریحائی یا ارائیں نام کی ریاست کبھی معرض وجود نہ آئی۔کاریزیں رائے خاندان کے دور میں تعمیر ہوئی ہیں۔ہنوں کے دور زوال میں سندھ میں ایک مقامی خاندان کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔اس خاندان کا نام ہی رائے تھا۔اس خاندان نے سندھ پر تقریباً 133 سال حکومت کی تھی۔اس خاندان کا بانی حکمران رائے ڈیواج یا رائے ڈیوایہ تھا۔اس کے بعد رائے سہرس یا رائے سہرا اول، رائے ساہسی اول،

رائے سہرس یا رائے سہرادئم، اور رائے ساہسی دوئم حکمران ہو گزرے ہیں۔ ظہور اسلام کے وقت یہی خاندان سندھ میں حکمران تھا۔ اس خاندان سے دھوکہ دہی کی بناء پر سلطنت برہمن خاندان میں چلی گئی۔ اس سلطنت میں تمام موجودہ صوبہ سندھ بلوچستان ملتان سے کشمیر تک کا علاقہ شامل تھا۔ مذکورہ تفصیل کے لئے یحیی امجد مصنف تاریخ ارض پاکستان صفحہ نمبر 371 تا 377 ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

رائے خاندان نام کا کوئی قبیلہ رخاندان اس وقت موجود نہ ہے۔ رائے لفظ ارائیں میں تبدیل ہو گیا۔ اس خاندن کے ایک حکمران رائے ساہسی کے نام پر آرائیوں کی ایک گوت ساہسی آرائیوں میں موجود ہے۔ رائے خاندان مسلمہ راجپوت ہے۔ بلکہ رائے راجپوتوں کا اولین قبیلہ ہے۔ یحیی امجد اپنی کتاب ارض پاکستان صفحہ 397 پر لکھتے ہیں۔ ''وادی سندھ میں رائے خاندان کے ظہور یعنی 500 سے لیکر 1200 تک کا زمانہ برصغیر میں راجپوتوں کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔''

مزید صفحہ 394 کے مطابق وادی سندھ میں آباد کار راجپوتوں کا بکھراؤ اس طرح تھا۔ پڑی ہار صوبہ سرحد میں، سولنگی اور رائے سندھ، اور چوہان پنجاب میں تھے۔ وادی سندھ کے راجپوتوں کی اکثریت مقامی الاصل تھی۔ لیکن ملک گیر سلطنت رائے خاندان نے بنائی۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ رائے خاندان نے ارائیں یا رائیں خاندان کی نسلیات میں حصہ لیا ہے۔ اس لئے ارائیں یا رائیں راجپوت ہیں۔

اولین راجپوت دور میں راجپوتوں کا مرکزی مقام برصغیر میں راجپوتانہ موجودہ راجستھان تھا۔ ارائیں بھی موجودہ سرسہ، حصاد، روہتک، کرنال، انبالہ ہکڑا دریا کے ساتھ ساتھ ملتان اور بہاول پور کے باسی تھے۔ جو کہ راجپوتانہ کے ساتھ واقع ہیں۔ سرسہ، حصار وغیرہ علاقہ ہندوستان کا ایک صوبہ ہریانہ کہلاتا ہے۔ اس علاقہ کو چھوٹا راجپوتانہ بھی کہا جاتا ہے۔ ہر دو اقوام بعد میں وہاں سے برصغیر میں مختلف علاقوں میں پھیلیں۔ دونوں ہمسایہ اقوام ہیں۔ یہ بھی ارائیوں کے راجپوت ہونے کی دلیل ہے۔

اس دلیل کو آل کمیوجیا کتاب کے مصنف چوہدری اللہ دتہ مجیٹھیا کے اس اقتباس سے بھی تقویت ملتی ہے۔ وہ اپنی کتاب صفحہ 148 پر اس طرح رقم طراز ہیں۔

''جالندھر کے ارائیوں کا کہنا ہے کہ وہ سرسہ، رانیہ اور دہلی سے آئے ہیں۔ اور رائے جج (رائے لہو کے پوتے) کی اولاد ہیں۔ جو لاہور کا بانی تھا اور سرسہ کا حکمران تھا۔ بھٹہ قبیلہ راجہ بھٹہ سے اپنی نسبت کا دعویٰ کرتا تھا۔ جو کہ راجہ کرن کی پانچویں پشت سے تھا۔ یاد رہے کہ لہو کو رام چندر کا پسر بھی بتایا جاتا ہے۔ راجپوت اپنا نسب نامہ سری رام چندر سے ملاتے ہیں۔ لہو آرائیوں کی گوت بھی ہے۔

۱۲۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق وادی گھاگھرہ کے ارائیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ راجپوت ہیں جو بڑے گروہ کی شکل میں ملتان (اوچہ) سے سرسہ/گھاگھرہ میں آباد ہوئے تھے۔ مردم شماری 1881 وغیرہ میں درج ہے۔ کہ اس علاقہ کے ارائیں سماجی یا معاشرتی رتبہ میں جاٹوں سے بڑھ کر تھے۔ حالانکہ وہاں کی ریاستوں نابھہ جیند اور پٹیالہ کے حکمران جاٹ نسل سے تھے۔ کچھ آرائیں جسلمیر (راجپوتانہ) کی ایک ریاست) سے اپنے تعلق کے دعویدار ہیں اس کے متعلق اگلے ابواب میں روشنی ڈالی جائے گی۔ آرائیں روایات کو وہی درجہ حاصل ہے جو دیگر اقوام کی روایات کو حاصل ہے ان کی تاریخ بھی روایات پر مبنی ہے۔

۱۳۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق بھدر گوت کے ارائیں بھی اپنی روایات کے مطابق دکن، سے آئے ہوئے راجپوت ہیں۔ ڈھوٹ، بہادی، ڈولے اپنی ابتداء راجپوت سے بتاتے ہیں۔ صفحہ نمبر 68 ڈسٹرکٹ گزیٹر کے مطابق منٹگمری (ساہیوال) کے ارائیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ راجپوت نسل سے ہیں۔ اور دہلی سے آ کر ساہیوال میں آباد ہوئے ہیں۔

یاد رہے کہ ساہیوال میں میاں عبدالحق کا خاندان بہت بڑی زمینداری کا مالک تھا۔ میاں صاحب اپنی زندگی میں ساہیوال کے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوتے رہے ہیں اور اب میاں محمد زمان اس خاندان کے سربراہ ہیں جو کہ ممبر قومی اسمبلی اور وفاقی وزیر بھی رہے ہیں۔ اس خاندان کی شاخ قصور کا سردار خاندان ہے۔ جو قصور کا مقتدرہ خاندان ہے۔ تمام افراد نمایاں ہیں۔ بہت بڑے

زمیندار ہیں۔ سردار احمد علی ڈسٹرکٹ کونسل لاہور کے چیئرمین رہے ہیں۔ اب سردار آصف علی میدان سیاست میں ہیں۔ جو کہ پاکستان کے وزیر خارجہ بھی رہے ہیں۔

۱۴۔ مختلف قوموں کے مورخین نے مختلف قوموں میں گوتوں کے اشتراک کی بناء قرار دیا ہے۔ کہ یہ قومیں ایک ہی ہیں۔ ان قوموں کی ابتداء ایک ہی ہے۔ اپنی گوتوں سے اپنا تعلق انسانی گرہوں سے اور دوسرے خاندانوں سے جوڑا ہے۔ مثال کے طور پر شاہان گجر کے مصنف نے پہلے گجروں کی گوتیں صفحہ 129 تا 134 پر درج کی ہیں۔ جاٹوں کی گوتیں صفحات 182 تا 188 اور راجپوتوں کی گوتیں صفحات 185 تا 195 پر درج کی ہیں۔ بھٹی، تنوار یا طور، جوئیہ، ٹھاکر، چندیل، چوہان، گوندل، سودا، گوتیں تینوں اقوام گجر، جاٹ، راجپوتوں میں مشترک ہیں۔ فاضل مصنف نے ان چند اشتراکی گوتوں کی بناء پر قرار دیا ہے کہ تینوں اقوام ایک ہیں۔ حالانکہ ہر قوم کی سینکڑوں گوتیں ہیں۔ بہرحال گوتیں بھی نتائج اخذ کرنے میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ اس سلسلہ میں مصنف نے صفحہ 195 شاہان گجر پر لکھا ہے۔

''راجپوتوں کی کئی ہزار گوتیں ہیں۔ ہم نے چند مشہور گوتوں کو جمع کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے استدلال کے لئے اس قدر کافی ہے۔ گوجر، راجپوت، جاٹ گوتوں کی فہرستوں سے جو ہم نے بہم پہنچائی ہیں۔ ہر ایک معلوم کرسکتا ہے کہ تینوں قومیں فی الحقیقت ایک ہی ہیں۔ تینوں قوموں کے اکثر نمائندوں نے اپنے آپ کو سورج بنسی یا سوم بنسی وغیرہ ظاہر کیا ہے۔''

اسی مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ 213 پر لکھا ہے۔ کہ شاہان قنوج تومر تھے۔ تومر کو بھنڈارکر نے گجر قرار دیا ہے۔ صفحہ 214 پر لکھتا ہے۔ کہ کتبہ پہوا میں خاندان تومر کی تین پشتوں تک راجاؤں کا ذکر ہے۔ جو پہوا ضلع کرنال میں یا اس کے گردونواح میں فرمانروا تھے۔ کتبہ پہوا میں یہ درج ہے۔ کہ یہ خاندان راجا جاؤلا کی اولاد ہے۔

مزید براں بندھیل کھنڈ میں یہ روایت بالتواتر مشہور ہے

''کہ راجا گوپال کے سپہ سالار تورمن نے 243ء میں ایران پر حملہ کیا اور

بھوپال سے ایران تک تمام ملک فتح کرلیا۔ تورمن کے بیٹے سورسین نے اپنے زمانہ میں گوالیار کو فتح کر کے قلعہ گوالیار 285 میں تعمیر کیا۔ سورسین کی اولاد کچھواہیہ تھی۔''

ان روایات اور قیاسات مذکورہ سے یہ صریح نتیجہ نکلتا ہے کہ کچھواہیہ مسلمہ گجر ہیں۔ وہ قبیلہ تومر کی شاخ ہیں۔ اور تومر جاؤلا کی اولاد۔ ثابت ہوا کہ تومر گوجر ہیں۔ اور جاؤلا بھی گجر ہیں۔

صفحہ 515 پر لکھا ہے یہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ ہن قوم کا سردار جاؤلا تھا۔ ابتداء میں تورمن جس کی سربراہی میں ہنوں نے برصغیر پر پانچویں صدی عیسوی میں حملہ کیا اور جس نے برصغیر کے ایک حصے پر لمبا عرصہ حکومت کی۔ مہرگل اس کا بیٹا تھا۔ جو اس کی وفات پر اپنے باپ کا جانشین بنا۔ بڑا زبردست حکمران تھا۔ جس کے مظالم کے ذکر سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ دونوں (تورمن اور مہرگل) گجر ہیں۔ ان دلائل اور روایات کی بنا پر ہم جرات کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ تومر خاندان کا لفظ تورمن سے بنا ہے۔

جیسا کی قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ جاٹوں کی سینکڑوں گوتیں ہیں۔ کتاب جاٹ قدیم حکمران کے مصنف ایس۔ بی ڈاہیا نے منڈ گوت سے ثابت کیا ہے کہ منڈ جاٹوں کا تعلق ایران کی منڈا قدیم سلطنت سے ہے۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے مصنف نے منڈ سلطنت کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے منڈ حکمرانوں کے نام اور ان کے دور حکمرانی کے واقعات بیسوں صفحات پر قلمبند کئے ہیں۔ اسی طرح جو ہل گوت کے جاٹوں کا تعلق برصغیر پر طوفانی انداز میں حملہ کرنے والی ظالم قوم ہن سے اس طرح ظاہر کیا ہے کہ جاؤلا، تورمن اور مہرگل کا پیشرو تھا۔ یعنی جو ہل گوت کے جاٹ ہنوں کے سردار جاؤلا کی اولاد ہیں جو ہل جاؤلا سے مشتق ہے۔

شاہان گجر کے مصنف نے صفحہ 209 پر لکھا ہے۔

''بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ کشان، یوچی قوم کی شاخ ہے اور گوجر بھی یوچی ہیں۔ جو خانہ بدوش ترکوں کی اولاد ہیں۔''

مصنف کے مطابق کشان سین اور شین کے تبادلہ سے کسان بنا۔ اور کسان سے کسانہ مصنف لکھتا ہے۔ کہ راجہ کنشک کشان تھا۔ لہذا کسانے گجر راجہ کنشک کی اولاد ہیں۔ پھر بیسیوں صفحات پر یہ کشان حکمرانوں کے دور حکومت اور ان کے کارناموں کی روائیداد لکھی ہے۔

المختصر گوتیں جزو سے کل تک پہنچنے میں مدد کرتی ہیں۔ شاہان گجر کے مصنف نے گوجروں کو راجپوت ثابت کرنے میں گوتوں ہی سے مدد لی ہے۔ مصنف کے اپنے الفاظ مندرجہ صفحہ نمبر 230 پر یہ بحث ختم کرتے ہیں۔

''ہم کو جزئیات (یعنی گوتوں) سے بہت کچھ امداد ملی ہے۔ اور یہ طریق ہر طرح موصل الی مطلوب ہے۔ کہ ہم جزئیات سے کلیات تک پہنچیں۔''

ہم نے ارائیوں کی گوتیں ماقبل ابواب میں درج کردی ہوئی ہیں۔ راجپوتوں کی گوتوں کا اندارج بھی ماقبل ابواب میں موجود ہے۔ اگر اوپر درج کردہ استدلال کے مطابق ہر دو قوموں کی گوتوں کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بھٹی، بھٹہ، بٹ، جنجوعہ، کھوکھر، گیلن، چاچڑ، ڈھڈی، وریاہ، بھدر، جج، گورے یا گور، یاملانہ یاملانی، سودیا سوہڈ، اندرای، چاولی، دودے، سدھو برار گوتیں ہر دو قوموں راجپوت اور ارائیں میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ واگرہ، لٹو، لہو، لہور، گھر، ساندھے، رمبا، گہگر، گوتیں اپنا پس منظر راجپوت نسل سے رکھتی ہیں۔ اس کی تشریح آگے صفحات پر کی جائے گی۔

مزید برآں تارڑ، گل، سندھو، چھینی (چھنی) گورایا اور ڈھینگے (دھاریوال جاٹوں کی شاخ) گوتیں ارائیوں کی ہیں۔ اب جاٹوں میں بھی شامل ہیں۔ لیکن ان کا دعوئ ہے کہ وہ راجپوت نسل سے ہیں۔ ارائیوں اور جاٹوں میں شامل راجپوت کھیتی باڑی کرنے کی وجہ راجپوتوں سے علیحدہ ہوگئے۔

اس کے علاوہ آئندہ ہم ثابت کریں گے۔ کہ جاٹوں اور ارائیوں کی بہت سی گوتیں مشترک ہیں۔ جاٹوں کی اکثریت کا دعوئ ہے کہ وہ راجپوت نسل سے ہی ہیں۔ لہذا اس بحث سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ارائیں بھی راجپوت ہی ہیں۔ جو کہ کسی سٹیج پر ان سے الگ ہوگئے ہیں۔

مصنف شاہان گجر نے صفحہ نمبر 205 راجپوتوں کے شاہی خاندانوں کی چھ مختلف

فہرستیں تحریر کی ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۳۶ راجپوت شاہی خاندان

(ماخوذ از تاریخ شاہان گجر)

ہندوؤں نے جو ۳۶ قومیں راجپوت کی مقرر کی ہیں۔ بموجب مختلف روایات کے ان کی چھ فہرستیں باترتیب پیش کی جاتی ہیں۔ بعدازیں ان کی نسبت بحث کی جائے گی۔

چھتری خاندان ہائے شاہی یعنی راج کلون کی فہرستیں

اول مطابق نوشتجات قدیم				دوم کب چند کی تحریرات کے مطابق			
۱	اکشواکو	۱۶	اسوریہ		رو یعنی سورج	۱۶	دیورا
۲	سورج	۱۷	سلار	۲	ششش	۱۷	تک
۳	سوم عرف چندر	۱۸	سندھ	۳	یادو (جدو)	۱۸	سندو
۴	جدو	۱۹	سنی پت	۴	کاکتھ	۱۹	اننگ
۵	چومان عرف چوہان	۲۰	ہن	۵	پرمار	۲۰	پاٹک
۶	پرمار	۲۱	کرجل	۶	چوہان	۲۱	پرتھارہ
۷	چلوک عرف سولنگی	۲۲	ہریر	۷	چلوک	۲۲	دویوت
۸	پرہارا	۲۳	راجپال	۸	چندک	۲۳	کرتپال
۹	چاوراء	۲۴	دھند پال	۹	سالار	۲۴	کوٹپال
۱۰	دودیا	۲۵	اگنی پال	۱۰	ابھیراء	۲۵	پھول
۱۱	راٹھور	۲۶	بالا	۱۱	ماکوہن	۲۶	گور
۱۲	گوھیل			۱۲	گوہیل	۲۷	تکمپ
۱۳	والی			۱۳	گھالوت، گھٹ	۲۸	راج پالکا
۱۴	ماکوماہن			۱۴	پرہار	۲۹	کانی
۱۵	انورکا			۱۵	راٹھور	۳۰	کالچوک

گجر (بحوالہ کمار پال چرتر)

سوئم سنسکرت کی کتابوں سے انتخاب شدہ				چہارم گجراتی زبان کی کتابوں سے مرتب شد			
۱	اکشواکو	۱۹	راج پالکا	۱	گوچرگوہل	۱۹	پرمار
۲	سوم بنسی	۲۰	دوہیہ	۲	بوتی گوہل	۲۰	کابٹ
۳	یادو	۲۱	ترندولیک	۳	کاٹی	۲۱	چاور
۴	پرمارا	۲۲	ہن	۴	کسیر	۲۲	چوراسینھا
۵	چوہان	۲۳	بال	۵	تکمپ	۲۳	کہابتہ
۶	چالوک	۲۴	ہریل	۶	بربیت	۲۴	کھسم
۷	چندک	۲۵	موکر	۷	بادریا	۲۵	راونی
۸	سالار	۲۶	پوکر	۸	مارو	۲۶	مسانیہ
۹	گپھوتکٹ			۹	ماکواہن	۲۷	پلانی
۱۰	پرتھار			۱۰	واہم	۲۸	یالا
۱۱	سکرنگ			۱۱	ڈوڈیا	۲۹	جھالا
۱۲	گورپال			۱۲	پلا	۳۰	داہریہ
۱۳	چندیل			۱۳	بگھیل	۳۱	باہریہ
۱۴	اوہل			۱۴	یادو	۳۲	ساردیہ
۱۵	پالک			۱۵	جیتوا	۳۳	پرہار
۱۶	توری			۱۶	جریحا	۳۴	چوہان
۱۷	مالواہن			۱۷	جیت		
۱۸	دھن پال			۱۸	سولنگی		

پنجم کیچی / پیوگ جی کبیسر کے بیان کے موافق				ششم مسٹر ٹاڈ کی تحقیق کے موافق			
۱	گھلوٹ	۱۹	باپپ	۱	اکشواکو کا کتھ	۱۹	جینوا
۲	پرمار	۲۰	گھیسروال	۲	اندی اندوسوم	۲۰	گبھل
۳	چوہان	۲۱	نکمپ	۳	گرہلوٹ چندر	۲۱	سرویہ
۴	سولنگھی	۲۲	دیوت	۴	یادو	۲۲	سلار
۵	راٹھور	۲۳	جوہیہ	۵	توار	۲۳	والی
۶	توار	۲۴	سکروال	۶	راٹھور	۲۴	گور
۷	بیرگوجر	۲۵	داہیہ	۷	کچھواہا	۲۵	ڈوڈ
۸	پرہار	۲۶	دودا	۸	پرمار	۲۶	گھبسیروال
۹	جھالا	۲۷	موری	۹	چوہومان	۲۷	بیرگوجر
۱۰	یادو	۲۸	موکرا	۱۰	چالوک	۲۸	میکروال
۱۱	کچھواہہ	۲۹	ابھراء	۱۱	پرہار	۲۹	بایک
۱۲	گودر	۳۰	کلچورک	۱۲	چورا	۳۰	ایہ
۱۳	سینگر	۳۱	اگنی پال	۱۳	تک توک		جوہیہ
۱۴	بلا	۳۲	اسوریہ	۱۴	جٹ		نکمپ
۱۵	کھروڑ	۳۳	پھول	۱۵	ہن		راج پالی
۱۶	چاورا	۳۴	مانت وال	۱۶	کاٹی		واہم وغیرہ ہل
۱۷	واہم	۳۵	مالیا	۱۷	بالا		داہریہ
۱۸	وہیہ	۳۶	چاہل	۱۸	جھالا		

اندارج کے بعد صفحہ 209 پر مولف کتاب ''شاہان گجر'' لکھتے ہیں۔

''ہم نے یہ فہرستیں اس لئے تاریخ میں درج کی ہیں تا کہ ہم دیکھیں کہ ان فہرستوں میں کہاں تک گوجروں کے گوت پائے جاتے ہیں۔ فہرست اول تو سب سے قدیم ہے جس میں

چھبیس قومیں درج ہیں اس میں مندرجہ ذیل گوجروں کی شاخیں ہیں۔ نمبر 5 چوہان، نمبر 6 پرمار، نمبر 7 چلوک، عرف سولنگی، نمبر 8: پرہار اگنی کل ہیں۔ اور اگنی کل گوجر ہیں۔ ملاحظہ ہو مسٹر اے سمتھ وغیرہ کی تاریخیں نمبر 9 چاوڑا، چھاوڑی، گوجروں کے گوت ہیں۔ جو کہ پنجاب میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی گجرات کاٹھیاوار میں وسیع سلطنت تھی۔ ملاحظہ آئین اکبری، صفحہ 102-103 اس لفظ کو مورخین چاوڑا، جاورا، چورا، چادری، اور چھاوڑی، لکھا ہے۔ چھاوڑی یا جاوری گوجر اضلاع پنجاب و دیگر صوبوں میں جیسا کہ ہم نے کسی اور جگہ پر تشریح کی ہے، کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ نمبر 20 ہن، ہون یہ وہ قوم ہے جن نے وسط ایشیاء سے اٹھ کر ہندوستان پر حملہ کیا۔ گوجر اس قوم کے جزو اعظم ہیں۔ یہ یا تو گوجروں کے نسبی بھائی تھے یا قرابت دار یا رشتہ برادری کی وجہ سے ایک ہی قوم شمار ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو مسٹر سمتھ کی ہسٹری، نمبر 26 بالا ولبھی خاندان کا مورث تھا۔ اور ولبھی خاندان کو بعض مورخین نے گوجر قرار دیا ہے۔ نمبر 27 جہالا گوجروں کا گوت ہے۔ جس کو چہالا بھی کہتے ہیں۔ یہ سورج بنسی ہیں اس نام کا ایک موضع ضلع گجرات میں ہے۔ فہرست دوئم میں 30 گوتیں دکھلائی گئی ہیں۔ اس میں نمبر 5 پرمار، نمبر 6 چوہان، نمبر 7 چلوک، نمبر 14 پرہار کی نسبت فہرست اول میں گوجر ہونے کی تشریح کر دی گئی ہے۔ نمبر 21 پرتھار، پرہار کا بگڑا موجودہ نام ہے۔ علیحدہ نہیں ہے۔ دیکھیں ترجمہ ٹاڈ راجستھان صفحہ 248 پر پرتھار عرف پرہار لکھا ہے۔ جو مسلمہ گوجر ہیں۔ نمبر 26 گور، گوجر، کا مخفف ہے۔ اس لئے گور برہمن گوجر نسل سے ہیں۔ ملاحظہ ہو رپورٹ مردم شماری کشمیر 1911ء پس یہ دلیل قطعی ہے۔ کہ گور گجر کا مخفف ہے۔ کشمیر کے ضلع مظفر آباد میں گور اور گجر میں فرق نہیں کیا جاتا۔ نمبر 30 کا لچک عرف کورچرا، کورچرا لفظ گوجر سے ملتا جلتا ہے۔ اور اگر اس کو گوجرا قرار دیں تو ہم نے ایک خاص عنوان کے ذیل میں متعدد دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ گرجرا اور گوجرا ایک ہی ہیں۔ فہرست سوئم میں 26 قوموں کے نام ہیں۔ نمبر 4 پرہار، نمبر 5 چوہان، نمبر 6 چالوک، جنکی بحث فہرست اول میں ہو چکی ہے۔ اور نمبر 10 پرتھار ہیں۔ فہرست دوئم میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ پرہار اور پرتھار، ایک ہی ہیں۔ دو نہیں۔ نمبر 13 چنڈیل گوجر ہیں۔ میواڑ اور الور کے حالات میں

بمبئی گزیٹر میں لکھا ہے کہ علاقہ میواڑ اور الور میں چندیلہ گوجر ہیں۔ بس کوئی وجہ نہ ہے کہ اس فہرست میں جو چندیل ہیں۔ ان کو گجر نہ سمجھیں۔ نمبر 16 طور یا تنوار، ایک ہیں۔ تنور گجر کا گوت ہے۔ اکثر اضلاع میں کھٹانہ اپنے آپ کو تنور کہتے ہیں۔ نمبر 23 ہن فہرست اول میں ان ذکر ہو چکا ہے بعض اضلاع میں ہن گوجروں کی مشہور شاخ ہے نمبر 25 موکر، مکر ایک ہی ہیں۔ یہ گوجروں کی گوت ضلع گجرات میں موجود ہے۔ جاٹ اور گجر میں مشترک ہیں۔ اسی طرح فہرست نمبر 4-5-6 میں موجود شاہی خاندانوں کو اپنی گوتوں سے شناخت کر کے گجر قرار دیا ہے۔

مصنف شاہان گجر کے دلائل کی روشنی میں آرائیوں کے شاہی خاندانوں سے تعلق کا جائزہ لیتے ہیں۔ شاہی راجپوت خاندان جدیا، جادو، یدو، یادو تمام فہرستوں میں موجود ہے۔ فہرست نمبر 1 میں نمبر شمار 4، فہرست دوئم میں نمبر شمار 3، فہرست سوئم میں نمبر شمار 3، چہارم میں نمبر شمار 14، پنجم میں 10 اور ششم میں نمبر شمار 4 پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ارائیوں کی دو گوتیں بھٹی اور جنجوعہ ہیں۔ ارائیوں کی گوتیں پچھلے ابواب میں یورپی سکالرز کے نظریہ میں درج کر دی گئی ہیں۔ ان کا ذکر مردم شماری ہائے کے ضمن میں یورپی سکالرز نے ہی کیا ہے۔ ارض پاکستان کے صفحہ 290 پر مورخ رشید اختر ندوی لکھتے ہیں۔ ''یدوا اور اناوا بڑے اہم قبیلے تھے۔ یدوا سندھ کے آباد کار تھے اور اناوا پنجاب کے، جنرل کننگھم کا نظریہ ہے کہ ''پنجاب کے آوان اناوا آرین قبیلے کے وارث ہیں اور جنجوعہ یدوا کی یادگار ہے۔ بھٹی بھی یدوا کی نسل سے ہیں''۔ بھٹی اور جنجوعہ مسلمہ راجپوت ہیں۔ بھٹی قبیلہ برصغیر میں بہت ہی کثیر التعداد ہے۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق بھٹی قبیلے کی شہرت اور تعداد نے اپنے اجدادی قبیلہ کی اہمیت کو بھی گہنا دیا ہے۔ بھٹی قبیلہ شاہی خاندان راجپوت چندر بنسی ہیں۔ ارائیوں میں بھٹی قبیلہ اور اس کی بہت سی ذیلی شاخیں مثلاً بھٹہ، بھٹو، بٹ وغیرہ بھی ارائیوں میں شامل ہیں۔ اس بنا پر شاہان گجر کے مصنف کے الفاظ میں جو اس نے گجروں کے متعلق اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ کہ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ارائیوں کا تعلق راجپوتوں کے شاہی قبیلے یادو یا یدوا سے ہے۔ بھٹی قبیلہ اور اس کی ذیلی شاخوں کا ذکر تفصیل کے ساتھ کریں گے۔ جب آرائیوں کی گوتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

اس طرح فہرست نمبر 1 میں نمبر 18 سندھ شاہی خاندان درج ہے۔ ارائیوں کی گوت سندھے درج ہے۔ جو کہ جمع کے صیغہ کے طور پر درج ہے۔ جیسے چٹھہ سے چٹھے اور چیمہ سے چیمے یعنی اصل گوت تو سندھ ہی ہے۔ جس کے آخر میں ''ے'' کا اضافہ کر کے سندھ سے سندھے بتایا گیا ہے۔ فہرست نمبر 1 میں مدھور نمبر 30 پر درج ہے۔ مدھور اصل میں مدرا قبیلہ ہے۔ تاریخ گرجر کے مصنف علی حسن چوہان گجر نے اس کو مدرا ہی لکھا ہے ارائیوں کی گوت مدیا مدھ ہے۔ کتاب جاٹ رقدیم حکمران اور ذاتوں کا انسائیکلو پیڈیا صفحہ نمبر 402 قابل ملاحظہ ہیں۔ جاٹ قدیم حکمران کے صفحہ نمبر 325 پر یوں درج ہے۔

مدرا، مدیرنا، مدھان:

رزمیہ نظموں میں اور پرانوں میں ان کا ذکر عام ہے۔ ان کے بادشاہ سلیا نے مہابھارت کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ نکولا اور ساہ دیو کی ماں مدری، مدرا، قبیلہ کی شہزادی تھی، آج کل انہیں مدیا مدھ (مدھان) نیز مدیرنا کہا جاتا ہے۔ بہت سے مدھان مسلمان بن چکے ہیں۔ انجیل میں مدائی کے نام سے ان کا حوالہ موجود ہے۔ یہ پراکرت میں مدرا کا لفظ مد بن گیا ہے یہ لوگ ایران سے آئے۔''

تاریخ ہند قدیم کے مصنف پروفیسر غلام مصطفیٰ بسمل صفحہ 142 پر یوں رقم طراز ہیں۔ پنجاب کے تمام قبیلوں میں سے مدرا سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ مدرا قبیلہ نے خود کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تین مختلف علاقوں پر حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ ان کا ایک حصہ کشمیر میں تھا۔ دوسرا گانگڑا میں آباد تھا۔ اور تیسرا سب سے بڑا سیالکوٹ سے ملتان تک آباد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخری ویدک دور تک پاک پنجاب کی تمام علاقائی حکومتیں ایک مرکزی حکومت کے تحت آ چکی تھیں۔ لیکن مرکزی دارالحکومت سیالکوٹ ہی تھا۔ ان کا مرکزی حکمران راجہ شل تھا۔ فہرست نمبر 1 میں نمبر 22 ہریز، فہرست نمبر 3 میں ہریل، شاہی خاندان درج ہے۔ تاریخ گرجر از علی حسن چوہان

گجر میں اس کو ہری ہر لکھا ہے۔ پچھلے ابواب میں لکھا گیا ہے کہ آریا لفظ آری سے بنا ہے۔ آریا قبیلہ کو پہلے آری کہا جاتا تھا۔ بعض دفعہ تاریخ ارض پاکستان کے مطابق الف لفظ ہ سے بدل جاتا ہے۔ اس طرح آری کو ہری بھی بولا جاتا تھا۔ آریوں کا ہری قبیلہ ہی سب سے پہلے برصغیر میں وارد ہوا تھا۔ جس کا ذکر پچھلے صفحات پر مناسب عنوان کے تحت کیا گیا ہے۔ ارائیوں کو آری یا ہری اور بعد کے آریا ثابت کیا جا چکا ہے۔ شاہی فہرست میں ہریر، یا ہریل الفاظ یقیناً ہری یعنی آری یا آریا کی تھوڑی سی مختلف شکل ہے۔ یہ آریا شاہی خاندان ہے۔ ہندوستان کی قومی تواریخ سے ثابت ہے۔ کہ 1500 ق م میں برصغیر میں آنے کے بعد یونانی پارتھی پہلوی، ساکا، یوچی، کشان، حکمرانوں سے قبل تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک تمام برصغیر میں آریا حکومتیں ہی قائم تھیں۔ آریا بادشاہوں کا ذکر بعد میں کسی مناسب عنوان کے تحت کیا جائے گا۔

فہرست نمبر 1 میں چاؤلیہ نمبر 33 پر درج ہے۔ چاؤلی ارائیوں کی گوت ہے۔ لہذا اس خاندان سے ارائیوں کا تعلق ثابت ہے۔ اس خاندان کے لوگ زیادہ تر اب چاؤلہ کھتریوں کی شکل میں موجود ہیں۔ واضح رہے کہ کھتری آریا دور کے کھشتری تھے۔ انہوں نے کاروبار اور کھیتی باڑی شروع کر دی۔ تو کشتری لفظ بگڑ کر کھتری ہو گیا۔

فہرست اول نمبر 10 دودیا شاہی خاندان ہے دودے ارائیوں کی گوت ہے۔ یعنی یہ خاندان ارائیوں میں بھی شامل ہے۔ دودیا خاندان تاریخ شاہان گجر صفحہ 192 کے مطابق داناپور کا قدیم حکمران تھا۔ ان کا نام دودا ضلع گانگڑہ کی وجہ سے مشہور ہے۔ ڈھڈی راجپوتوں سے شاید ان کا تعلق بنتا ہے۔ ڈھڈی بھی ارائیوں کی گوت ہے۔ ڈھڈی قبیلہ کے قریبی، راٹھ قبیلہ نے دکن کے علاقہ مین راشٹر کوٹیہ خاندان کے نام سے سینکڑوں سال حکومت کی تھی۔

فہرست نمبر 1 میں نمبر 24 پر کوکر شاہی خاندان درج ہے۔ تمام مورخوں کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ کوکر اصل میں کھوکھر ہے۔ آئین اکبری میں بھی انکو کہیں کوکر اور کہیں کھوکھر درج کیا گیا ہے۔ کھوکھر آرائیوں کی گوت بھی ہے۔ کھوکھر قدیم حکمران ہیں۔ انہوں نے جہلم کے پنڈدادن خان کھوکھر سے لے کر سندھ تک اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ سندھ میں کھوکھراپار

ریلوے سٹیشن ان کھوکھروں کے نام پر ہے۔ تاریخ ہند میں کھوکھر قبیلے کا ذکر سب سے زیادہ ہوا ہے۔ اس قبیلے کا ذکر بہت تفصیل سے بعد میں کیا جائے گا۔ کھوکھر آرائیوں کا تعلق راجپوت شاہی خاندان سے ہے۔

فہرست دوئم میں نمبر 18 پر سندھو خاندان درج ہے۔ سندھو گوت کے تحت یہ ارائیوں میں شامل ہے۔ جاٹ قدیم حکمران صفحہ نمبر 338 کے مطابق یونانیوں نے انہیں سندی، لکھا ہے۔ اور انہیں باسفورش کے کنارے آباد ظاہر کیا ہے ہندی ادب میں انہیں سندھو یا سندھو کہا جاتا ہے۔ پائینی نے دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان ان کی حکومت کا ذکر کیا ہے۔ ان کا مشہور بادشاہ پونیا دیو ہوا ہے۔ ڈینزل ابٹسن نے ان کو آرائیوں کے پانچ بڑے قبائل میں شمار کیا ہے۔

فہرست دوئم میں نمبر 26 پر گور خاندان شاہی درج ہے۔ ارائیوں کی گوت گورے یا گوریا ہے۔ جو کہ اصل میں گور ہی ہے۔ جمع کے طور پر ان کو گورے لکھا گیا ہے۔ ان کی حکومت کافی عرصہ تک بنگال و بہار میں ہی ہے۔ تاریخ شاہان گجر صفحہ 175 کے مطابق گوریا، گور، گورے، گورا ایک ہی ہیں۔ یہ راجستھان سے آئے تھے۔

فہرست نمبر 5 میں مالیا 36 شاہی خاندانوں میں شامل ہے۔ مالیا اصل میں مالی، ملئی اور سکندر اعظم کے زمانے کے ملوئی ہیں۔ مالی یا ملوئی کی حکومت مالوا میں اونتی کے نام سے رہی ہے۔ مالوا انہیں کے نام کی وجہ سے مالوا مشہور ہوا تھا۔ اجین ان کا دارالخلافہ تھا۔ پچھلے صفحات میں ارائیوں کے متعلق مضمون لکھا جا چکا ہے۔ کہ روہتک کے ارائیوں کا تعلق وہاں کی مالی راجپوت قوم سے تھا۔

فہرست نمبر 6 میں توار شاہی خاندان درج ہے۔ یہ اصل میں تنوار یا تور خاندان ہے۔ جس نے دہلی پر برسوں حکومت کی تھی۔ مولف نے شرقپور کے گاؤں نور پور ارائیاں کے بعض ارائیں خاندانوں کا شجرہ دیکھا ہے۔ جس میں ان کی گوت تور درج ہے۔ اس طرح ان طور آرائیوں کا تعلق راجپوت شاہی خاندان سے ہے۔

فہرست ہائے مذکورہ میں درج 36 شاہی خاندانوں میں سے اکثر نے تاریخ کے نا

معلوم دور میں حکومتیں کی ہیں۔ اور سوائے چند خاندانوں کے باقی شاہی خاندانوں کے تاریخی حالات مفصل اور قطعیت کے ساتھ دستیاب نہ ہیں۔ ان کی حکومتوں کو بھی ہزاروں سال گزر چکے ہیں۔ ہزاروں سال گزرنے کی بناء پر یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ان خاندانوں کا تعلق کبھی ارائیوں سے ہوگا۔ چونکہ عام لوگوں کی معلومات محدود ہوتی ہیں۔ وہ کسی قوم کی گذشتہ حالت کو موجودہ حالت پر قیاس کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی نظر سطحی ہوتی ہے۔ اور جب کوئی شخص یا قوم کمزور حالت میں ہو اور تاریخ اس کو اعلیٰ رتبہ دے تو لوگ ایسی تاریخی روایت کو تعجب سے سنتے ہیں۔ اور اس کو غلط کہتے ہیں۔ مگر انکار بے دلیل کی کچھ وقعت نہیں ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ ایسا دعویٰ یا انکشاف پیش کرنے کی بنا پر عام لوگ بادی النظر میں یہ سن کر بھی متحیر ہوں گے کہ جو 36 قومیں راجپوتوں کی درج کی گئی ہیں۔ ان میں کافی تعداد میں ارائیوں کی گوتیں شامل ہیں۔ یہ اعتراض ہوسکتا ہے۔ کہ ہزاروں سال گزر گئے۔ کسی نے ایسا دعویٰ نہ کیا۔ اس اعتراض کا جواب اس طرح ہے۔ کہ پرانی تاریخیں پرانے حکمرانوں کے پروردہ لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ جس میں حالات و واقعات کو مسخ کر کے حکمرانوں کو مافوق البشر بنایا گیا ہے۔ راجپوتوں کے معروف خاندان پانچویں صدی اور بارھویں صدی عیسوی کے درمیان ہو گزرے ہیں۔ دور قریب کے معروف راجپوت خاندانوں کے حالات تواریخ میں مل جاتے ہیں۔ ان راجپوتوں کے اخلاف اب اپنے علاوہ کسی کو راجپوت ماننے کے لئے تیار ہی نہ ہیں۔ حالانکہ راجپوت قوم میں بقول ڈاکٹر مبارک علی (دور حاضر کے مشہور مورخ) اور بقول مولانا شاہان گجر بہت سے خاندان بھیل، کونڈ کے شامل ہیں۔ جو کہ مختلف زمانوں میں حالات کی ساز گاری کی بناء پر راجہ مہاراجہ بلکہ ادھیراج ہو گئے۔ انہوں نے ڈنڈے کے زور پر اپنے آپ کو راجپوت بھی لکھوایا۔ اور اپنے شجرہ نسب سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں سے ملا لئے۔ اب پچاس سو سال سے تحقیقاتی تواریخ لکھی گئی ہیں۔ اور اصل صورتحال سامنے آنے لگی ہے۔ نئی تواریخ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ بعض اعلیٰ نسل قومیں گوشہ گمنامی میں اور سماج کے نچلے درجہ پر چلی گئیں ہوئی ہیں۔ اور کم رتبہ اقوام نے تواریخ کے مختلف اوقات میں اہمیت حاصل کر لی اور وہ اعلیٰ

اقوام میں شمار ہوئیں اور سماج کے اونچے مرتبہ پر بھی فائز ہو گئیں۔ اقوام کا سماجی مرتبہ اور مقام بدلتا رہا ہے۔ اور بدلتا رہے گا۔ Status Que کبھی نہ رہا ہے۔ اور نہ ہی رہے گا۔ باقی اس نکتہ پر کسی خاص مقام پر روشنی ڈالیں گے۔

آئیج ادوز اور دیگر مورخین نے گوتوں کی وسیع وادی میں قدم نہ رکھا۔ اگر انگریز مورخین ارائیوں کی گوتوں کی تحقیق کرتے اور ان کا مفصل جائزہ لیتے تو 1881 مردم شماری رپورٹوں میں وہ ضرور لکھتے کہ ارائیں اصل میں راجپوت تھے۔ جو کسی سٹیج پر ان سے الگ ہو گئے تھے۔ اور اب ان کی اپنی الگ شناخت (Independent Identity) ہے۔

اگلی فصل میں ارائیوں کی بعض گوتوں کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ ان سے راجپوتوں کے تعلق کی مزید تشریح ہو سکے گی۔

☆☆☆

نویں فصل

بعض آرائیں گوتوں کی تفصیل اور تشریح

آرائیں آدن:

اس قبیلہ کے لوگ ادن کے نام سے ارائیوں، ادھن کے نام سے جاٹوں اور ادہانہ کے نام سے گجروں میں شامل ہیں۔ قدیم تاریخ ہند از وی۔ اے سمتھ صفحات 48-49 کے مطابق ادائن نام کا راجہ مگدھ کا حکمران تھا۔ جو کہ 450 ق م تخت پر بیٹھا۔ اس کے باپ کا نام اجات شترو تھا۔ یہ شیش ناگ خاندان کا راجہ تھا۔ جو کہ اپنے بانی خاندان شیش ناگ کے نام سے مشہور تھا۔ مہاراجہ ادائن یا ادیان اونتی (مالوہ) کے مہاراجہ مہاسین کا ہم عصر اور اس کا داماد تھا۔ تاریخ کے مطابق راجہ ادیان نے ہی پاٹلی پتر کا شہر تعمیر کروایا تھا۔ اس راجہ نے مہاتما بدھ سے ملاقات کی تھی۔ اس کی سلطنت میں دریائے گنگا اور ہمالیہ کے درمیان کا تمام علاقہ شامل تھا۔ اس سلطنت میں موجودہ زمانہ کے اضلاع پٹنہ اور گیا شامل تھے۔ اس نے کوشل اور ویشالی کی طاقتور حکومتوں کو شکست دیکر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اس خاندان سے حکومت نند خاندان میں 372 ق م میں منتقل ہوئی تھی اور دو پشتوں کے بعد اس خاندان کے راجہ کو قتل کر کے چندر گپت موریہ مگدھ کی سلطنت پر قابض ہوا تھا۔ بعض روایات کے مطابق قبیلہ ادن، ادھن یا ادہانہ خاندان اسی سے چلا۔

تاریخ گوجر کے مولف علی حسن گجر چوہان نے اس سے ملتی جلتی بات کہی ہے۔ اس کے مطابق ادہانہ راجہ اودھن کی اولاد ہیں۔ ملاحظہ ہو صفحہ نمبر 403۔

جاٹ قدیم حکمران کے صفحہ 416 کے مطابق ان لوگوں کی شناخت کشمیر کے شمال مغرب میں قائم آدن، ادیان یا ادیانہ حکومت اور اس کی قوم سے کرنا ہو گی۔

تاریخ گرجر کے صفحہ نمبر 352 پر اس کے مصنف رانا علی حسن گرجر چوہان نے آئین

اکبری مولفہ ابوالفضل کی فارسی نوبانسے ایک اقتباس دیا ہے۔ جس کے مطابق کشمیر میں اودن دیو، نامی راجہ کی حکومت رہی ہے۔ اقتباس ذیل ہے۔

''درزمان سینہ دیوشاہ شاہ میر نامی احمدی کیش کہ نسب خودرا بارجن پانڈو میرسانیڈ ملازم شد، وچون راجہ اون را روزگار بسرامد۔ شاہ میر مذکور در ہفتصد ودوم ہجری خطبہ دسکہ بنام خود گردانید وشمس الدین لقب نہاد۔

آرائیں اندار:

یہ لوگ جاٹوں میں اندار یا ایندھر گجروں میں اندانہ یا اندرانہ اور ارائیوں میں اندار ی ،اندرائے کے نام سے موجود ہیں۔ رانا علی حسن گجر چوہان مولف تاریخ گجر صفحہ نمبر 403 کے مطابق اندرانہ راجہ اندر کی اولاد ہیں۔

جاٹ قدیم حکمران صفحہ 333 کے مطابق اس قبیلہ کا نام گن بھر شیدی میں انڈار دیا گیا ہے۔ یہ وہی ہیں۔ جو مغربی ایشیاء (اسیریا) میں اندار کہلائے۔ اور صفحہ نمبر 337 کے مطابق اندار (Andare) کی شناخت آندھرا خاندان سے ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ اندھرا خاندان نے دکن میں صدیوں حکومت کی ہے۔ کئی کتب میں اندار، اندرائے اور انداری کو راجپوت لکھا گیا ہے۔ تاریخ کھوکھر از رانا محمد سرور خان کے مطابق اندرایہ سورج بنسی راجپوت ہیں۔ سیالکوٹ میں ملتے ہیں Tribes and Castes کی جلد دوئم کے ایک ضمیمہ نمبر 2 کے مطابق یہ لوگ مغربی ایشیاء سے آئے تھے۔ اس طرح آریا ہیں۔ اندار اندو 36 شاہی خاندانوں میں بھی شامل ہے۔

آرئیں ارکی:

یہ لوگ ارکی کے نام سے ارائیوں میں ملتے ہیں۔ اور ارک کے نام سے جاٹوں میں پائے جاتے ہیں۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ نمبر 38 کے مطابق مردم شماری 1881 میں ارک قوم جنڈ میں پائی گئی۔ موجودہ ہماچل پردیش میں اس وقت کی ریاست سکیت کے سین حکمران خاندان کی قریبی، قرابت داری راجہ ارکی سے تھی۔ سیالکوٹ میں ایک گاؤں ارکی نام کا پایا جاتا ہے۔ ذوگر تاریخ کے مطابق اس کو ترک سلطانوں کے عہد میں ان کے ایک جرنیل ارکلی خان

نے بسایا تھا۔ مردم شماری میں ارکی گوت کے ارائیں سیالکوٹ میں پائے گئے۔

آرائیں بھدرو:

یہ لوگ ارائیوں میں بھدرو یا بھدرو کے نام سے پائے جاتے ہیں۔ جب کہ راجپوتوں میں بھدر کہلاتے ہیں۔ مردم شماری 1881 میں بھدرو گوت کے ارائیوں نے دعویٰ کیا تھا۔ کہ وہ دکن سے راجپوت ہیں۔ واضح رہے کہ پرانی تاریخوں میں راجپوتانہ موجودہ راجستھان اور اس سے ملحقہ علاقے کو دکن لکھا گیا ہے۔ کتاب ڈوگر کے صفحہ نمبر 341 کے مطابق بھدر مالوہ/مالی /ملی قدیم راجپوت شاہی خاندان کی ایک شاخ ہیں۔ تاریخ راجپوت کھوکھر مصنفہ محمد سرور خان صفحہ نمبر 65 کے مطابق بھدرو راجپوت ہیں۔ بھدرویہ کے نام سے گجروں کی بھی ایک گوت ہے۔

آرائیں بھٹی:

بھٹی قبیلہ کے لوگ راجپوت جاٹ، گجر، ارائیوں میں ملتے ہیں۔ بھٹی راجپوتوں کی سب سے زیادہ مشہور گوت ہے۔ ملاحظہ ہو ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ نمبر 83۔ ارض پاکستان کی تاریخ کے مولف رشید اختر ندوی صفحہ نمبر 29 کے مطابق یدو، (جدوی یا جادو) اور اناوا بڑے اہم قبیلے تھے۔ یدوا سندھ کے آبادکار تھے۔ اور اناوا پنجاب کے جنرل کننگھم کا نظریہ ہے کہ پنجاب کے اعوان آناوا آرین قبیلہ کے وارث ہیں۔ اور جنجوعہ قبیلہ یدوا کی یادگار ہے۔ بھٹی بھی یدوا کی نسل سے ہیں۔

یدوا راجپوتانہ کے ساحلی علاقہ میں رہتے تھے۔ اور ہوتے ہوتے کاٹھیاوار میں پھیل گئے۔ اور پھر سپت سندھو (سات دریاؤں کی سرزمین) کے علاقہ میں پھیل گئے۔ بھٹی وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی قوم ہے۔ جاٹ قدیم حکمران کے مطابق راجہ گج غزنوی کا بادشاہ تھا۔ جس کے نام پر غزنی شہر آباد ہوا تھا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا راجہ سل تخت نشین ہوا۔ جس کو ایک زبردست قوم نے غزنی کی حکومت سے محروم کردیا۔ اور اس نے برصغیر آکر سیالکوٹ میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ سیالکوٹ کا نام اس کے نام پر پڑا۔ اس کی اولاد میں سے راجہ بھائی ہوا جس کا شجرہ نسب ذاتوں

اکبری مولفہ ابوالفضل کی فارسی نوبانسے ایک اقتباس دیا ہے۔جس کے مطابق کشمیر میں ادون دیو، نامی راجہ کی حکومت رہی ہے۔اقتباس ذیل ہے۔

''درزمان سینہ دیو شاہ شاہ میر نامی احمدی کیش کہ نسب خود را بارجن پانڈو میر سائیڈ ملازم شد، وچون راجہ اون را روزگار بسرامد۔شاہ میر مذکور در ہفتصد و دوم ہجری خطبہ دسکہ بنام خود گردانید وشمس الدین لقب نہاد۔

آرائیں اندار:

یہ لوگ جاٹوں میں اندار یا ایندھر گجروں میں اندانہ یا اندرانہ اور ارائیوں میں انداری ،اندرائے کے نام سے موجود ہیں۔رانا علی حسن گجر چوہان مولف تاریخ گجر صفحہ نمبر 403 کے مطابق اندرانہ راجہ اندر کی اولاد ہیں۔

جاٹ قدیم حکمران صفحہ 333 کے مطابق اس قبیلہ کا نام گن بھر شیدی میں انڈار دیا گیا ہے۔یہ وہی ہیں۔جو مغربی ایشیاء (اسیریا) میں اندار کہلائے۔اور صفحہ نمبر 337 کے مطابق اندار (Andare) کی شناخت آندھرا خاندان سے ہوتی ہے۔یاد رہے کہ اندھرا خاندان نے دکن میں صدیوں حکومت کی ہے۔کئی کتب میں اندار، اندرائے اور انداری کو راجپوت لکھا گیا ہے۔تاریخ کھوکھر از رانا محمد سرور خان کے مطابق اندرا یہ سورج بنسی راجپوت ہیں۔سیالکوٹ میں ملتے ہیں Tribes and Castes کی جلد دوئم کے ایک ضمیمہ نمبر 2 کے مطابق یہ لوگ مغربی ایشیاء سے آئے تھے۔اس طرح آریا ہیں۔اندار اندو 36 شاہی خاندانوں میں بھی شامل ہے۔

آرائیں ارکی:

یہ لوگ ارکی کے نام سے ارائیوں میں ملتے ہیں۔اور ارک کے نام سے جاٹوں میں پائے جاتے ہیں۔ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ نمبر 38 کے مطابق مردم شماری 1881 میں ارک قوم جنڈ میں پائی گئی۔موجودہ ہماچل پردیش میں اس وقت کی ریاست سکیت کے سین حکمران خاندان کی قریبی، قرابت داری راجہ ارکی سے تھی۔سیالکوٹ میں ایک گاؤں ارکی نام کا پایا جاتا ہے۔ڈوگر تاریخ کے مطابق اس کو ترک سلطانوں کے عہد میں ان کے ایک جرنیل ارکلی خان

نے بسایا تھا۔مردم شماری میں ارکی گوت کے ارائیں سیالکوٹ میں پائے گئے۔

آرائیں بھدرو:

یہ لوگ ارائیوں میں بھدرو یا بھدو کے نام سے پائے جاتے ہیں۔جب کہ راجپوتوں میں بھدر کہلاتے ہیں۔مردم شماری 1881 میں بھدرو گوت کے ارائیوں نے دعویٰ کیا تھا۔کہ وہ دکن سے راجپوت ہیں۔واضح رہے کہ پرانی تاریخوں میں راجپوتانہ موجودہ راجستھان اور اس سے ملحقہ علاقے کو دکن لکھا گیا ہے۔کتاب ڈوگر کے صفحہ نمبر 341 کے مطابق بھدر مالوہ/مالی/ملی قدیم راجپوت شاہی خاندان کی ایک شاخ ہیں۔تاریخ راجپوت کھوکھر مصنفہ محمد سرور خان صفحہ نمبر 65 کے مطابق بھدرو راجپوت ہیں۔بھدرو یہ کے نام سے گجروں کی بھی ایک گوت ہے۔

آرائیں بھٹی:

بھٹی قبیلہ کے لوگ راجپوت جاٹ، گجر، ارائیوں میں ملتے ہیں۔بھٹی راجپوتوں کی سب سے زیادہ مشہور گوت ہے۔ملاحظہ ہو ذاتوں کا انسائیکلو پیڈیا صفحہ نمبر 83۔ارض پاکستان کی تاریخ کے مولف رشید اختر ندوی صفحہ نمبر 29 کے مطابق یدو، (جدوی یا جادو) اور انادا بڑے اہم قبیلے تھے۔یدوا سندھ کے آباد کار تھے۔اور انادا پنجاب کے جنرل کننگھم کا نظریہ ہے کہ پنجاب کے اعوان آنادا آرین قبیلہ کے وارث ہیں۔اور جنجوعہ قبیلہ یدوا کی یادگار ہے۔بھٹی بھی یدوا کی نسل سے ہیں۔

یدوا راجپوتانہ کے ساحلی علاقہ میں رہتے تھے۔اور ہوتے ہوتے کاٹھیاوار میں پھیل گئے۔اور پھر سپت سندھو (سات دریاؤں کی سرزمین) کے علاقہ میں پھیل گئے۔بھٹی وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی قوم ہے۔جاٹ قدیم حکمران کے مطابق راجہ گج غزنوی کا بادشاہ تھا۔جس کے نام پر غزنی شہر آباد ہوا تھا۔اس کی وفات پر اس کا بیٹا راجہ سل تخت نشین ہوا۔جس کو ایک زبردست قوم نے غزنی کی حکومت سے محروم کر دیا۔اور اس نے برصغیر آ کر سیالکوٹ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔سیالکوٹ کا نام اس کے نام پر پڑا۔اس کی اولاد میں سے راجہ بھاٹی ہوا جس کا شجرہ نسب ذاتوں

کے انسائیکلوپیڈیا میں بھٹی عنوان میں اس طرح دیا گیا ہے۔

بھٹی کا شجرہ نسب

- بھاٹی
  - جیسل
  - دسال (دوسل)
    - راج جونہار (جنہار)
      - اچل
        - برسی
          - بھٹی راجپوت
        - راج پال
          - وٹو راجپوت
      - ایرا
        - سدھو برار جٹ
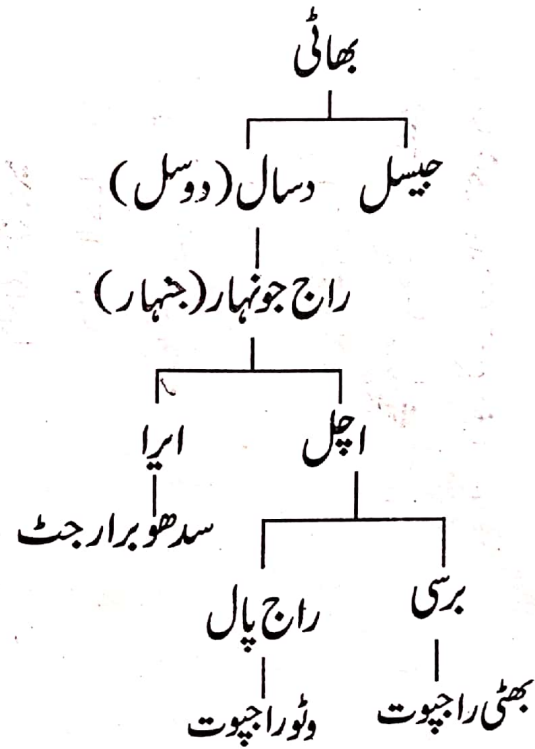
اسی بھاٹی سے بھٹی راجپوتوں کی نسل چلی اور وسیع پیمانے پر پھیلی ۔ یہ لوگ بہت بڑی تعداد میں مختلف قوموں میں مدغم ہوئے ۔اور ان کی گوت بھٹی کی بنیاد ڈالی ۔بھٹیانہ، بٹھنڈا، بھٹنیر، پنڈی بھٹیاں جیسے مقامات کے نام بھٹیوں سے ہی منسوب ہیں۔ آرائیوں میں شامل ہو کر ان کی گوت بھی بنے۔

بھاٹی کا بیٹا دوسل بھٹیانہ میں آباد ہوا۔اس نے بھٹنیر کے جنوب میں اپنی وسیع سلطنت قائم کر لی۔جیسل نے کوئی 700 برس قبل لنگاہ، جوئیہ اور دیگر قبائل کر زیر کر کے جیسلمیر ریاست کی بنیاد رکھی۔ یہ قبیلہ اب بھی زیادہ تر گھاگر وادی کے ساتھ ساتھ بھٹنیر تک ملتا ہے۔اس کے علاوہ ساتوں دریاؤں کی سرزمین میں کثیر التعداد میں وسیع علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مردم شماری 1881 میں ارائیں بھٹیوں کا اندراج امرتسر، بہاولپور، اور ڈیرہ غازی خان سے ہوا۔

دلہ بھٹی جس کی بہادری کے پنجابی قصے زبان زد عام ہیں کا تعلق اسی بھٹی قوم سے تھا۔ آئین اکبری کے مطابق کئی شہران کے نام پر ملتے ہیں۔جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک قدیم قوم ہے۔ زمانہ قدیم میں کئی قلعے ان کے تھے۔ ارائیں بھٹی ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور میں پائے جاتے ہیں۔بھٹی 36 شاہی خاندانوں میں شامل ہے۔بھٹی قبیلہ اور اس کی ذیلی شاخیں بھٹہ، بھٹو، کی کافی تعداد آرائیوں میں شامل ہے۔

بھٹہ آرائیں:

یہ لوگ ارائیوں، جاٹوں اور راجپوتوں میں پائے جاتے ہیں۔ تاریخ لیہ کے مولف مہر نور محمد تھند اپنی کتاب کے صفحہ 519 پر لکھتے ہیں۔

"کہ سراو برائن کی تحقیقات کے مطابق بھٹہ سولنگی راجپوت ہیں۔ مولف کے مطابق کافی گھرانے بھٹہ قوم کے لیہ میں پائے جاتے ہیں۔ یہ جٹ کہلاتے ہیں۔"

پھر مزید آگے لکھتے ہیں۔

"بھٹہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ راجہ جگد یو پنوار

راجپوت سے ایک راجہ بھٹا پسر راجہ ویرن تھا۔ اسی کا خاندان بھٹہ کہلاتا ہے۔''

تاریخ اقوام پاکستان کے مصنف عبدالرزاق جنجوعہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ کہ راجہ بھٹہ راجہ کرن کی اولاد سے تھا۔ جو سورج بنسی راجپوت تھا۔ اسی بھٹہ کی اولاد بھٹہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

یہ تین مختلف نظریات اس بنا پر ہیں۔ کہ ہندوستان میں تاریخ لکھنے کا رواج پرانے وقتوں میں نہ تھا۔ جب قدیم زمانے کی تاریخ مرتب کی گئی۔ تو سینہ بہ سینہ روایات کا سہارا لیا گیا۔ مختلف لوگوں نے مختلف روایات بیان کیں۔ لہذا جس مورخ کو جونسی روایت ملی اس نے اسی طرح اس کا اندراج کر دیا۔ دوسرے ایک تاریخی شخصیت کے متعلق مختلف علاقوں میں مختلف روایات بیان کی گئی ہیں۔ اس لئے قدیم تاریخی شخصیات کے متعلق کوئی متفقہ علیہ تحریر نہ ملتی ہے۔ برصغیر کے تمام قدیم حکمرانوں خاص طور پر تاریخ کے نامعلوم دور کے حکمرانوں سے متعلق قطعیت سے کوئی تحریر نہ ملتی ہے۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے۔ ہمارا موضوع تو بھٹہ خاندان کے لوگ ہیں۔ اور خاص طور پر بھٹہ ارائیں۔

مطالعہ نقوش شرقپور کے مولف محمد انور نوشاہی شرقپوری صفحہ 686 پر لکھتے ہیں۔

''اصل میں ضلع حصار (ہندوستان کے صوبہ ہریانہ کا ایک ضلع) میں دو گاؤں سرسہ اور بھٹہ ہیں۔ یہ دونوں گاؤں ارائیوں کے آباد کردہ ہیں۔ بھٹہ گاؤں کا بانی راجہ بھاٹی مورث اعلیٰ خاندان بھٹی کی اولاد سے کوئی شخص تھا۔ بھٹی خاندان کے شجرہ سے جو کہ تاریخ گرجر مولفہ علی حسن گجر چوہان میں تفصیلاً درج ہے کے مطابق کچھ بھٹی راجے بھٹہ کہلاتے تھے۔ اس کا بانی بھی کوئی بھٹہ راجہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس گاؤں کا نام بھٹہ مشہور ہوا ایک بار ایک ایسا زلزلہ آیا۔ کہ سرسوتی خشک ہوگیا۔ پانی کے بغیر کھیت ویران ہوگئے۔ خشک سالی اور قحط کی وجہ سے لوگ یہاں سے نقل مکانی کر گئے۔

ان لوگوں میں ایک بھٹہ نامی راجہ بھی تھا۔ جو شاید اسی گاؤں کی نسبت سے بھٹہ کہلاتا

تھا۔ اس نے سندھ کا رخ کیا اور دریائے ہاکڑا کے کنارے آ کر ایک بستی پر قبضہ کر لیا جو راجہ کے زمانہ میں آباد ہوئی تھی۔ اور رحیم یار خان سے دس میل جانب شمال واقع ہے۔ اسے بھٹہ درپن کہتے ہیں۔ یہ وہی مقام ہے جہاں وادی سندھ کے مشہور رومان سسی پنوں کی داستان عشق کا ایک باب تکمیل کو پہنچا۔ اس زمانہ میں دریائے سندھ اس سے 10 میل کے فاصلے پر بہتا تھا۔ اس مقام پر دریائے سندھ کی دو شاخیں ملتی ہیں۔

اکبری دور کے ملا مبارک کے نامور بیٹے ابوالفضل اور فیضی یہیں پیدا ہوئے تھے۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ بھٹہ درپن ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ابوالفضل کی طرح مدبر یا فیضی کی طرح دانشور اور عالم ہوتا ہے۔ اور سسی کی طرح خوبصورت۔

بہر حال ان میں سے ایک بڑی تعداد مشرق کی طرف نکل گئی۔ اور اضلاع پیلی بھیت بریلی، نینی تال میں جا کر آباد ہوگئی۔ کچھ لوگ پنجاب کی طرف چلے آئے۔ اور کچھ لوگوں نے مغرب کی طرف رخت سفر باندھا اور اضلاع لاڑکانہ، سکھر، اور دادو میں جا کر آباد ہوگئے۔ لاڑکانہ دادو، سکھر میں آباد ہونے والے بھٹو کہلائے اور پنجاب میں آنے والے بھٹہ۔ بھٹہ کی نسبت اس گاؤں سے ہو سکتی ہے اور راجہ بھٹہ کی اولاد بھی ہو سکتی ہے۔

بہاولپور ملتان کے علاقہ میں بھٹہ حکمران رہے ہیں۔ اس کی تصدیق بہاولپور کے بھٹیوں کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جو کہ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ 84 پر درج ہے۔ رانا راج وردھن کے پانچ بیٹے کلیار، اترا، نون، کانجوں اور ہتار تھے۔ روایت کے مطابق رانا راج وردھن کے آباؤاجداد قدیم وقتوں میں گجنی میں رہتے تھے۔ اور وہاں سے ہجرت کر کے دہلی آئے اور پھر کچھ عرصہ بعد بھٹنیر چلے گئے۔ ساتویں صدی ہجری میں راج وردھن نے اپنے قبیلے کے ہمراہ بھٹنیر کو خیر آباد کہا۔ اور چھمب کلیار (جواب لودھراں ضلع میں ہے) میں آباد ہو گیا۔ جوان دنوں ستلج کے جنوبی کنارے پر واقع شہر کے حکمران رائے بھٹہ کی قلمرو میں شامل تھا۔ ستلج کی طغیانی نے شہر کا بڑا حصہ تباہ کر ڈالا تھا۔ لیکن تباہی کی باقیات اب بھی گھارا کے دائیں کنارے پر نظر آتی ہے۔ رانا راج وردھن کی ایک خوبصورت بیٹی تھی جسے رائے بھٹہ اپنی بیوی بنانا

راجپوت سے ایک راجہ بھٹا پسر راجہ ویرن تھا۔ اسی کا خاندان بھٹہ کہلاتا ہے۔''

تاریخ اقوام پاکستان کے مصنف عبدالرزاق جنجوعہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ کہ راجہ بھٹہ راجہ کرن کی اولاد سے تھا۔ جو سورج بنسی راجپوت تھا۔ اسی بھٹہ کی اولاد بھٹہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

یہ تین مختلف نظریات اس بنا پر ہیں۔ کہ ہندوستان میں تاریخ لکھنے کا رواج پرانے وقتوں میں نہ تھا۔ جب قدیم زمانے کی تاریخ مرتب کی گئی۔ تو سینہ بہ سینہ روایات کا سہارا لیا گیا۔ مختلف لوگوں نے مختلف روایات بیان کیں۔ لہذا جس مورخ کو جونسی روایت ملی اس نے اسی طرح اس کا اندراج کر دیا۔ دوسرے ایک تاریخی شخصیت کے متعلق مختلف علاقوں میں مختلف روایات بیان کی گئی ہیں۔ اس لئے قدیم تاریخی شخصیات کے متعلق کوئی متفقہ علیہ تحریر نہ ملتی ہے۔ برصغیر کے تمام قدیم حکمرانوں خاص طور پر تاریخ کے نامعلوم دور کے حکمرانوں سے متعلق قطعیت سے کوئی تحریر نہ ملتی ہے۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ ہے۔ ہمارا موضوع تو بھٹہ خاندان کے لوگ ہیں۔ اور خاص طور پر بھٹہ ارائیں۔

مطالعہ نقوش شرقپور کے مولف محمد انور نوشاہی شرقپوری صفحہ 686 پر لکھتے ہیں۔

''اصل میں ضلع حصار (ہندوستان کے صوبہ ہریانہ کا ایک ضلع) میں دو گاؤں سرسہ اور بھٹہ ہیں۔ یہ دونوں گاؤں ارائیوں کے آباد کردہ ہیں۔ بھٹہ گاؤں کا بانی راجہ بھائی مورث اعلیٰ خاندان بھٹی کی اولاد سے کوئی شخص تھا۔ بھٹی خاندان کے شجرہ سے جو کہ تاریخ گرجر مولفہ علی حسن گجر چوہان میں تفصیلاً درج ہے کے مطابق کچھ بھٹی راجے بھٹہ کہلاتے تھے۔ اس کا بانی بھی کوئی بھٹہ راجہ ہوگا۔ اس وجہ سے اس گاؤں کا نام بھٹہ مشہور ہوا ایک بار ایک ایسا زلزلہ آیا۔ کہ سرسوتی خشک ہوگیا۔ پانی کے بغیر کھیت ویران ہوگئے۔ خشک سالی اور قحط کی وجہ سے لوگ یہاں سے نقل مکانی کر گئے۔ ان لوگوں میں ایک بھٹہ نامی راجہ بھی تھا۔ جو شاید اسی گاؤں کی نسبت سے بھٹہ کہلاتا

تھا اس نے سندھ کا رخ کیا اور دریائے ہاکڑا کے کنارے آ کر ایک بستی پر قبضہ کر لیا جو راجہ کے زمانہ میں آباد ہوئی تھی۔ اور رحیم یار خان سے دس میل جانب شمال واقع ہے۔ اسے بھٹہ واہن کہتے ہیں۔ یہ وہی مقام ہے جہاں وادی سندھ کے مشہور رومان سسی پنوں کی داستان عشق کا ایک باب تکمیل کو پہنچا۔ اس زمانہ میں دریائے سندھ اس سے 10 میل کے فاصلے پر بہتا تھا۔ اس مقام پر دریائے سندھ کی دو شاخیں ملتی ہیں۔

اکبری دور کے ملا مبارک کے نامور بیٹے ابوالفضل اور فیضی یہیں پیدا ہوئے تھے۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ بھٹہ واہن ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ابوالفضل کی طرح مدبر یا فیضی کی طرح دانشور اور عالم ہوتا ہے۔ اور سسی کی طرح خوبصورت۔

بہر حال ان میں سے ایک بڑی تعداد مشرق کی طرف نکل گئی۔ اور اضلاع پیلی بھیت بریلی، نینی تال میں جا کر آباد ہو گئی۔ کچھ لوگ پنجاب کی طرف چلے آئے۔ اور کچھ لوگوں نے مغرب کی طرف رخت سفر باندھا اور اضلاع لاڑکانہ، سکھر، اور دادو میں جا کر آباد ہو گئے۔ لاڑکانہ دادو، سکھر میں آباد ہونے والے بھٹو کہلائے اور پنجاب میں آنے والے بھٹہ۔ بھٹہ کی نسبت اس گاؤں سے ہو سکتی ہے اور راجہ بھٹہ کی اولاد بھی ہو سکتی ہے۔

بہاولپور ملتان کے علاقہ میں بھٹہ حکمران رہے ہیں۔ اس کی تصدیق بہاولپور کے بھٹیوں کی مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جو کہ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ 84 پر درج ہے۔ رانا راج وردھن کے پانچ بیٹے کلیار، اترا، نون، کانجوں اور ہتار تھے۔ روایت کے مطابق رانا راج وردھن کے آباؤ اجداد قدیم وقتوں میں گجنی میں رہتے تھے۔ اور وہاں سے ہجرت کر کے دہلی آئے اور پھر کچھ عرصہ بعد بھٹنیر چلے گئے۔ ساتویں صدی ہجری میں راج وردھن نے اپنے قبیلے کے ہمراہ بھٹیز کو خیر آباد کہا۔ اور چھمب کلیار (جواب لودھراں ضلع میں ہے) میں آباد ہو گیا۔ جو ان دنوں ستلج کے جنوبی کنارے پر واقع شہر کے حکمران رائے بھٹہ کی قلمرو میں شامل تھا۔ ستلج کی طغیانی نے شہر کا بڑا حصہ تباہ کر ڈالا تھا۔ لیکن تباہی کی باقیات اب بھی گھارا کے دائیں کنارے پر نظر آتی ہے۔ رانا راج وردھن کی ایک خوبصورت بیٹی تھی جسے رائے بھٹہ اپنی بیوی بنانا

جاہتا تھا۔ راج وردھن کے بڑے بیٹے کلیار نے اس کی درخواست مسترد کر دی اور نتیجتاً ہونے والی جنگ میں رائے بھٹہ مارا گیا۔ یوں کلیار اس کو فتح کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کا نام چھجب کلیار پڑ گیا۔ اس روایت سے بھٹہ حکمرانی کا پتہ چلتا ہے۔

پروفیسر محمود عباسی صاحب نے جن کا تذکرہ پچھلے ابواب میں ہو چکا ہے، بھی بعض روایتوں کے مطابق ارائیوں کا نکاس اوچ علاقہ ملتان سے بتایا ہے۔ جہاں بہوٹا رائی کی حکومت تھی۔ جو کہ راجہ کرن کی پانچویں پشت سے تھا۔ راجہ کرن سے اکثر راجپوت اپنا سلسلہ جوڑتے ہیں۔

آرائیں بھٹے تقریباً تمام اضلاع میں تھوڑی بہت تعداد میں مل جاتے ہیں۔ لیکن ان کی سب سے بڑی اور نمایاں آبادی ملتان، بہاولپور اور اپر سندھ میں ہی ہے۔ مردم شماری 1881 میں امرتسر میں ایک بھٹہ ارائیں قبیلہ اور بھٹہ راجپوت قبیلہ کا اندراج ہوا تھا۔

آرائیں بھٹو:

وہ بھٹے جو سندھ کے اضلاع لاڑکانہ، سکھر اور دادو میں آباد ہوئے۔ وہ وہاں بھٹو کہلائے۔ کیونکہ سندھی زبان میں حرف کے آخر میں عموماً و کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے سیمجہ سے سیمجو، جون سے جونیجو، جاریجہ سے جاریجو۔ آریجا سے آریجو اللہ دین سے اللہ دینو بھٹو سندھ میں بڑی مقتدر قوم ہے۔ میر ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر بھٹو کا تعلق اسی قوم سے ہے۔

جس طرح بھٹہ لوگوں کی اصل راجپوت ہے اسی طرح بھٹو بھی راجپوت ہیں۔ بھٹوؤں کا اپنا دعویٰ ہے کہ وہ ریاست جسلمیر سے راجپوت ہیں۔ کتاب سندھ، سندھی تہذیب کی سرزمین از عبدالقدوس کے صفحہ 92 کے مطابق بھی وہ راجپوت ہیں۔ اور سمہ قبیلہ کے Associate ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اب ارائیوں میں شامل ہیں۔ اور ارائیں ہیں۔ یہ لوگ بھی ارائیوں میں اسی طرح مدغم ہو گئے ہیں۔ جس طرح راجپوتوں کے دیگر قبائل کے لوگ از قسم کھوکھر، بھٹی، وریاہ۔ بھدر شامل ہوئے ہوں گے۔ بھٹو خود اپنے آپ کو ارائیں کہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تنظیم انجمن ارائیاں (بھٹہ) ضلع لاڑکانہ قائم کی تھی۔ اس انجمن کا جلاس 15 مارچ

1965 کو لاڑکانہ ٹاؤن ہال کے سامنے ہوا تھا۔ جس کے صدر جناب میر ممتاز علی بھٹو تھے۔ جس کی مختصر روداد روزنامہ ''حریت'' کراچی میں یوں چھپی ہوئی ہے۔

بھٹو قبیلے کے افراد کا ایک اجتماع باغ لاڑکانہ ٹاؤن ہال میں زیر صدارت جناب ممتاز علی بھٹو صاحب منعقد ہوا۔ جس میں بھٹو قبیلے کے افراد نے کافی تعداد میں شرکت کی اجلاس شروع ہونے سے قبل اس قبیلے کے موجودہ سردار جناب پیر بخش بھٹو صاحب ممبر قومی اسمبلی کا بیان پڑھ کر سنایا گیا۔ جو قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے کے سبب اس اجتماع میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ اس اجلاس میں بھٹو قبیلے کی تنظیم کے لئے ایک انجمن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کا نام انجمن راعین بھٹو رکھا گیا۔ اس انجمن کے اغراض مقاصد بتاتے ہوئے اعلان کیا۔ کہ یہ انجمن غیر سیاسی ہو گی۔

اس سلسلہ میں ''جنت گزار یم جس سین'' از جی ایم سید صفحہ 122 کی سند موجود ہے۔

''بھٹو اصل میں پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ لاڑکانہ میں بھٹو قبیلے کا مورث اعلیٰ سردار محمد خان آیا تھا۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ بھٹے ارائیں ہیں۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ جسلمیر کے راجپوتوں کی ایک شاخ ہیں۔ جن میں سے کسی نے پنجاب میں جا کر ارائیوں سے رشتے ناطے کر لئے۔''

آرائیں بھاٹیا:

ان کا تعلق بھٹینر اور راجپوتانہ صحرا سے ہے۔ اور یادو بنسی نسل کے راجپوتوں سے تعلق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نام سے لگتا ہے کہ وہ بھاٹی (پنجاب کے بھٹی) ہوتے تھے۔ ارائیں بھاٹیا کاشتکاری کرتے ہیں۔ جبکہ ہندو بھاٹیا تجارتی کاروباری برادری بن گئی ہے۔ ان کا رتبہ کھتری سے بلند ہے۔

آرائیں بھیڈرے:

آریا ابتدائی دور میں دس قبائل نے بھرت بادشاہ دیوداس کے خلاف لڑائی لڑی تھی۔ بھرت دریائے راوی کا رخ موڑنا چاہتے تھے۔ جب کہ باقی آریا قبائل اس کے خلاف تھے۔ اس لڑائی میں ایک بادشاہ بھیڈا نے دیوداس کے خلاف قبائل کی کمان کی تھی۔ اگر چہ وہ مارا گیا تھا لیکن راوی کا رخ

موڑنے کا بھرتوں کا منصوبہ کامیاب نہ ہونے دیا تھا۔بھیڈے اس کی اولاد ہیں۔دس قبائل کی جنگ ہندوستان کی ہر تاریخ میں مل جاتی ہے۔بھیڈے جاٹ اور گجروں کی بھی گوتیں ہیں۔

آرائیں برہمن یا بہمن:

اس ارائیں گوت کا اندراج مختلف کتب میں مختلف اندازے سے ہوا ہے۔کہیں اس کو برہمن لکھا گیا ہے کہیں بہمن، بہمنی اور باہمن لکھا گیا ہے۔بہمنی اور برہمن دو مختلف گوتیں درج ہیں مولف کے مطابق برہمن کی مختلف صورتیں یہی ظاہر ہوتی ہیں۔آریا دور میں جب ذات پات کا نظام پیدا ہوا۔تو برہمن کو سماج میں اونچا درجہ دیا گیا تھا۔مولف کے مطابق یہ اونچ نیچ انسانوں کی پیدا کردہ ہے۔جس کو زمانہ جاہلیت میں تسلیم کیا گیا۔جو کہ کسی طرح درست نہ ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ انسانوں کے اس گروہ نے اپنی ہوشیاری، چالاکی اور اپنی علمی قابلیت کی بناء پر اونچا مقام حاصل کر لیا تھا۔جہاں تک کہ بادشاہ وقت سے بھی برہمن کا رتبہ اونچا تصور ہوتا تھا۔خیر یہ ایک الگ بحث ہے۔برہمن گوت کے ارائیں برہمن قبیلے سے ارائیوں میں شامل معلوم ہوتے ہیں۔برہمنوں کا ارائیوں میں شامل ہونا ثابت کرتا ہے۔کہ ارائیں اصلی آریا لوگ تھے۔ورنہ برہمن جیسی علم کی حامل قوم ہرگز ارائیوں میں شامل نہ ہوتی۔

آرائیں بوسن:

یہ لوگ جاٹ، ارائیں، کمبوہ اور ڈوگر قبیلوں میں شامل ہیں۔ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق وہ حیدر آباد سندھ سے آئے اور بہاولپور، ملتان میں ملتے ہیں۔ان کے جد امجد کو بہاول حق کا مرید بتایا جاتا ہے۔اسے ملتان کے حاکم نے کچھ اراضی سے نوازا تھا۔ملتان میں بوسن کافی بڑے زمیندار ہیں۔اکثر اسمبلیوں کے انتخاب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔حال میں بوسن قوم کا ایک فرد سکندر بوسن وفاقی وزیر خوراک تھا۔

آرائیں بگے:

ان کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے۔کہ یہ بگہ کے نام سے ارائیوں اور بگوئے

کے نام سے جاٹوں میں شامل ہیں۔کمبوؤں میں بھی ملتے ہیں۔جیا بگا قصبہ ان کے نام پر ہے۔ Tribes and Castes کے مطابق گجرات کے بگے آرائیں کمبوؤں سے رشتے ناطے نہ کرتے ہیں۔وہ اپنے آپ کو ان سے افضل شمار کرتے ہیں۔

آرائیں برار:

Tribes and Castes مرتبہ ایچ۔اے روز جس کا ترجمہ ذاتوں کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔اس انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ 60 کے مطابق مردم شماری 1881 کے دوران ارائیوں کی گوت برار کا منٹگمری موجودہ ساہیوال ضلع سے اندراج ہوا۔بھٹی کے ضمن میں ہم نے بھٹیوں کا شجرہ نسب شامل کیا ہے۔جس کے مطابق بھاٹی کی پانچویں پشت میں سدھو برار کا اندراج پایا جاتا ہے۔دراصل یہ بھٹیوں اور وٹوؤں کا بھاٹی بند قبیلہ ہے۔اس ناطے سے یہ دراصل بھٹی راجپوت ہیں۔لیکن یہ جاٹوں میں شامل ہو گئے۔سدھو برار جاٹوں کا کثیر التعداد قبیلہ ہے۔پٹیالہ، نابھہ جنید ریاستوں کے بانی راجے اس سدھو برار قبیلے سے ہوئے ہیں۔اس لئے یہ جاٹوں کا شاہی خاندان شمار ہوتا ہے۔ان ریاستوں کے حکمرانوں کے احوال کتاب روسائے پنجاب میں تفصیل سے درج ہیں۔برار نام کے لوگ جاٹ، ارائیں اور کمبوؤں میں پائے جاتے ہیں۔ڈینزل ابٹسن نے برار گوت کے آرائیوں کو آرائیوں کے پانچ بڑے قبائل میں شمار کیا ہے۔

آرائیں برڑ:

ارائیوں کی گوت ہے۔ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا صفحہ 60 کے مطابق برڑوں کا اصل نام ہوجانی ہے۔کچھ ان کو سمہ کی شاخ کہتے ہیں۔لیکن دیگر کے مطابق ایک علیحدہ قبیلہ ہے۔ان کی روایت کے مطابق وہ جوناگڑھ کے قریب گرنار کے راجہ کی اولاد ہیں۔جو ہجرت کر کے سندھ چلا آیا اور اسلام قبول کر لیا۔اگر پہلی روایت صحیح ہے کہ وہ سمہ کی شاخ ہیں۔تو تاریخ گوجر از علی حسن چوہان گجر کے مطابق سمہ یادوؤں کی ایک شاخ ہے۔ان سے کئی پشت بعد بھٹی قبیلہ معرض وجود میں آیا۔برڑ جاٹوں اور کمبوؤں میں بھی ملتے ہیں۔راجپوتوں کی ایک گوت برڑ ہے۔

آرائیں جھنجھونہ:

ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا صفحہ 155 پر جنجوعہ کے بعد ایک جنجوہانہ ارائیں زراعت پیشہ قبیلہ کا ذکر ملتا ہے۔ جو کہ جنجوعہ ہی کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتا ہے۔ ان کا علاقہ بھی جنجوؤں کے متصل ہے۔ تاریخ گوجر کے صفحہ 395 کے مطابق دہلی کے نزدیک ایک علاقہ جھنجھانہ کے نام سے ملتا ہے۔ جس میں راجپوتوں اور جاٹوں کی آبادی ہے۔ ہوسکتا ہے وہاں سے کچھ لوگ پنجاب آئے ہوں اور علاقہ کی نسبت سے جھنجھونہ کہلائے ہوں۔ ان کا تعلق جاٹوں یا راجپوتوں سے ہوسکتا ہے۔ جاٹوں میں جھنجھ نام کی گوت پائی جاتی ہے۔ جو کہ جھنجھونہ کے قریب تر ہے۔ شاہ پور ضلع سرگودھا میں پائے جاتے ہیں۔ آرائیوں کی ایک گوت ہے۔

آرائیں جندر/ جندراں/ جندرو:

اس گوت کو انگریزوں نے مردم شماری کے وقت جندراں لکھا ہے۔ جبکہ تاریخ ارائیاں از حکیم مہر الدین احمد امرتسری اور غلام محمد مولف تاریخ تحفہ محمدیہ میں جندرو لکھا گیا ہے۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا صفحہ 152 کے مطابق یہ منگل پٹھانوں کے کرم آباد بالا یا بالائی بنگش قبیلہ کی شاخ بھی ہیں۔

گوجروں میں اس سے ملتی جلتی ان کی گوت جندھر یا جھندر ہے۔ شاہان گجر صفحہ 151 کے مطابق یہ چوہان راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ اور سورج بنسی ہے راجہ جھندر رانہ ان کا مورث اعلیٰ ہے۔ جاٹوں کی ایک گوت جھندر ہے۔ جو کہ جندر کے قریب ترین ہے۔ مردم شماری میں آرائیں چندر بہاولپور سے رپورٹ ہوئے۔ کمبوؤں کی بھی ایک گوت ہے۔

جیا:

بہاولپور کے باسی ہیں۔ جو خود کہتے ہیں کہ وہ صحیح تو کمبوہ ہیں۔ ارائیں نہیں اس کے علاوہ تھند، بوسن، جوڑے، دھوت، مروک، سندھے گوتیں ہر دو اقوام کی مشترکہ ہیں۔ انہیں کی بناء پر شاید انگریزوں محققوں کو غلط فہمی ہوئی۔ کہ ارائیں کا ماخذ قوم کمبوہ ہے۔ دونوں کے تعلق پر بڑی

تفصیل سے ماقبل ابواب میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ دونوں آرائیں اور کمبوہ آریا ہیں۔ یہی بات دونوں میں مشترک ہے۔

آرائیں جوڑا/ جوڑے:

یہ لوگ ارائیوں، جاٹوں اور کمبوؤں میں پائے جاتے ہیں۔ گجرات میں ایک جوڑا خاندان پایا جاتا ہے۔ جو سیاست میں بہت نمایاں ہے۔ مردم شماری 1881 کے مطابق ارائیں جوڑے امرتسر سے رپورٹ ہوئے۔ سابق وزیر چوہدری اسد الرحمٰن کے قریبی عزیز چوہدری محمد اسلم جوڑا آرائیں ہیں جو ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع میں ایک مقتدر شخصیت ہیں۔

آرائیں تھند:

یہ گوتیں ارائیں، جاٹ، اور کمبوہ میں مشترک ہیں۔ جاٹ قدیم حکمران صفحہ 749 کے مطابق اس خاندان کا نام ٹانڈی تھا۔ سجاد و ہمان براہمن (ایک پرانی ہندو کتاب) میں ایک تھندی خاندان کا نام ملتا ہے۔ بعد کے تھند چغتائی خاندان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن تاریخ لیہ کے مولف کے مطابق تھند کمبوہ خاندان کی ذیلی شاخ ہے۔ لیہ تھل کے کئی دیہات میں وسیع جائیداد کے مالک ہیں۔ تھند، دھوت اور جگ بنیادی طور پر ایک ہی خاندان ہیں۔ کچھ لوگ ملک اور کچھ مہر کہلاتے ہیں۔ ملک غلام حیدر تھند سیاست میں بڑے ممتاز ہیں۔

آرائیں سوہانہ/سوہنا:

سوہادہ ضلع جہلم کا ایک تاریخی قصبہ ہے۔ جس کی بنیاد سوہادہ نامی ایک شخص نے رکھی تھی۔ اس کے نام پر قصبہ کا نام پڑا۔ 20 جنوری 2008ء کو روزنامہ جنگ اتوار کے میگزین میں حکیم افتخار احمد کا ایک مضمون ''پوٹھوہار کے قدیم اسٹوپے'' شائع ہوا۔ جس کے مطابق قدیم سوہادہ ایک پہاڑی کے دامن میں آباد تھا۔ پہاڑی پر قدیم کھنڈرات، قبریں اور کنواں واقع ہیں۔ اس پہاڑی پر ایک راجپوت قوم سوہا آباد تھی۔ راجپوتوں کی قوم سوہا غیر آباد ہو کر علاقہ جسلمیر (بھارت) چلی گئی۔ معلوم ہوتا ہے سوہا قوم کی باقیات معمولی سی نام کی تبدیلی سے سوہانہ کے نام

سے موسوم ہوگئی ہے۔مردم شماری میں سوہانہ گوت کے ارائیں اپنے قدیم مسکن کے قریب ہی گجرات میں پائے گئے۔ذاتوں کے انسائیکلوپیڈیا کے مطابق سوہنا بھی ارائیوں کی گوت ہے۔ جوشاید انہی سوہا سے ہی مشتق ہے۔اوکاڑہ سے الیکشن 2008ء میں محمد اشرف خان سوہنا نے صوبائی اسمبلی کا الیکشن لڑا، کامیاب ہوا اور پیپلز پارٹی کے کوٹے سے وہ صوبائی وزیر ہے راجپوت کے مولف کے مطابق یہ بھٹی راجپوتوں کا ایک ذیلی قبیلہ ہے۔سوہنا کے نام سے یہ جاٹوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

ساندہ/ساندا/ساندھے:

اس گوت کو مختلف جگہ پر مختلف انداز سے لکھا گیا ہے۔کہیں ساندا۔کہیں ساندہ اور کہیں ساندھے اور کہیں ساندے اور کہیں ساندی، کہیں سندہ۔ذاتوں کے انسائیکلوپیڈیا کے مطابق سندا ملتان میں جٹ کہلاتے ہیں۔آئین اکبری مرتب کئے جانے کے دور میں وہ راوی کے موجودہ دہانے پر آباد ہو چکے تھے۔سندہ یا ساندہ یا ساندا ڈھلوں جٹوں کی ایک شاخ ساندا ہے۔ساندی بھٹنیر کے راجپوت ساندہ کی نسل سے ہیں۔اب صحیح طور پر اس بات کا تعین کرنا مشکل ہے۔کیونکہ بسیار کوشش کے باوجود صحیح مواد نہ مل سکا ہے۔تاریخی کتب میں اس سے زیادہ مواد نہ ملتا ہے۔ بہرحال یہ طے ہے کہ ارائیں گوت کا تعلق انہیں میں سے کسی سے ہے۔لاہور میں ایک بڑی آبادی کا ساندہ نام کا محلّہ ہے۔جہاں ارائیوں کی آبادی تھی اور ہے۔جہاں کے ارائیں بڑے خوشحال ، بااثر اور مقتدر ہیں، ملک کہلاتے ہیں۔ملک تاج الدین اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب و نیز جنرل سیکرٹیری انجمن ارائیاں ہند بہت مشہور شخص ہوئے ہیں۔موجودہ دور میں افتخار علی ملک پاکستان کے مایہ ناز صنعتکار ہیں۔آل پاکستان چیمبر اور کامرس کے صدر رہ چکے ہیں۔چیمبر کے نہایت ہی افعال اشخاص میں ان کا شمار ہوتا ہے۔کمبوؤں کی ایک گوت ساندھے بھی ہے۔

آرائیں رامے:

ارائیوں کی مشہور گوت ہے۔پاکستان کے نامور مورخ یحیی امجد نے اپنی تاریخی کتاب الموسوم ''تاریخ پاکستان'' صفحہ 418 پر ایک شجرہ نسب نقل کیا ہے۔

رامے کا شجرۂ نسب

برہما
- بھرگو۔پالوما
  - چمن رشی۔سکسینا (ایک کھتری راجہ سرجیتی کی بیٹی)
    - راچک۔ستوانی (کھتری راجہ گدھر کی بیٹی)
      - جمدا گیتا۔زانوکا (جاٹ راجہ پرسین کی بیٹی)
        - پرسورامے
    - پرامتارشی۔گوتاجی
      - اورو۔پرماویر
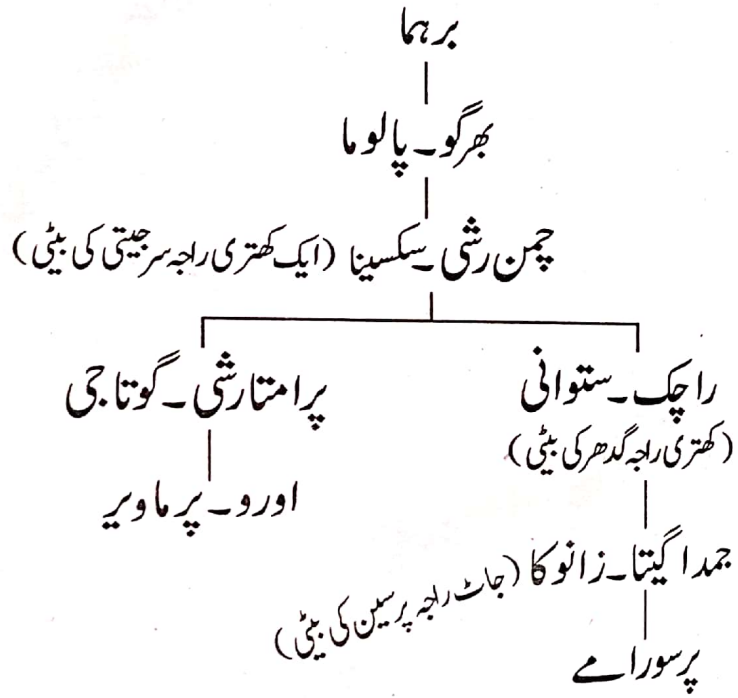
اس سے آگے لکھتے ہیں ''رائے ایک ارائیوں کی گوت ہے۔ جو امرتسر سے تعلق رکھتی ہے۔ راجپوت مولفہ ایم۔اے رشید رانا کے صفحہ 203 کے مطابق رائے راجپوت ہیں۔

ارائیوں کی اس گوت کو محمد حنیف رائے نے چار چاند لگا دیئے ہیں۔ وہ پنجاب کے سب سے پہلے ارائیں وزیر اعلیٰ تھے۔ جبکہ مرکز میں ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان تھے۔ چوہدری انوار الحق رائے بھی رائے گوت کے نامور سپوت ہیں۔ جو دور طالب علمی میں سٹوڈنٹ لیڈر رہتے۔ ایک بار رکن قومی اسمبلی منتخب ہو چکے ہیں۔ اور 2008ء کے الیکشن میں بھی قومی اسمبلی کی ممبر شپ کے لئے الیکشن لڑ رہے ہیں۔ محمد حنیف رائے اور ان کے خاندان پر علیحدہ روشنی ڈالی جائے گی۔ میر ذوالفقار علی بھٹو کی خدمات عالیہ کا ذکر علیحدہ باب میں کیا جائے گا۔ غالباً راں قبیلے کے ساتھ بھی رائے قبیلہ کا کچھ تعلق ہے۔

آرائیں گہلن /گیلن:

ڈینزل ابٹسن اپنی کتاب Punjab Castes کے صفحہ نمبر 194 پر جو انہوں نے مردم شماری 1881ء کی روشنی میں مرتب کی تھی، یوں لکھتے ہیں۔

''ارائیوں کی سب سے بڑی ذیلی شاخیں، گہلن، چنڈور، چھچھر، سندھو، اور برار ہیں۔''

گویا ان پانچ ذیلی شاخوں/گوتوں کے لوگ ارائیوں میں سب سے زیادہ ہیں۔ گہلن ان پانچ بڑے قبائل میں سے ایک ہیں۔ جو ارائیوں میں شامل ہیں۔ تاریخ جہلم مولفہ انجم سلطان شہباز صفحہ نمبر 311 کے مطابق گہلن راجپوت ہیں۔ گہلن نام کا قبیلہ ڈوگروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب ڈوگر مولفہ غلام مصطفیٰ ڈوگر کتاب ''راجپوت'' کے صفحہ نمبر 202 کے مطابق ڈوگر چوہان راجپوتوں کی ذیلی شاخ ہیں۔ گویا گہلن آرائیں قبیلہ کا تعلق چوہان راجپوتوں سے ہے۔

آرائیں مندر/مند/مندن:

اس قبیلہ کے لوگ ارائیوں اور ڈوگروں میں شامل ہیں۔ گویا یہ ارائیوں اور ڈوگروں کی گوتیں/ذیلی شاخیں ہیں۔ ''ڈوگر'' کے صفحہ نمبر 329 پر یوں درج ہے۔

''ڈوگروں کے علاوہ ہوشیار پور میں ارائیوں کی ایک گوت مندر، پشاور میں پٹھانوں کا ایک قبیلہ مندر، ضلع بونیر صوبہ سرحد میں ایک قبیلہ مندر، جاٹوں کا ایک قبیلہ مندر جو شجاع پور، رولو چک اور چک مندر میں آباد ہے۔ یہ گاؤں گہلو زری تحصیل نوشہرہ میں واقع ہے۔

''ڈوگر'' کے مولف نے ـــــ صفحہ نمبر 342 پر نغمہ گوتان ڈوگر درج کیا ہے۔ جن میں مندر ڈوگر قبیلے کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں۔

گاواں بنانچ تے کوہلی	سچی مندر دی مندرائی
اچی ذات مہنی تے ماہملے	بہہ تھال مندر دے کھان

دوسرے شعر کی تشریح کرتے ہوئے مولف خود ہی لکھتے ہیں۔

مہنی اور ماہملے بڑی اونچی ذات کے گنے گئے ہیں۔ لیکن وہ مہمان مندر ڈوگروں کے ہی رہتے تھے۔

مولف ڈوگر کے مطابق مہمان نوازی میں مندر تمام ڈوگروں سے بڑھ کر تھے۔ ویسے بھی مندر ڈوگروں کا تیسرا بڑا قبیلہ ہے۔

''نظم گوتاں ڈوگر'' مولف کو مندر قبیلے کے میرزادے اللہ دتہ ساکن دھیر دا نے سنائی تھی۔

آرائیں چھینی/چھنی/چنی

ہو بہو اسی شکل میں آرائیوں اور ڈوگروں کی یہ گوتیں ہیں۔ مولف ڈوگر 341 پر لکھتے ہیں۔ جٹوں کی گوت چھینہ اس سے ملتی جلتی ہے۔ اصل نام یہاں بھی چھینہ ہی ہوگا۔ جو بعد از اں مختصر ہو کر چھینی رہ گیا۔ چھنی یا چنی نام کی گوت بھی غالباً اسی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

''تاریخ لیہ'' مولفہ مہر نور محمد تھند صفحہ نمبر 539 کے مطابق وٹو اور چھینے ایک ہی خاندان سے ہیں۔ میراثیوں کے شجرہ نسب کے مطابق سری کرشن جی کی بارھویں پشت میں راجہ گیلن نے اپنے بھائی پھمن اور فلگرن کی جاگیرات موسوم بھیگم پور چھین لیں۔ اس سے راجہ گیلن کی اولاد چھینہ/چھینا (چھیننے والا) کہلائی۔

ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا صفحہ 199 کے مطابق یہ وٹو ووں کے قرابت دار ہیں ۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے۔

شجرہ نسب

- اچھر
  - جے پال
    - چھینہ
  - راج پال
    - وٹو

ان کی تین شاخیں تاریکا، مہرمیکا، اعظیمکا ہیں امرتسر میں انہیں مردم شماری میں زراعت پیشہ جٹوں کے طور پر شمار کیا گیا۔ امرتسر میں ارائیں اور ڈوگروں کی کافی بڑی تعداد آباد تھی۔ اس لئے ان کا ارائیوں اور ڈوگروں میں شامل ہونا قرین قیاس ہے۔ چھینی ڈوگروں کا دوسرا بڑا قبیلہ ہے۔ چھینی ڈوگروں کے متعلق نغمہ گوتاں میں شعر ملاحظہ ہو۔

چھینی جر ماں دا پنگالا   جد سے کھائے گھر دھنیالا

چنی وسے پنڈ سوہادہ ----------

آرائیں روپال:

روپال قبیلہ کے لوگ آرائیں اور ڈوگروں میں پائے جاتے ہیں۔ ارائیں روپال اور ڈوگر روپال امرتسر کے زرعی قبیلے رپورٹ ہوئے۔ مولف ڈوگر کے مطابق مردم شماری 1881ء میں روپال ان پانچ بڑے قبائل (چغتہ، کھوکھر، کھتری، متر، روپال) میں شامل ہے۔ جن سے ڈوگروں کی باقی تمام ذیلی شاخیں معرض وجود میں آئیں۔ چونکہ روپال ایک بڑا قبیلہ تھا۔ اس سے الگ ہو کر کچھ افراد قوم ارائیوں میں شامل ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ دونوں ہی ایک دوسرے کے ہمسایہ تھے۔

مولف ''ڈوگر'' اپنی کتاب کے صفحہ 378 پر لکھتے ہیں۔ روپال شاید رائے پال امرتسر میں ارائیوں کا بھی ایک قبیلہ ہے۔ 1079 مین ضلع ساہیوال کے علاقے میں واقع ایک قلعہ قائم تھا۔ جو محمود غزنوی نے فتح کیا تھا۔ اس کا نام روپال تھا۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا میں روپال آرائیں قبیلہ درج ہے۔

نغمہ گوتاں میں روپال کا ذکر یوں ملتا ہے۔ دوجے کول روپال چنگیرے، برکت نام جہناں دے ڈیرے،

گنگو:

معلوم ہوتا ہے کہ گنگو نام کا ایک قبیلہ تھا۔ جو تقسیم ہو کر گنگو کے نام سے ارائیوں میں گنگی کے نام سے ڈوگروں اور گنگووی نام سے گجروں میں شامل ہو گیا ہوا ہے۔

مولف ''ڈوگر'' ڈوگروں کی گوت گنگی کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ گنگ ہندی میں ندی کو کہتے ہیں۔ ہندی زبان میں ہیر رانجھے کے قصے کے سب سے پہلے مصنف کا نام گنگی بھٹ تھا۔

گنگ سے گنگی، گنگا سے گنگی تحصیل بڈگام کشمیر میں ایک گاؤں کا نام گنگی ہے۔ علاؤالدین خلجی کے عہد میں ایک حملہ آور مغل سپہ سالار کا نام گنگ تھا۔ 1025 میں قنوج کا حکمران گنگونامی تھا۔ اسی زمانے میں دھار کے علاقے کا ایک شہر گنگن نام بھی تھا۔ غالباً اس قبیلہ کا نام گنگ، گینگو سے ہی نکلا ہے۔ نغمہ گوتاں میں گنگی کے متعلق شعر ملاحظہ فرمائیں۔

پہلاں مستراں ملکائی، بچے رئی گنگی بھاٹی

نوائے وقت کے نامور کالم نگار رفیق ڈوگر کا تعلق گنگی ڈوگر قبیلہ سے ہے۔

آرائیں کاکڑ:

کاکڑ گوتیں ارائیوں اور جاٹوں میں پائی جاتی ہیں۔ کاکڑ کوہ سلیمان بلوچستان قابض پٹھان قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے۔ یہ لورا کے مرتفع خطے میں رہتے ہیں۔ جو کہ کافی زرخیز ہے۔ امرتسر میں ایک زراعت پیشہ پٹھان قبیلہ ملتا ہے۔ مردم شماری میں ارائیں کاکڑ گوت کا قبیلہ امرتسر میں آباد تھا۔ دونوں قبیلوں کا آپس میں ادغام قرین قیاس ہے۔ کاکڑ ارائیوں کا ماخذ یقیناً کاکڑ پٹھان ہیں۔

آرائیں پٹھان:

یہ قبیلہ ارائیں اور کمبوؤں دونوں میں پایا جاتا ہے۔ کسی پٹھان قبیلے نے گورداسپور کا پٹھان کوٹ قصبہ آباد کیا ہوگا۔ یہ پٹھان قبیلہ ارائیں اور کمبوؤں میں مدغم ہوگیا۔ اور اس کا ایک حصہ پٹھان کی کوٹ کی نسبت سے پٹھانیہ نام سے راجپوتوں میں شامل ہوگیا۔ یہی قبیلہ کانگڑہ میں نور پور ریاست کا حکمران خاندان بنا۔

آرائیں رمبا:

ارائیوں کی گوت ہے پنجاب میں پندیر راجپوت کا اصل مرکز کرنال اور انبالہ میں

تھانیسر اور کوروکشیتر تھا۔ جن کے صدر مقامات پونڈری رمبا باہڑی اور پونڈرک تھے۔ پندیر راجپوتوں کی دہیا شاہی نسل سے تھے۔ وہ دہلی کے چوہانوں کے نہایت ہی طاقتور منصب دار تھے۔ چوہانوں نے ہی ان کو ان کے صدر مقامات سے بیدخل کر دیا۔ ممکن ہے رمبا نسل کے ارائیں رمبا میں رہنے والے پندیروں کی نسل سے ہوں۔ یہ دوسری صورت میں چوہانوں کا شجرہ نسب اگر دیکھا جائے تو اس میں رائے رمبا حکمران کا نام آتا ہے۔ ممکن اسی رائے رمبا کی اولاد رمبا کہلائی ہو۔ کیونکہ چوہان کرنال میں بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ چوہانوں کا شجرہ نسب تاریخ گرجر مولفہ رانا حسن علی گجر چوہان ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ پندیر راجپوتوں کا بہت نمایاں قبیلہ تھا۔

آرائیں چاؤلی/ چاؤلا/ چاؤلہ:

ملاحظہ ہوا ارائیں گوتیں ان میں چاؤلی ارائیں گوت موجود ہے۔ چاولیہ راجپوتوں کے 36 شاہی خاندانوں میں سے ایک ہے۔ مرور ایام کے ساتھ چاولیہ کھشتری، کھتری ٹھہرے۔ ایک حصہ چاؤلی کے نام سے ارائیوں میں شامل ہوا۔ چاؤلہ کھتریوں کی ایک نمایاں گوت ہے۔ اس سے ''مخزن پنجاب'' کے مولف مفتی غلام سرور قریشی کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ جب وہ کہتے ہیں کہ آرائیوں کا نکاس راجپوتوں اور کھتریوں سے ہے۔

آرائیں روڑے:

روڑے اصل میں اروڑے ہیں۔ مولف کے سابقہ گاؤں واقعہ ضلع گورداسپور میں اروڑے نام کا مسلمان ارائیں قبیلہ تھا۔ جواب گجر سنگھ ضلع فیصل آباد میں آباد ہے۔ روڑے یا اروڑے اصل میں کھتریوں کی ایک ذیلی شاخ ہیں۔ اور ان کے ہم مقام ہیں۔ روڑے تجارت کے پیشہ سے بھی منسلک ہیں۔ وہ قابل تعریف کاشتکار بھی ہیں۔ کاشتکار اروڑے کچھ ارائیوں میں بھی شامل ہو گئے ہوئے ہیں۔ جس سے آرائیوں کی گوت روڑے/اروڑے معرض وجود میں آئی۔

آرائیں سگی:

سگی جاٹ حکمران کے صفحہ نمبر 216 کے مطابق کھتری ہیں۔سگی نام کا ایک موضع راوی کے کنارے لاہور کے نزدیک واقع ہے۔راوی کے ایک پل کا نام سگیاں پل اسی گاؤں کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔سگیاں میں سگی گوت کے ارائیں آباد ہیں۔

جہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے۔کہ کھتری اصل میں ماضی کے کشتری ہی ہیں۔ذاتوں کے انسائیکلوپیڈیا کے مطابق کھتری یقینی طور پر سنسکرت کے کشتریہ ہی کی صورت ہیں یعنی کھتری کشتری کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔پانچویں رچھٹی صدی عیسوی میں ہنوں، یوچی، ترک منگول قبائل کا آریہ کے ساتھ وسیع ادغام ہوا۔اس نئی نسل کے طبقوں اور سابقہ داروڑی لوگوں بھیل اور گونڈ اور بہت سے سیاہ فام قبیلوں کو برہمنوں نے بدھ مت کو ختم کرنے کے لئے راجپوت کا نام دیا اور ان کو چھتری قرار دیدیا گیا۔پرانے کشتری جن سے آریوں کے وقت کے حکمران اور فوجی طبقات ہوتے تھے۔وہ گوشہ گمنامی میں چلے گئے اور انہوں نے مختلف پیشے اختیار کر لئے۔اکثر نے تجارت کو اپنا لیا۔پنجاب میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے۔کہ سب ہی امیر اور تجارت پیشہ نہیں ہو سکتے۔اور متعدد زمین کے مالک ہیں۔جسے وہ کاشت کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ نوکری کرتے ہیں اور مختلف پیشوں سے وابستہ ہیں۔کانگڑہ کی پہاڑیوں میں مردم شماری کے وقت وہ بطور گلہ بان بھی ملے۔دہلی میں کھتری تاجروں کی بہت بڑی تعداد ہے۔برصغیر میں اب وہ عمومی طور پر تجارت سے وابستہ ہیں۔وہ حیرت انگیز طور پر خوبصورت نسل ہیں۔آریا ہونے کی بناء پر رنگ اور چہرہ کے خدوخال میں ارائیوں سے مشابہ ہیں۔ان کے رنگ ارائیوں سے زیادہ کھلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ارائیوں کی طرح دھوپ اور گرمی کی تمازت میں کام نہ کرتے ہیں۔

پنجاب کے لوگوں میں کھتری دیگر تجارت پیشہ ذاتوں سے قطعی مختلف حیثیت رکھتا ہے۔وہ ان سے قد وقامت، مردانہ پن اور طاقت میں برتر اور ان کی طرح محض دوکاندار ہی نہیں بلکہ منو کے کشتریہ کا براہ راست نمائندہ ہے۔سندھ کے شہروں میں ہندو کھتری کافی تعداد میں پائے

جاتے ہیں۔کراچی میں مسلمان کھتری پائے جاتے ہیں۔جو اپنے نام کے ساتھ کھتری لکھتے ہیں۔حیدرآباد ضلع کا DCO مسلمان کھتری ہے۔ان کی گوتیں ملہوترا، مہرا، کھنہ، کپورا، اور سیٹھ اہم ہیں۔

آرائیں کپور رکپورا رکپورے:

آرائیوں کی ایک گوت کپورا ہے۔جو کھتریوں کا ایک قبیلہ ہے۔ہندوستان کی فلم انڈسٹری میں کپور خاندان بہت نمایاں ہے۔جمع کے صیغے سے ان کو کپورے کہا جاتا ہے۔مولف کے کچھ قریبی رشتہ دار کپورا گوت کے ہیں جو تمام سفید رنگت ہیں۔

آرائیں گدی:

ارائیوں کی ایک گوت گدی ہے۔ان میں ایک خاندان سابقہ ضلع گورداسپور تحصیل بٹالہ گاؤں کھجالہ سے مہاجر ہے۔جو اب فیصل آباد کے ایک گاؤں گجر سنگھ میں آباد ہے۔ذاتوں کے انسائیکلوپیڈیا کے صفحہ نمبر 328 کے مطابق کانگڑہ کی پہاڑیوں میں گلہ بانی کرنے والے کھتری گدی کہلاتے تھے۔ارائیں گدی اس کھتری گلہ بان نسل سے ہیں۔کانگڑہ اور گورداسپور کی سرحدیں ملحقہ ہیں۔

اس لئے گدی کھتریوں کا ارائیوں سے ادغام خلاف قیاس نہ ہے۔موضع گجر سنگھ کے گدی دراز قامت اور خوبصورت لوگ ہیں۔معلوم ہوا کہ کھتریوں کی کافی شاخوں کے لوگ آرائیوں میں شامل ہیں۔یاد رہے کہ کھتری سابقہ آریا دور کے کھشتری ہی ہیں۔

آرئیں جوسن:

امرتسر میں زراعت پیشہ ارائیں اور کمبوہ قبیلہ کے طور پر مردم شماری میں رپورٹ ہوئے۔ملتان میں اس نام کا جٹ قبیلہ ہے۔منٹگمری میں زراعت پیشہ ہندو کمبوہ قبیلہ کا اندراج ملا تھا۔ایک کھتری گوت بھی جوسن ہے۔ملاحظہ ہو۔ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ نمبر 159

آرائیں چنڈ ور/ چندو/ چندوار:

چنڈ ور یا چندوار ارائیوں کے پانچ بڑے قبائل میں سے ہے۔ منٹگمری اور امرتسر میں وقت مردم شماری میں پائے گئے۔ اس سے ملتا جلتا ایک چندرار قبیلہ منٹگمری میں ہے۔ جوکہ راجپوت ہے۔ اور زراعت پیشہ ہے۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا میں اس کو چدھڑ قبیلہ سے ہی شناخت کیا گیا ہے۔ اسی طرح چندڑ راوی کے مغرب میں ملنے والی ایک جٹ شاخ جس کو چدھڑ سے شناخت کیا گیا۔ چدھڑوں کی بڑی تعداد بلاشبہ راجپوت اور تھوڑی تعداد جٹ کہلاتی ہے۔

مطالعہ نقوش شرقپور مولفہ انور شرقپوری صفحہ 610 میں چنڈ ور خاندان کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے مطابق ملکی فتوحات کرنے والے مختلف طریقوں سے جنگیں لڑتے تھے۔ اسلامی افواج کے کمانڈر اپنے لشکر کے تین حصے کرتے تھے۔ دائیں طرف کا لشکر میمنہ کہلاتا تھا۔ بائیں طرف والا لشکر میسرہ اور درمیان والے لشکر کو قلب کہتے تھے۔ ہر حصے کا ایک امیر لشکر ہوتا تھا۔ تاہم قلب والے آفیسر کے احکام پر میمنہ اور میسرہ کے آفیسر عمل کرتے تھے۔

ہندوستانی افواج کا طریقہ جنگ اس سے مختلف تھا۔ وہ بھی اپنی افواج کے تین حصے کرتے تھے۔ سب سے اگلے دستے کو ہراول دستہ کہتے۔ اور سب سے پچھلے دستے کو چنڈ ور اور درمیان والے کو دھیتر کہتے تھے۔ ہراول دستے کی تعداد تھوڑی ہوتی تھی۔ دھیتر والے دستے کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اور چنڈ ور دستے کی تعداد ہراول دستے کی تعداد سے زیادہ مگر دھیتر دستے سے کم ہوتی تھی۔ چنڈ ور دستے کی سپاہ کا کام پیچھے کے حملے سے افواج کو تحفظ دینا ہوتا تھا۔ یا ان کی گری پڑی چیزیں (تلوار، ڈھال، تیر، یا کپڑا، برتن وغیرہ) ان تک پہنچانا ہوتا تھا۔ علاوہ اس کے جب افواج رات کو کسی جگہ پر قیام کرتیں۔ تو رات کو پہرہ دینا بھی ان سپاہیوں کے سپرد ہوتا تھا۔ اور پھر جب یہ سپاہ کوچ کرتی تو ان کی بھول جانے والی چیزیں سنبھال لیتے تھے۔ لہذا ہندوستانی افواج میں قبل از اسلام یا بعد از قبول اسلام جن لوگوں نے یہ خدمات سرانجام دیں ہیں۔ انہیں چنڈ ور کہتے ہیں۔ شرقپور شریف کے بانی حافظ خاندان کے افراد کا تعلق چنڈ ور خاندان سے ہے۔ یہ لوگ دیپال پور سے یہاں آئے اور اس شہر کی بنیاد رکھی۔

شرقپور کے یہ لوگ بڑے نفاست پسند ہیں۔ اور شروع سے اب تک مقتدر اور معزز چلے آرہے ہیں۔ حافظ ملک نور علی، ملک احمد سعید، ملک سرفراز، ملک افتخار، ملک محمد رمضان جوڑا کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ یہ خاندان سیاست میں بڑا نمایاں ہے۔ ایم۔ این۔ اے، ایم۔ پی۔ اے اس خاندان سے منتخب ہوتے رہتے ہیں۔ ملک سرفراز احمد پنجاب حکومت میں وزیر بھی رہے ہیں۔ چنڈ ور آرائیوں کے پانچ بڑے قبائل میں سے ہیں۔

ارائیں نین:

نین قبیلے کے لوگ ارائیوں، جاٹوں اور راجپوتوں میں ملتے ہیں۔ نین لوگ تنوار راجپوت ہونے کے دعویدار ہیں۔

نقوش مطالعہ شرقپور کے صفحہ نمبر 666 کے مطابق نین راجپوتوں کا قبیلہ تھا جو اپنا تعلق راجہ نین سے بتاتے ہیں۔ راجہ کا اصلی نام تو کچھ اور تھا۔ مگر اس کی آنکھیں اس قدر حسین تھیں کہ ہر کوئی انہیں دیکھنے کا متمنی رہتا تھا۔ بھاٹ اس کی آنکھوں کی بڑی تعریف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسے راجہ نین کے نام سے شہرت مل گئی۔ اس کی نسل سے تعلق رکھنے والے نین کہلاتے ہیں۔ نینوں کی زیادہ آبادی پٹیالہ اور حصار کے دور دور علاقوں میں ہے۔ دہلی میں بھی یہ لوگ آباد ہیں۔ نینوال انہیں لوگوں کا بسایا ہوا ہے۔

شرق پور شریف کے نین آرائیں ملک کہلاتے ہیں۔ اس خاندان کے بہت سے افراد نے علمی فضیلت میں کمال حاصل کیا۔ حکیم ملک حسن علی، ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک، ڈاکٹر محمود علی ملک، غضنفر علی ملک، اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

شرق پور شریف میں جو نین ملک آباد ہیں وہ نینوال سے حافظ جمال (بانی شرقپور شریف) کے یہاں آنے کے بعد کوئی پانچ چھ سال بعد آکر آباد ہوئے۔

آرائیں پھُکھر/ جھبھر:

ان گوتوں کے دو قبیلے ارائیوں میں پائے جاتے ہیں۔ مردم شماری میں دونوں ہی امرتسر سے رپورٹ ہوئے تھے۔ پھُکھر ارائیوں کے تعداد میں پانچ بڑے قبائل میں سے ایک ہے۔

ہم نے پچھلے ابواب میں سندھ کے ایک قدیم حکمران رائے خاندان کا ذکر کیا ہے۔اس نے اپنی سلطنت کومختلف صوبوں برہمن آباد، سیوستان، اسکلند ،اور ملتان کے ناموں سے تقسیم کر رکھا تھا۔

یحییٰ امجد اپنی تاریخی کتاب کے صفحہ نمبر 373 پر اسکلندہ کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔

''اسے چچ نامہ میں اسکندہ لکھا گیا ہے۔مجمل التواریخ میں عسقلندا اور دیگر تمام ماخذ میں اسکلندہ ، ہم گذشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔کہ اسکلند اچ کا پرانا نام ہے صوبہ اسکلند یا اوچ میں بھاٹیہ سوارہ اور جھاجھور کے علاقے شامل تھے۔اور اس کے علاوہ دھنود کے اضافی علاقہ جات بھی شامل تھے۔بعض نسخوں میں جھاجھور کو چھچھ پورہ بھی لکھا گیا ہے۔(سندھی زبان میں چھاچھر کا مطلب ہے دور تک پانی ہی پانی)۔

بھاٹیہ دریائے بیاس کے جنوب میں واقع قلعہ بند شہر تھا۔چچ نامہ میں ہے۔کہ بھاٹیہ کو اب تکواڑہ اور چچ پور کہتے ہیں۔ہوسکتا ہے اس سے مراد موجودہ چاچڑاں ہو۔اس سے مراد قصبہ چھاچھرہ نہیں لیا جاسکتا ہے۔کیونکہ وہ بہت دور جنوب میں ہے۔اور برہمن آباد میں شامل ہوگیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ججھوریا چھچھ اوچ صوبے کا ایک قصبہ تھا۔اور چھاچھر نام کا ایک قصبہ وہاں موجود تھا۔اب یہ بات مسلمہ ہوچکی ہے۔ارائیوں کا ابتدائی مرکز اوچ ہی تھا۔یہاں سے وہ تاریخ کے ابتدائی دور میں سرسہ اور وادی گھگر میں گئے تھے۔

اس علاقہ جھجھور یا چھچھ پورہ یا چھاچھرہ کی نسبت سے ارائیوں کا قبیلہ چھچھر یا جھجھر وجود میں آیا۔ہم یہ بھی ذکر کر چکے ہیں کہ اوچ کے علاقے میں بھٹی، بھاٹیہ، بھٹہ لوگ آباد تھے۔محمود غزنوی نے بھٹوں کو شکست دی تھی اور اس طرح چھچھر، جھجھر قبیلہ کا تعلق راجپوت، بھٹی، بھٹہ خاندان سے ممکن ہے۔ہوسکتا ہے یہ قبیلہ بھی دیگر قبیلوں کی طرح وہاں سے متفرق ہوگیا ہو۔اور نئے علاقوں میں اپنے سابقہ علاقوں کی نسبت سے جھجھر یا چھچھر کہلانے لگا۔

یہ قبیلہ بھی سیاست میں نمایاں ہے۔اس خاندان سے ایک شخص اب نام یاد نہ آرہا ہے؟ ایم۔پی۔اے منتخب ہوا تھا۔راجپوتوں کا ایک قبیلہ چھچھڑ ہے۔ممکن ہے چھچھر اسی سے مشتق ہو۔

چھچھر آرائیوں کے پانچ بڑے قبائل میں سے ایک ہے۔

آرائیں سندھو:

یہ قبیلہ ارائیوں اور جٹوں میں پایا جاتا ہے۔سندھو دوسرا سب سے بڑا جٹ قبیلہ ہے۔صرف سدھو اس سے تعداد میں سبقت لے گیا ہے۔بقول ابٹسن سندھو ارائیوں کے پانچ بڑے قبائل میں سے ایک ہے۔سندھو ایودھیا کے رام چندر سے ہوتے ہوئے راجپوتوں کی رگھوبنسی شاخ سے اپنی نسل قرار دیتے ہیں۔سندھو قبیلہ راجپوتوں کے 36 شاہی خاندانوں سے ایک ہے۔ان کا کہنا ہے کہ محمود غزنوی ان کے مورث اعلیٰ کو اپنے ساتھ لے گیا یا وہ خود ہی چلا گیا اور تیرھویں صدی میں فیروز شاہ کے دور میں افغانستان سے واپس انڈیا آباد ہوا۔کچھ عرصہ بعد اس نے لاہور کے نزدیک مانجھا میں رہائش اختیار کرلی۔کچھ سندھو کہتے ہیں کہ وہ جس غزنی سے آئے تھے وہ افغانستان میں ہی تھا۔جبکہ دیگر کے مطابق یہ جگہ بیکانیر میں غزنی تھی۔جالندھر والے سندھوؤں کا کہنا ہے۔کہ مانجھا میں جنوب کی سمت سے دو یا تین سو سال قبل آئے۔جب پٹھانوں نے راجپوتوں کو بیدخل کر دیا تھا۔اور کچھ ہی عرصہ بعد وہ نکالے گئے۔راجپوتوں کی جگہ لینے گلوں کی دعوت پر امرتسر سے جالندھر چلے گئے۔سر مپیل گیریفن کی رائے میں قبیلہ کا اصلی ماخذ شمال مغربی راجپوتانہ میں تھا۔سکھوں کے دور میں اس قبیلہ نے مرکزی اہمیت حاصل کرلی تھی۔

سکھوں کی قائم مقام کردہ بارہ مثلوں میں سے کئی مثلوں کے بانی سندھو خاندان سے تھے۔

ضلع امرتسر اور لاہور ان کے مرکزی مقامات تھے۔لیکن وہ سارے بالائی ستلج اور انبالہ سے لیکر سیالکوٹ کے مشرق اور گوجرانوالہ کے مغرب والی پہاڑیوں کے نیچے ملے۔ارائیوں کے بھی مرکزی مقامات لاہور اور امرتسر ہی تھے۔اور ستلج کی آبادیوں میں کثرت سے آباد تھے۔اس لئے وسیع پیمانے پر سندھوؤں کا ادغام ارائیوں میں ہوا۔آرائیں سندھو قبیلہ آرائیوں کے پانچ بڑے قبائل میں سے ایک ہے۔ (ماخوذ از ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا)

سندھو گوت راجپوتوں گوتوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

آرائیں برار/سدھو

برار قبیلہ راجپوت، جاٹ اور ارائیوں تینوں قوموں میں پایا جاتا ہے۔سدھو اپنی شاخ برار یا سدھو برار پنجاب کے جٹ قبائل میں بہت بڑا اور انتہائی اہم ہے۔کیونکہ پٹیالہ نابھہ اور جنڈ کا اور فرید کوٹ کے حکمران خاندان اسی برار خاندان سے ہوئے تھے۔سدھو اپنی نسل کا ماخذ ایک بھٹی راجپوت اور جسلمیر کے بانی مبانی جیسل کو قرار دیتے ہیں۔جو ایک بغاوت کے نتیجہ میں اپنی سلطنت سے محروم ہوا۔اور جس نے دہلی کے آخری بادشاہ، پرتھی راج چوہان کے پاس پناہ لی۔ اس کی اولادوں نے حصار اور سرسہ پر غلبہ حاصل کیا۔اور موخر الذکر کا نام اپنے نام پر بھٹیانہ رکھا۔ انہی میں کھیوا شامل تھا۔جس نے دریائے گھگر کی ایک جٹ خاتون سے شادی کی۔اور اس کے بطن سے سدھو پیدا ہوا۔وہی اس قبیلے کا بانی بنا۔سدھو کے چار بیٹے دیوی، بوز، سور، اور راو بچ تھے۔بور کی اولاد دھول سے برار قبیلہ نکلا۔

بھٹیانہ کے خالص بھٹی راجپوت سدھو اور برار کے ساتھ اپنے تعلق کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا اصلی گھر تو سرسہ تھا۔لیکن وہ ستلج کے پار لاہور، امرتسر، جالندھر اور دیگر اضلاع میں سرایت کر گئے۔

ارائیوں کا بھی سب سے بڑا مرکز سرسہ ہی تھا۔جہاں سے وہ نقل مکانی کر کے یوپی گئے۔اور ستلج کی وادیوں میں پھیل گئے۔براروں کے ساتھ پٹیالہ، نابھہ، جیند، فرید کوٹ میں ارائیں بھی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔اس لئے دونوں کا ادغام ہوا۔اور ارائیں برار قبیلہ معرض وجود میں آیا۔ابٹسن نے آرائیں برار قبیلہ کو آرائیوں کے پانچ بڑے قبائل میں شمار کیا ہے۔

آرائیں ڈھڈی/ڈھڈ:

ڈھڈی قبیلہ کے لوگ راجپوت، جٹ اور ارائیں اور ڈھنڈی کے نام سے ڈوگروں میں بھی شامل ہے۔ضلع ملتان کی تحصیل میلسی میں بطور جٹ درج ہیں۔ضلع منٹگمری/ساہیوال کی پاکپتن تحصیل میں مسلمانوں کا ڈھڈی قبیلہ ہے جو راٹھوں کا قرابت دار ہے۔اس ضلع میں ان کا اندراج بطور راجپوت، جٹ اور ارائیں اور جبکہ شاہ پور میں بطور جٹ پایا گیا ہے۔

ڈھڈی پنوار راجپوت ہونے کے دعویدار ہیں۔ان کے آباؤ اجداد اسلام قبول کرنے کے بعد ملتان ضلع کے میلسی خطے میں آباد ہوئے۔ملتان میں چدھی مشائخ نامی مقام پر قبیلے کے ایک بزرگ حاجی شیر محمد کا مزار ہے۔حاجی شیر محمد ولی کے متعلق پچھلے ابواب میں تفصیل دی گئی ہے۔ڈھڈ بھی ارائیوں کی گوت ہے۔یہ بھی اصل میں ڈھڈی کا مختصر نام ہے۔(ماخوذ از انسائیکلو پیڈیا صفحہ 232)

آرائیں دھنجون:

امرتسر میں ایک زراعت پیشہ ارائیں قبیلہ کا اندراج ہوا۔امرتسر اور منٹگمری میں اس کا نام ایک کمبوہ قبیلہ بھی پایا گیا۔دھنجون کا بوقت اندراج مردم شماری 1881 بطور مسلمان اور ہندو ہوا۔ذاتوں کا انسائیکلو پیڈیا صفحہ نمبر 219

آرائیں چھونگے:

اس کے متعلق اتنا ہی مواد ملا ہے۔کہ یہ چھونگے کے نام سے ارائیوں میں اور تھوڑے سے فرق کے ساتھ چھونگر کے نام سے راجپوتوں میں شامل ہے۔

گل:

گل گوت کا قبیلہ جاٹوں اور راجپوتوں اور ارائیوں میں پایا جاتا ہے۔مردم شماری کے وقت گل گوت کے ارائیوں نے راجپوت ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔جٹوں میں گل ایک بڑا اور قدیم قبیلہ ہے۔ان کے صدر مقام لاہور اور فیروز پور اضلاع تھے۔لیکن سارے بیاس اور بالائی ستلج کے ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔لاہور اور فیروز پور ارائیوں کے تقریباً صدر مقام تھے۔اور ارائیں ستلج کی وادیوں جالندھر، امرتسر، گورداسپور، میں بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔''راجپوت'' صفحہ نمبر 203 پر گل راجپوت کا اندراج پایا جاتا ہے۔

آرائیں گورایہ:

منٹگمری میں مسلمان گورایا جٹ، راجپوت اور ارائیں قبیلے (تینوں زراعت پیشہ) کے

لور پر نظر آئے ہیں۔ وسطی ہند میں ان کو نیل گوریا کہا جاتا ہے۔ گورایہ کو سروہا راجپوت خاندان کی
سل سے بتایا جاتا ہے۔ یہ ایک خانہ بدوش قبیلے کے طور پر سرسہ سے گوجرانوالہ میں آئے۔ ایک
/ ور روایت کے مطابق گورایہ ایک سوم بنسی راجپوت گرایہ کی نسل سے ہیں۔ جس کا پوتا مل کوئی
پندرہ پشتیں پہلے لِلّی تھل سے آیا تھا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ ان کا بانی رانا شہنشاہی دور میں جموں
پہاڑیوں سے ہجرت کر کے آیا، گورایا گوجرانوالہ سیالکوٹ اور گورداسپور میں ملتے ہیں۔ ماخوذ از
ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا۔

آرائیں گورے:

گورے جمع صیغہ ہے۔ اصل گور ہے۔ ارائیں گوت ہے۔ ایک زراعت پیشہ مغل قبیلہ
کی گور ہے۔ یہ دونوں ہی امرتسر کے باسی تھے۔ تھوڑے سے فرق سے گورہ اور گوری ملتان
کی زراعت پیشہ جٹ قبیلے ہیں۔ گوریا نام کا ایک چھوٹا سا جٹ قبیلہ جس کا نام ایک راجپوت گورن
لھ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جو پٹیالہ میں الووال کے مقام پر آباد ہوا۔ اور یوں جٹ بن گیا معلوم
ہوتا ہے کہ یہ گوریا یا گور قبیلہ وہی ہے۔ جو 36 شاہی خاندانوں میں شامل ہے۔ ان کی بڑی تعداد
گنگا اور جمنا کی وادیوں میں اور اضلاع دہلی اور گورگاؤں میں آباد ہے۔ کوئی قلیل سی تعداد پنجاب
چلی آئی۔ اور مختلف قبیلوں میں متفرق ہوگئی۔ گجر مصنفین کا دعویٰ ہے کہ یہ قبیلہ گورسی کے نام سے
گوجروں کا ایک بہت مقتدر قبیلہ ہے۔ بلوچستان میں گور کی نسبت سے گورائی نام کا ایک قصبہ ہے۔

آرائیں کھوکھر:

جاٹوں، راجپوتوں اور ارائیوں میں پایا جانے والا ایک قبیلہ "ڈوگر" کے مصنف کے
مطابق کھوکھر ان پانچ قبیلوں میں سے ایک ہے۔ جن سے ڈوگروں کی باقی گوتیں وقوع پذیر ہوئی
ہیں۔ اب ان کی جگہ کھوکھروں سے پیدا ہونے والی گوتوں نے بھی لے لی ہے۔ کھوکھر نام سے
گوت اب ڈوگروں میں نہ پائی جاتی ہے۔ متنوع راجپوت اور جٹ رتبے والے قبیلے کے طور پر
کھوکھروں کی سب سے زیادہ مقدار جہلم اور چناب کی وادیوں میں ہے۔ اور بالخصوص جھنگ،
شاہ پور، اضلاع میں دہ زیریں سندھ، ستلج اور لاہور کے علاوہ جہلم سے لیکر ستلج تک پہاڑیوں کے

دامن میں ملے ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ پنڈ دادن خان کا نام ان کے بانی کھوکھر سردار کے نام پر
ہے۔ جو جہانگیر کے عہد میں ان علاقوں کا راجہ تھا۔ جہلم میں پنڈ دادن خان کے حوالے سے بتایا
جاتا ہے کہ گڑھ چتوڑ کے ایک راجپوت فتح چند نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام دادن خان
رکھا۔ اور پنڈ دادن خان کو دوبارہ تعمیر کروایا۔ لیکن کھوکھر سابقہ دور سے ہی خطے کے مالک بتائے
جاتے ہیں۔ انکا ذکر آئین اکبری میں ملتا ہے۔
تاریخ لیہ کے صفحہ نمبر 562 کے مطابق ہندوستان پر ایرانی دور حکومت میں ساندل بار
کے علاقوں پر ایک شخص راجہ کوکڑہ حکومت کرتا تھا۔ جو ایران کے شاہی خاندان کا فرد تھا۔ اس کا
دارالحکومت سرگودھا کے نزدیک کوہ کرانہ تھا۔ اس قوم کی حکومت پنجاب کے مختلف حصوں پر رہی
ہے۔ سندھ ساگر دوآب میں چھائے رہے۔ سکندر یونانی کے مقابلہ میں راجہ پورس کی فوج میں
شامل رہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں کھوکھروں کا ذکر کافی ملتا ہے۔ ملک شیخا کھوکھر، نصرت کھوکھر،
جسرت کھوکھر، کھوکھروں کے مشہور سردار ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں مرکزی
حکومتوں کو کافی تنگ و پریشان کیا۔ انہوں نے لاہور شہر کو کئی بار لوٹا۔ ان سے کچھ مرکزی حکومت کی
طرف سے صوبہ پنجاب کے گورنر بھی رہے۔ تاریخ ہند میں اہم قبیلے کے طور پر ملتے ہیں۔ خاندان
تعلق کے آخری دور میں اور خاندان سادات کے وقت کھوکھر پورے عروج پر تھے۔ پھر ان کی
طاقت کو نامعلوم وجوہات کی بناء پر زوال آ گیا۔ کھوکھر ارائیں چناب کی وادی گجرات اور جہلم کی
وادی شاہ پور سے شناخت ہوئے۔ (ماخوذ از ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا)۔

آرائیں تارڑ:

ارائیوں کی ایک گوت تارڑ ہے۔ گوجرانوالہ اور شاہ پور میں راجپوت رتبے کا دعویٰ
کرنے والا جٹ قبیلہ ان کا جد امجد بھٹیر کا ہی تھا۔ گوجرانوالہ سے ملنے والے ایک بیان کے
مطابق ان کا جد امجد بھٹیر کا ترتر تھا جس کا پڑپوتا بنی اپنے بیٹوں کے ہمراہ گجرات میں آباد ہوا۔
تاہم اس کے بیٹوں میں سے ایک چناب کے اس پار چلا گیا۔ اس کی اولادوں نے ضلع گوجرانوالہ

میں 52 دیہات آباد کئے۔ گجرات کے تارڑوں کے مطابق وہ راجا کرن کی اولاد ہیں۔ آرائیں تارڑ مردم شماری 1881ء میں انگریز ہی سامنے لائے۔ بوقت مردم شماری آرائیں تارڑ گجرات سے رپورٹ ہوئے۔

آرائیں قطب شاہی:

اعوان اپنے آپ کو قطب شاہ کی اولاد سے کہتے ہیں۔ ارائیوں کی ایک گوت بھی قطب شاہی ہے۔ بعض روایات کے مطابق یہ قطب الدین ایبک کی فوج میں ملازم فوجیوں کی اولاد ہیں۔

آرائیں جنجوعہ:

جنجوعہ قبیلہ راجپوتوں، جٹوں ارائیوں، گجروں میں اور جنجوعی کے نام سے ڈوگروں میں پایا جاتا ہے۔ خطہ کوہ نمک میں نمایاں قبیلہ کے طور پر ملتے ہیں۔ ایک دور میں جنجوعہ خطہ کوہ نمک کے بیشتر حصے پر قابض تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ گکھڑوں اور اعوانوں نے ان کا اقتدار ختم کر دیا۔ اب وہ کوہ نمک کے صرف وسطی اور مشرقی حصوں میں رہتے ہیں۔ انہیں راجہ کہکر پکارا جاتا ہے۔

یہ بہاول پور سمیت جنوب مغربی پنجاب ہوشیار اور امرتسر میں بھی ملے۔ جہلم میں جنجوعے طویل عرصہ سے ضلع کے وسط اور مغرب میں ایک غالب نسل تھے۔ راجا مل جنجوعہ کا دور محمود غزنوی کے عہد میں بتایا جاتا ہے۔ غالباً راولپنڈی سے جہلم تک راجا کا حکم چلتا تھا۔ محمود کے حملہ کے وقت پر جنجوعوں نے مدافعت کی، مگر شکست کھائی اور بھاگ کر جنگلوں میں چھپ گئے۔ محمود نے ان کا تعاقب کیا۔ اور راجہ مل کو قید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ راجہ کو اس شرط پر رہا کیا کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ اس تبدیلی مذہب سے جنجو زنار سے تعلق ٹوٹ گیا۔ اور تب سے یہ نو مذہب افراد جنجوعہ کہلائے۔

جنجوعہ کا اقتدار سکھوں کے عہد تک کچھ علاقوں پر رہا۔ رنجیت سنگھ نے شکست دے کر وہاں قبضہ کر لیا۔ بیشتر جنجوعہ سرداروں کو جاگیریں دے دیں۔ مگر انہیں پرانی املاک سے نکال دیا۔ جنجوعہ جسمانی لحاظ سے ایک جاذب نسل ہیں۔ فوجی ملازمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ارض

پاکستان کی تاریخ از رشید اختر ندوی کے مطابق جنجوعہ بھی یادوں قبیلہ کی یادگار ہیں۔ جنجوعہ ارائیں شاہ پور میں آباد ہیں۔

آرائیں چاچڑ:

پنجاب مین ایک ارائیں قبیلہ بھی چاچڑ ہے شاہ پور، ملتان میں جٹ زراعت پیشہ چاچڑ مغل ماخذ کے دعویدار ہیں۔ تاریخ کمبوجیا کے مصنف نے ان کو راجہ داہر کے وزیر سیا کر کی اولاد بتایا ہے۔ سند Indus Civilization مولفہ سید عبدالقدوس صفحہ نمبر 92 کے مطابق چاچڑ راجپوت ہیں۔ سمت (سماں) سے تعلق رکھتے ہیں۔

آرائیں دودے:

ڈھڈی راجپوتوں میں شامل دودے کے نام سے یہ گوتیں ارائیں اور گجروں میں شامل ہیں۔ دودا قبیلہ راجپوتوں کے 36 شاہی خاندانوں میں شامل ہے۔ موجودہ زمانہ میں راجپوتوں میں دودوال کے نام سے شامل ہے۔ یہ دودوال دانا پور کے قدیم حکمران خاندان سے ہیں۔ ان کا نام دادا ضلع کانگڑہ کی وجہ سے ہے ضلع ہوشیار کوہ شوالک کے مانسوال رانے دودوال کہلاتے ہیں۔ ماخوذ از Punjab Castes اور شاہان گجر صفحہ نمبر 192

آرائیں گھار/گہگر/گوہیر:

یہ تینوں اور خاص کر گالر اور گوہیر ارائیوں کی گوتیں ہیں۔ الفاظ کا لفظی مطلب تو سرکش گھوڑا ہے۔ اصل میں یہ ان کی گوت بن گیا۔ کسی قدیم زمانے میں گھوڑسوار فوج کا حصہ تھے۔ اس طرح ان گھوڑسوار فوجی آرائیوں کی گوتیں گوہیر اور گالر ہر معرض وجود میں آئیں۔ شیخوپورہ میں ایک معزز گوہیر ارائیں خاندان رہائش پذیر ہے۔ جس کے سربراہ چوہدری سردار محمد گوہیر صوبہ سرحد کے ڈاک خانے کے بہت بڑے عہدے (پوسٹ ماسٹر جنرل) سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ ان کا بیٹا مرکزی حکومت پاکستان میں سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہے۔ گہگر ارا جپوت گوت ہے۔ جو گھالر کے قریب تر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جگہ کی اور لہجے کی تبدیلی کے باعث گہگر لفظ بنا ہو۔

آرائیں سندھی رسندھے:

یہ ارائیوں کی گوت ہے۔ کہیں اس کو سندھی کہیں سندھے اور کہیں سندھیں لکھا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کا قبیلہ وہاں سے نکل کر مختلف قبیلوں میں شامل ہوا۔ مہاراشٹر میں یہ مرہٹوں میں مدغم ہوا۔ اور سیندھیا خاندان کا ایک نام پایا۔ سیندھیا خاندان کا جدامجد مرہٹوں کے پیشواؤں کا کفش بردار (جوتے، سیدھے کرنے والا) تھا۔ اس کی اولاد مرہٹوں کی فوج میں شامل ہوئی اور بڑا نام پایا۔ مرہٹوں کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کے بعد سبندھیا خاندان نے ایک خودمختار ریاست قائم کر لی جس کو آزادی ہندوستان کے بعد ہندوستانی حکومت نے ختم کیا۔

پنجاب میں اس خاندان سے راجہ سانسی ضلع امرتسر کے سردار، سرداران سندھیانوالہ تھے جو کہ رنجیت سنگھ کے بڑے جرنیلوں اور جاگیرداروں میں شامل تھے۔ رنجیت سنگھ کی وفات کے بعد جب اس کا پوتا نونہال سنگھ بھی اچانک فوت ہو گیا۔ تو سیندھیانوالے سرداروں نے اس کی رانی کو تخت پر بٹھایا اور خود حکومت کرنے لگے۔ لیکن شیر سنگھ پسر راجہ رنجیت سنگھ نے بزور بازو حکومت چھین لی۔ اور مہاراجہ شیر سنگھ کہلانے لگا۔ سیندھیانوالے سرداروں نے پہلے راجہ دھیان سنگھ وزیر کو قتل کیا اور پھر راجہ شیر سنگھ کو بھی قتل کر دیا۔ اس قتل میں مہر گھسیٹا ساکن قصبہ راجہ سانسی بھی شامل تھا۔ جو کہ قتل کے بعد قلعہ کی دیوار سے باہر اترتے وقت قتل ہو گیا۔ وہ ارائیں سندھی تھا۔ اس نے راجہ سانسی میں بہت شاندار مسجد تعمیر کرائی تھی۔

آرائیں بریاہ/ وریاہ:

دونوں ایک ہی الفاظ ہیں۔ وریاہ، بریاہ دونوں ارائیں جٹوں اور راجپوتوں میں پائے جاتے ہیں۔ جالندھر کے بریوں کو مہابھارت کے راجا کرن کی نسل سے بتایا جاتا ہے۔ ان کا جدامجد تقریباً 500 برس پہلے پٹیالہ کے علاقہ جل کاہرا سے آیا تھا۔ البتہ سیالکوٹ میں پائے جانے والے چند ایک برے راجپوت کی بجائے جٹ شمار ہوتے ہیں۔ یہ قبیلہ پٹیالہ اور نابھہ تک محدود ہے۔ وریاہ ارائیں ڈیرہ غازی خان میں ملتے ہیں۔ مردم شماری میں بریے کے نام سے امرتسر میں ایک گوجر قبیلہ بھی رپورٹ ہوا۔ (ماخوذ از ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا)

آرائیں منڈے / منڈا:

پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ تہذیب کے ابتدائی ارتقائی مرحلہ کے وقت موجودہ ایران کے شمالی حصہ میں منڈا نام کی ایک سلطنت تھی اس میں منڈا قوم آباد تھی۔ اسی منڈا قوم کو آری کہا جاتا تھا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ اسی آری سے لفظ آریا مشتق ہوا۔ اور کہیں قریب کے زمانہ میں آریا، آریائی لفظ صوتی تبدیلیوں سے ارائیں میں تشکیل پذیر ہوا۔ منڈا حکمران آریوں میں اولین حکمرانوں میں سے ایک ہیں۔ آریوں کا یہ خاندان آج بھی ارائیوں کی مشہور گوت ہے۔ جٹوں میں بھی منڈے گوت ہے۔ قدیم منڈا سلطنت کو ایران میں ہی واقع سلطنت فارس نے شکست دے کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اس سلطنت فارس کے مشہور حکمران شہنشاہ ذوالقرنین اور دارا اول ہوئے ہیں۔ وہ اس نسل سے تھے۔ اسیریا کے بادشاہ سارا گون نے منڈوں کو ایران سے نکالا تھا۔ موضع شاہ پور تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور میں ایک منڈا آرائیں خاندان آباد تھا جس کا سرخیل نتھو خان نمبردار علاقے بھر میں جانی پہچانی شخصیت تھا۔ گائے کی قربانی کی وجہ سے سکھوں اور ہندوؤں سے ان کا تنازعہ چلا آ رہا تھا۔ قیام پاکستان کے وقت اردگرد گاؤں کے سکھوں اور ریاست پٹیالہ کی ملٹری نے شاہ پور پر حملہ کیا تھا۔ جس میں شاہ پور کے تقریباً 84 کڑیل جوان لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ انہوں نے سینکڑوں سکھوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ نتھو خان نمبردار مولف کے نانا تھے۔ اس معرکہ میں مولف کے اپنے ننھیال میں سے دو ماموں اور دو ماموں زاد شہید ہوئے تھے۔

آرائیں مد/ مدھ:

ارائیوں کی ایک گوت مد/ مدھ ہے۔ اس سلسلہ میں ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا صفحہ نمبر 402 ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

جاٹ قدیم حکمران کے مصنف ایس۔ بی ڈاہیا صفحہ نمبر 325 پر لکھتے ہیں۔ مدرا، مدیرنا، مدھان، کارزمیہ نظموں اور ترانوں میں ذکر عام ہے۔ ان کے بادشاہ سلیا نے مہابھارت کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔ نکولا اور ساہ دیو کی ماں مدری مدرا قبیلہ کی شہزادی تھی۔ آج کل ان کو مد

یامدھ یامدھان کہا جاتا ہے۔ بہت سے مدھان مسلمان ہو چکے ہیں۔ انجیل میں مدائی کے نام سے ان کا حوالہ موجود ہے۔ پراکرت (عام بول چال) میں مدرالفظ مدبن گیا۔ یہ ایران سے آئے۔

پرانے 36 شاہی خاندانوں میں مدہور حکمرانکا اندراج موجود ہے۔ مدہور اصل میں مدراقبیلہ ہی ہے۔ تاریخ گوجر کے مصنف علی حسن چوہان گجر نے اس کو مدراہی لکھا ہے۔ تاریخ ہند قدیم کے مصنف پروفیسر غلام مصطفیٰ البسمل صفحہ نمبر 142 پر یوں رقمطراز ہیں۔ ''پنجاب کے تمام قبیلوں میں سے مدراسب سے بڑا قبیلہ تھا۔ مدراقبیلہ نے خود کو تین حصوں میں تقسیم کر کے مختلف علاقوں پر اپنی حکمرانی قائم کر رکھی تھی۔ ان کا ایک حصہ کشمیر میں تھا۔ دوسرا کانگڑہ میں تھا۔ اور تیسرا سب سے بڑا سیالکوٹ سے ملتان تک آباد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آخری ویدک دور تک میں پاک پنجاب کی تمام علاقائی حکومتیں ایک ہی مرکزی حکومت کے تحت آ چکی تھیں۔ لیکن مرکزی دارالحکومت سیالکوٹ ہی تھا۔ ان کا مرکزی حکمران راجہ شل تھا۔ ارائیوں کی بڑی آبادیاں کانگڑہ کے نزدیک جالندھر، امرتسر، گورداسپور، کشمیر، سیالکوٹ، لاہور اور ملتان میں بوقت مردم شماری رپورٹ ہوئی تھیں۔ مدھان کے نام سے قبیلہ جاٹوں میں ملتا ہے۔ غالباً مدار کے نام سے گجروں کی بھی ایک گوت ہے۔ ارائیوں کی گوت مند (مندر اور راجپوتوں کی مشہور گوت مندھار کا ماخذ بھی مدراقبیلہ معلوم ہوتا ہے۔

آرائیں ڈھینگے/ڈنگے:

Tribes and Castes کے صفحہ نمبر 14 کے مطابق ڈھینگے مہر مٹھا کے بیٹے مہر فتو کی اولاد سے ہیں۔ مہر مٹھا دھاریوال جاٹ آف دوھلہ تھا۔ مہر فتو اکبر کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔

ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا صفحہ نمبر 216 کے مطابق دھاریوال بھٹی راجپوت ہیں۔ (راجپوت گوتوں میں دھاریوال گوت موجود ہے۔) شہنشاہ اکبر نے مٹھا کو میاں یا مہر کا خطاب دیا تھا اور دھولہ نگر (دہلی کے نزدیک) 120 دیہات جاگیر میں دیئے تھے۔ مٹھا کی اولاد کو میاں کہا جاتا ہے۔ دھاریوال لدھیانہ، فیروز پور، پٹیالہ میں بوقت مردم شماری زیادہ آباد پائے گئے۔ ڈھینگا

ارائیوں کا اندراج بھی امرتسر، ملیر کوٹلہ، سیالکوٹ، گورداسپور، سے ہوا۔ ایک کبت بھی مشہور ہے۔ جس میں مہر مٹھا کا ذکر ملتا ہے۔

اکبر جیڈ نہ بادشاہ۔ بیر بل جیڈ نہ بھٹ

دلے جیڈ نہ سورما مہر مٹھے جیڈ نہ جٹ

مولف کی گوت ڈھینگہ ذیلی شاخ دھاریوال ہے اس طرح مہر مٹھا آف دھولہ نگر کے خاندان سے ہے۔

آرائیں سنگل/سونگل:

بقول مورخ فرشتہ ایران کے شہنشاہ منوچہر کا ہندوستان میں ہمعصر راجہ سورج حکمران تھا۔ اس کی وفات پر لہراج اس کا پسر برسر اقتدار رہا۔ بقول فرشتہ لہراج نے ہی سورج کی اولاد کو راجپوت کہا۔ لہراج کے خلاف ایک برہمن کیدار نے بغاوت کی۔ اور حکومت لہراج سے چھین لی۔ کیدار سے سنگل نامی شخص نے حکومت چھین لی۔ لکھنوتی کا شہر جواب گور کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے بسایا۔ راجپوت گوتوں میں سانگلہ، سنگلہ گوت موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس سنگل سے کوئی قبیلہ وجود میں آیا۔ جو مختلف قوموں میں متفرق ہوا۔ سنگل یا سونگل کے نام سے ارائیوں کی ایک گوت موجود ہے۔ سکندر اعظم نے ایک مقام سانگلہ پر حملہ کیا تھا۔ جو کہ موجود سانگلہ ضلع شیخوپورہ نہ ہے۔ بلکہ مورخین کے مطابق یہ گورداسپور انڈیا میں کہیں موجود تھا۔ وہاں آباد کٹھوئی موجودہ کاٹھیا قوم کو سکندر اعظم نے شکست دی تھی۔ ہوسکتا ہے اس سانگلہ کی نسبت سے کوئی قبیلہ شاید کاٹھیوں میں سے وجود میں آیا ہو۔ اور وہ بعد میں ارائیں راجپوت اور گجروں میں شامل ہوا ہو۔ مصنف شاہان گجر نے گجروں کی ایک گوت سیکل، سنگل لکھی ہے۔ مزید اس کو سہگل کی شکل دے کر صفحہ نمبر 193 پر لکھتے ہیں۔ سہگل مشہور راجپوت ہیں۔ پنجاب میں اکثر ہندو کھتری سہگل کہلاتے ہیں۔ اور بعض جگہ گوجروں میں بھی شامل ہیں۔ مصنف گجر۔ نے سلہریا راجپوتوں کو راجہ سہگل کی اولاد قرار دیا ہے۔ اس سے تقریباً ملتا جلتا سگلہ نام کا راوی کے دائیں کنارے منٹگمری میں جٹ قبیلہ ہے۔ جو اصل میں دھارانگر کے راجپوت راجا کی نسل سے ہونے کا دعویٰ کرتے

ہیں۔(ماخوذ از تاریخ فرشتہ وذاتوں کا انسائیکلو پیڈیا)۔

آرائیں مٹھا/متھا/متھے/متھی:

ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا صفحہ نمبر 406 کے مطابق متھے اور تاریخ ارائیاں از حکیم معرج الدین کے مطابق مٹھا کے نام سے ارائیوں میں پائے جاتے ہیں۔ متھی کے نام سے ڈیرہ اسماعیل خان کے پہاڑی علاقہ میں ایک چھوٹا سا قبیلہ ہے۔ مٹھا اور متھا برہمنوں کی ایک شاخ ہے۔ جو مردم شماری میں نابھا میں پائے گئے۔ نابھہ وغیرہ کے علاقہ میں ارائیوں کی بڑی آبادیاں تھیں۔ ممکن ہے کوئی برہمن خاندان سے ارائیوں میں مدغم ہوا ہو۔ ابھی حال ہی کے زمانے میں مٹھا نام کے مشہور پاکستانی جرنیل گزرے ہیں۔

آرائیں میردک:

یہ قبیلہ ارائیں اور کمبوؤں دونوں میں پایا جاتا ہے۔ میترک نام کا تاتاری قبیلہ انڈیا میں پایا گیا۔ گجر اس کو گجر قبیلہ تسلیم کرتے ہیں۔ بقول مصنف شاہان گجر اس قبیلے کے لوگ میر یا مہر کہلاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ میردک، میترک کی کوئی بدلی ہوئی شکل ہو اس لئے ارائیں زیادہ تر اور کچھ کمبوہ بھی مہر کہلاتے ہیں۔

آرائیں واہند/گھگھر:

دریائے سرہوتی جو انڈیا کے موجودہ صوبہ ہماچل پردیش (کانگڑہ اور اس سے متصل پہاڑی علاقہ) کی ریاست سرمور کے مقام سے وہاں کے پہاڑوں سے نکل کر پنجاب میں بہت قدیم زمانے میں بہتا تھا۔ اس دریا کو رہتک اور حصار کے علاقہ میں گھاگھر یا گھگر کہا جاتا تھا۔ سرسا اور رانیہ کے نزدیک سرسوتی، بہاولپور کے علاقہ میں ہاکڑا اور آگے واہند کہا جاتا تھا۔ سرسوتی گھگھر دریا کی وادیاں ہی آرائیوں کا سب سے بڑا مرکز ہیں۔ یہاں سے ہی انڈیا کے دیگر علاقوں میں پھیل گئے۔ دریا کے کنارے سے یہاں اس کو واہند کہا جاتا تھا۔ آنے والے ارائیں ہی شاید واہند کہلائے۔ ملتان میں واہند سرمانی کہروڑ کا ایک علاقہ بھی ہے۔ ممکن ہے وہاں سے

متفرق ہونے کے بعد اس علاقہ کی نسبت سے واہند کہلاتے ہوں، گھاگر دریا کے کنارے سے اٹھ کر دوسرے علاقوں میں جانے والے۔ ارائیوں کی گھاگھر گوت بن گئے۔ گھگر کی وادیوں میں رہنے والے ارائیوں نے شروع سے دعویٰ کیا ہے کہ وہ راجپوت ہیں۔ ملتان کے علاقہ سے ان کو سید جلال الدین سرخ بخاری نے زبردستی نکال دیا تھا۔ اور وہ گھگر کی وادیوں میں آباد ہو گئے تھے۔

آرائیں ڈھوت، جیا/کمبوہ:

ڈھوت اور جیا نام کے دو قبیلے ارائیوں اور کمبوؤں میں ملتے ہیں۔ جیا خود ہی کہتے ہیں۔ ہم ارائیں نہ ہیں۔ بلکہ کمبوہ ہیں۔ کمبوہ نام سے کمبوہ قبیلہ ارائیوں میں شامل ہے۔ ڈھوت کمبوؤں میں ایک بڑا قبیلہ ہے۔ ڈھوت ارائیوں نے مردم شماری کے وقت ہی راجپوت ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اگرچہ کمبوہ راجپوت نہ کہلاتے ہیں۔ اپنا الگ تشخص رکھتے ہیں۔ لیکن کمبوہ راجپوتوں کی ایک گوت ہے۔ راجپوت کے مصنف ایم۔اے رشید رانا صفحہ نمبر 478 پر لکھتے ہیں۔ کچھ مورخین کا خیال ہے کہ کمبوہ کوئی الگ قبیلہ ہیں۔ مگر جدید تحقیق کے بعد مورخین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ کمبوہ چندر بنسی راجپوتوں کا ایک قبیلہ ہے۔ جس طرح ڈوگر راجپوت خاندان خود کو راجپوت نہیں لکھتا۔ اس طرح کمبوہ اپنے قبیلے کی علیحدہ شناخت رکھتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ راجہ کمبوج راجہ سودکشن کا بیٹا تھا سودکشن مہابھارت جنگ کے دوران مارا گیا تھا۔ بعد ازاں راجہ کمبوج کے سر پر راجہ ارجن پانڈو نے ہاتھ رکھا۔ بعد ازاں یہ قبیلہ مشرقی اور مغربی پنجاب میں پھیل گیا۔ جس طرح دیگر قبائل کا آرائیوں میں ادغام ہوا۔ اس طرح کمبوؤں کے بھی چند قبیلے آرائیوں میں شامل ہو گئے۔ بعض لوگوں نے آرائیوں کا ماخذ کمبوؤں کو قرار دیا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ آرائیوں میں سب سے زیادہ راجپوت قبائل کے لوگ شامل ہیں۔

آرائیں گاندھر:

گاندھر ارائیوں کی گوت ہے۔ صفحہ نمبر Tribes275 کے مطابق گاندھر راجپوت ماخذ سے ہیں۔ شاہکوٹ ضلع ننکانہ شریف کے نواح میں گاندھراں یا گاہندراں مشہور موضع ہے۔ اس میں ارائیوں کی بڑی آبادی ہے۔ جالندھر میں موضع گاندھراں تھا۔ نفیس اکیڈیمی کراچی

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری ارائیں نے ہی قائم کی تھی۔ بہترین اور اعلیٰ درجے کی تاریخی کتب شائع کرنے میں نفیس اکیڈیمی کا مقابلہ کوئی دوسرا ادارہ نہیں کرسکتا۔

آرائیں گھلو:

ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق گلو ارائیوں کی گوت ہے۔ انسائیکلو پیڈیا کے مطابق گلو قبیلہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ضلع ملتان کے جنوب مغربی کونے میں آباد ایک قبیلہ بہاولپور ،احمد پور میں ان کی کافی تعداد ہے۔ ان کے مورث اعلیٰ ہندو راٹھ راجپوت کو مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے مسلمان کیا تھا۔ ملتان میں ایک زراعت پیشہ جٹ قبیلہ بھی ہے اس سے زیادہ ان کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہوئی ہیں۔

آرائیں میانہ:

میانہ گوت کے لوگ ارائیں، جاٹ، گجر اور پٹھانوں میں پائے جاتے ہیں۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق میانہ جٹ کا عرف میاں کی اولاد لیکن کم از کم ہزارہ اور غالباً سرحد کے دیگر حصوں میں کسی بھی نومسلم کو میانہ کہتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کاشتکار ہیں۔

تاریخ لیہ صفحہ نمبر 580 کے مطابق صوبہ سرحد میں ہر اس فرد کو میانہ کہتے ہیں۔ جو کہ اسلام قبول کرلے جس طرح سندھ میں اسلام قبول کرنے والے کو شیخ کا لقب دیا جاتا تھا۔ میانے پٹھانوں کے سڑہ بن قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ میانی، شیرانی اور ترین باہم بھائی تھے۔ میانی کے دو بیٹے تھے ان میں سے ایک کا نام شکورن تھا۔ اس شکورن کا بیٹا کھیتران تھا جس سے کھیتران قوم چلی۔

مولف کے خیال میں میانہ نام کا کوئی قبیلہ ہوگا۔ جو راجپوتوں کے ایک برتر طبقہ میاں کہلانے والے گروہ سے مختلف ارائیں جاٹ اور گجر میں متفرق ہوگیا۔ اگر مسلمان ہونے کی بنا پر ان کو میانہ کہا گیا تو تمام اقوام بشمول پٹھان راجپوت، جاٹ، ارائیں اور گجروں نے اسلام قبول کیا ہوا ہے۔ پھر تو تمام کو میانہ ہی کہا جانا چاہیے۔ دوسرا قیاس یہ ہوسکتا ہے۔ سڑہ بن پٹھانوں کے میانی قبیلہ سے کچھ حصہ قوم پنجاب میں آکر مختلف قوموں میں متفرق ہوگیا ہوا ہے۔

آرائیں ملتانی:

ارائیوں کے دو گروہ مشہور ہیں۔ ایک سرسہ وال اور دوسرا ملتانی ارائیوں کے وہ لوگ جو سرسہ سے اٹھ کر دوسرے علاقوں میں پھیلے سرسہ وال کہلائے۔ اور وہ لوگ جو ملتان سے سرسہ اور گھگر کی وادیوں میں اپنے دوسرے بھائی کی طرح نہیں گئے اور سیدھے ملتان اور اس کے نواح سے اٹھ کر دوسرے علاقوں میں گئے۔ ملتانی ارائیں کہلائے۔ گھگر کی وادیوں میں جانے والے گروہ کا دعویٰ ہے کہ وہ راجپوت بھٹی تھے۔ جنہیں محمود غزنوی نے مسلمان کیا تھا اور ان کو اوچ سے سید جلال الدین سرخ بخاری نے زبردستی نکال دیا تھا۔

شاہان گجر صفحہ 187 کے مطابق اصلی ملتانی قوم دراصل راجپوت بھٹی ہیں۔ چونکہ یہ قوم ملتان سے آئی ملتانی کہلائی۔

Tribes and Castes کے مطابق کرنال کے کچھ ارائیں ملتانی آرائیں تھے اور شیخ کہلاتے تھے۔ وہ سرسہ وال گروہ سے شادی بیاہ نہیں کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا خیال ہو کہ وہ عربی نسل کے لوگوں سے ہیں۔ یا ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ کسی برتر قوم سے ان کے مطابق مسلمان ہوئے ہوں۔ قاعدہ کے مطابق مسلمان ہونے والوں کو شیخ کہا گیا ہو۔

آرائیں میاں:

تاریخ ارائیاں کے مصنف حکیم معراج الدین امرتسری اور مہر غلام محمد صاحب مزنگ لاہور مصنف تاریخ تحفہ محمدیہ کے حوالے سے تاریخ آل کمبوجیا کے مصنف نے صفحہ نمبر 130 پر ارائیوں کی ایک گوت میاں بھی تحریر کی ہے۔ حالانکہ Tribes and Castes میں میاں گوت نہ ملی ہے۔ البتہ ارائیں میاں کہلاتے ہیں۔ یہ لقب اب تقریباً ارائیوں کے لئے مخصوص ہو گیا ہے۔ جب بھی کسی نام کے ساتھ میاں لقب لکھا ہوتا ہے۔ تو سب سے پہلے دھیان اس فرد کے ارائیں ہونے کی طرف جاتا ہے۔ میاں کا لقب بہت سی دوسری قومیں بھی استعمال کر رہی ہیں۔ مثلاً وٹو، جوئیے، بھٹی، پیرزادے، شیخ، قریشی وغیرہ۔ لیکن وہ ارائیوں سے الگ شناخت کے لئے اپنے نام کے ساتھ اپنی قوم بھی ضرور لکھتے ہیں۔ مثلاً میاں محمد یسین وٹو، میاں ممتاز دولتانہ (جوئیہ)

میاں محمد حیات بھٹی، میاں ریاض حسین پیرزادہ، میاں احمد علی شیخ، میاں محمد سعید قریشی۔

جہانتک ماخذ کا تعلق ہے ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق میاں پہاڑی راجپوتوں کا ایک برتر طبقہ تھا۔ وہ قدیم وقتوں سے لے کر 19 صدی کی ابتداء تک دریائے ستلج اور سندھ کے درمیانی علاقہ میں آباد رہے۔ اس علاقہ میں پنجاب کے ہمالیہ کی بیرونی چوٹیاں شامل ہیں۔ ان کا مرکز کانگڑہ تھا۔

اب کانگڑہ کے نزدیک جالندھر، انبالہ، کرنال، امرتسر، گورداسپور کے اضلاع ہی ارائیوں کے بڑے بڑے مرکز تھے۔ ہوسکتا ہے کہ میاں راجپوتوں سے کوئی گروہ ارائیوں میں شامل ہوا ہو۔ تو ارائیوں کی گوت میاں معرض وجود میں آئی ہو۔ اور میاں کا لقب ارائیوں میں عام ہوگیا۔ دوسری اقوام کے لوگ بھی صاحب حیثیت اور مقتدر ارائیں کو میاں کہہ کر ہی پکارتے ہیں۔ خواہ وہ اپنے نام کے ساتھ چوہدری یا ملک ہی کیوں نہ لکھتا ہو۔

آرائیں مہمانیہ:

اس گوت کے متعلق کوئی زیادہ معلومات نہ ملی ہیں۔ سلیم التواریخ مولفہ صوفی محمد اکبر علی (پہلی ارائیں تاریخ) کے صفحہ نمبر 72 پر لکھتے ہیں۔

''ابن بطوطہ کے عربی سفرنامہ کے اردو ترجمہ کا نام عجائب الاسفار ہے۔ جس کے مترجم پیرزادہ خان صاحب مولوی محمد حسین عارف مہمانیہ ایم۔ اے ڈویژنل جج پنجاب تھے۔ پیرزادہ خاں صاحب مولوی محمد حسین عارف۔ ذات کے آرائیں تھے انہوں نے اپنی گوت اپنے نام کے ساتھ مہمانیہ لکھی تھی۔

آرائیں میتلا:

میتلا ارائیوں کی گوت اور ایک جٹ قبیلہ جو راجپوت نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ ملتان، ساہیوال، سیالکوٹ اور ڈیرہ جات میں بھی آباد ہیں۔ ملتان اور لیہ میں شاہجہاں مغل کے دور میں آباد ہوئے۔ فاسٹ بولر عبدالرزاق کا تعلق میتلا قبیلہ سے ہے ماخذ از تاریخ لیہ۔

آرائیں ہانس / ہانسی:

ہانسی حصار میں ایک قصبہ ہے۔ ارائیوں کی آبادی ہانسی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس علاقہ میں بھٹی اور چوہان راجپوتوں کی حکومت رہی ہے۔ ممکنہ ہے کہ ہانسی سے اٹھ کر دیگر علاقوں میں جا کر آباد ہونے والے ارائیں ہانسی کہلائے ہوں۔ اسی طرح منٹگمری حال ساہیوال میں ایک قصبہ ملکہ ہانس ہے۔ یہ وہی قصبہ ہے جس کی مسجد میں بیٹھ کر سید وارث شاہ نے، ہیر وارث جیسی ایک لافانی عشقیہ داستان لکھی۔ جس نے پنجابی زبان کو امر کردیا۔ اور خود سید وارث شاہ کو پنجابی کا شکسپیر بنادیا۔ وہ خود بھی امر ہوگیا۔ اس قصبہ کی نسبت سے وہاں سے اٹھ کر آنے والے آرائیں کہلاتے ہوں۔

ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق ہانس جنڈ میں ایک چھوٹا سا جٹ قبیلہ ہے لدھیانہ ملتان، منٹگری میں بھی ہیں۔ منٹگمری ملتان میں ان کا اندراج راجپوت اور جٹ ذاتوں میں ہوا۔ ان آبادیوں میں ارائیں قبیلے بڑی تعداد میں موجود تھے اور ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہانس قبیلے کا کوئی طبقہ ارائیوں میں شامل ہو کر آرائیں ہانسی کہلایا ہو۔

ہانس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ہنس کی نسبت سے ہے۔ واضح رہے ہنس ایک جاٹ / جٹ قبیلہ ہے۔

آرائیں داگرہ:

ارائیوں کی گوت، لیکن کوئی معلومات نہ ملی ہیں۔ البتہ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق داگر ایک جٹ قبیلہ ہے۔ دہلی اور گڑ گاؤں میں ان کی کافی تعداد اور رہتک میں بھی ایک آبادی ہے۔ ڈاگر راجپوت بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو راجپوت گوتیں، نارنگ منڈی کے علاقہ میں ڈاگر یا ڈگر نام کا قبیلہ ملتا ہے۔ ہوسکتا ہے ان دو قبیلوں سے داگرہ گوت کا تعلق ہو۔

ٹھیکری:

یہ قبیلہ ٹھکریہ کے نام سے گجروں، ٹھکریلے کے نام سے جٹوں اور ٹھاکر کے نام سے راجپوتوں اور ٹھیکری نام سے ارائیوں میں شامل ہے۔

واضح رہے کہ ٹھکر اور ٹھاکر نام کے قبیلے راجپوتوں میں ہیں۔ پرانے وقتوں میں راجے
،مہاراجے اپنے چہیتے لوگوں کو جاگیریں دیا کرتے تھے۔ اور جاگیردار کو ٹھاکر کا خطاب بھی دیا جاتا
تھا۔ چھوٹی ریاستوں کے مالک بھی ٹھاکر کہلاتے تھے۔ کانگڑہ اور اس سے ملحقہ پہاڑوں میں
واقع ریاستوں میں راٹھی قوم کے بالائی طبقہ کو ٹھاکر کہا جاتا تھا جو زیادہ قابل فخر بات نہ تھی۔ شاہان
گجر کے مصنف نے گجروں کی گوت ٹھکریہ کو ٹھکر یا ٹھاکر خاندانوں کے ساتھ جوڑا ہے۔ شاہان گجر
صفحہ نمبر 191 کے مطابق ٹھاکر، ٹھکریہ اور ٹھکر ایک ہی لفظ ہیں۔ یہ سلہریا راجپوت ہیں۔ اور بعض
اپنا شجرہ نسب چوہان راجپوتوں سے ملاتے ہیں۔ یہ گجروں میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ ٹھیکری کا
تعلق بھی انہیں الفاظ کے ساتھ قرین قیاس لگتا ہے۔ ٹھیکری آرائیوں کا تعلق بھی ٹھکر قبیلہ سے معلوم
ہوتا ہے۔

آرائیں کھتورا:

تاریخ ارض پاکستان مولفہ رشید اختر ندوی جلد دوئم صفحہ نمبر 37 کے مطابق ایران کے
شہنشاہ دارارول نے 552 ق م میں برصغیر پر حملہ کیا۔ تو اس وقت ایک ریاست امبشتہ نواح شورکوٹ
موجود تھی۔ اس ریاست کے باشندے کشتری تھے۔ سکندر مقدونی کے حملہ کے وقت یہ لوگ خاصے
طاقتور تھے۔ مزید لکھا ہے کہ اس ریاست کے ہمسایہ میں دو اور قبیلے بڑے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ ان
میں سے ایک کھتورا اور دوسرا بڑا اساد یو تھا۔ میک کرنڈلے کی رو سے یہ دونوں کشتری تھے۔

اس وقت کشتری آریاؤں کا برتر طبقہ تھا۔ اس طرح کھتورا آریا کشتری قبیلہ تھا۔ اس
طرح کھتورا گوت کے ارائیں سابقہ دور کے آریہ کشتری ہیں۔

دوسرے سرسہ میں کھتورا نام کا ایک بڑا گاؤں تھا۔ ہوسکتا ہے کھتورا کشتریوں نے آباد
کیا ہو۔ اس گاؤں کی نسبت سے وہاں سے اٹھکر دوسرے علاقوں میں آباد ہونے والے آرائیں
کھتورا کہلائے ہوں۔

آرائیں قریشی:

قریشی گوت کے ارائیں صرف ڈیرہ غازی خان سے مردم شماری میں رپورٹ ہوئے۔

مطالعہ نقوش شرقپور نے بھی اپنے ارائیں نظریہ میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھیوں میں سے
کچھ نے زراعت پیشہ اختیار کیا۔ اور ارائیوں میں شامل ہو کر آرائیں کہلائے۔
قبیلہ قریش عربوں میں بہت ہی ممتاز قبیلہ تھا۔ حضرت محمد ﷺ کا تعلق قبیلہ قریش سے
تھا۔ پنجاب میں قریشی خاندان کا سب سے بڑا مرکز ملتان میں ہے۔ قریشی ارائیں قبیلہ ملتان کے
ہمسایہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں ہی پایا گیا ہے۔ تھوڑی مقدار میں قریشی لوگوں کا آرائیوں میں
ادغام قیاس کے خلاف نہ ہے۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا صفحہ نمبر 292 کے مطابق قریش ایک
پسندیدہ ترین قبیلہ ہے۔ اس کے ساتھ تعلق باعث افتخار سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا خدشہ ہے۔ کہ خود کو
قریشی درج کرانے والوں میں سے بہت سے کم افراد اس کے صحیح اور جائز حقدار ہوں گے۔ متعدد
قبائل مثلاً لنگڑیال بھی قریشی ماخذ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس طرح منٹگمری کے ہانس، کھگہ، اور
چشتی بھی قریشی ہونے کے دعویدار ہیں۔ ہوسکتا ہے ڈیرہ غازی خان کے ارائیں قریشی لوگوں کا
ایسا ہی دعویٰ ہو۔

آرائیں وچھل:

وچھل ایک ارائیوں کی گوت ہے۔ جاٹ قدیم حکمران صفحہ نمبر 163 کے مطابق
سالباہن جد امجد بھٹی قبیلہ کی حکومت علاقہ سیالکوٹ پر تھی۔ اس سالباہن نے اپنے نام پر سالبا
ہن پورہ کا شہر آباد کیا۔ جو بعد میں سیالکوٹ مشہور ہوا۔ اس کے پندرہ بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک
کا نام وچھا تھا۔ سالباہن کے بیٹے بلند کے سات پسر ہوئے۔ بھٹی، بھوپتی، کلار، جنج، سرمور،
بھیسن، سریجا اور منگرو۔ ان تمام کے نام پر ایک الگ الگ قبیلہ وجود میں آیا۔ وچھا سے وچھل
قبیلہ چلا۔ اس طرح وہ بھٹی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ راجپوت مولفہ ایم اے رشید رانا نے راجپوتوں
کی ایک گوت باچھل بتائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ایم۔اے رشید رانا کا تعلق ضلع جالندھر / ہوشیار
سے ہے۔ جالندھر کے لوگ وکو ب بولتے ہیں۔ جیسے پنجابی میں ایک فقرہ ہے۔ ہوا وگدی آ۔
جالندھر کے لوگ کہتے ہیں۔ ہبا بگدی آ۔ اس لئے باچھل گوت لکھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ
اصل میں وچھل ہی ہے۔ مردم شماری میں وچھل آرائیں سیالکوٹ سے رپورٹ ہوئے۔

آرائیں مَن:

مَن ایک ارائیں قبیلہ ہے۔شیخوپورہ میں اس گوت کی مشہور ہستیاں چوہدری محمد حسین ایڈووکیٹ اور چوہدری محمد سلیم فیضی ایڈووکیٹ ہوئی ہیں۔ جو کہ حالیہ سالوں میں اللہ کو پیارے ہوئے۔اپنے وقت میں دونوں کا شمار دیوانی مقدمات کے چوٹی کے وکلا میں ہوتا تھا۔ چوہدری سلیم فیضی ایڈووکیٹ مرحوم ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ کے جنرل سیکرٹری بھی رہے تھے۔انجمن ارائیاں کے ستون ارکان میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ افسوس کہ تقریباً جوانی میں ہی فوت ہو گئے۔ان میں زندگی میں آگے بڑھنے کی بڑی ترنگ موجود تھی۔دونوں باپ بیٹا بڑے نمازی اور پرہیزگار تھے۔ اکثر مذہبی اور سماجی تقریبات کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔ ایک اور فرد چوہدری منور حسین ایڈووکیٹ اس خاندان کے ماہ منور ہیں۔ ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ کے صدر رہے ہیں۔ بار کی سیاست میں نمایاں اور سرگرم ہیں۔

مَن کی بڑی تحقیق کی گئی ہے۔دوسری اقوام میں اس گوت کا سراغ نہ ملا ہے۔ تقریباً قریب ترین گوت مونن گجروں میں ملی۔تاریخ گوجر مولفہ ہورانا علی حسن گجر چوہان صفحہ نمبر 415 کے مطابق مونن گجر رشی منی کی نسل سے ہیں۔ گجروں میں یہ طبقہ بڑا مذہبی ہونے کی بناء پر قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔کیا مَن کا مونن گوت سے کوئی تعلق ہے۔کوئی حتمی رائے قائم نہ کی جاسکتی ہے۔مزید تحقیق طلب ہے۔

آرائیں ساسی/ساہسی:

سندھ میں رائے خاندان 499ء میں حکمران ہوا ہے۔جن میں سے پہلا حکمران رائے ڈیوایہ ہوا ہے۔اس خاندان میں رائے ساہسی اول اور رائے ساہسی دوئم دو حکمران ہوئے ہیں۔رائے خاندان راجپوتوں کا اولین قبیلہ شمار کیا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں تاریخ پاکستان قدیم دور مولفہ یحیی امجد ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔یہ قبیلہ معدوم ہو چکا ہے۔سندھ کے قدیم ارائیں اسی قبیلہ کی یادگار ہیں۔ارائیوں میں یہ کہیں ساہسی اور کہیں ساسی گوت لکھی گئی ہے۔اس گوت کا تعلق رائے ساہسی سے ہوسکتا ہے۔رائے ساہسی دوئم بڑا نیک مزاج اور رعایا پرور تھا۔ کھلی کچہری

لگا کر براہ راست حالات معلوم کرتا تھا۔اس کا پرتو ارائیوں میں ملتا ہے۔

آرائیں ڈولے:

اس قبیلہ کے لوگ سلطانی دور میں صوبہ دیپالپور کے صوبے دار تھے۔اس دور میں مغلوں کے اکثر حملے برصغیر پر ہوتے رہتے تھے جو کہ ملتان کی جانب سے آگے دیپالپور کی جانب بڑھتے تھے۔ان حملوں کو روکنے کے لئے دیپالپور میں قلعہ بنایا گیا تھا۔ دیپالپور کے صوبیدار (گورنر) کو اعتمادالدولہ کے القاب حاصل تھے۔دولہ اسی لفظ کا مخفف ہے۔اور اب ڈولہ کے طور پر ارائیوں کی گوت ہے۔

خاندان ڈولہ دیپالپور/ساہیوال اپنی عظیم الشان وجاہت کے لئے مشہور ہے۔خاندان گنجہ کلاں، لوہاری والا۔ڈولہ مستقیم، ڈولہ سلطان، ڈولہ برہان بھی اسی خاندان کی شاخیں ہیں۔ اس خاندان کی مختلف دیہات میں تقریباً دوہزار سوا یکڑ ملکیت ہے۔یہ اراضی ڈولہ پختہ اور ڈولوال میں ہے۔سردار فیملی گنجہ کلاں قصور بھی اسی ڈولہ خاندان کی ایک شاخ ہیں۔سردار آصف احمد علی سابقہ وزیر خارجہ پاکستان اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ان کے والد سردار احمد علی پاکستان بننے کے بعد دو دفعہ ممبر صوبائی اسمبلی رہے۔سردار خان بہادر نور برہان بھی اسی خاندان کے ماہ منور تھے۔میاں فیملی برج جیوے خان ضلع ساہیوال کا تعلق بھی ڈولہ خاندان سے ہی ہے۔ان خاندانوں کے مفصل حالات بعد میں تحریر کئے جائیں گے۔

آرائیں روہیل/راحیل/راحلہ:

مختلف نام مروج ہیں۔ارائیں اور جٹوں میں مشترک ہیں۔جاٹ قدیم حکمران میں اس قبیلہ کے متعلق کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔جاٹ/قدیم حکمران صفحہ نمبر 386 کے مطابق روہیل تنوار، طور راجپوت قبیلہ کی شاخ ہیں۔اس صفحہ پر ضمیمہ نمبر 1 دیا گیا ہے جو Tribes & Castes جلد دوئم کے صفحہ نمبر 375 پر درج ہے۔یاد رہے طور لمبے عرصے تک دہلی کے حکمران رہے روہیلہ پٹھان قبیلہ بھی ہے۔جس نے یوپی میں روہیل کھنڈ کے نام سے

ریاست قائم کر رکھی تھی۔ گھگھر سے آرائیں روہیلہ حکمرانوں کی دعوت پر یو پی گئے تھے۔ وہاں انہوں نے بڑی بڑی زمینداریاں قائم کر لیں۔

آرائیں لودے:

یہ قبیلہ لودا، لود، لودی، لودھی، لودھکے، لودھا کے نام سے موسوم ہے۔ تاریخ ارائیاں میں حکیم معراج الدین احمد امرتسر نے لودے ارائیوں کی گوت بتائی ہے۔ جو کہ لودا کا جمع صیغہ ہے۔ ذاتوں کے انسائیکلوپیڈیا صفحہ نمبر 283 پر لادیا لود کے نام سے ارائیوں کی گوت ہے۔ شاہان گجر کے مطابق لودیا لودھی یا لادے کے نام سے گجروں کی گوت ہے۔ ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے مطابق لودھا یا لودا ایک کاشتکار قبیلہ ہے۔ جو کہ پنجاب کے جمنا اضلاع میں ملتے ہیں۔

لودی یا لودھی پٹھانوں کا بھی مشہور قبیلہ ہے۔ بوقت مردم شماری وہ بطور زراعت پیشہ پائے گئے۔ لودی کے نام سے منٹگمری میں کھرلوں کی ایک شاخ بھی ہے۔ گوجرانوالہ میں ان کے 36 گاؤں ہیں۔ وہ سورج بنسی راجپوتوں سے تعلق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مصنفین گجر اس قبیلہ کو ایک حکمران لودسین کی اولاد بتاتے ہیں۔

آرائیں چغتہ/چوغطہ:

اصل میں یہ مغل/ترک قبیلہ ہے۔ جو چنگیز خان کے بیٹے چغتائی خان کی نسل سے ہے۔ جب برصغیر مغلیہ حکمرانوں سے انگریزوں نے چھین لیا۔ اور آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو قید کر لیا۔ تو مغل ارائیں، جاٹ، گجر اور سنی قبیلوں میں شامل ہو گئے۔ اس طرح ان اقوام کی گوتوں میں ایک گوت کا اور اضافہ ہو گیا۔ چوغطہ (چغتہ) آرائیں کی گوت ٹھہری)

آرائیں رمدے:

ایک آرائیں گوت تحقیق کی گئی کوئی مواد نہ ملا۔ البتہ اس کے معنی سرخ آنکھوں والے فوجی، فوج، جھنڈ، گروہ ڈکشنری سے معلوم ہوئے۔ اس خاندان میں جسٹس (ر) محمد صدیق ہوئے ہیں۔ ان کے بیٹے جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے اب سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج ہیں۔

انہوں نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے خلاف صدر پاکستان پرویز مشرف کی طرف سے بھیجے جانے والے ریفرنس کے فیصلے کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، چوہدری محمد فاروق مرحوم سابق اٹارنی جنرل اور چوہدری اسد الرحمٰن سابق وفاقی وزیر جسٹس رمدے کے بھائی ہیں۔

آرائیں کنگن پوریئے:

کنگن پورہ گوت کے ارائیوں کا بانی مہر منگو ساکن علاقہ سرسہ تھا۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں شہنشاہ اکبر علاقہ سرسہ آیا۔ مہر منگو نے اکبر بادشاہ کی اس قدر تواضع کی کہ اس نے خوش ہو کر ایک جاگیر اور طلائی تمغہ بخشا۔ چنانچہ افراد خاندان کنگن پوریہ کہلانے لگے اور جاگیر میں واقع پرانی بستی کا نام کنگن پور رکھا گیا۔ بعد میں اس خاندان میں سے کچھ لوگ رانیہ، بریلی، نیلی پیت، وغیرہ نقل مکانی کر گئے۔ مگر جہاں بھی گئے کنگن پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔

کنگن پوری ارائیوں میں حاجی مہر عیسیٰ لکھ پتی زمیندار تھا۔ جس کی اولاد انقلاب 1947ء کے بعد اب تحصیل میلسی ضلع ملتان میں آباد ہے۔ مہر عیسیٰ کے بڑے بھائی مولوی محمد سلطان خلیفہ سائیں توکل شاہ خاندان نقشبندیہ کے مشہور و معروف و کامل بزرگ ہوئے ہیں۔ نواب پٹوری اور نواب ملیر کوٹلہ آپ کے مریدوں میں شامل تھے۔

لو/لہو آرائیں:

تواریخ کے مطابق لو/لہو قدیم وقت میں سرسہ اور لاہور کے علاقہ کا حکمران تھا۔ اسی لو یا لہو نے لاہور شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ اسی کے نام پر شہر کا نام لاہور مشہور ہوا۔ لو/لہو کے علاوہ ارائیوں کی گوت لہوری بھی ہے۔ جالندھر کے ارائیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ لو یا لہو کی اولاد سے راجپوت ہیں۔ جالندھر اور لاہور ہی ارائیوں کے سب سے بڑے مرکز صوبہ پنجاب میں تھے۔ گجروں کی گوت بھی لوہے۔ وہ اپنے آپ کو لوے گجر کہتے ہیں۔ گجر تواریخ کے مصنفین لوے گجروں کو سری رام چندر کے بیٹے لو کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

آرائیوں کے متعلق کونسا نظریہ درست ہے؟ تواریخ کے مصنفین اور محققین کی

تحقیقات کے پیش نظر ارائیوں کی گوتوں کا راجپوت شاہی خاندانوں میں پایا جانا۔ اور ارائیں گوتوں میں سے اکثریت کا راجپوتوں سے تعلق اس بات کے شاہد ہیں۔ کہ ارائیوں کے راجپوت ہونے کا نظریہ درست ہے۔ ڈوگر تحقیق کے تناظر میں حصہ اول صفحہ نمبر 652 سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ جو کہ اس نظریہ پر مہر ثبت کرتا ہے۔

''بندوبست رپورٹ ضلع حصار 1851ء میں اس طرح درج ہے۔ یہ ضلع اگرچہ ملک راجپوتانہ سے باہر ہے مگر اس کو ملک (راجپوتانہ) کا حصہ ہی سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ ضلع کے موروثی حق داران سوائے راجپوت قوم کے اور نہیں تھے۔ اس ضلع میں جو قومیں آباد ہیں۔ وہ راجپوتوں کی نسل سے بگڑ کر ہی بنی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ گجر، مالی، ارائیں اور ڈوگر''۔

مسٹر ولسن اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے۔ سرسہ کے ارائیں سرسہ ضلع حصار میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب ہیں۔ جہاں تک وہ پٹیالہ کے جاٹوں سے سماجی حیثیت میں برتر ہیں۔ اگرچہ وہاں کے حکمران جاٹ خاندانوں سے ہیں۔''

ارائیوں کے سب سے بڑے پانچ قبائل گہلن، چندور، چھچھر، سندھو اور برار ہیں۔ ان سب کا پس منظر راجپوت نسل سے ہے۔ تفصیل پہلے دی جا چکی ہے۔ اس کے علاوہ اندار، بھٹی، بھٹہ، بٹ، بھٹ، بھدرو، جنجوعہ، کھوکھر گوتیں راجپوتوں کے ارائیوں میں شامل ہونے سے معرض وجود میں آئی ہیں۔ اس کے علاوہ گل، تارڑ، گورایا بنیادی طور پر راجپوت نسل سے ہیں۔ لیکن اب جاٹوں میں معروف ہیں۔ باقی گوتوں کا تعلق بھی کسی نہ کسی طریقہ سے راجپوتوں سے ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ایسا نہ ہو سکتا ہے۔ اس کا نقطہ نظر غلط ہے۔ صرف برصغیر میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں قوموں اور ذاتوں کی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ جو کہ زمانہ قدیم میں زیادہ تیز تھیں۔ کیونکہ اس وقت ہندوستان میں تمام قوموں کی سماجی حیثیت تقریباً ایک ہی سطح کی تھیں۔ بعد میں جوں جوں سماجی حیثیت میں فرق آتا گیا۔ یہ تبدیلی سست ہوتی گئی۔ لیکن جاری رہی۔ اب بھی جاری ہے اور جاری رہے گی۔ قوموں کی سماجی حیثیت میں اونچ نیچ ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ یہ فطرت کا اٹل اصول ہے۔ ثبوت میں ڈینزل ابٹسن کی رپورٹ Punjab Castes کے صفحہ

نمبر 8 (جس کا اردو ترجمہ کتاب ڈوگر کے صفحہ نمبر 19 پر درج ہے) پیش کرتے ہیں۔

برصغیر میں قوموں اور ذاتوں کی تبدیلی:

ہندوستان میں قومیں ہمیشہ تبدیل ہوتی رہی ہیں۔ اور اب بھی تبدیل ہو رہی ہیں۔ مثلاً

۱۔ راجپوتوں سے ارائیں: سینی قوم نے ہوشیار پور کے ضلع میں سبزیاں اگانی شروع کر دیں تو وہ راجپوت سے ارائیں بن گئے۔

۲۔ سرسہ کے نائیوں اور ترکھانوں میں سے جنہوں نے حکومت میں دخل حاصل کر لیا وہ راجپوت بن گئے۔ اور جن کو کچھ زمین مل گئی، جاٹ بن گئے۔

۳۔ کرنال کے کچھ چوہان راجپوتوں نے کپڑا بننا شروع کر دیا تو وہ شیخ بن گئے۔

۴۔ وٹوں سے بودلہ اور قریشی، ستلج کے وٹو راجپوتوں سے کچھ لوگ بودلہ بن گئے۔ اب وہ راجپوت کہلانے کی بجائے قریشی النسل کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

۵۔ سالٹ رینج کے کچھ راجپوتوں نے اپنے آپ کو مغل اور عربی النسل عباسی کہلانا شروع کر دیا ہے۔

''ڈوگر'' کے مولف نے بھی ایسی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ڈوگر قبیلوں میں کچھ ایسے نام بھی ہیں جو راجپوتوں، جاٹوں، حتی کہ ارائیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لہذا یہ ممکن ہے کہ یہ ڈوگروں میں دوسرے قبیلوں سے آئے ہوں۔ ڈوگر قبیلوں میں 150 سے بھی زیادہ چھوٹے قبیلے موجود ہیں۔ لہذا ممکن ہے کہ دوسرے قبائل بھی ڈوگر قبیلے میں شامل ہو گئے ہوں۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ارائیں آریا ہیں اور راجپوت ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ایک بہت بڑا اور الگ اعلی سماجی حیثیت کا گروہ یا طبقہ یا دوسرے لفظوں میں ایک قوم معرض وجود میں آ گئی اور اس کا الگ تشخص قائم ہوتا گیا۔ الفاظ آریا اور راجپوت آہستہ آہستہ پس پردہ چلے گئے۔ جہاں تک کہ کسی سٹیج پر بالکل محو ہو گئے۔ صرف لفظ ارائیں اس معزز قوم کا نام ٹھہرا اور اسی نام سے جانی اور پہچانی جانے لگی۔ ایسی مثالیں ہیں کہ بعض اقوام راجپوت ہیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو راجپوت نہ لکھتی ہیں۔ ایسی ایک مثال کتاب راجپوت مولفہ ایم اے رشید احمد رانا (ریٹائرڈ ایس

پی)صفحہ نمبر 478 سے پیش کرتے ہیں۔

''خیال ہے کہ کمبوہ کوئی ایک قبیلہ ہے۔ مگر جدید دور میں تحقیق کے بعد مورخین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ کمبوہ چندر بنسی راجپوتوں کا ایک قبیلہ ہے۔ وہ خود کو بھی راجپوت کہتے ہیں۔ مگر وہ لفظ کمبوہ سے زیادہ تر جانے جاتے ہیں۔ جس طرح ڈوگر راجپوت خاندان خود کو راجپوت نہیں لکھتے۔ اس طرح کمبوہ اپنے قبیلہ کی علیحدہ ہی ایک شناخت رکھتے ہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ کمبوہ قبیلہ اور نسل راجہ کمبوج کی اولاد ہے، راجہ کمبوج راجہ سودکشن کا بیٹا تھا۔ جو مہابھارت جنگ کے دوران لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ بعد ازاں راجہ کمبوج کے سر پر راجا ارجن پانڈو نے ہاتھ رکھا تھا۔ بعد ازاں یہ قبیلہ مشرقی اور مغربی پنجاب میں پھیل گیا۔''

جب ایک قوم یا قبیلہ سے دوسری بڑی شاخ وجود میں آ جائے۔ تو اس کی ایک الگ شناخت قائم ہو جاتی ہے۔ پرانے قبیلے کے نام کی بجائے اس کا نیا نام اس کی پہچان بن جاتی ہے۔ مثلاً ڈومکی اور بگٹی رند قبیلے کی نسل سے ہیں۔ لیکن اب ان کی پہچان نئے ناموں سے ہوتی ہے۔ عام آدمی نہیں جانتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر رند قبیلے سے ہیں۔ لغاری رند قبیلے سے ہیں لیکن لغاری زیادہ اہم نام ہو گیا ہے۔ اسی طرح مزاری جلال خان کے بیٹے ہوت کی نسل سے ہیں۔ لیکن لفظ مزاری کے آگے ہوت کا لفظ گہنا گیا ہے۔ اب کوئی نہیں جانتا کہ مزاری ہوت کی نسل سے ہیں۔ اسی طرح بھٹی، یادو یا جادو نسل سے ہیں۔ لیکن بھٹی جادوں کی نسل اس قدر مشہور، اہم اور پھلی پھولی کہ جادو اصل نسل پس پردہ چلی گئی۔ شائد اب اس کی سماجی حیثیت بھی بھٹی سے کمتر درجہ میں شمار ہوتی ہے۔ یہی بات آرائیوں پر بھی صادق آتی ہے۔ ان کی الگ شناخت اور پہچان قائم ہو گئی۔ اس طرح سے ان کا نیا نام زبان زد عام ہو گیا۔ پرانا نام آریہ اور راجپوتوں سے تعلق گوشہ گمنامی میں چلا گیا۔ اس طرح تاریخ سے ان کا تعلق ٹوٹ گیا۔ جس سے قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ان کا تاریخ سے تعلق اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

نویں باب

کیا ارائیں مخلوط النسل ہیں؟

ارائیں گوتوں کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارائیں ایک خالص نسل نہیں بلکہ مخلوط النسل قوم ہے۔ کیا واقعی ارائیں مخلوط النسل ہیں؟ اور کیا دیگر اقوام راجپوت، جاٹ، گجر وغیرہ بھی مخلوط النسل ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے سے قبل برصغیر میں وارد ہونے والی مختلف نسلوں اور ان سے جنم لینے والے قبیلوں کا پس منظر واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ حبشی (نیگرو) آسٹریلیا کے آسٹرولائیڈ، زرد رنگ اقوام منگول، کول، منڈا، بھیل، سمیری، (جن کو طورانی یا رومی النسل بھی کہا جاتا ہے)۔ آریا، ساکا، ستھین، یوچی اور ہن زمانہ قدیم میں برصغیر انڈو پاک میں مختلف ادوار میں وارد ہوئے تھے۔ تقریباً نئے دور میں سامی النسل یعنی عربی، ترک اور مغل برصغیر میں آئے تھے۔ ہن پانچویں صدی عیسوی میں آئے تھے۔ ہنوں کے آنے کے بعد تمام اقوام یا گروہ ایک دوسرے میں مختلف تناسب میں مدغم ہو گئے اور شمالی ہندوستان میں مختلف ناموں سے ہزاروں قبیلے معرض وجود میں آ گئے۔ بھیل، گونڈ، کول، منڈا خالص گروہ جنوبی ہندوستان میں چلے گئے۔ یا ان کو دوسری زبردست اقوام نے جنوبی ہندوستان کے پہاڑوں اور جنگلوں میں دھکیل دیا۔ وہاں ان کا آپس میں ادغام ہوا۔ وہاں بھی جو مختلف قبیلے تھے وہ تمام سیاہ فام تھے اور ان کے ادغام سے سیاہ فام نسلیں ہی پیدا ہوئیں۔

ہمارے موضوع سے زیادہ تر تعلق شمالی ہندوستان کا ہی ہے۔ ان ہزاروں قبیلوں یا خاندانوں میں آریا، جاٹ راجپوت، گجر اور کمبوہ سب سے زیادہ کثیر التعداد، مقتدر اور معزز تھے۔ پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں ان ہزاروں قبیلوں اور خاندانوں کی نئی تقسیم ہوئی۔ بقول یحییٰ امجد (جس کا اشارہ راجپوتوں کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔ ابتدائی طور پر بالائی طبقہ کے خاندان یا قبیلے راجپوتوں میں شامل ہو گئے۔ اور دوسرے جاٹ اور گجروں میں شامل ہو گئے۔ اس طرح تین

خاندان وجود میں آ گئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ ارائیوں کے مورثین اور کمبوہ آریا نسل ہونے کی بناء پر ابتداً راجپوتوں میں شامل ہوئے۔ اور پھر کچھ وجوہات کی بناء پر ارائیوں کے مورثین اور کمبوہ راجپوتوں سے الگ ہو گئے۔ اس طرح بنیادی طور پر شمالی ہندوستان میں پانچ قبیلے یا خاندان یا پانچ قومیں بن گئیں۔ ان ہزاروں قبیلوں میں سے جو قبیلہ ان پانچوں اقوام میں شامل ہوا۔ وہ اپنی قبائلی شناخت کھو بیٹھا اور اس قوم کی گوت یا شاخ بن گیا۔ جس میں وہ شامل ہوا۔ ایسا بھی ہوا بلکہ اکثر ایسا ہوا کہ ایک قبیلہ بٹ کر ان پانچ قبیلوں میں، کہیں دو، یا تین میں، کہیں چار میں، شامل ہو گیا۔ اس قبیلہ کا جو حصہ جس قوم میں شامل ہوا۔ وہ اس قوم کی گوت یا شاخ بن گیا۔ مختلف قوموں میں مشترک گوتوں کا سبب بن گیا۔ صرف ایک مثال پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ مثلاً مدرا ماضی قدیم کا ایک کثیر التعداد اور مقتدر قبیلہ تھا اور پنجاب میں حکمران ہو گزرا ہے۔ یہ قبیلہ مندھان کے نام سے جاٹوں میں، مدیا مدھ کے نام سے ارائیوں میں، مندھار کے نام سے راجپوتوں میں اور مدرا یا مدار کے نام سے گجروں میں تقسیم ہو گیا۔ اس طرح یہ راجپوتوں، ارائیوں، گجروں اور جاٹوں میں ایک ایک گوت کے اضافے کا باعث بنا۔ پھر ان پانچ اقوام سے بھی ان کے کچھ حصے دوسری اقوام میں ازدواجی بندھنوں کی وجہ سے چلے گئے، یا قوم کا ایک قلیل گروہ دوسری قوم کے ایک بڑے گروہ میں بس گیا اور رفتہ رفتہ اس بڑی قوم کا حصہ بن گیا۔ یا کسی قوم کا ایک گروہ دوسری قوم کی پناہ میں چلا گیا۔ اور پھر مرور ایام کے ساتھ اس کا جزو بن گیا۔ یا ایک قوم کا حصہ حفاظت اور مدافعت کے تقاضوں کے تحت دوسری قوم کا حمایتی بن گیا اور آخر کار اس قوم کا ہی ہو کر رہ گیا۔ اس کی قوم بدل گئی جس قوم کا نام اس نے اختیار کیا۔ اس کی سابقہ قوم کا نام نئی قوم کی گوت بن گیا۔

اب ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ نمبر 92 کے مطابق دہلی پر دھاوا بولنے میں احمد شاہ ابدالی کی مدد کرنے والے قلات کے خان نے جب حسانی قبیلے کو ان کے علاقہ سے بے دخل کر دیا۔ تو انہوں نے کھیتران قبیلے کے پاس پناہ لی اور ان میں مل گئے اور اب وہ اس کھیتران قبیلے کی ایک گوت ہیں۔ حتی کے اجنبیوں کو بھی اکثر اسی طریقے سے اپنے میں شامل کیا جاتا رہا۔ لغاری قبیلے میں ناہر

پٹھانوں کی ایک شاخ بھی شامل ہے۔ جو بلوچ نہیں بلکہ کھیتران ہیں اور گورچانی قبیلہ میں ایسی ایسی شاخیں شامل ہیں۔ جن کے نام اور زبان اگرچہ بلوچی ہیں۔ جن کا بلوچ نسل سے ہونا جائز نہیں سمجھا جاتا اور وہ تقریباً یقینی طور پر جٹ ہیں۔ مصنفین قوم گجر کا دعویٰ ہے کہ گورچانی گجر ہیں۔ جو بلوچوں میں شامل ہو گئے ہیں۔

رند قبائل میں لاشاری گوت بھی ہے۔ حالانکہ رند اور لاشاری بلوچوں کے اہم اور دو بنیادی قبائل ہیں۔ اقوام پاکستان کے مصنف عبدالرزاق جنجوعہ نے قوم کھوکھر کا حال لکھتے ہوئے ایک ارائیں کھوکھر کا انٹرویو اسی کتاب میں شامل کیا ہے۔ جو کہ سیدوالہ کا رہائشی تھا۔ مصنف نے اس ارائیں کھوکھر سے پوچھا کہ کھوکھر تو مسلمہ راجپوت ہیں۔ تو پھر آپ ارائیں کس طرح ہوئے۔ اس نے کہا ہم مختلف قوموں میں اپنی لڑکیاں بیاہ دیتے ہیں۔ اور ان سے بیویاں بھی لے لیتے ہیں۔ ان ازدواجی بندھنوں کے سبب ہم ارائیں بن گئے۔ اور اب ارائیں کھوکھر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

ایسی ایک مثال شاہان گجر کے مصنف ابوالبرکات مولوی عبدالمالک نے اپنی کتاب میں دی ہے۔ مصنف کے مطابق ایک راجپوت چوہان نے کسی گجر عورت سے شادی کر لی۔ اس کی اولاد گجروں میں رہنے کی وجہ سے گجر چوہان کہلائی۔ اس طرح اس کی اولاد کی قوم گجر ٹھہری اور اس کی سابقہ ذات گجروں کی گوت چوہان بن گئی۔ ملاحظہ ہو شاہان گجر صفحہ نمبر 501 ذاتوں کے انسائیکلو پیڈیا کے صفحہ نمبر 110 کے مطابق افغان نسل کا تعلق مرکزی طور پر ترک ایرانی نسل سے ہے اور اس کے مشرقی قبائل میں ہندی خون کی آمیزش ہے۔ مغربی قبائل مثلاً ژوب کے کاکڑ، اور پشین چمن کے ترین اور اچکزئی، جوڑے سر والے بلوچ سے مشابہ ہیں۔ جب کہ وادی سندھ کے قبائل کے سر کم چوڑے ہیں۔ ان کے ناک عموماً لمبے اور اکثر خم دار ہوتے ہیں۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ پہلے ہزاروں قبیلوں کے مختلف ادوار میں متفرق ہونے سے چند بنیادی قومیں پیدا ہوئیں۔ پھر ان قوموں کا بھی آپس میں ادغام ہوتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔

اب ہم مخلوط النسل ہونے کا جواب دیتے ہیں۔

ارائیں واقعی مخلوط النسل ہیں۔ ان کی گوتیں اگر گہلن، سندھو، برار، بھٹی، کھوکھر، جنجوعہ، نادو، وریاہ، چھچھر، رامے، کمبوہ، قریشی، رائے، پٹھان، سوہیڈیا سوڈھی، ہیں تو یہ تعجب کی بات نہ ہے۔ 1881ء کی مردم شماری میں یہ گوتیں انگریزوں نے اکٹھی کیں تھیں۔ کوئی آج نیا دعویٰ نہ کیا جارہا ہے۔ جاٹوں کی طرح ارائیں اپنی گوت نہیں لکھتے۔ اس لئے بعض لوگوں اور خاص طور پر دیگر قوموں کو تعجب ہوتا ہے۔ اب کچھ لوگوں نے اپنی گوتیں لکھنی شروع کی ہیں۔ مثلاً محمد حنیف رامے (مرحوم) انوارالحق رامے سابقہ ایم این اے ساہیوال چوہدری محمد اصغر منڈا (2008ء میں حلقہ شرقپور سے ایم۔ پی۔ اے منتخب ہوئے) اگر تمام لوگ لکھیں تو گوتیں جاٹوں کی گوتوں کی طرح زبان زد عام ہو جائیں۔ کیونکہ قوم کے کثیر التعداد افراد سرکاری محکموں اور پرائیویٹ ملٹی نیشنل کمپنیوں میں بہت بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ ایم۔ پی۔ اے، ایم۔ این۔ اے ضلع ناظم، تحصیل ناظم ہیں۔ بڑے بڑے صنعت کار اور تاجر ہیں۔ اس اقدام سے گوتوں کی حرمت میں اضافہ ہوگا اور قوم کے وقار میں اضافہ ہوگا۔ محمد حنیف رامے نے اپنے نام کے ساتھ رامے لکھ کر رامے آرائیوں کا سر فخر سے بلند کر دیا اور آرائیوں اور خاص طور پر رامے آرائیوں کو بہت عزت ملی۔

خیر ہم اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ صرف ارائیں ہی مخلوط النسل نہ ہیں۔ دیگر تمام اقوام جاٹ، راجپوت، گجر وغیرہ بھی مخلوط النسل ہیں۔ جاٹوں میں لنگاہ جاٹ، افغان، ماخذ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بعض مورخین نے ان کو ایک بلوچ قبیلہ بتایا ہے۔ تہیم اور ملاعرب ماخذ گولیا، اور لنگڑیال برہمن نسل کے دعویدار ہیں۔ بھلر، ہیر، بھنگو، وڑائچ، اور نول خود کو جٹ نسل سے بتاتے ہیں۔ بل، چھندر، ہنجرا ماہل اور سومرا کا ماخذ راجپوت بتایا جاتا ہے۔ دیگر جاٹ قبائل راجپوت اجدادیت کا خصوصی دعویٰ کرتے ہیں۔

جہاں تک راجپوتوں کا تعلق ہے۔ یہ کسی نسل کا نام نہ ہے۔ ابٹسن اس یقین کے حامل نظر آتے ہیں کہ قدیم یا نسبتاً حالیہ ادوار میں کسی بھی ذات کے قبیلے نے ایک وسیع خطے پر حاکمیت حاصل کر لی۔ تو اسے راجپوت کہا جانے لگا۔ ان ذاتوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ ذاتیں

شامل ہیں۔ مثلاً سری رام چندر، اور سری کرشن جی مہاراج کی اولاد سورج بنسی اور چندر بنسی راجپوت بھی ہیں۔ بھیل اور گونڈ کی شاخ مینا، چندیل، اور گڑھوال ذاتوں کے لوگ پست سماجی حیثیت کے مالک تھے۔ مگر اقتدار حاصل کر کے راجپوتوں میں شامل ہو گئے۔ راجپوتوں کی تقریباً چار ہزار گوتیں ہیں۔ جس قدر کسی قوم کی گوتیں ہوں گی اسی قدر وہ قوم مخلوط النسل ہوگی۔

راجپوتوں کے ان قبائل میں جن میں آریا میل زیادہ ہے۔ وہ کھلتے ہوئے سرخ اور سفید رنگ کے ہیں۔ اور جس قدر آریا میل کم ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر رنگت میں سفیدی کم ہوتی جاتی ہے۔ اکثریت کا رنگ سفید مگر ماندہ ہے۔ باقی کے رنگ سیاہی مائل ہیں۔ یوں یوں شمالی ہند سے جنوبی ہندوستان کی طرف بڑھتے جائیں۔ ان کا رنگ سیاہی مائل اور جنوبی ہندوستان میں سیاہ ہو کر رہ گیا ہے۔

1881ء کی مردم شماری کے مطابق ایک چارٹ شامل بر صفحہ 318 کتاب ہے۔ اس کے مطابق برصغیر میں راجپوت سب سے بڑی تعداد میں ہیں۔ اس چارٹ کے مطابق 1881ء میں برصغیر میں راجپوتوں کی کل تعداد 8673514 ہے۔ یہ تمام برصغیر کے صوبوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی آبادیاں شمالی ہندوستان اور راجپوتانہ کے علاوہ آگے جنوبی ہندوستان میں بنگال بلکہ آسام تک ہیں۔ شمالی ہندوستان اور راجپوتانہ میں ان کی آبادی ایک تہائی ہے۔ اور باقی داروڑی علاقوں میں دو تہائی ہے۔ ان داروڑی علاقوں میں وہاں کے آب و ہوا نے ان کے رنگ پر اثر ڈالا ہے۔ یا وہاں کی آبادی کے ساتھ ان کا وسیع پیمانے میں ادغام ہوا ہے۔ غالباً یہ بھی ہوا ہے کہ وہاں کے جن قبائل نے وسیع علاقوں پر حاکمیت قائم کر لی۔ تو انہوں نے بھی اپنے زور بازو سے اپنے آپ کو راجپوتوں میں شامل کرالیا۔ اور برہمنوں کو انہوں نے انعام و اکرام سے نواز کر اور دھونس سے مجبور کیا کہ وہ ان کے شجرہ نسب سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں سے ملا دیں۔

ارائیں اگر راجپوت ہیں تو ان کی اکثریت کیوں سفید رنگ کی ہے۔ اور کیوں تقریباً ایک فیصد ہی لوگوں کا رنگ سیاہ یا سیاہی مائل ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اکثریت آریا باقیات ہیں۔ ان میں جو راجپوت قبیلے شامل ہوئے ہیں۔ ان کی اصل بھی آریا ہی ہے۔ بھٹی

خوداور باقی گوتیں جوارائیوں میں شامل ہوئی ہیں۔ وہ بھٹی الاصل ہیں۔ بھٹی جادوقبیلہ کی یادگار ہے۔تاریخ ارض پاکستان مولفہ رشید اختر ندوی صفحہ نمبر 286 کے مطابق یادوآریا قبیلہ ہے۔ جہاں تک ایک فیصد، سیاہ یا سیاہی مائل آرائیوں کا تعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آریا سے قبل کے سمیری یعنی رومی النسل لوگ جوداروڑقوموں سے مل کرسیاہ رنگ ہو گئے تھے۔ آرائیوں میں نہایت ہی قلیل تعداد میں مدغم ہو گئے۔ آرائیوں کی سیاہی مائل رنگت کا سبب یہی لوگ ہیں۔ چارٹ کے مطابق آرائیں صرف پنجاب میں پائے گئے۔اور باقی صوبوں میں پنجاب سے ہی گئے۔

آرائیں اقوام کی وجہ تسمیہ ہم پچھلے ابواب میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ مختصر طور پر یہ اسطرح ہے۔ کہ ہندوستان میں آنے والے آریا قبائل مقامی آبادی میں مدغم ہو گئے۔ بہت قلیل مقدار میں کچھ آریا لوگ اپنی الگ پہچان رکھنے میں کامیاب رہے۔اور اپنی ہمسایہ اقوام میں آریا کے نام سے ہی پکارے جاتے رہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آریوں میں بہت سے قبائل مختلف نام کے تھے ان میں سے ایک قبیلہ کا نام ہی آریا یا آری تھا۔ یا پرانے ایران کے علاقہ آریانہ (موجودہ ہرات واقعہ افغانستان) سے آریوں کے ساتھ آنے والے لوگ آریانی کہلاتے ہوں گے۔انہی الفاظ آریا، آریانی سے لفظ آریائی بنا اور آریائی سے آریائیں اور آخر میں مخفف ہو کر آرائیں بنا اور ایک قوم کا نام ٹھہرا۔

لہذا ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ آرائیوں کا مرکزی نقطہ Nucleus آریا لوگ ہیں۔ اس مرکزی نقطہ کے گرد راجپوت اکٹھے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آرائیں بنیادی طور پر آریا ہیں اور پھر اس میں سب سے زیادہ ادغام راجپوتوں کا ہوا ہے۔ آریا بھی ہزارون سال حکمران رہے۔ پچھلی بحث کے مطابق وہ بھی راجپوت ہیں لہذا آرائیوں کے راجپوت ہونے کا نظریہ درست ہے۔ یورپی سکالرز نے قرار دیا ہے کہ ارائیوں کا مرکزی نقطہ سینتی اور کمبوؤں کا طبقہ ہے جو کہ مسلمان ہو گیا تھا، غلط ہے۔ یہ ویسے تو سینی اور کمبوہ بھی راجپوت ہیں۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہ اس طرح غلط ہے۔ ڈھوٹ، تھند گوتیں دونوں کمبوؤں اور آرائیوں میں مشترک ہیں۔ لیکن یہ گوتیں تو جاٹوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ ڈھوٹ اور تھند الگ الگ قبیلے تھے۔ جو مختلف اوقات میں آرائیں، جاٹ اور کمبوؤں میں شامل ہو گئے۔ پھر صرف دو گوتیں ہیں۔ اور قلیل تعداد کی ہیں۔ جہاں تک سینی کا تعلق ہے۔ یہ درست ہے کہ سینی راجپوت تھے۔ پرانے زمانے میں بادشاہوں کی فوج کو سینا اور فوجی کو سینی کہا جاتا ہے۔اس سینا کا سپہ سالا سیناپتی کہلاتا تھا۔ سینوں کی مشہور گوتیں لوئی، پون، گھری، حمارٹی، بدوال، الاگنی، مانگر، بریال، برایت ہیں۔ پنجاب کاسٹس میں کلے کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ جالندھر کے آرائیں اور سینی قبیلوں میں کچھ گوتیں مشترک ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں صرف جالندھر میں چند گوتوں کا اشتراک بتایا گیا ہے لیکن کسی گوت کا حوالہ نہ دیا ہے۔ مولف کے خیال کے مطابق غالبًا ایک گھری سینی گوت آرائیوں میں پائی جاتی ہے۔ کیا ایک گوت سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ آرائیں سینی الاصل ہیں۔ اس کا جواب نفی میں ہے۔ راجپوتوں کی بیسیوں گوتیں آرائیوں میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ آرائیوں کے سب سے کثیرالتعداد قبیلے گہلن، چنڈور، چھچھر، سندھو، اور برار میں سے اکثر یا زیادہ واضح طور پر راجپوت نسل سے ہیں۔ اس لئے یورپی سکالرز کا یہ نظریہ کہ آرائیوں کا مرکزی نقطہ سینی اور کمبوہ ہیں، بالکل غلط او بے بنیاد ہے۔ اور صرف مفروضوں پر مبنی ہے۔ آرائیوں کا مرکزی نقطہ آریا راجپوت ہیں۔ یہاں تک یورپی سکالزر کا یہ کہنا ہے کہ آرائیوں اور کمبوؤں کا نسلی تعلق ضرور ہے۔ تو ہم مباحث قبل کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ دونوں ایران سے آئے ہوئے ہیں اور دونوں نسلی طور پر آریا ہیں۔ یہ قدر ان میں مشترک ہے۔

☆☆☆

کیا پنجاب کے پانچ بڑے قبائل کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟

پنجاب کے پانچ بنیادی قبائل آرائیں، راجپوت، جاٹ، گجر اور کمبوہ ہیں۔ ان کے علاوہ بلوچ، پٹھان سید بھی ہیں لیکن ان کا اس موضوع سے زیادہ تعلق نہ ہے۔ جب بھی کبھی ان بنیادی اقوام کو زیر بحث لایا گیا۔ یا کسی قوم کے مورخ نے اپنی قوم کی تاریخ لکھی تو اس کو اپنی قوم کا تعلق دوسری اقوام کے ساتھ نظر آیا۔ اس سلسلہ میں مختلف مصنفین اور محققین نے نظریات پیش کئے ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل دی جاتی ہے۔

شاہان گجر کے مولف مولوی عبدالمالک اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 209 پر اس طرح رقم فرماتے ہیں۔

"میں نے ابھی ابھی گجروں، جاٹوں اور راجپوتوں کے خاندانوں کی علیحدہ علیحدہ فہرستیں پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ان میں کس قدر اختلاط اور امتزاج ہے۔ جاٹ، گجر ابتداء سے سورج بنسی اور چندر بنسی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور بڑے بڑے مورخین اور مشہور محققین ان کے اس دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کس دلیل پر راجپوت جاٹوں اور گجروں سے الگ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جاٹ اور گجر ہماری اس تاریخ کو پڑھ کر یقین کریں گے کہ راجپوتوں میں شامل ہونے سے ان کی شان و افتخار نہیں لگ جائے گا۔ یہ دونوں قومیں معزز و مقتدر کے آباؤ اجداد بادشاہ رہے ہیں۔ اور عرصہ دراز تک وسط ایشیاء نا میں اپنے اقتدار و شوکت کا سکہ بٹھا چکی ہیں۔ ہم نے جو کچھ

لکھا ہے اس غرض سے لکھا ہے۔ کہ ایک حقیقت کو جس پر مدت سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ آشکارا کر دیا جائے، طعنہ زن اور نقطہ چین کی زبان سے کون بچ سکتا ہے۔ تاہم ہمیں یہ کہنا ہے کہ باوجود اس قدر دیرینہ تعلقات کے ان تینوں بھائیوں کا الگ الگ ہو جانا ایک ایسا سیاسی گناہ ہے۔ جس کی سزا موت کے سوا کچھ نہیں۔ کاش قوم سمجھتی اور غور کرتی۔"

تاریخ گجر کے مولف رانا حسن علی گجر چوہان نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جاٹ اور راجپوت گجر ہی ہیں۔ جو کسی وقت گجروں سے الگ ہو گئے۔ نظریہ مبہم ہے یہی چھوڑتے ہیں۔

آل کمبوجیا کے مصنف چوہدری اللہ دتہ کمبوہ مجیٹھیا اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 118 پر یوں لکھتے ہیں:

"کمبوؤں اور جٹوں کے بلحاظ مذہب تین الگ الگ فرقے ہیں۔ مثلاً ہندو کمبوہ، سکھ کمبوہ، مسلمان کمبوہ اور اسی طرح جٹوں کے ہندو جاٹ، سکھ جاٹ، مسلمان جاٹ وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں ان میں ایک تیسرا فریق ارائیں بھی شامل ہے۔ جو کہ مسلمان کمبوؤں کے گھرانے سے پیدائشی طور پر مسلمان ہے اور اس سبب یہ نہ صرف جنوب مغربی پنجاب (ملتان، ساہیوال اور ریاست بہاولپور بلکہ بالائی سندھ) میں بھی جاٹ ہی کے نام سے موسوم ہیں۔

(مولف آرائیوں کے کمبوؤں سے معرض وجود میں آنے کے چوہدری اللہ دتہ صاحب کے نظریہ سے اختلاف کر چکا ہے۔ بہر حال موضوع کی مناسبت سے ان کا نقطہ نظر دیا جا رہا ہے)۔ چنانچہ اس ضمن میں ہر سہ کی مشترک گوتیں حسب ذیل ہیں۔ بان، بٹھا، برڑ، بھدر یا بھدرو، بوسن بگہ یا بگوئے، تھند، تارڑ، جنجوعہ، جوسن، یا جوشن، بجے یا جج، جوڑا، جانگل، چھندرو، چمن، چاچڑ، ڈھینگے، ڈھڈی، ڈوڈے، سندھ، سندھے، کاکڑ، کھوکھر، گل، گھڑیال، منڈے، گورے، متو یا متی، ناگری، نین وریاہ اور زہرے۔"

ایم۔اے متین مولف تاریخ جٹاں اپنی کتاب ایڈیشن دوئم صفحہ نمبر 487 پر لکھتے ہیں۔

جٹ اور راجپوت مشترکہ گوتیں:

بنیادی طور پر تمام راجپوت اور جٹ ایک ہی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ راجپوت مولف رانا مظفر حسن کے صفحہ نمبر 40 پر اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی سے پہلے تک تاریخوں کے اندر لفظ راجپوت کا اطلاق قوم یا ذات کی حیثیت سے نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ مسلمان بادشاہوں کے عہد میں ایجاد ہوا۔ ورنہ راجپوت بنیادی طور پر جٹ ہی ہیں۔ در حقیقت راجپوت اور جٹوں میں کوئی بنیادی فرق نہیں۔ ایک نسل اور ایک خون ہیں۔ صرف چند معاشرتی ہندوانہ رسوم ہیں جو ایک دوسرے کے درمیان حائل ہیں۔ جنہیں بآسانی ختم کیا جاسکتا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ بہت سے راجپوت اپنے راجپوتی تعصبات اور بے جا تفاخر کو خیر باد کہہ کر جٹ قوم میں دوبارہ شامل ہوگئے ہیں۔ اور کچھ شامل ہوتے جا رہے ہیں۔ کیونکہ قدرت کا اٹل اصول ہے۔ کہ" **کل شیء یرجع الی اصلہ**" ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹ آتی ہے۔ یہ بات اتحاد و یگانگت کی علامت ہے۔"

تاریخ "ڈوگر" کے مولف لکھتے ہیں کہ ڈوگر قبیلے میں راجپوت، جاٹ حتیٰ کہ آرائیوں کے بعض قبیلے بھی شامل ہیں۔ یا تو ڈوگروں سے کچھ قبیلوں کے لوگ ان قوموں میں شامل ہوئے ہیں۔ یا ان قوموں کے کچھ لوگ ڈوگروں میں شامل ہوگئے ہیں۔

ڈینزل ابٹسن اپنی رپورٹ Punjab Castes کے حصہ چہارم صفحہ نمبر 97 پر راجپوت اور جاٹ کے متعلق رپورٹ لکھتے ہوئے یوں گویا ہیں۔" صوبہ پنجاب کے اکثر حصوں میں راجپوت اور جاٹ میں فرق اس قدر غیر واضح ہے کہ ان میں کوئی حتمی لکیر نہیں کھینچی جاسکتی۔

آگے چل کر صفحہ نمبر 100 پر مزید لکھتے ہیں۔

آیا کہ راجپوتوں اور جاٹوں کی ابتداء ایک ہی ہے۔ یا نہیں ہے۔ اور ان میں قدیم ترین عناصر (قدیم ترین لوگ) خواہ کسی بھی مقدار میں مل گئے ہوں۔ لیکن وہ اب ایک ہی Stock معلوم

ہوتے ہیں۔ اور ان میں اب فرق صرف سماجی درجہ کا ہے۔ میرے خیال میں وہ خاندان جن کو قسمت کی دیوی نے سیاسی طاقت اور اہمیت بخش دی۔ وہ راجپوت بن گئے باقی جاٹ شمار ہوئے۔"

حصہ چہارم میں ابٹسن نے کھرل، گکھڑ، اعوان کھرل، کھوکھر، ڈوگر، گجر وغیرہ کے متعلق رپورٹ لکھی ہے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اگرچہ چھوٹے مالکان اراضی ہیں لیکن اپنے علاقوں میں غالب حیثیت رکھتے ہیں لیکن پہلی دو ذاتوں میں سے ہیں۔

مزید آگے ارائیں، کمبوہ اور آہیر کے متعلق روشنی ڈالی ہے ان کے متعلق وہ یوں گویا ہے۔ یہ گروپ ان قوموں اور قبیلوں سے الگ نہ ہے۔ جن کے متعلق میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ ان میں سے کچھ کا کبیر قبائل (مندرجہ حصہ چہارم ابتدائی صفحات) کے ساتھ تعلق ہے۔

ڈینزل ابٹسن کے اقتباسات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان رپورٹ میں Discuss کی جانے والی اقوام کا نسلی تانا بانا تقریباً ایک جیسا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ان میں نسلی عناصر ایک ہی جیسے ہیں۔ لیکن ان کے تناسب میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

موجودہ کتاب کے مولف نے بھی تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی تک برصغیر میں نیگرو، منگول، کول، منڈا، بھیل، سمیری، آریا، ساکا، یوچی، ایرانی، یونانی، اور سفید ہن آباد ہو چکے ہوئے تھے۔ کول، منڈا، بھیل کو سمیری قوم نے جنوبی ہندوستان کے پہاڑوں اور جنگلوں میں دھکیل دیا تھا۔ ادھر شمالی ہندوستان میں رہ جانے والے کول، منڈا، بھیل کو سمیری قوم نے آریوں کی آمد سے قبل اپنے میں جذب کرلیا تھا۔ یہ مخلوط سمیری قوم۔ آریا ساکا یوچی ایرانی یونانی، سفید ہن بھی آپس میں مختلف تناسب سے ایک دوسرے میں مخلوط ہوگئے ہیں۔ اور ہزاروں قبیلے مختلف ناموں سے معرض وجود میں آگئے۔ مشہور مورخ یحییٰ امجد کے مطابق ان ہزاروں قبیلوں کی چھٹی صدی عیسوی میں ایک نئی تقسیم ہوئی۔ اور تین اقوام راجپوت، جاٹ، گجر ابتدائی طور پر تشکیل پذیر ہوئیں۔ پھر آریا آرائیوں کے مورث اعلیٰ "کمبوہ، راجپوتوں سے الگ ہوگئے۔ اس طرح پانچ بنیادی قومیں زمیندار، کاشتکاروں کی معرض وجود

میں ضم ہو گئیں۔ ان بڑی نسلی قبیلوں میں سے بعض تو تمام کے تمام کسی ایک قوم میں شامل ہو گئے
جس قوم میں شامل ہو گئے۔ اس قوم کی گوت بن گئے۔ اور بعض قبائل کا حصہ بن گئے۔ اس
طرح ایک قبیلہ مختلف قوموں اور ذاتوں میں شامل ہو گیا۔ جو حصہ جس قوم میں شامل ہوا۔ وہ اس قوم
کی گوت بن گیا۔ اس لیے مختلف قوموں میں مشترک گوتیں پائی جاتی ہیں۔ بعد میں ان قوموں
کے کچھ حصے دوسری قوموں میں شامل ہوتے رہے۔ جیسے راجپوتوں کے جنجوعہ قبیلے کے کچھ لوگ
جاٹوں، گجروں اور آرائیوں اور دوسری قوموں میں شامل ہوئے۔ ان کی قوم بدل گئی۔ اور ان کے قبیلے کا
نام جس قوم میں شامل ہوئے اس کی گوت بن گیا۔ جیسے جاٹ جنجوعہ۔ گجر جنجوعہ، یا جاٹ کھوکھر،
آرائیں کھوکھر، گجر کھوکھر وغیرہ۔

لہذا ہم وضاحت سے اور وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان پانچ بنیادی قوموں کے
نسلی عناصر ایک ہی جیسے ہیں صرف ان اقوام کے عناصر میں تناسب کا فرق ہے۔ کسی ایک کو دوسرے
پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ ان اقوام کا معاشرتی درجہ بدلتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی بدلتا رہے گا۔
بعض اوقات قسمت کی مہربانی اور کبھی جدوجہد سے سماجی مرتبہ میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ کسی بھی
قوم کے لیے جدوجہد مسلسل شرط ہے۔

☆☆☆

گیارہواں باب

ان بنیادی اقوام کا مزاج اور امتیازی خصوصیات الگ الگ کیوں ہیں؟

اب قارئین اکرام سوال کر سکتے ہیں کہ اگر ان قوموں کے عناصر ترکیبی ایک ہیں تو پھر
ان قوموں کا مزاج مختلف کیوں ہے؟ ان کی عادات و اطوار کیوں دوسرے سے مختلف ہیں؟ ان
میں سے بعض اقوام جھگڑالو، جنگجو، اکھڑ مزاج، غصیلی، متلون مزاج کمزور دل اور بات بات پر
مشتعل ہو کر مرنے مارنے کی طرف مائل کیوں ہیں؟ ان میں معاشرتی ماحول میں ابتری پیدا
کرنے والے منفی رجحانات کیوں پائے جاتے ہیں؟ اور بعض اقوام کے مزاج میں ایسے رجحانات
کیوں نہیں ہیں؟ وہ کیوں پر امن ہیں؟ ان کا مزاج جارحانہ کیوں نہیں؟ بلکہ مدافعانہ کیوں ہوتا
ہے؟ وہ کیوں جیو اور جینے دو کی پالیسی پر کاربند ہیں؟ ان میں نخوت اور رعونت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ
منکسر المزاج ہوتی ہیں۔ برصغیر کی ان پانچ بنیادی قوموں کے مزاج اور عادات و اطوار کا جائزہ
لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کس طرح جغرافیائی خطوں
آب و ہوا ماحول اور خوراک نے انسان کو متاثر کیا۔ مثلاً دنیا کے مختلف حصوں میں بڑے بڑے
لمبائی اور چوڑائی والے پہاڑ، کہیں زرخیز وادیاں، اور کہیں اونچی نیچی سطح مرتفع زمین، کہیں ناقابل
زراعت وسیع وادیاں کہیں ریگستان اور کہیں ریگستانوں میں وسیع نخلستان، بعض علاقوں میں
بارشیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اور کہیں کم اور بعض علاقوں میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

بعض پہاڑ درختوں اور پھل دار درختوں سے معمور اور بعض پتھر کی چٹانوں کے خشک
پہاڑ، کہیں آب و ہوا معتدل کہیں بہت زیادہ گرمی اور کہیں بہت زیادہ سردی۔ دنیا کے بعض

علاقے برفانی ہیں۔ان علاقوں میں سردی شدید ہوتی ہے بعض ملک کیساتھ سمندر ہیں۔زمین پہاڑی ہے، دنیا کے بعض حصوں میں جنگلات کثرت سے ہیں۔

ایسی وادیاں جن کو دریاؤں نے پہاڑوں سے لائی گئی مٹی سے زرخیز بنا دیا۔وہاں کے انسان نے کھیتی باڑی شروع کردی اور زراعت کو اپنالیا۔اگر بارش بھی اچھی مقدار میں ہوتی تھی۔تو دوسرے علاقوں سے بھی ڈھڑا دھڑ لوگ آ کر ان وادیوں میں رہائش پذیر ہو کر زراعت کے ساتھ منسلک ہو گئے۔اور ایسے علاقے جو بعض وجوہات کے بناء پر نا قابل زراعت تھے لیکن وہاں بارش کی وجہ سے گھاس پھوس کثرت سے پیدا ہوتی تھی۔وہاں کے انسان نے مویشی پالنے کا کام شروع کردیا۔سرسبز پہاڑوں میں لوگ گلہ بانی کرنے لگے۔جو جگہ قابل زراعت تھی اس کو کچھ لوگ کاشت کرنے لگے۔اس طرح ماحول نے انسانوں کے دو عظیم گروہ زراعت پیشہ اور مویشی پالن پیدا کردیئے۔ریگستانی علاقوں میں لوگ اونٹ پالنے لگے اور نخلستانوں میں اونٹ گھوڑے پالنے کے علاوہ کھیتی باڑی کا چلن ہوا۔جن پہاڑوں میں اور جنگلوں میں پھل دار درخت ملے۔انسان ان کے پھل بطور خوراک استعمال کرنے لگا۔اور نئے درخت لگا کر باغبانی کرنے لگا۔جن پہاڑوں سے یا پہاڑی علاقوں سے اتفاقیہ کوئی معدنی اشیاء مل گئیں۔انسان ان کو کھود کر کان کنی کرنے لگا۔سمندروں اور دریاؤں کے کنارے رہنے والے انسان نے مچھلیاں پکڑنا شروع کردیں۔

سرد علاقوں کے لوگوں نے اپنا لباس ان اشیاء سے بنایا جو کہ گرمی پہنچاتی تھیں۔اس کا لباس تنگ ہوتا تھا۔پینٹ اور کوٹ اس کی بہت ہی ماڈرن شکل ہے۔گرم علاقوں کے لوگ ایسا لباس استعمال کرتے جو گرم نہ ہوتا تھا۔کھلے کپڑے پہنتے تھے۔جس کی مثال ماڈرن دور میں شلوار قمیص یا دھوتی کرتہ ہے۔

گرم علاقے کے لوگوں کا مزاج گرم، متلون مزاج اور غصیلہ ٹھہرا۔سرد علاقوں کے لوگ سرد مزاج اور معتدل مزاج تھے۔پہاڑی علاقوں کے لوگ اونچائی پر چڑھتے اترتے تھے اس لئے میدانی علاقوں کے لوگوں سے زیادہ سخت جان بن گئے۔پہاڑی علاقوں کے لوگوں میں

چٹانوں کی طرح سختی آئی۔اکھڑ پن بھی پیدا ہوا۔میدانی علاقوں کے لوگوں کا مزاج بھی زمین کی نرمی کے سبب نرم بنا۔اکھڑ اور کھٹور دل کی بجائے رحم دلی اس کا خاصا ٹھہرا۔کھیتی باڑی چونکہ مخصوص زرخیز زمین سے وابستہ ہوتی تھی اس لئے کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا رجحان کم ہوا۔یہ ایک ہی جگہ پر بستیاں بنا کر رہنے لگے۔کھیتی باڑی کرنے والے افراد یا ان کا خاندان اپنی اپنی زمینوں پر الگ الگ کام کرتے تھے۔اور انہیں لمبے لمبے عرصے تک اپنے اپنے کھیتوں پر کام کرنا پڑتا تھا۔اس لئے دوسرے افراد اور خاندانوں سے گفت وشنید کا وقفہ کم ہو گیا۔اس لئے کچھ تنہا پسندی کا رجحان بھی ان میں بڑھ گیا۔قبائلی سسٹم کمزور ہوتا گیا۔اس لئے کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں میں سرداری نظام دم توڑ گیا۔ان کا کوئی سردار ہی نہ رہا۔چونکہ زمینیں وسیع پیمانے پر دستیاب تھیں۔کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں کی تمام ضروریات آسانی سے پوری ہو جاتی تھیں۔اس لئے ان لوگوں کو چوری چکاری اور ڈاکہ زنی اور چھینا جھپٹی کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔اس لئے امن پسندی اور قناعت ان کی طبیعت کا خاصا بن گیا۔

دوسری طرف خانہ بدوش اور مویشی پالن گروہ چونکہ بستیاں بنا کر ایک جگہ نہ رہتے تھے۔یہاں ان کے مال مویشیوں کے لئے چراگاہوں میں سرسبزی ختم ہوتی۔یہ کسی دوسری سرسبز چراگاہ کی طرف نکل پڑتے تھے۔وہاں ان کی مڈبھیڑ وہاں پہلے سے موجود خانہ بدوش اور مویشی پالن گروہ سے ہو جاتی تھی۔ایک گروہ اپنا قبضہ برقرار رکھنے اور دوسرا قبضہ چھیننے کے درپے ہوتا۔اس لئے ان میں خونی تصادم ہوتا تھا۔بعض دفعہ تو ایک دوسرے کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوتا تھا۔اس تصادم میں ایک گروہ دوسرے گروہ سے مال مویشی بھی چھین لیتا تھا۔یہ سلسلہ صدیوں چلتا رہا۔اس لئے چھینا جھپٹی اور خون بہانا ان کی سرشت بن گئی۔اپنے مال مویشی کی تعداد میں اضافہ کے لئے دوسرے گروہ کے مویشی زبردستی چھیننا راتوں کو چوری کرنا بھی ان کی سرشت میں داخل ہو گیا۔مال مویشی کے ساتھ دوسروں کی عورتوں پر زبردستی قبضہ کرنا یا اغواہ جیسی لعنت کو بھی انہیں حالات نے جنم دیا۔خانہ بدوش و مال مویشی پالن گروہ جنگلوں، پہاڑوں اور ریگستانوں میں رہتے تھے۔یا ہمیشہ محو سفر چلتے رہتے تھے۔خطرناک جنگلی جانور بھی عام تھے۔ان سے بھی ان کی مڈ

بھیڑ ہوتی رہتی تھی۔ ان کی موجودگی اور ان سے بچاؤ کے لئے ان سے تصادم نے بھی ان گروہوں کو بہادر، نڈر بنا دیا۔ چونکہ یہ لوگ بڑے گروہوں کی شکل میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ دوسری جگہ پر ان جیسے لوگ ہی سرسبز چراگاہوں پر قابض ہوتے تھے۔ ان چراگاہوں پر قبضہ بحال کرنے یا قبضہ کرنے کے لئے خونی تصادم لازمی ہوتا تھا۔ یہ کیفیت صدیوں جاری رہی۔

ہر گروہ کا ایک سردار لازمی ہوتا تھا، جو جنگ میں ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ اس طرح ان میں قبائلی نظام نے جڑ پکڑ لی۔ ان کے سردار مستقل ہوگئے۔ جن کا حکم جنگ اور امن میں چلنے لگا۔ زراعت پیشہ افراد کو وافر زمین مہیا تھی۔ اور وہ ایک ہی جگہ پر مستقل رہائش پذیر ہوگئے تھے۔ مزید زمینوں پر قبضہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے ان کا کوئی سردار بھی نہیں ہوتا تھا۔ البتہ جب خانہ بدوش قبائل اور مویشی پالن گروہ ان کی بستیوں پر حملہ کرتے تھے۔ تو وقتی طور پر کسی کو اپنا سردار مقرر کر لیتے تھے۔ اور دفاعی لڑائی لڑتے تھے۔ لڑائی کے بعد وقتی سردار کا رول ختم ہو جاتا تھا۔ پھر نظام سردار کے بغیر چلنے لگتا۔ اس طرح زرعی معاشروں میں قبائلی سرداری نظام جڑ نہ پکڑ سکا۔ اس طرح جارحانہ نہیں بلکہ دفاعی لڑائی لڑنا ان کی طبیعت کا خاصا بن گیا۔ یہ بات بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ زراعت پیشہ لوگوں نے ہی دنیا کی اولین حکومتیں قائم کیں۔ مثلاً عراق اور مصر میں زراعت پیشہ لوگوں نے دنیا کی اولین حکومتوں کی بنیاد رکھی اور ان کو پروان چڑھایا۔ اور انسانی تہذیبوں کو ترقی دی۔ اولین شاہی خاندان بھی زرعی معاشروں میں ہی ظہور پذیر ہوئے۔ انسانوں کی تہذیب و ترقی کے لئے راہوں کو انہوں نے متعین کیا۔ اس کے برعکس خانہ بدوش اور مویشی پالن گروہوں نے شروع سے ان زرعی معاشروں کی حکومتوں پر حملے کر کے تہذیب و ترقی کی راہوں کو مسدود کیا۔ اور معاشرتی قدروں کو پامال کیا۔ انسانوں کی تہذیب اور ترقی میں ہمیشہ رکاوٹیں کھڑی کیں۔ تہذیب و ترقی کے اس دور میں بھی ماضی کے خانہ بدوش اور مویشی پالن گروہ کا پس منظر رکھنے والے گروہوں میں اب بھی منفی رجحانات پائے جاتے ہیں۔ جو معاشروں کی ترقی میں رکاوٹ کا باعث ہیں۔

خیر اب تک ہم نے بیان کیا ہے کہ کیسے زرعی اور مویشی پالن اور خانہ بدوش قبائل

مزاج تشکیل پایا۔ اور ان میں کس طرح امتیازی خصوصیات پیدا ہوئیں۔ اب ہم برصغیر میں آباد پانچ بنیادی قوموں میں مزاج کی تشکیل پذیری کو بیان کرتے ہیں۔

آریا، یونانی، ساکا، پارتھی، یوچی، اور ہنوں کی حکومتوں کے ختم ہونے پر ہندوستان کے مقامی لوگوں میں سے ہرش وردھن نے برصغیر میں ایک وسیع حکومت قائم کی۔ اس کی وفات کے بعد ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ عام ہوگیا۔ اس طوائف الملوکی کے دور میں مختلف علاقوں میں قسمت کی مہربانی سے یا اتفاقیہ طور پر مختلف لوگوں یا گروہوں نے چھوٹی چھوٹی عمل داریاں یا جاگیریں قائم کرلیں اس طرح سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں چھوٹی چھوٹی حکومتیں برصغیر کے مختلف حصوں میں وقوع پذیر ہوئیں۔ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں نے ساتویں یا آٹھویں صدی عیسوی میں اپنے آپ کو راجپوت کہنا شروع کر دیا۔ ان حکمرانوں کی برادری کے لوگ اور وہ لوگ جو ان ریاستوں کو قائم رکھنے میں ان کی مدد کرنے لگے۔ وہ بھی راجپوت کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس طرح ان تمام حکمرانوں اور ان کی برادری اور ان کے حمایتی مل کر ایک بہت بڑا گروہ بن گیا۔ جو راجپوت کہلانے لگا۔ یہ حکمران اور ان کے حمایتی کسی ایک نسل سے نہ تھے۔ مختلف نسلوں کے تھے۔ اب آریا دور کی تقسیم، برہمن، کھشتری، ویش، اور شودر کی تخصیص ختم ہوگئی۔ ان طبقات میں سے جن افراد یا گروہوں پر قسمت کی دیوی مہربان ہوگئی۔ یا اتفاقات نے ساتھ دیا یا قوت بازو نے ان کا پلہ بھاری کر دیا۔ وہ راجپوت بن بیٹھے، باقی لوگ جاٹ اور گجر کے نام سے موسوم ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد آریا پس منظر کے لوگ آرائیں اور کمبوہ راجپوتوں سے الگ ہوگئے۔ اس طرح پانچ بنیادی اقوام پیدا ہوگئیں۔

اب ہم راجپوت قوم کے مزاج اور اس کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ کہ راجپوت کے نام سے سینکڑوں ریاستیں قائم ہوگئی تھیں۔ ہر ریاست کے حکمرانوں اور ان کے حمایتیوں کی آرزو ہوتی تھی کہ وہ ہمسایہ ریاست کو چھین کر اس پر قبضہ کر لیں۔ یا کم از کم دوسری ریاست کا کچھ علاقہ چھین کر اپنی ریاست کی حدود وسیع کر لیں۔ یا دیگر ریاست کے مال و دولت پر قبضہ کر لیں۔ یا ان کو اپنا مطیع بنائیں۔ اس طرح لامتناہی اور مسلسل

جنگوں کا سلسلہ ان ریاستوں کے درمیان جاری رہا۔ راجپوت تقریباً پانچ یا چھ سو سال تک برصغیر پر قابض رہے۔ ان ریاستوں کے درمیان پانچ، چھ سو سال جنگ و جدل اور کشت و خون ہوتا رہا۔ اس لئے جنگجوئی اور کشت و خون راجپوتوں کی عادت ثانیہ بن کر ان کے کردار کی حصہ بن گئی۔ چونکہ سلطنت کی توسیع یا حفاظت بے جگری، بہادری سے لڑ کر ہی ممکن تھی۔ اس لئے پانچ، چھ صدیوں کی مسلسل جنگوں کی ٹریننگ نے ان کو بہادر بنا دیا۔ چونکہ بزدلی موت کا پیغام تھی۔ اس لئے بے جگری، بے خوفی، اور بہادری سے لڑ کر اپنے مقاصد حاصل کرنا یا مر کر اونچا مقام پانا، ان کی شدید خواہش بن گئی۔ پانچ، چھ صدیوں کی حکمرانی اور معاشرے میں بلند سماجی حیثیت نے ان میں احساس برتری پیدا کر دیا، جو رعونت کی حدود کو چھونے لگا، سلطان محمود غزنوی نے برصغیر میں راجپوت حکمرانوں کو یکے بعد دیگرے شکستیں دی، اور سلطان شہاب الدین غوری نے جنگ ترائین میں پرتھوی راج چوہان کی سرکردگی میں لڑنے والے تمام راجپوت حکمرانوں کو شکست دے کر ان کی حکومتوں میں سے اکثریت کا خاتمہ کر دیا۔ ان کی حکومتیں ختم ہو گئیں۔ البتہ بہت سے راجپوتوں کی وسیع زمینداریاں قائم رہیں۔ لیکن اکثریت اب پانچ دس ایکڑوں پر آ گئی ہے۔ تھوڑے سے خاندانوں کے سوا اکثریت کی سماجی حیثیت دوسری قوموں کے برابر رہ گئی ہے۔ وہ حالات اور راجپوت زمانہ کی قائم کردہ قیود تبدیل ہو گئی ہیں۔ اس لئے ان کا مزاج پھر عام انسانی سطح پر آ گیا ہے۔

ڈینزل ابٹسن نے اپنی کتاب Punjab Casts میں لکھا ہے کہ اب چونکہ راجے نہیں رہے۔ لہذا راجپوت بھی نہیں رہے۔ راجپوت ماضی کے احساس سے جتنے جلدی نکل آئیں۔ اتنا ہی اچھا ہو گا۔ اور یہ بات پاکستان میں یکساں معاشرہ کی تشکیل میں مدد و معاون ہو گی۔

جہاں تک جٹ اور گجر اور ڈوگروں کا تعلق ہے۔ ان دونوں کا پس منظر مویشی پالن گروہوں کا ہے۔ گجروں کی اکثریت انگیریزوں کی آمد سے قبل مویشی پالا کرتی تھی۔ پہاڑوں کے دامن میں اور جنگلوں میں اپنے وسیع مویشیوں کے گلے ہنکاتے پھرتے تھے۔ کشمیر

اور صوبہ سرحد میں اب بھی گجر اپنے مویشی گائے، بھینس اور بکریاں چراتے پھرتے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں ان کو بکروال کہتے ہیں۔ پرانے وقتوں میں جاٹ، صرف اپنی ضرورت کے لئے غلہ اگاتے تھے۔ لیکن ان کا اصل پیشہ مویشی پالن ہی تھا۔ گجر، جاٹ اور سپاہیانہ زندگی ترک کرنے والے راجپوت جن کی اکثریت جاٹوں میں مدغم ہو گئی تھی۔ برصغیر میں اور خاصکر موجودہ پنجاب کے جنگلوں میں جو پرانے وقتوں میں شیخوپورہ سے مظفر گڑھ تک اور لاہور سے نیچے دریائے سندھ تک محیط تھے مویشی چراتے پھرتے تھے۔ دریاؤں کے کنارے کنارے پانی اور سبزے کی کثرت کے باعث یہ لوگ مویشی پالتے تھے۔ پنجاب کے مخصوص حصوں پر مخصوص جاٹ، گجر، راجپوت، قبیلوں کے لوگ قابض تھے۔ مثلاً جھنگ پر سیال اور چدھڑ، گوجرانوالہ اور شیخوپورہ کے درمیان ورک، ان کے آگے کمالیہ تک راوی کے دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ کھرل، منڈی بہاؤالدین میں گوندل، چنیوٹ سے جھنگ کے بارڈر تک بھٹی، چناب، کے مغربی کنارے پر رانجھا ملتان اور ساہیوال کے ایک حصہ پر جوئیہ اور دوسرے حصہ پر وٹو قابض تھے۔ سرگودھا کے مخصوص مخصوص حصوں پر ٹوانے، اعوان، کلیار، میکن، لک، ہرل وغیرہ قابض تھے۔ انہی مقبوضہ چراگاہوں میں مویشی چراتے تھے۔ لہذا ان کا مزاج پرانے مویشی پالن گروہ کا تھا۔ چراگاہوں پر قبضہ کرنے یا ان کو وسیع کرنے کے لئے لڑائیاں لڑنا ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ دوسروں کے مال مویشی پر قبضہ کرنے کا رجحان ان میں پرورش پا گیا۔ ڈاکہ زنی اور چوری سے مال و مویشی پر قبضہ کرنا عام تھا۔ یہ خصوصیات ان کی عادات ثانیہ بنکر ان کے کردار کا حصہ بن گئیں۔ کھیتی باڑی کو خلاف شان سمجھتے تھے۔ ان لوگوں نے سکھوں کے عہد میں یعنی اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط سے کھیتی باڑی شروع کی۔ اور انگریزوں کے دور میں تمام لوگ کھیتی باڑی کرنے لگ گئے۔ چونکہ صدیوں تک یہ لوگ ایک مخصوص حالات میں رہے۔ اس لئے ان مخصوص حالات سے پیدا ہونے والی ان کی کرداری خصوصیات کی جھلک اب بھی ان میں کم و بیش دکھائی دے جاتی ہے۔ راقم کے اس بیان سے اگر کسی کو اختلاف ہو تو وہ انگیریزوں کے مرتب کردہ ضلعی گزیٹر رپورٹ ہائے بندوبست جنرل کننگھم کی آرکیالوجیکل رپورٹس، الفنسٹن کی تاریخ ہندوستان ملاحظہ کر سکتا ہے۔ جو

تمام راقم کے بیان کی تائید کرتی ہیں۔اوراختلاف کرنے والوں کی ان سے تشفی ہو جائے گی۔

اب رہ جاتی ہیں خالص زراعت پیشہ ارائیں اور کمبوہ اقوام یہ دونوں آریا پس منظر کے قبیلے ہیں۔آریا سے آریائی اور آریائیں اور پھر آرائیں بنا۔کمبوج آریوں کا ہی ایک قبیلہ تھا۔جو اس نام سے برصغیر میں آیا تھا۔جہاں تک کمبوؤں کا تعلق ہے۔انکی کمبوج کے نام سے سلطنت موجود رہی ہے۔اس سلسلہ میں ارض پاکستان کی تاریخ مولفہ مولانا رشید احمد ندوی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ان کے آریا ہونے کا ثبوت بھی اسی صفحہ پر موجود ہے۔کمبوؤں نے اپنے بادشاہ سودکشن کی سپہ سالاری میں کورووں اور پانڈروں کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔جس کا احوال آریوں کی رزمیہ داستان مہابھارت میں بھی موجود ہے۔کتاب ''راجپوت'' کے مولف ایم اے رشید رانا ایس،ایس،پی کے مطابق کمبوہ راجپوت ہیں۔اس سلسلہ میں کتاب مذکور سے اقتباس پہلے دیا جا چکا ہے۔انگیریز محقق نے بھی اعتراف کیا ہے۔کہ کمبوؤں میں کھشتریوں کے قبائل موجود ہیں۔ آرائیں بنیادی طور پر آریا راجپوت ہیں۔اس سلسلہ میں ایک طویل بحث کی گئی ہے۔تو ارخ وغیرہ سے بے شمار ثبوت مہیا کئے گئے ہیں۔پھر اس کے بڑے قبائل ،بھٹی، بھٹہ، رامے، گہلن، نین، ڈھینگے، ملانی، چھچھر تمام راجپوت نسل سے ہیں۔ابٹسن نے تو سندھو اور برار کو آرائیں گوتوں کو آرائیوں کے پانچ بڑے گروہوں یں شمار کیا ہے۔اس کے علاوہ جنجوعہ، تارڑ، گورائیہ آرائیوں کی گوتیں موجود ہیں۔جتالہ رندھاوا کے وزن پر آرائیوں کا بہت بڑا قبیلہ ہے۔گھالر، چنڈور، رمدے، کٹار بند، ہندوانہ دور کے فوجی دستوں کے ناموں پر ہیں۔اب سوال کیا جا سکتا ہے کہ آریا تو بڑے جنگجو قبائل تھے۔وہ لڑتے بھڑتے وسط ایشیاء سے برصغیر میں وارد ہوئے تھے۔ انہوں نے برصغیر میں قدیم قوموں کو جنوبی ہندوستان کی جانب مار مار کر بھگا دیا تھا۔اور تورانی النسل سمیریوں کو جو موجود جاٹوں کے جدامجد تھے۔شکست دے کر اپنا ماتحت بنا لیا تھا۔اوران کو ویش ذات میں شامل کر لیا تھا۔راجپوتوں کی تاریخ تو جنگی کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ آرائیں اور کمبوہ قبیلوں کے کرداروں میں جنگجوانہ خصوصیات نہ ملتی ہیں۔اس کا جواب یوں ہے کہ آریا جب برصغیر میں آئے تھے۔تو وہ مویشی پالتے تھے۔اسلئے ان میں اس وقت مویشی پالن کی

تمام خصوصیات موجود تھیں۔جنگجوئی ان کی فطرت کا حصہ تھی۔جہاں کے باشندوں کو فتح کرنے کے بعد موریا خاندان کے عروج سے پہلے تقریباً ہزار بارہ سو سال آریوں نے برصغیر پر حکومت کی۔پھر جیسا کہ قانون فطرت ہے۔آرام و آسائش نے انکو سست و کاہل بنا دیا۔اور آریا کی اکثریت مقامی قبائل میں مدغم ہوگئی۔صرف تھوڑے سے آریا نام کے لوگ رہ گئے جو آرائیوں کے جدامجد تھے۔جب طوائف الملو کی کا دور آیا تو مختلف قوموں کے ایک بہت بڑے گروہ کو برہمنوں نے اپنی چالاکی ،عیاری، مکاری سے بدھ مت کو ختم کرنے کے لئے راجپوتوں کا نام دیا۔جس میں ارائیں اور کمبوہ بھی شامل تھے۔

آرائیں اور کمبوؤں نے بہت پہلے باضابطہ کھیتی باڑی شروع کی۔کھیتی باڑی کی بنا پر برہمنوں نے ان کو راجپوتوں کی پوتھیوں سے نکال دیا۔پھر ان میں کشت وخون جنگجوئی کی عادتیں آہستہ آہستہ مدھم پڑتی گئیں۔اور زراعت پیشہ گروہوں کی عادات نرم مزاجی، رواداری، دوسروں کے معاملات میں دخل نہ دینا۔جیو اور جینے دو کی عادات نے گھر کرنا شروع کر دیا۔چونکہ ان دونوں اقوام نے باقی اقوام راجپوت جاٹ، گجر سے تقریباً چار، پانچ سو سال پہلے کھیتی باڑی شروع کی تھی۔ لئے یہ خصوصیات ان میں باقی مذکورہ اقوام سے بڑھ کر ہیں۔راجپوت، جاٹ اور گجروں میں زراعت سے منسلک گروہوں کی تمام خوبیاں باقیوں سے کافی حد تک مختلف ہیں۔پر امن لوگ ہیں۔لڑائی بھڑائی سے نفرت کرتے ہیں۔کینت اور گیراتھ راجپوت قبیلوں نے زراعت پیشہ باقی راجپوتوں سے پہلے کھیتی باڑی شروع کی تھی۔وہ بھی کشت و خون، لڑائی، جھگڑے سے نفرت کرتے ہیں، کینت راجپوت بعض جگہ پر راٹھی اور ٹھاکر کہلاتے ہیں۔لیکن زراعت پیشہ لوگوں کی تمام عادات ان میں موجود ہیں۔

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ فطرت کے اٹل اصول کے مطابق زندگی میں کسی شے، گروہ یا قوم اور اس کی صفات کو دوام حاصل نہ ہے۔تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔جب کسی قوم، فرد، کو وافر مادی وسائل، افرادی قوت اور اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔تو رعونت، احساس برتری، ہاتھ چھٹ پن اور استحصال مائل عادات وصفات ان میں پیدا ہو جاتی ہیں اس کے برعکس جب کسی

فرد، قوم یا گروہ سے وسائل آمدن چھن جائیں یا کم ہو جائیں، اقتدار سے محروم ہو جائیں تو رعونت، غرور و گھمنڈ، احساس برتری کا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔

اس کی عمدہ مثالیں راجپوت، آرائیں اور کمبوہ ہیں۔ مہاراجہ برش وردھن کی وفات کے بعد جب مختلف قوموں، ذاتوں کے افراد نے چھوٹی چھوٹی عملداریاں یا جاگیریں قائم کیں۔ اس کی برادری کے لوگ اور ان کے حمایتی ان جاگیرداریوں کو قائم رکھنے میں ان کے معاون بن گئے۔ برہمنوں نے موقع شناسی سے بدھ مت کو مٹانے کے لئے ان حکمرانوں ان کی برادری اور حمایتیوں کو راجپوتوں کا نام دے دیا۔ ان میں مخصوص کرداری، صفات پیدا ہو گئیں۔ اس کے برعکس آرائیں اور کمبوؤں نے زمانے کے چلن کو برقرار نہ رکھا، اور کھیتی باڑی شروع کر دی۔ افرادی قوت ان کی پہلے ہی کم تھی۔ پھر آہستہ آہستہ انکے زرعی قطعات بھی کم ہونے لگے۔ جاٹوں نے بھی مغلوں کے زوال کے زمانے میں فوجی گروہوں کی شکل اختیار کر کے پنجاب کے اکثر حصوں پر قبضہ کر لیا۔ رنجیت سنگھ کے تحت پنجاب میں سکھوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ پنجاب کے سکھ جاٹ بڑی بڑی جاگیرداریوں اور زمینداریوں کے مالک بن گئے۔

انگریزوں کے خلاف برصغیر کے لوگوں نے جنگ آزادی شروع کی۔ تو جاٹوں کی اکثریت اور کچھ راجپوتوں نے جنگ آزادی کو کچلنے میں ان کی مدد کی۔ اس کے بدلہ میں مزید جاگیرداریاں انگریزوں سے حاصل کیں۔ آرائیں اور کمبوؤں میں چونکہ سرداری سسٹم نہ تھا۔ وہ زمانے کے چلن کو سمجھ نہ سکے۔ مغلوں کے دورِ زوال میں دیگر قوموں کی طرح زمینوں پر قبضہ نہ کیا۔ بلکہ سکھوں نے اس زمانے میں ان سے بڑے پیمانے پر زمینیں چھین لیں۔ جنگ آزادی میں آرائیوں نے انگریزوں کے خلاف حصہ لیا۔ جنگ ختم ہونے پر آرائیوں کے کئی نمایاں افراد پھانسی کے گھاٹ چڑھ گئے۔ اور اپنی وسیع زمینوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ جنگ آزادی میں "آرائیوں کا کردار" پر بعد میں روشنی ڈالی جائے گی۔ اس بناء پر ان کی خوبیاں، خامیاں بن گئیں۔ مغلوں کے دورِ زوال میں جب سکھوں نے فوجی گروہوں کی شکل اختیار کر کے سارے پنجاب میں اودھم مچا رکھا تھا۔ اس وقت اتفاق کی بات ہے کہ آرائیوں کا ایک سپوت آدینہ بیگ

خان مغلوں کی طرف سے دوآبہ جالندھر کا حاکم بننے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دورِ زوال میں سارے پنجاب میں صرف آدینہ بیگ آرائیں ہی ایک ایسا حاکم تھا۔ جس نے سکھ جاٹوں کو متعدد معرکوں میں شکست دی۔ وہ ان کے لئے دہشت کی علامت بن گیا تھا۔ دوآبہ بست جالندھر میں سکھ جاٹوں کو لوٹ مار کرنے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔ مغل بادشاہوں احمد شاہ دورانی، اور مرہٹوں کو تمام پنجاب میں آدینہ بیگ آرائیں ہی ایک شخص دکھائی دیتا تھا۔ جو سکھ جاٹوں کو دبا سکتا تھا۔ حالات سے فائدہ اٹھا کر آدینہ بیگ پنجاب کا تقریباً خودمختار حاکم بن گیا تھا۔ افسوس کہ وہ چھ ماہ بعد مر گیا۔ اور اس کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سکھوں کی بجائے پنجاب کی تاریخ آرائیوں کے نام سے لکھی جاتی اور آرائیں شاہی قوم شمار ہوتی۔ آدینہ بیگ کی جدوجہد اور لیک خودمختار حاکم بننے کی کہانی الگ باب میں لکھی جائے گی۔

☆☆☆

بارھواں باب

آرائیوں کا تاریخ سے تعلق

برصغیر کی تاریخ، راجوں، مہاراجوں، سلاطین، اور شہنشاہوں کے اذکار سے بھری پڑی ہے۔ان کے خاندانوں کے حالات ان کی زندگی اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ جنگوں کے حالات کو ہی تاریخ کا نام دیا گیا ہے۔اس میں بسنے والی اقوام کا ذکر بہت ہی کم ہے۔راجپوتوں کا ذکر اکثر مل جاتا ہے۔

جاٹ، گجر، اور کمبوج کا نام بھی کہیں نہ کہیں مل جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جاٹوں کا نام ساکا، قوم کے ایک قبیلہ مساگاٹ سے ماخذ ہے۔مساگاٹ قبیلہ ایک ہزار قبل برصغیر میں آیا تھا۔مساگاٹ سے مسا کا لفظ الگ ہو گیا۔اور صرف گاٹ رہ گیا۔اور پھر گاٹ آہستہ آہستہ جاٹ میں تبدیل ہو گیا۔جاٹ ایک قوم کا نام 800/700 ق م میں معروف ہو گیا۔ویسے تو جاٹ مویشی پالن گروہ تھا۔لیکن تھوڑی بہت کھیتی باڑی بھی کرتا تھا۔اسلئے برصغیر میں حضرت عیسی کی پیدائش سے قبل برصغیر کی آریوں کی آمد سے قبل کے جن گروہوں نے گلہ بانی اور کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا، جاٹ کہلائے۔

آریوں کی بھی بہت بڑی تعداد جاٹوں میں مدغم ہو گئی، اس طرح جاٹوں کا بہت بڑا گروہ معرض وجود میں آ گیا۔پھر جاٹوں نے لفظ جاٹ کو معہ اپنی گوت کے نام کا حصہ بنایا۔

کسی دور میں اس قوم سے کوئی گروہ یا قبیلہ کسی علاقہ میں اہمیت اختیار کر گیا یا کسی فرد نے یا کسی گروہ نے حکومتی عہدہ حاصل کرلیا۔کسی حکومت کی حمایت میں یا مخالفت میں حصہ لیا۔جو تاریخ میں کسی اہمیت کا حامل تھا۔تو وہ فرد یا گروہ یا قبیلہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔تاریخ میں محفوظ ہو

جانے کی بناء پر وہ فرد یا قبیلہ یا گروہ جٹوں کے لئے افتخار کا باعث بن گیا۔اور جٹوں کو اس فرد یا قبیلہ اور گروہ سے اپنا تعلق جوڑنے میں آسانی ہوتی گئی۔

یہی حال گجروں کا ہے۔لفظ گجر کیوں کر معرض وجود میں آیا۔اس کے متعلق گذشتہ رپورٹ میں مختلف نظریات پیش کر دیئے گئے ہیں۔بہر حال گجر ایک قوم کا نام بھی برصغیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کئی صدیاں پہلے سے ملتا ہے۔گجر بھی جاٹوں کی طرح اپنے نام کے ساتھ گجر ضرور لکھتے ہیں۔اس طرح گجروں نے بھی اپنی قوم کے نام کو اہمیت دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔جاٹوں کی طرح گجروں میں سے کسی دور میں کوئی گروہ، قبیلہ کسی علاقے میں اہمیت کر گیا۔یا چھوٹی بڑی ریاست قائم کرلی۔یا کسی فرد یا اس کے قبیلہ نے کوئی اہم حکومتی عہدہ حاصل کرلیا یا کسی دور میں کسی حکومت کی حمایت یا مخالفت میں حصہ لیا، گجروں کا وہ فرد یا قبیلہ، گروہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔اس طرح گجروں کا تاریخ سے تعلق بن گیا۔

جہاں تک کمبوؤں کا تعلق ہے کمبوج کا لفظ بھی قبل مسیح سے ایک قوم کا نام مروج چلا آ رہا ہے۔کمبوج نام کی سلطنت کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ کمبوہ یا کمبوج مغرب سے آنے والے آریا لوگ تھے۔نئی تقسیم میں وہ راجپوت شمار ہوئے۔"راجپوت" کے مولف ایم اے رشید رانا، ریٹائرڈ ایس، ایس، پی نے اپنی کتاب میں ان کو راجپوت لکھا ہے۔اس طرح وہ بھی تاریخ کا حصہ ہیں۔

راجپوت کے نام سے ایک قوم نے چھٹی سے بارہویں صدی عیسوی تک برصغیر میں حکومت کی تھی۔راجپوتوں کی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہو گزری ہیں۔برصغیر میں ان کا نام روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ان کے برعکس برصغیر کی تاریخ میں آرائیوں کا ذکر نہ آتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یں نام سے یہ قوم کوئی دو تین صدیاں بیشتر معرض وجود میں آئی ہے۔پچھلے ابواب میں ریخوں اور محققین کے حوالوں سے ثابت کیا جا چکا ہے۔کہ آرائیں قوم آریا نسل سے ہے۔اور دو تین صدیاں قبل تک اس کا نام آریا ہی لکھا اور بولا جاتا رہا۔پھر صوتی تبدیلیوں سے دو تین صدی

بارھواں باب

آرائیوں کا تاریخ سے تعلق

برصغیر کی تاریخ، راجوں، مہاراجوں، سلاطین، اور شہنشاہوں کے اذکار سے بھری پڑی ہے۔ ان کے خاندانوں کے حالات ان کی زندگی اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ جنگوں کے حالات کو ہی تاریخ کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں بسنے والی اقوام کا ذکر بہت ہی کم ہے۔ راجپوتوں کا ذکر اکثر مل جاتا ہے۔

جاٹ، گجر، اور کمبوج کا نام بھی کہیں نہ کہیں مل جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاٹوں کا نام ساکا، قوم کے ایک قبیلہ مساگاٹ سے ماخذ ہے۔ مساگاٹ قبیلہ ایک ہزار قبل برصغیر میں آیا تھا۔ مساگاٹ سے مسا کا لفظ الگ ہوگیا۔ اور صرف گاٹ رہ گیا۔ اور پھر گاٹ آہستہ آہستہ جاٹ میں تبدیل ہوگیا۔ جاٹ ایک قوم کا نام 800/700ق م میں معروف ہوگیا۔ ویسے تو جاٹ مویشی پالن گروہ تھا۔ لیکن تھوڑی بہت کھیتی باڑی بھی کرتا تھا۔ اسلئے برصغیر میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے قبل برصغیر کی آریوں کی آمد سے قبل کے جن گروہوں نے گلہ بانی اور کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا، جاٹ کہلائے۔

آریوں کی بھی بہت بڑی تعداد جاٹوں میں مدغم ہوگئی، اس طرح جاٹوں کا بہت بڑا گروہ معرض وجود میں آگیا۔ پھر جاٹوں نے لفظ جاٹ کو معہ اپنی گوت کے نام کا حصہ بنایا۔ کسی دور میں اس قوم سے کوئی گروہ یا قبیلہ کسی علاقہ میں اہمیت اختیار کر گیا یا کسی فرد نے یا کسی گروہ نے حکومتی عہدہ حاصل کرلیا۔ کسی حکومت کی حمایت میں یا مخالفت میں حصہ لیا۔ جو تاریخ میں کسی اہمیت کا حامل تھا۔ تو وہ فرد یا گروہ یا قبیلہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔ تاریخ میں محفوظ ہو

جانے کی بناء پر وہ فرد یا قبیلہ یا گروہ جٹوں کے لئے افتخار کا باعث بن گیا۔ اور جٹوں کو اس فرد یا قبیلہ اور گروہ سے اپنا تعلق جوڑنے میں آسانی ہوتی گئی۔

یہی حال گجروں کا ہے۔ لفظ گجر کیوں کر معرض وجود میں آیا۔ اس کے متعلق گذشتہ رپورٹ میں مختلف نظریات پیش کر دیئے گئے ہیں۔ بہر حال گجر ایک قوم کا نام بھی برصغیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کئی صدیاں پہلے سے ملتا ہے۔ گجر بھی جاٹوں کی طرح اپنے نام کے ساتھ گجر ضرور لکھتے ہیں۔ اس طرح گجروں نے بھی اپنی قوم کے نام کو اہمیت دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جاٹوں کی طرح گجروں میں سے کسی دور میں کوئی گروہ، قبیلہ کسی علاقے میں اہمیت کر گیا۔ یا چھوٹی بڑی ریاست قائم کرلی۔ یا کسی فرد یا اس کے قبیلہ نے کوئی اہم حکومتی عہدہ حاصل کرلیا یا کسی دور میں کسی حکومت کی حمایت یا مخالفت میں حصہ لیا، گجروں کا وہ فرد یا قبیلہ، گروہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔ اس طرح گجروں کا تاریخ سے تعلق بن گیا۔

جہاں تک کمبوؤں کا تعلق ہے کمبوج کا لفظ بھی قبل مسیح سے ایک قوم کا نام مروج چلا آرہا ہے۔ کمبوج نام کی سلطنت کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔ یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ کمبوہ یا کمبوج مغرب سے آنے والے آریا لوگ تھے۔ نئی تقسیم میں وہ راجپوت شمار ہوئے۔ ''راجپوت'' کے مولف ایم اے رشید رانا، ریٹائرڈ ایس، ایس، پی نے اپنی کتاب میں ان کو راجپوت لکھا ہے۔ اس طرح وہ بھی تاریخ کا حصہ ہیں۔

راجپوت کے نام سے ایک قوم نے چھٹی سے بارہویں صدی عیسوی تک برصغیر میں حکومت کی تھی۔ راجپوتوں کی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہو گزری ہیں۔ برصغیر میں ان کا نام روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ان کے برعکس برصغیر کی تاریخ میں آرائیوں کا ذکر نہ آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ین نام سے یہ قوم کوئی دو تین صدیاں بیشتر معرض وجود میں آئی ہے۔ پچھلے ابواب میں ریخوں اور محققین کے حوالوں سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ کہ آرائیں قوم آریا نسل سے ہے۔ اور دو تین صدیاں قبل تک اس کا نام آریا ہی لکھا اور بولا جاتا رہا۔ پھر صوتی تبدیلیوں سے دو تین صدی

قبل اس کا نام آرائیں میں تبدیل ہو گیا۔ پانچویں چھٹی صدی عیسوی کی نئی تقسیم میں راجپوتوں میں شمار ہوا۔ اور پھر یہ لوگ بعض وجوہات کی بناء پر راجپوتوں سے الگ ہو گئے۔ اس طرح آرائیں، آریا راجپوت ہیں۔ آریا برصغیر میں 1500 قبل مسیح میں آئے اور موریا خاندان سے قبل تک تقریباً 1200/1000 سال تک تمام برصغیر میں آریوں کی حکمرانی رہی۔

چونکہ آریا دور کے حکمران آرائیوں کے جدامجد یا ان کے برادری بھائی بند تھے۔ اس طرح آرائیوں کا تعلق آریائی تاریخ اور اس دور کے حکمرانوں سے قائم ہو جاتا ہے۔ برصغیر میں صرف آرائیں ایسا لفظ ہے۔ جو آریا سے بنا ہے۔ اس لئے آرائیں آریا کی برصغیر میں واحد نشانی ہیں۔ اس لئے آریا دور کی تاریخ کو آرائیوں کی تاریخ کہا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ان کے راجپوت ہونے کا تعلق ہے۔ بہت لمبی چوڑی بحث کی جا چکی ہے۔ اس کے بڑے قبیلے گہلن، سندھو، برار، بجنی، بھٹہ، رامے، نین، رائے، ڈھینگے، اندار، بھدرو، کھوکھر، جنجوعے، واضح راجپوت پس منظر رکھتے ہیں۔ باقی گوتوں کا تعلق بھی کم وبیش راجپوتوں سے ہے۔ گوتوں کا پس منظر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح راجپوت دور کی تاریخ آرائیں قبیلوں کی بھی تاریخ ہے۔ جاٹ اور گجر مصنفین نے جو گوتیں اپنی قوم اور راجپوتوں میں مشترک پائیں۔ تو اس گوت کے حکمرانوں کو گجر یا جاٹ قرار دے کر ان خاندانوں کی مکمل تاریخ کو اپنی قوم کی تاریخ کا حصہ بنا دیا۔ مثلاً شاہان گجر کے مصنف نے اپنی گوت چوہان، پنوار اور پری ہار کو لے کر چوہان پنوار، پری ہار حکمرانوں کو گجر قرار دیا ہے۔ اور اپنی کتاب میں ان تمام حکمرانوں کے خاندانوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔

تاریخ گجر کے مولف رانا علی حسن گجر چوہان نے لکھا ہے۔ کہ سورج بنسی اور چندر بنسی اور یادو بنسی کھشتری قبیلے 4000/ قبل مسیح براہمنوں اور شودروں سے شکست کھا کر گجرات چلے گئے۔ وہاں یہ تمام کے تمام گجر کہلانے لگے۔ فاضل مصنف نے تمام سورج بنسی، چندر بنسی اور یادو بنسی، حکمرانوں کو گجر قرار دیا ہے۔ اور پانچ جلدوں میں ہندوستان کے تمام حکمرانوں کو گجر کہہ کر ان کی تاریخ لکھ ڈالی ہے۔

مولف کتاب بجنی، بھٹہ، کھوکھر، جنجوعہ، برار، سندھو، اور ڈھڈی، اندارا، بھدرو قبیلوں اور آریا حکمرانوں کو اپنی تاریخ کا حصہ بنا سکتا ہے۔ لیکن یہ مناسب نہ ہے۔ قوموں / ذاتوں کا تعلق جب تاریخی حکمران خاندانوں سے جڑ جاتا ہے۔ تو ان کا تذکرہ کرنا ضروری نہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان تاریخی حکمران خاندانوں کے تذکروں سے برصغیر کی تاریخیں اٹی پڑی ہیں۔

☆☆☆

کیا دورِ بادشاہت قوموں کے لئے کسی افتخار کا باعث ہے؟

جمہوری حکومتوں سے قبل تقریباً دنیا کے تمام ممالک میں شخصی یا خاندانی حکومتیں قائم تھیں۔ یہ شخصی یا خاندانی حکومتیں محض اتفاقات سے یا ان کو سازگار ماحول مل جانے سے قائم ہو جاتیں۔ یا یہ خاندان ہوشیاری، چالاکی، عیاری، مکاری سے برسرِ اقتدار آ جاتے تھے۔ ان خاندانوں نے طاقت کے بل بوتے پر حکومتیں قائم کر لیں۔ ان خاندانوں کی حکومتوں کو قائم رکھنے میں ان کی برادری کے لوگ اور حمایتی قبائل ان کی پشت پر ہوتے تھے۔ ہم اپنے آپ کو برصغیر کی حکومتوں تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ اور راجپوت، جٹ، دور حکومتوں کا ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان حکومتوں کا تعلق برصغیر کے پانچ بنیادی زرعی قبائل سے ہے۔

راجپوتوں نے چھٹی صدی عیسوی سے بارھویں صدی تک برصغیر پر حکومتیں کیں۔ ان سات صدیوں کے دوران انہوں نے برصغیر کے مختلف حصوں میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں اور شاید چند ایک بڑی سلطنتیں قائم کر لیں۔ گجروں نے بھی چند مقامات پر چھوٹی ریاستیں قائم کیں۔ جاٹوں میں سے راجہ رنجیت سنگھ جاٹ، سانسی نے پنجاب، کشمیر، اور پشاور کے علاقہ میں آٹھارویں صدی کے آخری عشرہ میں حکومت قائم کی۔ سکھوں کی ریاست انیسویں صدی کے نصف اول سے تقریباً 5-4 سال قبل انگریز دولت نے ان علاقوں پر قبضہ کر کے ختم کر دی۔ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں ہی برار جاٹوں نے پٹیالہ، نابھہ کی ریاستیں اور آہلو والیہ خاندان نے ریاست کپورتھلہ قائم کیں۔ ان ریاستوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کی اطاعت میں دے دیا۔ اور انگریزی دور کے اختتام تک 1947ء تک قائم رہیں۔ بعد میں بھارتی حکومت نے آزادی کے فوراً بعد کی ریاستوں کو حکومت میں ضم کر لیا اور ان نیم خود مختار ریاستوں کو ختم کر دیا۔

ان تمام ریاستوں اور خاص طور پر راجپوت ریاستوں اور رنجیت سنگھ کی ریاست پر اگر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان ریاستوں کے حکمرانوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جس سے انسانوں کی فلاح ہوئی ہو۔ پرجا رعایا کی بہتری کے لئے کوئی منصوبے انہوں نے بنائے ہوں، لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے مکتب مدرسے، یا کسی قسم کے تعلیمی ادارے قائم کئے ہوں۔ علوم و فنون کی ترقی کے لئے کام کیا ہو، شرف انسانی کو بڑھانے کے کوئی اقدامات کئے ہوں، اس کے برعکس جنگ و جدل ان کا روز کا معمول تھا۔ ہمسایہ ریاستوں پر فتح حاصل کر کے ان کو اپنی ریاست میں شامل کر کے اپنی ریاست کو توسیع دینا، ان کے مال و دولت پر قبضہ کر کے اپنے مال و دولت میں اضافہ کرنا، یا ہمسایہ ریاستوں پر یورش کر کے ان کے حکمرانوں کو اپنے سامنے سر جھکانے پر مجبور کرنا۔ اور ان سے خراج لینا مطمع حکومت تھا۔ اپنی رعایا اور دوسری ریاستوں کے لوگوں کا مال و اسباب لوٹ کر ان کو کوڑی کوڑی کا محتاج بنا دینا بہادری کی علامت جانا جاتا تھا۔ ان حکمران خاندانوں نے دوسرے لوگوں کا قتل عام کیا۔ لوٹ مار کی، گاؤں، دیہاتوں اور شہروں کو تباہ کیا۔ جن لوگوں پر فتح حاصل کی ان کو غلام بنایا۔ عورتوں اور بچوں کو اپنی جائیداد سمجھا۔ انہوں نے عام لوگوں اور اپنے سے چھوٹے اور اپنے مطیع حکمرانوں سے ایسا سلوک کیا کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

تاریخ پنجاب مولفہ کہنیا لال ہندی سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ جن سے ان تمام شخصی حکمرانوں کے کارناموں کی ایک واضح تصویر سامنے آتی ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے قصور پر حملہ کر کے قصور پر فتح پائی تھی، صفحہ نمبر 189 پر مولف کتاب لکھتے ہیں۔

''مہاراجہ نے توپ خانہ شہر کی دیواروں کو گرانے پر معمور کر دیا۔ جب دیواریں گر پڑیں اور دروازہ ٹوٹ گیا تو سکھی فوج نے شہر میں گھس کر غارت کا بازار گرم کیا۔ ہر ایک گھر اور مکان سے انباروں کے انبار نقد و جنس لوٹ لئے جدھر سکھ جاتے رعایا اپنا مال و اسباب گھر سے نکال کر ان کے روبرو رکھ دیتی، لوگوں کے بدن کے کپڑوں تک سکھوں نے اتروا لئے۔ عورتیں ننگے سر اور ننگے بدن ستر

سے بے ستر ہو کر جا بجا اپنے آپ کو چھپاتی پھرتی تھیں۔ مگر کوئی جگہ امن کی نہیں ملتی تھی۔ بہت سی اشراف عورتیں جنہوں نے کبھی بیگانہ مرد کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ اپنے ہاتھ سے پھانسی لے کر مر گئیں۔ چاہات میں کود پڑیں، غرض ہر ایک امیر و غریب شہر ایسا لٹا کہ پارۂ نان کا محتاج ہو گیا۔ بڑے بڑے مکان گرا کر لکڑیاں نکال لیں۔ اس تفرقہ اور مصیبت کے وقت عورت و خاوند کا اجتماع نہ رہا۔ جہاں کسی کو جگہ ملی جان چھپا کر چل دیا۔ بہت سی جوان عورتیں اور لڑکیاں اور لڑکے سکھوں نے شہر سے پکڑ لئے اور غلام بنانے کے ارادے سے پاس رکھ لئے۔"

اسی طرح فتح ملتان کے بعد ملتان کی تباہی کا حال مولف تاریخ پنجاب نے اس طرح بیان کیا ہے۔

"سکھوں نے شہر لے لیا اور غارت شروع کر دی۔ سکھ گھر گھر اور گلی گلی جا نکلے، اور جو ملا اٹھا لائے۔ اگر کسی نے انکار کیا قتل کر ڈالا، ہزاروں اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان کا تمام مال و اسباب سکھوں کی نذر ہوا۔ بعضوں نے قتل ہو کر اپنا مال دیا۔ بعضوں نے اپنے ہاتھ سے ان کے حوالے کر دیا اور جان بچائی۔ ہندو، مسلمان کوئی انسان سکھوں کی غارت سے نہ چھوٹا، تمام رعیت برباد ہو گئی۔ بہت سی عورتیں اور بچے سکھوں نے وہاں سے پکڑ لئے۔ بڑے بڑے غنی اور دولت مند لوگ ٹکڑے کے محتاج ہو گئے۔ سکھ جس گھر میں جاتے تھے۔ گھر والوں کے بدن کے کپڑے بھی اتر والیتے تھے۔ ہزاروں پردہ نشین عورتوں کو سکھوں نے بے پردہ کر دیا۔ سکھ جس گھر کا دروازہ بند دیکھتے تھے۔ دروازہ توڑ کر اندر چلے جاتے تھے۔ اور گھر والوں کو اس جرم میں کہ انہوں نے دروازہ کیوں بند کیا مار ڈالتے تھے۔ اور ان کا مال لوٹ لیتے تھے"۔

یہ کہانی تو عام لوگوں کی ہے۔ شاہوں اور دوسرے حکمرانوں کے ساتھ جو کیا اس کا حال سنیے:

شاہ شجاع بادشاہ کابل رنجیت سنگھ کے دور میں کابل کے تخت سے معزول ہو کر ہندوستان بھاگ آیا۔ اور رنجیت سنگھ کے ہاں اس نے پناہ لی۔ راجہ رنجیت سنگھ کو معلوم ہوا کہ شاہ شجاع کے پاس کوہ نور ہیرا ابھی ہے تو وہ شاہ سے لینے کے درپے ہوا۔ شاہ نے دو ماہ بعد کابل سے منگوا کر دینے کا وعدہ کیا۔ ہیرا کس طرح لیا اس کی روئیداد سنیئے۔ (صفحہ 233 تاریخ پنجاب)

"جب وہ معیاد گزر گئی اور جواہر کوہ نور نہ ملا تو سخت تشدد مہاراجہ کی جانب سے عمل میں آیا۔ یہاں تک کہ تین روز تک شاہ کے باروچی خانے میں کھانا پکانے کی اجازت نہ ہوئی۔ اور نہ ہی کوئی سامان پینے کا شاہ کے پاس پہنچنے پایا۔ جس سے شاہ اور تمام نوکر اس کے بھوک کے عذاب سے نیم جان ہو گئے۔ جب شاہ نے دیکھا کہ اب جان کا بچنا محال ہے تو کوہ نور ہیرا دینے پر راضی ہو گیا۔ مہاراجہ نے اسی پر ہی اکتفاء نہ کیا۔ بلکہ شاہ شجاع کی مستورات کے جسم سے تمام زیورات بھی زبردستی اتروا لئے تھے۔ سکھنیاں عورتیں شاہ کے گھر بھیجی گئیں اور ان کو حکم دیا کہ شاہ کی عورتوں کی تلاشی لے کر جس قدر زیورات جواہرات دستیاب ہوں سب لے آئیں۔ چنانچہ وہ عورتیں شاہ کے گھر میں گھس گئیں اور قیامت خیز بے آبروئی کے ساتھ شاہ کی زنانہ لوگوں کی تلاشی لی۔ جس کے لکھنے سے قلم سیاہ آنسو بہاتی ہے۔ بعد تلاشی کے لاکھ روپے کا زیور و جواہر شاہ کے گھر سے دستیاب ہوا"۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں کانگڑہ کی پہاڑیوں میں راجپوتوں کی کئی ریاستیں موجود تھیں۔ ان میں سے کئی ریاستوں کے حکمرانوں کا دعویٰ تھا۔ کہ وہ پانچ ہزار سال سے ان پر حکمران چلے گئے تھے۔ یہ راجپوت اپنے آپ کو تمام راجپوتوں سے برتر و درجہ اول کے راجپوت ہونے کے دعویدار تھے۔ اپنا کسی کو ہمسر ماننے کو تیار نہ تھے۔ اور میاں کہلاتے تھے۔

ان کو رنجیت سنگھ نے اپنا اطاعت گزار بنا لیا تھا۔ اور ان سے خراج لیتا تھا۔ ان سے کس طرح خراج لیتا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے صفحہ نمبر 254 تاریخ پنجاب:

"راجہ رنجیت سنگھ نے ایک پروانہ سردار دیسا سنگھ مجیٹھیہ کے نام جاری کیا۔ کہ بقایائے زر نذرانہ جو بیر سنگھ راجہ نور پور کے ذمہ ہے اس کو اطلاع دے دے کہ وہ خود روپیہ لے کر حاضر ہو۔ بعد اس اطلاع کے بہ سبب اس بات کے راجہ کے پاس روپیہ موجود نہ تھا۔ چند روز حکم کی تعمیل میں توقف ہو گیا تو دوسرا حکم نہایت تیز و تند جاری ہوا۔ اس کی تعمیل پر راجہ روپیہ لے کر حاضر ہوا۔ مہاراجہ بہ جرم حکم عدولی و توقف تعمیل اس پر کمال غضب ناک ہوا۔ اور وہ روپیہ جو اس نے پیش کیا وہ جرمانے میں لے لیا۔ اور باقیات اور نذرانے کی رقم دوبارہ طلب کی۔ وہ ادا نہ کر سکا اس واسطے قید ہوا۔ تمام

مال نقد وجنس اس کا ضبط ہو کر داخل خزانہ ہوا۔ اور ایک فوج قلعہ نور پور کے قبضہ و دخل کے لئے معمور ہوئی۔ جس نے جا کر بہت آسانی کے ساتھ قلعہ نور پور لے لیا۔ چند ماہ بیر سنگھ قید رہا۔ آخر رہا ہوا۔ اور مہاراجہ نے تھوڑا ملک اس کے گزارے کے لئے چھوڑا اور باقی سب لے لیا''۔

ایک اور پیراگراف ان کوہستانی راجپوتوں کے متعلق ملاحظہ ہو۔ صفحہ نمبر 292

''سردار دیسا سنگھ مجیٹھیا کو حکم ہوا کہ چار پلٹن اور دو توپ خانے لے کر کوہستان کو کوچ کرے اور ہر ایک راجہ سے جو مہم کشمیر سے واپس چلا آیا بہ تفصیل جرمانہ وصول کرے۔

راجہ نور پور پنجاہ ہزار، راجہ چنبہ پنجاہ ہزار، راجہ جسروٹہ پنجاہ ہزار، راجہ بسوہلی دس ہزار، راجہ ہری پور، پندرہ ہزار، راجہ منڈی تیس ہزار، راجہ سکیت بیس ہزار، اور ان راجاؤں میں سے جو شخص نذرانہ دینے میں عذر کرے فی الفور اس کا ملک ضبط کر کے داخل سرکار کرے۔ چنانچہ سردار دیسا سنگھ نے پہاڑوں میں جا کر قیامت برپا کر دی۔ اور نہایت سختی و بے آبروئی جور و تعدی کے ساتھ یہ جرمانہ وصول کیا۔ ان راجاؤں میں سے تین راجے، راجہ چنبہ، راجہ منڈی، سکیت نے بہت سے عذرات کئے۔ اور کہا کہ ہم کو نہ کشمیر جانے کا حکم ملا اور نہ گئے اور نہ ہی بے اجازت واپس آئے۔ ہم سے کس بات کا جرمانہ وصول کیا جاتا ہے۔ یہ عذر ان کا سردار دیسا سنگھ نے تحریر کر کے مہاراجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس بات کا ان کو یہ جواب ملا کہ اگر یہ بھی جاتے تو اپنے بھائیوں کے ساتھ اتفاق کر کے واپس چلے آتے۔ ان سے جرمانہ آئندہ کے لئے احتیاطاً وصول کیا جائے۔ کہ آئندہ غلطی کبھی نہ ہونے پائے لاچار ہو کر ان بے گناہوں نے بھی جرمانہ ادا کر دیا۔

راجہ سنسار چند پہاڑی راجاؤں میں سے سب سے بڑا راجہ تھا۔ اس بزرگ خاندان کٹوچ کے راجے بڑے عالی خاندان اور بڑی ذات کے لوگ تھے۔ اور پانچ ہزار برس سے ان کی حکومت پہاڑ میں چلی آ رہی تھی۔ راجہ سنسار چند کے مرنے کے بعد راجہ انرود چند سے اپنے وزیر دھیان سنگھ کے لئے اس کی بہن کا رشتہ مانگا، اپنے عالی خاندان پر نازاں ہو کر انرود چند نے انکار کیا۔ راجہ سنسار چند کی دوسری رانی گھرن سے راجہ سنسار چند کی دو لڑکیاں تھیں۔ ان کی خوبصورتی کا شہرہ سنا تو مائل ہو گیا۔ اور اپنے لئے رشتہ مانگا، اقتباس صفحہ 321 ملاحظہ ہو۔

''سہرہ باندھ کر راجہ سنسار چند کے گھر گیا اگرچہ تجویز یہ تھی کہ ایک لڑکی کے ساتھ مہاراجہ کی شادی ہو گی لیکن جب مہاراجہ نے دونوں لڑکیوں کی صورت کہ غیرت مہر و ماہ دیکھی تو دونوں پر مائل ہو گیا۔ اور دونوں کو بیاہ لے آیا۔ دونوں کے پھیرے اس وقت ایک دم مہاراجہ کے ساتھ ہو گئے۔

پرانے زمانے کے حکمران ایسا ہی سلوک و برتاؤ اپنی رعایا اپنے امیروں، مصاحبوں، اپنے سے کمزور ہمسایہ حکمرانوں اور اطاعت گزار راجاؤں، مہاراجوں سے کرتے رہے۔ اور خود اپنے سے بڑے حکمران کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوتے رہے۔ کیا یہ حکمران کسی فرد، خاندان یا قوم کے لئے باعث افتخار ہو سکتے ہیں۔ مولف کے خیال میں کوئی صاحب ضمیر اور عمدہ خصلت فرد یا قوم ان پر فخر نہیں کر سکتی۔ بلکہ ان سے تعلق جوڑنا باعث شرمندگی ہے۔ ان لوگوں نے شرف انسانی میں اضافہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی کام کئے۔

اس لئے اب تاریخ بھی نئے انداز سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ ان کے خاندانی حالات اور ان کی لڑائیوں کا تذکرہ کرنا فضول ہے۔

☆☆☆

چودھواں باب

چند غلط فہمیوں کا دور کرنا ضروری ہے

ا۔ ہمسایہ اقوام مثل راجپوت، جاٹ، گجر اپنی نجی محفلوں میں آرائیوں کی سماجی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے ان کو کمتر درجے کی قوم قرار دیتے ہیں۔ بلکہ بعض منہ پھٹ قسم کے ان برادریوں کے ممبران آرائیوں کے منہ پر آرائیوں کو جتاتے ہیں کہ آرائیں ان اقوام سے کمتر سماجی رتبہ کے حامل ہیں۔ بلکہ بعض تو ان کو نہایت ہی پست حیثیت کے قرار دیتے ہیں۔ جس سے ان کا مطلب اپنی برادریوں کو بالواسطہ برتر قرار دینا ہوتا ہے۔

ایسا شاید سینکڑوں سالوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ اس سبب سے آرائیں برادری میں یہ احساس جڑ پکڑ گیا کہ شاید ان کی سماجی حیثیت واقعی دوسری ہمسایہ اقوام سے کم ہے۔ دوسری اقوام کے مقابلہ میں وہ گھٹیا حیثیت کے مالک ہیں۔

ہمسایہ اقوام اور آرائیں برادری میں یہ احساس کیونکر پیدا ہوا۔ اس سوال کا جواب ماضی میں تلاش کرتے ہیں۔ اور دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔ کہ ہمسایہ اقوام کا احساس برتری اور آرائیوں کو کمتر سماجی حیثیت کا سوچنا اور کچھ آرائیں حضرات کا احساس کہ وہ واقعی دوسری ہمسایہ برادریوں سے کم تر سماجی حیثیت کے حامل ہیں۔ درست بھی ہے یا نہیں؟ کیا یہ جہالت اور کم علمی کا نتیجہ تو نہیں ہے؟

ماقبل صفحات میں بہت تفصیل سے تحریر کیا جا چکا ہے کہ بہت سی اقوام از قسم نیگرو (حبشی) آسٹریلوی نیگرو، کول، منڈا، بھیل، گونڈ، زرد رنگ اقوام منگول وغیرہ سمیری (طورانی) آریا، یونانی، پارتھی، پہلوی، ساکا، یوچی، ہن وغیرہ اقوام باہر سے صدیوں تک برصغیر میں آتی رہیں اور یہیں آباد ہوگئیں۔ فطرت کے مطابق ان اقوام کا مختلف تناسب سے ایک

دوسری سے اختلاط ہوا۔ تو اس طرح ہزاروں برادریاں شمالی ہند میں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے کول بھیل، منڈا، گونڈ جو مدغم نہ ہو سکے۔ جنوبی ہند کی طرف پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ کر آباد ہو گئے۔ چوتھی پانچویں صدی عیسوی میں ہنوں کی آمد کے بعد شمالی ہند کی ہزاروں برادریاں یا خاندان ایک دوسرے میں مدغم ہوئے۔ اس طرح پانچ بنیادی برادریاں آریا (آرائیں) راجپوت، جاٹ، گجر اور کمبوہ معرض وجود میں آئیں۔

اس دور میں ہندو برہمنی مذہب پھر سے بہت طاقتور ہو گیا اور سماج میں برہمنوں کی اجارہ داری قائم ہوگئی۔ برہمنوں نے ذات پات کو بہت بڑھا وادیا۔ برہمنوں نے اپنی ہوشیاری، چالاکی اور گھٹیا ذہنیت کی بناء پر خود کو سماج میں سب سے اونچی حیثیت کا حامل قرار دے لیا۔ اس طرح اپنی مطلب برادری کے لئے راجپوتوں کو سماج میں دوسرا درجہ دے دیا۔ ان کے ذہن میں یہ ڈال دیا کہ ان کو خدا نے حکومت کرنے اور لڑائیوں کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان کو زمین کاشت کرنے سے منع کر دیا۔ یاد رہے کہ آریا دور میں زمین کاشت کرنے والے کو کھشتری کہا جاتا تھا۔ بعد میں برہمنوں نے کھشتری لفظ حکمرانوں، فوجیوں کے لئے مخصوص کر دیا۔ اس طرح کھشتری لفظ کو بہت حرمت مل گئی۔ حالانکہ اس سے بیشتر زمین کاشت کرنے والے کو کھشتری کہا جاتا تھا۔ اس سے کھشتری لفظ کے معنی ہی بدل گئے۔ (ملاحظہ ہو ذاتوں کا انسائیکلو پیڈیا عنوان راجپوت۔)

جہاں ان مکار اور پست ذہنیت برہمنوں نے کاشتکاری کو گھٹیا قرار دے دیا بلکہ زراعت کو مذہبی گناہ قرار دے دیا۔ کیونکہ ان کے خیال میں کاشتکار دھرتی ماتا کا سینہ پھاڑتا تھا اور گائے بیل سے ہل چلاتا تھا۔ جاٹ، گجر اقوام مویشی پالنے کا کام کرتے تھے۔ کاشتکاری اور ہل اتفاقیہ طور پر نہ چلاتے تھے۔ آہستہ آہستہ ان اقوام نے بھی ان لوگوں/اقوام زراعت پیشہ کو گھٹیا اور کمتر سماجی حیثیت کا لاشعوری طور پر سمجھنا شروع کر دیا۔ اس سماج میں یہ احساس پکڑ گیا کہ کھیتی باڑی ایک گھٹیا کام ہے۔ ایک مذہبی گناہ ہے اور ایسے افراد یا قومیں جو اس سماج میں کھیتی باڑی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ ان لوگوں/قوموں کے نزدیک کمتر سماجی حیثیت کی سمجھی جانے لگیں اور مذہبی طور پر بھی ان سے نفرت کی جانے لگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آرائیوں نے سب سے پہلے کھیتی باڑی

اور کاشتکاری کو اپنایا اس لئے مذکورہ احساس آرائیوں کے متعلق اس سماج میں پیدا ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتا گیا۔ ایسا احساس آرائیوں کے متعلق ہی پیدا نہ ہوا۔ بلکہ جو افراد/اقوام کاشتکاری اور کھیتی باڑی سے اس وقت منسلک ہوئیں۔ان کے متعلق یہی احساس پیدا ہوا۔اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

برہمن کو اس سماج میں سب سے اونچا مقام حاصل تھا۔اس کی عزت وتکریم سب سے بڑھ کر تھی۔اس کی یہ حیثیت اس وقت تک تھی۔ جب تک وہ برہمنوں سے متعلق مخصوص کام، عبادات، مذہبی رسمیں ادا کرنے کا کام کرتا تھا۔وہ کھانا اور نذرانے لینے کا مستحق تھا۔لیکن یونہی وہ یہ کام چھوڑ کر کھیتی باڑی کرنے لگتا۔تو وہ بتوں کو پیش کئے جانے والے کھانے اور نذرانوں کا حقدار نہ رہتا۔ بلکہ وہ برہمن ہی نہ رہتا۔اسے اپنی عبادات اور مذہبی رسومات کے لئے برہمن کی خدمات لینا پڑتیں۔ دہلی کے تاگا کبھی برہمن تھے۔لیکن کھیتی باڑی کے سبب وہ اب صرف تاگا ہیں۔ برہمن نہ کہلا سکتے ہیں۔اگر کسی برہمن نے دستکاری کو اپنا لیا۔تو اس کا درجہ تو نہایت پست ہو جاتا اور برہمن ذات سے فارغ کر دیا جاتا۔ان کو اس حد تک ناخالص رنیچ تصور کیا جاتا کہ بعض دیہات میں ان کو گیٹ سے اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ برہمن ان کے ہاتھ سے نذرانے نہ لیتے تھے۔ماخذ از پنجاب کاسٹس از ابٹسن

آہیر راجپوت کہ 36 شاہی خاندانوں میں سے ایک ہیں۔لیکن جب آہیروں نے کھیتی باڑی شروع کی تو ان کا سماجی رتبہ شودروں جیسا قرار دیا گیا۔ یاد رہے کہ آہیروں کو انگریزوں نے بہت عمدہ کاشتکار قرار دیا تھا۔اس طرح کمبوہ جو تاریخی لوگ ہیں۔ان کی سلطنوں کے تاریخی ثبوت موجود ہیں اور جن کو راجپوت خود بھی راجپوت مانتے ہیں۔جیسا کہ ”راجپوت“ کے مصنف ایم۔اے رشید رانا ریٹائرڈ ایس پی نے ان کو راجپوت قرار دیا ہے،اس احساس کی زد میں آ گئے۔جب انہوں نے کھیتی باڑی کو اپنا لیا۔

کینت ، گیراٹھ اور رراٹھی اور راٹھیوں کا ایک برتر طبقہ ٹھاکر مسلمہ راجپوت ہیں۔ راجپوت گوتوں میں ان کو دیکھا جا سکتا ہے۔لیکن راجپوت ہونے کے باوجود کھیتی باڑی کی وجہ سے

اس سماج میں ان کو کمتر حیثیت دی گئی۔ بلکہ ان کو شودر سمجھا گیا۔(ماخوذ از پنجاب کاسٹس از ابٹسن)

میرا خیال یہ ہے کہ مندرجہ بالا حقائق سے قارئین کا ذہن صاف ہو گیا ہو گا کہ محض برہمنوں نے اپنی مکاری سے احساس مذکور کو جنم دیا اور لوگوں کی جہالت اور کم علمی کی بناء پر ذہنوں میں راسخ ہو گیا حالانکہ پیدائشی اور نسلی طور پر ایسا نہ ہے۔آرائیوں کا ماخذ آریا ہیں۔دنیا کے محققین اور مورخین کے مطابق آریا دنیا کی سب سے زیادہ اعلیٰ اور معزز نسل ہے۔اس طرح کمبوہ بھی آریا نسل سے ہیں۔اس کے برعکس جدید مورخین کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ راجپوت، جاٹ اور گجر، بھیل، گونڈ اور آریوں کے ملاپ سے پیدا ہوئے۔خالص آریا نہ ہیں۔ان کی جلد کا رنگ، قد کاٹھ ، اور خدوخال آریوں سے کافی مختلف ہیں بے شمار تاریخی حوالہ جات ماقبل صفحات میں دیئے گئے ہیں۔اس سے ثابت ہوا کہ احساس برتری اور احساس کمتری کا یہ احساس محض انسانوں (مکار برہمنوں) کا پیدا کردہ تھا۔جس کا کوئی جواز زمانہ ماضی میں نہ تھا اور نہ زمانہ حال میں ہے۔

البتہ اس احساس نے معاشرہ پر کچھ مثبت اور کچھ منفی اثرات مرتب کئے ہیں۔اولین کھیتی باڑی کرنے والی اقوام نے اپنی ذہانت ، دوراندیشی اور مستقبل بینی کی بناء پر آج سے سینکڑوں سال پہلے اندازہ لگا لیا تھا کہ برصغیر کی زمین کاشت کے لئے نہایت ہی موزوں ہے۔اگر زراعت کو فروغ دیا جائے تو معاشرہ کی ضروریات آسانی سے پوری ہو سکتی ہیں۔معاشرہ ترقی کر سکتا ہے۔ حکومتوں کو ریونیو زراعت سے حاصل ہونگے ۔ جو ان کے استحکام کا باعث ہونگے ۔جس سے معاشرہ میں جنگل کے قانون کی نسبت قانون کی حکمرانی بڑھتی جائے گی۔ چنانچہ ان ذہین ،فطین اور مستقبل بین اقوام نے باقی پیشوں سے منہ موڑ کر اپنی تمام تر توانائیاں زراعت میں صرف کر دیں اور جنگلوں کی زمین کو زراعت کے قابل بنا کر اس وقت کے امیر ملکوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔زمانہ ماضی میں جب یورپ نے ترقی نہ کی تھی۔ برصغیر کو سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا۔زراعت پیشہ اقوام کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھا۔

راقم کے خیال میں زراعت پیشہ اقوام نے تمام ممالک میں معاشروں کو اولین ترقی دی او رتہذیب وتمدن کی بنیاد رکھی۔ سلطنتوں کو ریونیو مہیا کر کے ان کے استحکام میں مدد دی۔ یہ الگ بات

ہے کہ وہ حکومتیں شخصی تھیں۔ جن کو رعایا کی فلاح و بہبود سے زیادہ سروکار نہ تھا۔ پھر بھی جنگلی قانون کی حکمرانی میں کمی واقع ہوئی۔ اور صدیوں کے سفر کے بعد اب فلاحی ریاستوں کا تصور ابھر کر سامنے آ گیا ہے۔ اگرچہ ایشیاء اور افریقہ میں ریاستیں اب بھی فلاحی ریاستوں کے درجہ پر نہ پہنچی ہیں۔

اس احساس اور نظریہ کا منفی اثر یہ نکلا کہ مویشی پالن اقوام جاٹ، گجر وغیرہ ایک ڈیڑھ صدی پہلے تک زراعت کی طرف متوجہ نہ ہوئے، اس سے ان کا ایک مخصوص مزاج تشکیل پا گیا۔ اپنے ریوڑوں میں اضافہ کرنے کے لئے دوسروں کے مال مویشی وغیرہ کی چھینا جھپٹی کرنے لگے۔ اور یہ چھینا جھپٹی ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ چنانچہ مویشی پالن گروہوں میں مال مویشی کی چھینا [illegible] اور [illegible] عام ہوگئی۔ جس سے معاشرے کا سکون برباد ہوتا رہا۔ تہذیب و تمدن کی رفتار [illegible] سست رہی۔ اس جدید دور میں مویشی پالن کا پس منظر رکھنے والے گروہوں کے کچھ افراد میں [illegible] رجحانات موجود ہیں اور ان منفی رجحانات کا کبھی کبھی استعمال کر کے معاشروں کے [illegible] کرتے رہتے ہیں۔ مویشی پالن گروہ انگریزوں کی آمد کے دور میں زراعت کی طرف [illegible] گئے تھے۔

یہاں تک راجپوتوں کا تعلق ہے۔ جب ان کی حکمرانیاں مسلمانوں نے ختم کر دیں۔ [illegible] کے لئے جب سابقہ مصروفتیں یا دوسرے لفظوں میں سابقہ پیشے ختم ہو گئے تو [illegible] کی طرف توجہ دی۔ ان میں جو لوگ بڑی بڑی اراضیات کے مالک تھے۔ وہ [illegible] کھیتی باڑی کرواتے تھے اور وہ راجپوت جو چھوٹے قطعات کے مالک تھے۔ یا [illegible] ان میں سے اکثریت نے مویشی پالن کا کام شروع کیا اور مذکورہ بیان کردہ منفی [illegible] زراعت کی نسبت مویشی پالنے اور منفی سرگرمیوں کو باعث عزت [illegible] راجپوت جن کو معاش کی تنگی ہوگئی۔ فاقوں میں مست رہتے اور فاقہ کشیاں کرتے [illegible] کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے۔ ابٹسن نے اپنی کتاب پنجاب کاسٹس میں [illegible] کے رویہ کو پیش کیا ہے۔ کہ وہ کھیتی باڑی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے [illegible] کے لئے گھٹیا قسم کے جانوروں کا شکار کر لیتے تھے۔ ان کے

بھوکے ننگے ہونے کے متعلق اس نے مثال دی ہے۔ کہ شادی کے وقت ان کی دیگوں میں کڑچھیوں کی آوازیں اس طرح آتی تھیں۔ جس طرح مکئی کے دانے بھٹی میں چٹاخ کی آواز پیدا کرتے ہیں۔ دیگوں میں کڑچھیوں کی آواز تو بہت آتی تھی لیکن ان میں کھانا بہت کم ہوتا تھا۔ ایسے راجپوتوں کو اگر کھیتی باڑی کا کہا جاتا تو وہ بڑی حقارت سے کہتے کہ ہم کوئی آرائیں ہیں جو کہ کھیتی باڑی کریں۔ آگے چل کر ابٹسن لکھتے ہیں کہ آخر پیٹ کی بھوک نے راجپوتوں کو کھیتی باڑی پر مجبور کر دیا۔

اب تمام اقوام راجپوت، جاٹ اور گجر وغیرہ کی اکثریت کھیتی باڑی کرتی ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس ابھی زمینیں ہیں اور آرائیوں کی بہت بڑی تعداد نے کاشتکاری چھوڑ دی ہے۔ کیونکہ ان کے قطعات ختم ہو گئے ہیں۔ یا بہت چھوٹی مقدار میں رہ گئے ہیں۔ وہ ادنیٰ سے اعلیٰ ملازمتوں تجارت، صنعت اور طبی پیشوں میں چلے گئے ہیں۔ بہت سے بہت بلند سماجی مرتبہ کے حامل ہیں۔ اب جبکہ تمام اقوام کھیتی باڑی کرتی ہیں۔ ان میں برتر اور کمتر سماجی مرتبہ کا سوال ہی ختم ہو گیا ہے۔ جو پہلے بھی جہالت اور کم علمی کی بناء پر غلط تھا۔ اب تو یہ امتیاز ہی ختم ہو گیا ہے۔

اب ان دوسری اقوام کو کھیتی باڑی کرنے کی بناء پر آرائیں کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اب سماجی مرتبہ کو متعین کرنے کا پیمانہ بدل گیا ہے۔ اب معاشرہ میں سماجی مقام دولت، وسائل دولت اور اعلیٰ ملازمتیں یا جدید پیشے متعین کرتے ہیں۔ اب اقوام کو برہمنوں کے غلط اور مکارانہ نظریات سے باہر آ کر معاشرہ کی ترقی کے لئے نئے خیالات کے تحت کام کرنا چاہیے۔

۲۔ پنجاب میں ایک کہاوت مشہور ہے جو کہ درج ذیل ہے:۔

جے توں بندہ سائیں دا
تے وسانہ کھائیں رائیں دا

حضرت بابا بلھے شاہ کو جب مرشد کی تلاش ہوئی تو بہت سے بزرگوں کے پاس گئے۔ مگر تشفی نہ ہوئی۔ اسی جذبہ و جنون کے عالم میں حضرت شاہ عنایت قادری کا شہرہ بن کر ان کے پاس پہنچے۔ تو انہوں نے فرمایا:

''میاں بلھے شاہ ھوالظاہر دیکھنا چاہتے ہو''۔

بس ایک تیر تھا کہ سینے میں گڑ گیا۔ دیوانہ وار پاؤں پر گرے۔ حضرت شاہ اٹھاتے تھے اور یہ پاؤں پر گرتے تھے۔ حضرت شاہ عنایت نے اٹھا کر سینے سے لگایا۔ علیحدہ لے جا بیعت کی اور اپنا مرید کیا۔ خدا جانے کان میں کیا پھونک دیا کہ حضرت بلھے شاہ نے باہر نکلتے ہی شور مچا دیا۔

ہن میں لکھیا سوہنا یار ۔۔۔ جس دے حسن دا گرم بازار
جے کوئی اس کو لکھنا چاہے ۔۔۔ باجھ وسیلے لکھیا نہ جائے

شاہ عنایت بھید بتائے تان کھلے سب اسرار۔ ہن میں لکھیا سوہنا یار۔ جس دے حسن دا گرم بازار
حضرت عنایت شاہ قادری لاہوری ذات کے آرائیں تھے۔ اور حضرت بلھے شاہ ذات کے سید تھے۔ حضرت بابا بلھے شاہ کے خاندان کے لوگوں کو اچھا نہ لگا۔ انہوں نے کوشش کی کہ بابا بلھے شاہ اور شاہ عنایت کا یہ تعلق قائم نہ رہ سکے۔ وہ اکٹھے ہو کر بلھے شاہ کو سمجھانے لگے کہ تم نے نبی کی آل اور اولاد علی ہو کر ایک آرائیں کا مرید ہو کر اپنے خاندان کے نام ونمود کو بٹہ لگایا ہے۔ بلھے شاہ نے اس کا ذکر اپنی کافی میں اس طرح کیا ہے۔

بلھے نوں سمجھاون آئیاں ۔۔۔ بھیناں تے بھرجائیاں
آل نبی اولاد علی دی ۔۔۔ بلھیا! توں کی لیکاں لائیاں
من جا بلھیا ساڈا کہنا ۔۔۔ چھڈ دے پلا رائیاں

بلھے شاہ نے ان کو جو جواب دیا وہ انہوں نے اس طرح منظوم کیا ہے۔

جہڑا سانوں سید آکھے ۔۔۔ دوزخ ملن سزائیں
جہڑا سانوں آرائیں آکھے ۔۔۔ بہشتیں پینگاں پائیاں
جے توں باغ بہاراں لوڑیں ۔۔۔ بلھیا ہو جا طالب رائیاں

بلھے شاہ نے مشہور عالم شعر بھی کہا تھا۔

جے توں بندہ سائیں دا ۔۔۔ تے جا کر تھیویں رائس دا

بابا بلھے شاہ کے باز نہ آنے پر اس کی بہنوں اور بھرجائیوں نے اس شعر کی اس طرح تضمین کر ڈالی

جے توں بندہ سائیں دا ۔۔۔ تے وسا نہ کھائیں رائن دا۔

کچھ لوگ لاعلمی کی بناء پر دوسری صورت کو صحیح سمجھ کر اور کچھ لوگ اصلیت جانتے ہوئے بھی دوسری صورت کو بدنیتی سے آرائیوں کا تمسخر اڑانے اور ان کی کردار کشی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ آرائیوں کو فریبی، دھوکہ باز، ٹھگ اور ناقابل اعتبار ثابت کرنے کے لئے شعر کی بگڑی ہوئی صورت اپنے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ جو کہ آرائیوں کے جنرل کردار کے بالعکس ہے۔ چند مستثنیات اگر ہوں تو کہا نہیں جا سکتا۔ آرائیں راست باز، وعدے کے سچے، دوسروں سے وفا کرنے والے اور قابل بھروسہ لوگ ہوتے ہیں۔ ٹھگی، دھوکہ دہی، اور منفی عادات ان کا شیوہ ہرگز نہ ہے۔ ان کے کردار کا موازنہ دوسری اقوام سے کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہنری برائین کی رپورٹ ٹھگی وڈکیتی پنجاب 1854ء پیش کرتے ہیں۔ ان جرائم کا ارتکاب کرنے والے افراد کی تفصیل اس طرح ہے۔

مسلمانوں میں سے: کشمیری (3)۔ جولاہا (1)۔ ماچھی (1)۔ پٹھان (29)۔ تیلی (1)۔ موچی (1)۔ لوہار (1)۔ راجپوت (5)۔ جٹ (1)۔ میراثی (1)۔ فقیر (1)۔ کنجر (1)

ہندوؤں میں سے: برہمن (7)۔ کھتری (3)۔ کلال (3)۔ جٹ (73)۔ بھاٹ (1)۔ حجام (1)۔ سپوڑہ (3)۔ بتوال (1)۔ زرگر (2)۔ پادریہ (1)۔

رذیل اقوام میں سے: مذہبی سکھ (269)۔ چوہڑے (9)۔ سانسی (13)۔ چمار (4) بحوالہ سلیم التواریخ۔

یہ گرفتار ہو کر سزایاب ہونے والے لوگوں کے اعداد و شمار ہیں۔ ان میں آرائیں قوم کا کوئی فرد نہ ہے۔ آرائیں پسندیدہ عادات اور عمدہ کردار کی حامل قوم ہے۔ اگر اس کے باوجود بھی کوئی بگڑی ہوئی شعر کی شکل کو استعمال کرتا ہے تو یہ آسمان کی طرف تھوکنے والی بات ہے۔ [illegible] تھوک انسان کے اپنے چہرے پر گرتا ہے۔

☆

پنجاب میں آرائیوں کی خود مختار حکومت (سلطنت) قائم ہوتے ہوتے رہ گئی

مغلیہ دور کے آخری سالوں میں مغلیہ حکومت کا زوال آخری حدوں کو چھونے لگا۔ برصغیر کے مختلف علاقوں میں مغلیہ حکومت کے مقرر حاکم خود مختار ہو گئے۔ گو کہ پنجاب ابھی تک برائے نام مغل بادشاہوں کے زیر قبضہ تھا۔لیکن یہاں بھی مختلف اقوام اور افراد نے اپنی حکومت اور اقتدار کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ پنجاب نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالیؔ کے حملوں سے تباہ ہوگیا۔اس زمانہ میں سکھوں نے منظم ہوکر اور جتھے بندیاں کر کے وسیع پیمانے پر شورش برپا کر دی۔ ڈاکہ زنی، لوٹ مار اور غارت گری کا میدان گرم کر دیا۔اس دور میں آدینہ بیگ خان ابھرا۔اس نے پٹواری سے ترقی کی اور پھر پنجاب کا حاکم بن گیا۔مورخین کے مطابق پنجاب کا یہ پہلا حاکم ہے۔ جو صحیح معنوں میں سیاست دان کہا جا سکتا ہے۔اس کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز تھی۔اس نے اس دور میں نمایاں کردار ادا کیا۔جب ہر طرف افراتفری تھی اور بدنظمی تھی۔ ان مخصوص حالات میں مورخین نے اس کو اپنے وقت کا سب سے زیادہ زور آور شخص اور اچھا منتظم حاکم قرار دیا ہے۔

کتاب آدینہ بیگ مولفہ محمد ریاض جاوید، احوال آدینہ بیگ، تاریخ لاہور اور انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا مولفہ سید قاسم محمود شاہ، صفحہ نمبر 67 کے مطابق آدینہ بیگ خان شرقپور واقع ضلع لاہور اور حال ضلع شیخوپورہ کے گاؤں پٹی میں ایک آرائیں گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔والدین مفلس تھے۔بچپن میں وہ ایک مغل گھرانے میں ملازم ہوگیا۔اس گھرانے کی ملازمت کے دوران ہی اس نے اپنا لڑکپن جالندھر، دوآب میں جلال آباد، خانپورہ اور بجواڑہ میں گزارا، جوان ہوا۔تو

مغل فوج میں سپاہی بھرتی ہوگیا۔سپہ گری راس نہ آئی تو اسے چھوڑ دیا۔اس نے ضلع سلطان پورہ کے ضلع دار سے موضع کنگ کے پٹواری کا عہدہ حاصل کر لیا۔اس نے سخت محنت سے کام کیا۔اور کچھ عرصے میں علاقے کے مالدار لوگوں سے راہ ورسم پیدا کر لی۔ان میں ایک بااثر ساہوکار لالہ سری نواس دھیر بھی شامل تھا۔آدینہ بیگ نے اس ساہوکار کی ضمانت پر پورے علاقے کنگ کے مالیہ کی وصولی کے اختیارات حاصل کر گئے سلطان پور کا ضلع دار آدینہ بیگ کی کارگزاری اور دیانتداری سے متاثر ہوا۔اور کبھی کبھی اسے ضلع سلطان پورہ کے خزانے کے ساتھ لاہور بھیجنے لگا۔ آدینہ بیگ نے ان موقعوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور دفتر دیوان (دفتر خزانہ) کے کئی ادنیٰ اور اعلیٰ عہدیداروں کو اپنا دوست بنا لیا۔

1737ء میں وہ سلطان پور کے خزانے (مالیہ) کو دفتر دیوان میں جمع کرانے لاہور آیا تھا۔کہ اسے سلطان پور کے ضلع دار دارا خان کی موت کی اطلاع ملی۔تو وہ فوراً ناظم پنجاب کے دیوان لکھپت رائے سے ملا۔اور اس سے گزارش کی کہ دیوان صاحب کہہ کر ناظم صوبہ پنجاب سے اسے ضلع سلطان پور کا ضلعدار مقرر کروادے۔دیوان لکھپت رائے نے کچھ تذبذب کے بعد اسے ناظم پنجاب نواب زکریا خان بہادر کے سامنے پیش کر دیا۔نواب صاحب نے دیوان لکھپت رائے کے بتانے پر کہ یہ آدمی موضع کنگ اور اس سے ملحقہ علاقے کا مالیہ ضلعدار کی موجودگی میں وصول کرتا رہا ہے اور خزانے میں جمع کرواتا رہا ہے۔ضلعدار مرحوم بھی اس پر اعتماد کرتا تھا اور آدمی ایماندار ہے۔اس کو ضلع سلطان پور کا ضلع دار مقرر کر دیا۔لالہ سری نواس دھیر نے آدینہ بیگ خان کی ضمانت بھی دے دی۔

آدینہ بیگ خان نے ضلعدار مقرر ہوتے ہی سلطان پور جاتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ لالہ سری نواس دھیر کو مالیہ وصول کرنے کا مختار بنا دیا۔اور اس کے بڑے بھائی لالہ بھوانی داس کو دفتر کا منتظم مقرر کیا۔آدینہ بیگ نے خود اپنی تمام تر توجہ علاقے کی فوج پر لگا دی۔اس زمانے میں ضلعدار امن وامان کے لئے دس ہزار تک فوج رکھ سکتا تھا۔یہ فوج ضرورت پڑنے پر صوبے کا حاکم طلب کر سکتا تھا۔مقامی فوج کا کمانڈر ضلعدار ہی ہوتا تھا۔آدینہ بیگ نے فوج میں نئی بھرتی شروع

کی اور سالارا پنے خاص آدمی مقرر کیے۔

ضلعدار مقرر ہونے کے ایک سال بعد 1738ء میں نادر شاہ افشار بادشاہ ایران نے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ نواب زکریا خان نے حملہ روکنے کی کوشش کی۔ لیکن شکست کھائی۔ نادرشاہی فوج نے بڑی تباہی مچائی۔ شہروں کے شہر تباہ ہو گئے۔ پنجاب میں قیامت برپا ہو گئی۔ نواب زکریا خان نے تاوان دے کر لاہور کو بچایا۔ اب نادر شاہ فتح دہلی کے لئے آگے بڑھنے لگا۔ ضلع سلطان پور راستے میں پڑتا تھا۔ آدینہ بیگ نے نادر شاہ کی فوجوں کی تباہی سے سلطان پور کو بچانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے لڑائی کی بجائے ایک ہزار بکرے اور کئی من آٹا نادر شاہ کی فوج کو پیش کر دیا۔ نادر شاہ کو دہلی پہنچنے کی جلدی تھی چنانچہ نادر شاہ کی فوج سلطان پور سے گزر گئی۔

اس واقع کے بعد آدینہ بیگ کے پاؤں اور مضبوط ہو گئے۔ اس نے اپنا علاقہ تباہی سے بچالیا تھا۔ اس سے علاقے کے لوگوں میں اس کی عزت اور بڑھ گئی۔ حملے کے بعد ہی سکھوں نے جتھوں کی صورت میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تھا۔ چنانچہ نواب زکریا خان کی سکھوں کی مہم پر سکھ شکست کھا کر وہ دوآبہ ضلع جالندھر میں جمع ہو گئے۔ آدینہ بیگ نے اپنی فوج جمع کر لی تھی۔ ضلع سلطان پور میں وہ کسی قسم کی گڑبڑ پیدا نہیں ہونے دیتا تھا۔ اگرچہ پنجاب بھر میں افراتفری اور تباہی مچی ہوئی تھی۔ اس نے نادر شاہ کے حملے کے بعد شاہی خزانے میں کوئی مالیہ جمع نہ کروایا۔ بلکہ وہ مالیہ وصول کر کے اپنی طاقت کو بڑھانے میں خرچ کرتا رہا۔

ایک دن آدینہ بیگ کو اچانک نواب زکریا خان کا پیغام ملا کہ وہ فوراً لاہور پہنچے۔ لاہور آنے کے بعد وہ سیدھا قلعہ پہنچا۔ اس کا استقبال شان سے کیا گیا۔ اسے شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ دوسرے روز نواب صاحب نے آدینہ بیگ کو بلا بھیجا۔ سامنے جاتے ہی نواب صاحب نے فرمایا:

"آدینہ بیگ خان ہم تم سے خوش ہیں تم نے اپنے علاقے کو نادر شاہ سے جس طرح بچایا ہے۔ ہم اس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکتے ہیں۔ سکھ غارت گر اب جالندھر دوآب میں جمع ہو رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ تم جالندھر دوآب کو ان غارت گروں سے پاک کر سکتے ہو۔ اس لئے

ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جالندھر دوآب کی نظامت تمہیں سونپ دی جائے۔ آج سے تم جالندھر دوآب کے ناظم ہو۔"

جالندھر دوآب میں جالندھر، ہوشیار، امرتسر، گورداسپور، انبالہ کرنال، اور روہتک، حصار، کے اضلاع شامل تھے۔ اس طرح آدینہ بیگ بہت بڑے علاقے اور پنجاب کی ایک اہم اور زرخیز نظامت کا ناظم یا حاکم بن گیا۔

آدینہ بیگ تیسرے روز جالندھر پہنچا اور اپنی فوج کو لے کر سکھوں پر چوتھے روز حملہ کر دیا۔ سکھ اس کی منظم فوج کے سامنے ٹک نہ سکے۔ آدینہ بیگ نے چند ہفتوں میں جالندھر دوآب سے سکھوں کو نکال باہر کیا۔

سکھوں سے علاقہ خالی کروانے کے بعد اس نے اپنی فوج کی تعداد بڑھائی ساتھ ہی اس نے دوآب کے باہر سکھ جتھے داروں کو پیغام بھیجا کہ اگر سکھ جالندھر دوآب میں لوٹ مار نہ کریں تو انہیں آدینہ بیگ سے کوئی خطرہ نہیں وہ ان سے کوئی باز پرس نہیں کرے گا۔ آدینہ بیگ سکھوں کی شورش کو مکمل طور پر ختم کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ سکھوں کی سورش کی موجودگی میں وہ پنجاب کے حاکم اور سکھوں کے درمیان ایک طاقت بن سکتا تھا۔ اس نے جسا سنگھ ٹھوکا کو کچھ دے دلا کر دوآب سے نکل جانے کا کہا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ جسا سنگھ یاد رکھنا کہ ہم نے تمہاری مدد کمزوری کی وجہ سے نہیں کی ہے۔ ہم نے اپنے علاقہ کو سکھوں سے پاک کرا لیا ہے۔ تم اپنی طاقت پر گھمنڈ نہ کرنا"

اس پر جسا سنگھ ٹھوکا نے جواب دیا خان صاحب ہم آپ کے دوست [illegible] کام آئیں گے۔

نادر شاہ کے حملے سے پنجاب تہس نہس ہو چکا تھا۔ اور اس کے بعد نواب زکر[illegible] سکھوں کی سرکوبی کرتا رہا اور فوج کو دو ماہ کی تنخواہ نہ دے سکا۔ اس نے اپنے دیوان لکھپت رائے کو کہا کہ رقم کا بندوبست کرے۔ ناظم نے اس وقت پنجاب کے تمام ناظموں کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ وہ جلد از جلد اپنا حساب کتاب اور روپیہ واجب الادا لے کر لاہور پہنچیں

حکم ملتے ہی آدینہ بیگ لاہور چلا آیا۔ دیوان کے رقم طلب کرنے پر آدینہ بیگ نے کہا
کہ نادرشاہ کے لشکر کو خوراک اور گوشت دے کر علاقہ بچایا اور نواب صاحب کے حکم پر سکھوں کی
گوشمالی کی۔ روپیہ جو میرے پاس تھا وہ خرچ ہوگیا ہے۔ اس پر دیوان نے آدینہ بیگ کو گرفتار کروا
دیا۔ لیکن قسطوں میں واجب الادا رقم ادا کرنے کے وعدہ پر آدینہ بیگ کو رہا کر دیا۔

نواب زکریا خان کی وفات اور خانہ جنگی

نواب بہادر کے دو بیٹے تھے۔ چھوٹے بیٹے کا نام حیات اللہ خان تھا۔ یہ بیٹا نادرشاہ کی
خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ نادرشاہ نے اسے شاہنواز خان کا خطاب دیا تھا۔ وہ صوبہ ملتان کا حاکم
تھا۔ اس کا بڑا یحیٰی خان تھا۔ کہ جو اعتماد الدولہ نواب قمرالدین خان وزیراعظم بادشاہ دہلی کا بھانجا
اور داماد تھا۔ یحیٰی وزیراعظم کے سفارش پر حاکم پنجاب مقرر رہوا۔ اب ایک خانگی فساد برپا ہوا۔
شاہنواز خان حاکم ملتان بہ ارادہ تقسیم ورثہ پدری کے ملتان سے مع فوج لاہور آ گیا۔
اپنے بھائی سے دولت و مال کا حصہ طلب کیا اور باہم نزاع لفظی ہو کر نوبت جنگ و جدل تک پہنچ
گئی۔ لڑائی میں شاہنواز غالب آیا۔ یحیٰی خان کے ساتھی قتل ہوئے اور یحیٰی مقید ہوا۔ وہ بھائی کی
جگہ بلا اجازت بادشاہ کے لاہور پر قابض ہوا۔ اس نے دیوان لکھپت رائے کی جگہ کوڑا مل کو اپنا
دیوان مقرر کیا۔ جسے وہ ملتان سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ آدینہ بیگ نئے حاکم پنجاب کی قدم بوسی
کے لئے دربار شاہنواز پہنچا۔ جہاں اس سے واجب الادا رقم کا تقاضا کیا گیا۔ دیوان کوڑا مل سے
آدینہ بیگ کو نامعلوم خطرہ محسوس ہوا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حاکم کے ہر معتمد آدمی کو برا سمجھتا
تھا۔ کیونکہ وہ حاکم پنجاب کی قربت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ لاہور سے جالندھر پہنچ
کر بہت جلد کچھ رقم بھیجے گا۔ لیکن اس کا ارادہ ایسا نہ تھا۔ وہ اپنی نظامت میں فوج بھرتی کرنے
کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے تاڑ لیا تھا کہ شاہنواز کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس نے
اپنے بڑے بھائی کو قید کر کے دہلی کے نامزد حکمران کے خلاف بغاوت کی تھی اور وزیر نواب قمر
الدین اسے اس حرکت پر معاف نہیں کرے گا۔ حالانکہ شاہنواز خان بھی نواب قمرالدین کا بھانجا
تھا۔ لیکن یحیٰی خان تو وزیر کا بھانجا اور داماد بھی تھا۔ دو ہفتوں کے بعد یحیٰی خان جیل سے فرار ہو کر

دہلی پہنچ گیا۔
اب نواب شاہنواز کو یقین ہوگیا کہ بادشاہ یحیٰی خان کے کہنے پر فوج بھیجے گا اور بادشاہی
فوج کے ساتھ میرا مقابلہ ناممکن ہے۔ یہ سوچ کر اس نے ایک شاہسوار کابل کی طرف مع عریضہ
روانہ کیا اور بادشاہ درانی کی خدمت میں لکھا کہ اگر بادشاہ پنجاب کی حکومت قبضے میں لینا چاہتا ہو تو
فی الفور پنجاب میں رونق افروز ہو۔ میں آئندہ آپ کا ملازم ہو کر پنجاب میں حکومت کروں گا۔
(ایک مورخ نے لکھا کہ درانی کے پنجاب پر حملہ کا مشورہ آدینہ بیگ نے نواب شاہنواز کو دیا تھا)
چنانچہ اس کی تحریر پر احمد شاہ درانی فی الفور ادھر سے روانہ ہوا۔ جب متصل خیبر کے پہنچا اور بادشاہ
دہلی کو اس یورش کی خبر پہنچی تو نواب قمرالدین خان کو تاکید کی کہ وہ اپنے بھانجے شاہنواز خان کو
ہدایت کرے کہ وہ دلی اخلاص ہمارے ساتھ رکھے اور احمد شاہ کو اپنی جواں مردی سے روکے،
حکومت پنجاب کی ہماری طرف سے اس کو بدستور بحال رہے گی۔ چنانچہ قمرالدین خان وزیر نے
ایسا ہی کیا اور امیدوار الطاف بادشاہی کر کے شاہنواز کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اب شاہنواز یک قلم احمد
شاہ سے پھر گیا۔ مگر حیران تھا کہ اب احمد شاہ کیونکر واپس ہو۔ مگر کوئی تدبیر سمجھ نہیں آتی تھی۔
شاہنواز کی بادشاہ دہلی سے دوبارہ وابستگی کی خبر پا کر بھی احمد شاہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور
اپنے پیرومرشد کے بیٹے صابر شاہ کو سفیر بنا کر لاہور بھیجا۔ تاکہ وہ اپنی عمدہ و شائستہ تقریر کے زور
سے شاہنواز کو مطیع کرے۔ لیکن شاہنواز نے صابر شاہ کی بات ماننے کی بجائے سرِ دربار اس کو قتل
کروا دیا۔ احمد شاہ نے راوی کو عبور کیا۔ ادھر نواب شاہنواز پچاس ہزار فوج لے کر مقابل ہوا۔ اس
وقت احمد شاہ کے ساتھ دس ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی۔ مگر فتح خداداد ہے۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد
شاہنواز کی فوج کو شکست ہوئی۔ (ایک مورخ نے لکھا ہے کہ شاہنواز نے مختلف نظامتوں سے فوج
اکٹھی کی۔ آدینہ بیگ بھی تین ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ لڑائی میں شامل ہوا۔ آدینہ بیگ نے
جب دیکھا کہ شاہنواز میدان میں زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تو اس نے اپنی فوج کو اشارہ کیا اور وہ
لاہور شہر کو کوچ کرنے لگی۔ لاہور شہر میں داخل ہو کر آدینہ بیگ نے اپنے سواروں کو حکم دیا کہ وہ شہر
کے دروازے بند کر دیں۔ جب دروازے بند کر دیئے گئے تو اس نے شہر کو لوٹنے کا حکم دے دیا۔

اس کے فوجیوں کے ہاتھوں جو لگا اٹھا لائے۔ دوسری طرف شاہنواز خان کا خیال تھا کہ لاہور میں قلعہ بند ہو کر احمد شاہ درانی کا مقابلہ کرے گا۔ لیکن جب وہ لاہور آیا تو دروازے بند دیکھے تو وہ بے حد مایوس ہوا۔ چنانچہ وہ دہلی بھاگ گیا۔ آدینہ بیگ صبح اذان کے وقت اپنی فوج لے کر لاہور سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ ہانسی کی طرف تھا۔ ہانسی حصار درانی کی فوجوں کے راستہ میں نہ پڑتا تھا۔)

لاہور پہنچ کر درانی نے لاہور کو خالی پایا ایک دو روز قیام کے بعد اپنی فوج کو منظم کر کے دہلی کی طرف کوچ کر گیا۔

میر منو حاکم پنجاب اور آدینہ بیگ

احمد شاہ درانی کی آمد کا سن کر نواب قمر الدین خان وزیر معہ اپنے پسر میر معین الملک دہلی سے لاہور بچانے آ رہا تھا۔ کہ اس فوج نے کرنال کے مقام مانو پور میں پڑاؤ ڈال دیا۔ احمد شاہ درانی نے اس فوج کا محاصرہ کر لیا۔ احمد شاہ کی فوج قلیل جب کہ دہلی کی فوج دو لاکھ تھی۔ لیکن دہلی کی فوج میں لڑنے مرنے کا عزم نہ تھا۔ دوران لڑائی ایک گولہ نواب قمر الدین خان کو لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ میر معین الملک نے دوسرے روز اس زور کا حملہ کیا کہ درانی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ مکمل تباہی سے بچنے کیلئے افغانستان روانہ ہو گیا۔ اب میر معین الملک حاکم پنجاب تھا۔ پنجاب میں میر منو مشہور رہا۔ آدینہ بیگ، ہانسی میں اپنے لشکر سمیت پڑا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ احمد شاہ واپس کابل چلا گیا ہے۔ تو اپنی فوج لے کر وہ جالندھر دوآب میں آ گیا۔ جالندھر دوآب پر اب آدینہ بیگ کا مکمل قبضہ تھا۔ اس کے پاس باقاعدہ فوج تھی۔ اب پھر اس نے فوج میں بھرتی شروع کر دی۔ اس کے پاس روپیہ تھا۔ اس نے جالندھر دوآب کے باہر سکھوں کو روپیہ بھی فراہم کیا۔ کہ وہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں تھوڑے عرصہ بعد آدینہ بیگ نئے حاکم پنجاب میر منو سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ اس نے میر منو سے ملاقات سے قبل دیوان کو دو ہزار روپیہ دیا۔ کہ یہ اس کے ذمے جو رقم نکلتی ہے اس کی پہلی قسط ہے۔

آدینہ بیگ نے میر منو کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ اور کہا کہ وہ خدمت کرنے کو تیار ہے۔ شاہنواز خان اور یحییٰ خان کی خانہ جنگی احمد شاہ کے حملہ نے پنجاب کی حالت ابتر کر دی تھی۔

اور پھر سکھوں نے علیحدہ اودھم مچا رکھا تھا۔ میر منو سکھوں کے فتنے کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ تا کہ پنجاب میں نظم و نسق پیدا کر سکے۔ میر منو آدینہ بیگ کے متعلق بس اتنا جانتا تھا کہ وہ جالندھر دوآب کا ناظم ہے۔ اور اس کا علاقہ دوسرے علاقوں کی نسبت امن میں ہے۔ آدینہ بیگ میر منو کو اپنی دوستی کا یقین دلانے میں کامیاب رہا۔ وہ اپنی منزل کی طرف بتدریج بڑھ رہا تھا۔ اس کی منزل تھی صوبہ پنجاب پر حکومت۔ وہ اس منزل پر پہنچنے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔

جون 1778ء کو میر منو سکھوں کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ میر منو نے گھوڑوں پر توپیں رکھیں اور سکھوں کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ سکھ جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ موسم برسات شروع ہونے پر واپس لاہور آ گیا۔

برسات گزرنے کے ساتھ ہی سکھ ہری مندر (موجودہ امرتسر) میں جمع ہونے لگے۔ معلوم ہونے پر میر منو پھر فوج لیکر لاہور سے نکلا اور ساتھ ہی آدینہ بیگ کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی فوج لے کر ہری مندر پہنچے یہ سنکر سکھ قلعہ رام رتنی (موجودہ رام گڑھ) میں محصور ہو گئے۔ میر منو نے اس قلعہ کا بڑی سختی سے محاصرہ کیا۔ قلعہ میں سکھوں کے جتھے دار گر چکے تھے۔ اب راہ فرار نہ تھی۔ میر منو ان کی سورش ختم کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ اس موقع پر سکھوں نے دیوان کوڑا مل کو مذہب کا واسطہ دے کر اس کو بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ میر منو کا معتمد ساتھی ہونے کی بناء پر میر منو سے نجات دلائے۔ دیوان کوڑا مل نے ہم مذہبی کی بناء پر میر منو سے سکھوں کی سفارش کی۔ [illegible] منو سے کہا کہ ان سے صلح کرنے کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو ہم اپنے علاقے کے حالات د[illegible]ت [illegible] پر تو[illegible] سکیں گے۔ دوسرے ان کی سورش ختم ہو جائے گی۔

آدینہ بیگ نے مشورہ دیا کہ اس وقت ضرب کاری لگائی جا سکتی ہے۔ ان کے کئی جتھے دار قلعہ میں محصور ہیں۔ اگر انہیں ختم کر دیا جائے تو سکھوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔ بہرحال میر منو نے دیوان کوڑا مل کی تجویز کے ساتھ اتفاق کیا اور سکھوں سے صلح کر لی۔ میر منو واپس لاہور چلا گیا۔ آدینہ بیگ نے اپنی نظامت جالندھر دوآب میں پہنچ کر حسب معمول اپنی طاقت میں اضافہ شروع کر دیا۔ اس دوران احمد شاہ نے مانو پور میں اپنی شکست کا بدلہ لینے کے

لئے پنجاب پر حملہ کر دیا۔ میر منو نے دلی سے امداد مانگی لیکن دلی سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس دوران چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر صلح ہو کر یہ معاہدہ ہوا کہ میر منو سیالکوٹ، ایمن آباد، پسرور اورنگ آباد کا مالیہ درانی کے خزانے میں جمع کرائے گا۔ درانی واپس قندھار چلا گیا۔

درانی کے حملے اور اس کے ساتھ سکھوں کی تباہ کاری سے پنجاب کی حالت سخت خراب ہوگئی۔ میر منو درانی کو معاہدہ کے مطابق اضلاع مذکورہ کا مالیہ نہ پہنچا سکا۔ چنانچہ معاہدہ کی خلاف ورزی پر 1751ء میں احمد شاہ نے تیسری بار پنجاب پر زبردست حملہ کیا۔ میر منو کی حالت سخت خراب تھی۔ پنجاب کی مالی حالت تباہ ہو چکی تھی۔ اس نے دہلی سے مدد مانگی۔ اور ملتان سے کوڑا مل اور جالندھر دوآب سے آدینہ بیگ کو مع فوج طلب کیا۔ احمد شاہ نے لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ چونکہ دورانی کی فوج نے تمام کھیت وکھلیان خود ہی تباہ کر دیئے تھے۔ اب انہیں خوراک کی قلت کا سامنا تھا۔ دوسری طرف لاہور میں محصور فوج اور لاہور کے شہریوں کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ شہر میں خوراک کا ذخیرہ اتنا نہ تھا کہ چند مہینے ہی گزر سکیں۔ قحط کے آثار شروع ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر میر منو نے امرائے فوج سے مشاورت کی۔ چند سرداروں نے کہا کہ شہر سے نکل کر حملہ کرنا چاہئے۔ چند لوگوں نے کہا کہ دہلی سے مدد کا انتظار کیا جائے۔

دیوان کوڑا مل نے مشورہ دیا کہ افغانوں سے صلح کی کوئی ضرورت نہ ہے۔ وہ سرد ملک کے رہنے والے ہیں۔ گرمی برداشت نہ کر سکتے ہیں خود ہی محاصرہ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ بصورت دیگر ہم ان پر حملہ کر دیں گے۔ وہ مئی، جون کی گرمی میں ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ آدینہ بیگ نے مشورہ دیا کہ اگر موسم کا ہی خیال رکھا گیا تو کامیابی مشکل ہے۔ اس سے کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ شہر سے باہر نکل کر درانی فوج کا مقابلہ کیا جائے۔

میر منو نے جوش میں آکر باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا۔ (ایک مورخ کے مطابق آدینہ بیگ کا مشورہ نیک نیتی پر مبنی نہ تھا) اور دونوں افواج کا ٹکراؤ ہوا۔ ایک موقع پر میر منو دشمن فوج کے نرغہ میں آ گیا۔ دیوان کوڑا مل نے بڑی بہادری سے لڑ کر میر منو کو نرغہ سے نکالا۔ جب لڑائی زوروں پر تھی تو کوڑا مل گھوڑے سے گرا۔ جس پر ایک افغان سپاہی نے اس کا سر قلم کر دیا۔

(ایک مورخ کے مطابق آدینہ بیگ کے ایک بندوقچی نے آدینہ بیگ کے اشارے پر دیوان کوڑا مل کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا اور اپنا لشکر لے کر جالندھر کو روانہ ہو گیا) اس پر میر منو کی فوج کو شکست ہو گئی۔ احمد شاہ نے پنجاہ ہزار نقد اور گیارہ اسپ لیکر سند حکومت تمام پنجاب کی اپنی طرف سے معین الملک کو لکھ دی اور اسے اپنے فرزند کا خطاب دے دیا۔

تھوڑے عرصہ بعد میر منو نے آدینہ بیگ سے ملاقات کی اور میر منو نے اس کو سکھوں کے فتنے کو ختم کرنے کی ڈیوٹی سونپی (ایک دوسرے مورخ کے مطابق ملاقات پر میر منو نے آدینہ بیگ کو احمد شاہ سے شکست کا ذمہ دار قرار دیا اور اس کی سرزنش کی۔ لیکن یہ سوچ کر کہ پنجاب میں وہی ایک شخص ہے جو سکھوں سے ساز باز رکھنے کے باوجود اپنے علاقے کو سکھوں کی غارت گری سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسے معاف کرتے ہوئے سکھوں کا فتنہ ختم کرنے کی ڈیوٹی لگائی)

آدینہ بیگ قلعہ سے نکلا اسے معلوم ہوا کہ سکھ بیساکھی کا تہوار منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے گھڑ سواروں سے اچانک ان پر حملہ کر دیا اور سکھوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان کا صفایا کرنے کے بعد وہ اپنا لشکر لے کر جالندھر چلا گیا۔ اس دوران وہ دو چار سکھ ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے لاہور بھی بھیجتا رہا تاکہ میر منو کو اس کی کارکردگی کا علم ہوتا رہے۔

اکتوبر 1753ء میں میر منو کو اطلاع ملی کہ سکھوں کی بہت بڑی تعداد قصور کے قریب جمع ہو رہی ہے۔ ان پر جا کر حملہ کیا۔ سکھوں کو شکست دے کر واپس آ رہا تھا کہ 3 نومبر 1753ء قلنج سے راستہ میں ہی مر گیا۔ میر منو کی بیوہ ثریا بیگم جو مغلانی بیگم کے نام سے مشہور ہے اس نے پنجاب کی عنان حکومت سنبھال لی۔ میر منو کی وفات کے بعد اس کی بیوہ مغلانی بیگم نے اپنے کمسن لڑکے کے نام پر حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی۔ مغلانی بیگم کو بیک وقت دو طرفہ حمایت و تائید حاصل تھی۔ احمد شاہ درانی میر منو کو اپنا منہ بولتا بیٹا کہہ چکا تھا۔ اس لحاظ سے مغلانی بیگم اس کی منہ بولی بہو تھی۔ دوسری طرف دہلی میں وزیر عماد الملک جو سیاہ و سفید کا مالک اور عالمگیر ثانی کا وزیر اعظم تھا۔ وہ مغلانی بیگم کا بھانجا تھا۔ بادشاہ دہلی نے باقاعدہ پنجاب کی حکومت میر منو کے دو سالہ بیٹے محمد امین الدین خان کے نام لکھ دی اور اسے امین الملک کا نام دیا۔

سید بھکاری خان جو میر منو کا خاص معتمد تھا اور لاہور کا نائب ناظم تھا۔ روز بروز اپنی طاقت بڑھانے لگا۔ اس کا اچھا خاصا اثر ورسوخ لاہور کے امراء میں تھا۔ اس نے امراء میں یہ شوشہ چھوڑا کہ عورت ذات حکومت کے قابل نہیں اور پنجاب کو جن خطرات سے واسطہ ہے ان پر قابو پانے کی مغلانی بیگم اہلیت نہیں رکھتی۔

تھوڑے عرصہ بعد مغلانی بیگم کا بیٹا فوت ہو گیا۔ مغلانی بیگم جو اپنے کمسن بیٹے کے نام پر حکومت کرتی تھی۔ بیٹے کی وفات کے بعد وہ اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگی۔ اس نے اپنے سفیروں کو قندھار اور دہلی بھیجا۔ ہر دو درباروں سے مغلانی بیگم کو حاکم پنجاب کا پروانہ بھیج دیا گیا۔ اب مغلانی بیگم پنجاب کی مطلق العنان حکمران تھی۔ سید بھکاری خان سے مغلانی بیگم کو کھٹکا تھا۔ مغلانی بیگم کے دل میں گرہ بیٹھ گئی تھی کہ سید بھکاری خان نے اس کے شوہر کو زہر دے کر ہلاک کیا ہے اور اس نے اس کے بیٹے کو بھی پراسرار طریقہ سے مروایا ہے۔ دو تین مہینوں بعد اس نے بھکاری خان کو اپنے محل میں یہ کہہ کر بلایا کہ اس سے کوئی خاص مشورہ کرنا ہے۔ جب ڈیوڑی پہنچا تو اسے بڑے احترام کے ساتھ زنان خانے میں پہنچایا گیا۔
مغلانی بیگم پردے کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس نے بھکاری خان کو لعن طعن شروع کر دی اور صاف الفاظ میں کہا کہ وہ میر منو کا قاتل ہے۔ اس کے اشارے پر پچاس کے قریب کنیزوں نے اپنے کیل لگے جوتوں سے بھکاری خان پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے اسے اتنا پیٹا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ بھکاری خان نائب ناظم لاہور امراء میں ایک خصوصی حیثیت کا مالک تھا۔ اس کے اس افسوس ناک انجام پر کسی کو مغلانی بیگم حاکم پنجاب کے سامنے دم مارنے کی جرات نہ ہوئی۔

بھکاری خان کے قتل کے بعد مغلانی بیگم نے حکومت کا کام اپنے معتمد تین خواجہ سراؤں کے سپرد کر دیا اور خود عیش کرنے لگی۔ لاہور کے امراء نے اپنی عزت و ناموس کو بچانے کے لئے مغلانی بیگم سے قطع تعلق کر لیا۔ نظام حکومت ابتر ہو گیا۔ آدینہ بیگ نے جو حاکم پنجاب بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ دہلی میں وزیر عماد الملک کو ایک عرضی بھیجی جس میں اس نے لاہور کی حالت کے ساتھ اس بات پر زور دیا کہ مغلانی بیگم کی حکومت میں پنجاب میں ہر طرف ابتری پھیل رہی

ہے اور سکھ پھر جتھے تیار کر رہے ہیں۔ اگر لاہور میں مضبوط حکمران نہ رہا تو پھر پنجاب پر سکھ چھا جائیں گے۔ دوسری طرف لاہور کے امراء نے بھی دہلی کے امراء کو مغلانی بیگم کی کرتوتوں سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار عماد الملک کو اپنی ممانی کی بداعمالیوں کا علم ہو گیا۔ سوچ و بچار کے بعد اس نے بادشاہ دہلی سے میر مومن خان کو حاکم پنجاب نامزد کرنے کے اجازت حاصل کر لی۔

میر مومن 1754ء کو لاہور پہنچا۔ اس نے مغلانی بیگم کی جاگیر اور دیگر معاملات میں دخل نہ دیا۔ اور امراء سے ملکر کاروبار حکومت چلانے لگا۔ چونکہ وہ درویش صفت اور نیک دل انسان تھا۔ وہ مغلانی بیگم کے سامنے جم نہ سکا۔ مغلانی بیگم اپنے خواجہ سراؤں کی معرفت حکومت میں دخیل رہی۔ پنجاب کی صورت حال روز بروز ابتر ہوتی گئی۔

لاہور کے امراء نے پنجاب کے تمام امراء کو جو بڑے بڑے جاگیردار تھے۔ لاہور بلایا اور دسمبر 1754ء کو ایک جلسہ عام میں مغلانی پر الزامات لگائے اور آخر متفقہ فیصلہ کیا کہ مغلانی بیگم کو معزول کر کے اس کی حویلی میں قید کر دیا جائے اور خواجہ مرزا خان کو حاکم مقرر کیا جائے۔

امراء کے اس فیصلہ کو لے کر خواجہ مرزا دہلی پہنچا اور اپنے حق میں پنجاب کی شاہی حکومت کا پروانہ لے آیا۔ اس نے آتے ہی مغلانی بیگم کو معزول کر کے اس کو حویلی میں بند کر دیا۔ مغلانی بیگم نے اپنے ماموں خواجہ عبداللہ خان کو قندھار احمد شاہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ اپنی چرب زبانی سے احمد شاہ درانی سے مدد حاصل کر سکے۔

معلوم ہونے پر آدینہ بیگ خان نے اپنے ایک معتمد شخص کو دہلی بھیجا اس کے ہاتھ اعتماد الملک کو مغلانی بیگم کی سازش اور تفصیلات روانہ کیں۔ اس دوران اس نے جالندھر دوآب کی حدود جمنا کے کنارے تک پھیلا دیں۔ اس کے علاقے میں پنجاب کے دوسرے علاقوں کی نسبت امن تھا۔ اس کے علاقے میں سکھ بھی لوٹ مار نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس نے سکھ جتھہ داروں سے خفیہ سمجھوتا کر رکھا تھا۔

آدینہ بیگ کا حکومت پنجاب پر قبضہ اور مغلانی بیگم کی واپسی:

خواجہ عبداللہ خان نے اپنی چرب زبانی سے احمد شاہ درانی کو پنجاب پر حملہ کرنے کے

لئے آمادہ کرلیا۔ احمد شاہ نے اپنے سپہ سالار جہاں خاں کو لاہور پر لشکر کشی کے لئے بھیج دیا۔ لشکر
کے لاہور کے نزدیک پہنچنے پر خواجہ مرزا خان دہلی کی طرف سے نامزد حکمران دہلی کی طرف فرار ہو
گیا۔ عنان حکومت پھر مغلانی حکومت کرسونپ دی گئی۔ اب وہ احمد شاہ درانی کی مقرر کردہ صوبہ
دار تھی۔ اس نے اپنا رنگ نہ چھوڑا اس کے خواجہ سراء پھر برسرِ اقتدار آ گئے۔

مغلانی بیگم کو دوبارہ صوبیدار بنے تین ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس کے ماموں خواجہ
عبداللہ نے بغاوت کردی۔ مغلانی بیگم کو قید کردیا اور شہریوں پر سختی شروع کردی اور سختی سے روپیہ
وصول کرنے لگا۔ اس وقت ایک ضرب المثل مشہور ہوئی۔

حکومت نواب عبداللہ۔ نہ چکی رہی نہ چلہا۔

اب آدینہ بیگ نے اپنے لئے میدان صاف پایا۔ وہ لشکر لے کر لاہور پر حملہ آور ہوا۔
خواجہ عبداللہ جو اپنے سپاہیوں کو باقاعدہ تنخواہیں نہیں دے سکتا تھا اور ان کے تقاضوں سے تنگ تھا۔
اسے جب خبر ملی کہ آدینہ بیگ لاہور پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے۔ وہ چپکے سے سندھ کی
طرف بھاگ گیا۔ آدینہ بیگ نے لاہور پر قبضہ کرلیا۔ اس کے خلاف کسی نے ہاتھ نہ اٹھایا۔ چند
روز لاہور میں قیام کیا لاہور کے امراء کو طلب کر کے اپنے جرنیل صدیق بیگ خان کو لاہور میں اپنا
نائب مقرر کیا اور پھر جالندھر دوآب واپس چلا گیا۔ صدیق بیگ نے لاہور کا بندوبست سنبھالا۔
لیکن اس نے مغلانی بیگم کی کڑی نگرانی نہ کی۔ اس کا خیال تھا کہ خواجہ عبداللہ کے فرار کے بعد
مغلانی بیگم حکومت سے دستبردار ہوگئی ہے۔ لیکن وہ آرام سے نہ بیٹھی اس نے جلد ہی احمد شاہ درانی
کو نئی صورتحال سے مطلع کرنے کے لئے ایک قاصد بھیجا۔ احمد شاہ درانی نے فوری طور پر جہاں
خان کو لشکر دے کر لاہور کی طرف روانہ کیا۔ دسمبر 1755ء میں جہاں خان کے لاہور پہنچنے سے
پہلے صدیق بیگ جالندھر دوآب کی طرف فرار ہوگیا۔

تیسری مرتبہ مغلانی بیگم کو صوبیداری کے عہدے پر بحال کیا گیا۔ چند روز کے بعد
خواجہ عبداللہ بھی لاہور پہنچ گیا۔ اسے مغلانی بیگم کا نائب مقرر کیا گیا۔

مغلانی بیگم کا زوال اور آدینہ بیگ خان دوبارہ حاکم پنجاب

آدینہ بیگ نے حسبِ سابق لاہور کے حالات دہلی لکھ کر پہنچا دیئے جس میں وزیر
اعتماد الملک کو بتایا کہ اب پنجاب کا سلطنت دہلی سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ کیونکہ مغلانی بیگم کو احمد شاہ
درانی نے پنجاب کی حکومت سونپی ہے۔ آخر میں آدینہ بیگ نے دہلی سے اپنی وفاداری کا یقین
دلایا۔

مغلانی بیگم سرکاری طور پر حاکم پنجاب تھی لیکن درانی نے عبداللہ خان کو اس کا نگران
مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے تمام امراء کو اپنے خلاف کر رکھا تھا۔ مغلانی بیگم کو اپنے ماموں
عبداللہ کی نگرانی پسند نہ تھی۔ وہ اپنے محدود اختیارات کو ختم کر کے پھر براہ راست حکومت کرنے
کے منصوبے بنانے لگی۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ احمد شاہ درانی اس سے زیادہ اس کی مدد نہیں کر
سکتا۔ اس لئے اس نے نواب اعتماد الملک وزیر اعظم دہلی اپنے بھانجے سے مدد مانگنے کا فیصلہ کیا۔
اس نے خط لکھ کر ایک معتمد قاصد کو دہلی بھیجا۔ خط میں یہ بھی تحریر کردیا کہ اعتماد الملک اپنی منسوبہ عمدہ
بیگم کو فوج بھیج کر منگوا لے۔ عمدہ بیگم مغلانی بیگم کی بیٹی تھی۔ جس کو اس کے باپ میر منو نے اپنی
زندگی میں ہی اعتماد الملک سے منسوب کردیا تھا۔

قاصد کو جلد ہی عماد الملک کی خدمت میں حاضری کا موقع مل گیا۔ قاصد نے خط عماد
الملک کو پیش کردیا۔ ان دنوں وزیر دہلی عماد الملک مالی مشکلات میں گرفتار تھا۔ مرہٹے سلطنت دہلی
کے درپے تھے۔ پنجاب میں افغانستان کا عمل دخل موجود تھا۔ مغلانی بیگم کی سازشوں سے اسے
آگاہی تھی۔ وہ مغلانی کو ہمیشہ کے لئے اقتدار سے ہٹانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اچھے موقع کی تلاش
میں تھا۔ خط ملنے پر اس نے سوچا یہ اچھا موقع ہے۔ وہ ایک طرف تو اپنی منسوبہ کو دلہن بنالے گا اور
دوسری طرف اسے مغلانی بیگم کی دولت ہاتھ آئے گی۔ اس نے قاصد کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ وہ
عنقریب لاہور آئے گا۔ لیکن اس کی آمد کی کسی کو اطلاع نہ دی جائے۔ ساتھ ہی اس نے افغانوں
اور صوبہ جالندھر کے حاکم آدینہ بیگ کو اندھیرے میں رکھنے کی غرض سے یہ اعلان کردیا کہ وہ
پنجاب میں شکار کی غرض سے جا رہا ہے۔ اور فروری 1756ء کو لدھیانہ پہنچ گیا۔

عماد الملک کی آمد کی اطلاع جب آدینہ بیگ کو ملی تو اس نے فوراً سمجھ لیا کہ سیر و شکار کی آڑ میں وزیر دہلی عماد الملک مغلانی بیگم کو اقتدار سے ہٹانے کے لئے کوئی گہری چال چل رہا ہے۔ اس نے عماد الملک کو خط لکھا جس میں اس نے اپنی وفاداری کی یقین دلایا اور سیر و شکار میں ہم رکابی کی سعادت حاصل کرنے کی استدعا کی۔ اس کے ساتھ ہی اشارہ کر دیا کہ اگر آپ کسی معتمد خواجہ سراء کو دو تین ہزار سوار دے کر بھیج دیں میں اس کے ساتھ اپنا لشکر لاہور روانہ کر دوں گا اور آپ کی مطلوبہ شے (عمدہ بیگم) کو بڑی آسانی سے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔

عماد الملک کو جب یہ خط ملا اس نے فوراً نسیم خان کو تین ہزار سوار دیکر آدینہ بیگ کے پاس بھیج دیا۔ آدینہ بیگ جو کئی سال سے پنجاب کا حاکم بننے کا خواب دیکھ رہا تھا اور جس مقصد کے لئے اس نے کئی چالیں چلیں۔ اب یہ مقصد حاصل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ عماد الملک اس کی خدمات کے عوض پنجاب کی صوبیداری اسے تفویض کر دے گا۔ آدینہ بیگ نے اپنے جرنیل محمد صدیق کو دس ہزار برق رفتار گھڑ سوار دیکر لاہور بھیجا کیونکہ یہ لشکر وزیر عماد الملک کی دلہن کو لینے آیا تھا۔ یہ لشکر نواب عبداللہ خان کے محل پر رسماً سلامی دینے گیا۔ خواجہ عبداللہ مغلانی بیگم کا امیر عسا کر تھا۔ صدیق بیگ خان نے اسے اپنے لشکر میں آنے کی دعوت دی۔ دوسری صبح وہ رسم کے مطابق صدیق بیگ کی لشکر گاہ میں گیا۔ خواجہ عبداللہ کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ اپنی حویلی آیا۔ خواجہ عبداللہ صدیق خان کو بھولا نہ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ چند مہینے پہلے آدینہ بیگ کا سپہ سالار یہی تھا اور اس کی آمد پر ہی اسے سندھ بھاگنا پڑا تھا۔ حویلی آتے ہی اس نے اپنا ضروری سامان لیا اور اپنے چند وفادار ساتھیوں کے ساتھ رات کی تاریکی میں چپکے سے جموں کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ صبح جب مغلانی بیگم کو اپنے ماموں کے بھاگ جانے کا علم ہوا۔ اس نے اس کی حویلی پر قبضہ کر لیا اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اور اپنی بیٹی کو رخصت کر دیا۔

نسیم خان اور صدیق بیگ کا باراتی لشکر عمدہ بیگم کو لیکر وزیر عماد الملک کے پاس لدھیانہ پہنچ گیا۔

عماد الملک نے اب دوسرے منصوبہ پر یعنی مغلانی بیگم کو ساتھ لے جانے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے معتبر امراء سے صلاح کی۔ امراء کو بتایا کہ مغلانی بیگم کو احمد شاہ درانی

کی حمایت اور مدد حاصل ہے۔ اس لئے ہم اس پر سختی نہیں کر سکتے۔ اس کام کے لئے آدینہ بیگ جالندھر دوآب کا حاکم ہمارے کام آ سکتا ہے۔ امراء نے کہا آپ کا ارشاد درست ہے۔ صرف آدینہ بیگ ہی یہ کام کر سکتا ہے۔ آدینہ بیگ کی پرانی خواہش ہے کہ وہ صوبہ پنجاب کی حکومت سنبھالے۔ اگر حضور اسے صوبے کا حاکم مقرر کر دیں تو وہ اس کام کے لئے تیار ہو جائے گا۔ عماد الملک نے کہا کہ ہم نے بھی سوچا ہے کہ مغلانی بیگم کو دہلی لے جائیں اور پنجاب کی حکومت آدینہ بیگ کو سونپ دیں۔ وہ اچھا منتظم ہے ہمیں امید ہے کہ وہ پنجاب میں بدامنی کو دور کر دے گا۔ آپ حضرات آدینہ بیگ کے پاس جائیں وہ بٹالہ میں مقیم ہے۔ یہ لشکر دوسرے روز آدینہ بیگ کو بٹالہ کے قریب ملا۔ عماد الملک کی تجویز سن کر بہت خوش ہوا۔ اس کی پرانی خواہش پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے جمال الدین کو اپنے خاص شاہسواروں کا لشکر دیا۔ یہ لشکر ایک سو بیس فرسنگ کا سفر چوبیس گھنٹوں میں طے کر کے دوسرے روز صبح کاذب کے وقت لاہور پہنچ گیا۔

اس وقت مغلانی بیگم بڑی بے فکری سے سو رہی تھی۔ سید جمال الدین نے فوراً قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محافظوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ مغلانی بیگم کو خواجہ سراؤں کے ذریعے مسہری سے اٹھا کر پالکی میں پھینک دیا۔ سید جمال الدین نے بیگم کے خزانہ کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اسے گھوڑوں پر لادا اور بیگم کی باقی تمام املاک کو ضبط کر کے اسی روز مغلانی بیگم کو حراست میں لے کر لدھیانہ روانہ ہو گیا۔

عماد الملک کو جب مغلانی بیگم کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ اس کے استقبال کے لئے لشکر گاہ سے باہر آیا۔ مغلانی بیگم نے عماد الملک کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اور کہا کہ تم نے یہ سازش کی ہے تمہیں میرے مرتبے کا بھی لحاظ نہیں۔ تمہاری بدسلوکی کا تمہاری پوری سلطنت کو خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ جلد ہی احمد شاہ درانی میری توہین کا بدلہ لینے آئے گا۔ میں دہلی کو تباہ و برباد کروا دوں گی۔ جب عماد الملک واپس اپنے خیمہ میں آیا تو آدینہ بیگ وہاں حاضر تھا۔ کاغذات تیار کئے جا چکے تھے۔ عماد الملک کے اشارے پر آدینہ بیگ کے سپرد کر دیئے گئے۔ اس میں آدینہ بیگ کو پنجاب اور ملتان دونوں کی حکومت سپرد کی گئی۔ اس کے عوض اس کو تیس لاکھ روپیہ سالانہ دہلی کو

روانہ کرنا تھا۔ سید جمال الدین کو آدینہ بیگ کا نائب مقرر کیا گیا تھا۔

اب سرکاری طور پر حکومت دہلی کی طرف سے آدینہ بیگ خان حاکم پنجاب تھا۔ آدینہ بیگ نے اپنے نائب جمال الدین کو لاہور بھیج دیا اور خود جالندھر دوآب روانہ ہو گیا۔

چھ مہینے کے بعد آدینہ بیگ کا فرار اور مغلانی بیگم کی وفات

عماد الملک کی طرح آدینہ بیگ بھی سمجھتا تھا کہ پنجاب میں اب کوئی بیرونی مداخلت نہیں ہوگی۔ اسے پھیلی ہوئی بدنظمی کو ختم کرنے اور اپنے حکومت مستحکم کرنے کا موقع ملے گا۔ لیکن وہ مغلانی بیگم جیسی جاہ پرست اور چالباز عورت کو بھول گئے تھے۔

اس دوران بیگم کا ماموں خواجہ عبداللہ قندھار پہنچ گیا۔ بیگم نے نظر بندی کے دوران خفیہ طور پر ایک خط قندھار بھیجنے کا بندوبست کر لیا۔ اس خط میں اپنی مظلومیت اور عماد الملک کی زیادتیوں کے علاوہ لکھا کہ میرے علم کے مطابق دہلی کے امراء کے محلوں میں کروڑہا روپے کے ہیرے اور جواہرات مدفون ہیں۔ چھتوں میں سونے کی اینٹیں چنی ہوئی ہیں۔ وزیر عماد الملک اور امراء میں ٹھنی ہوئی ہے اگر آپ فوری حملہ کر دیں تو دہلی کی بے انداز دولت آپ کے ہاتھ آئے گی۔

یہ خط احمد شاہ درانی کو مل گیا۔ لیکن اس سے پہلے اس کو ایسے خطوط مل چکے تھے جس میں ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس زمانہ میں مغلیہ سلطنت زوال کے آخری کنارے پر پہنچ چکی تھی۔ شمالی ہندوستان میں جاٹوں، مرہٹوں اور سکھوں سے بچانے کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ کوئی باہمت شخص ان کی سورشوں کو ختم کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کی بقاء کا راستہ نکالے۔

ان خطوط کے مطالعے کے بعد احمد شاہ درانی نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قندھار سے نومبر 1757ء میں وہ خود فوج لیکر لاہور کی طرف بڑھا۔ سید جمال الدین نائب صوبیدار لاہور خالی کر کے آدینہ بیگ حاکم پنجاب کے پاس پہنچا آدینہ بیگ اپنی فوج لے کر کانگڑہ کی پہاڑیوں میں جا چھپا۔ احمد شاہ دہلی پہنچا اور بغیر جنگ کے دہلی پر قابض ہو گیا۔ آدینہ بیگ کانگڑہ کی

پہاڑیوں میں چھپا ہوا حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ اسے پہلی بار پنجاب کی حکومت باضابطہ تفویض ہوئی تھی۔ لیکن چھ مہینے کے بعد وہ اپنا علاقہ جالندھر دوآب سے بھی محروم ہو گیا۔ لیکن وہ دہلی اور افغانستان فوج کی نقل و حرکت معلوم کرنے پر بے دریغ روپیہ خرچ کر رہا تھا۔ اس کے آدمی مختلف بھیس بدل کر دہلی اور لاہور میں پھیلے ہوئے تھے۔

جنوری 1758ء کو آدینہ بیگ خان کو اطلاع ملی کہ مغلانی بیگم احمد شاہ درانی سے کہہ کر کئی امراء کو ذلیل کر چکی ہے۔ عماد الملک کا اقتدار ختم ہو چکا ہے اور امیر نجیب الدولہ کو وزیر اعظم مقرر کیا گیا ہے۔ درانی کا ارادہ قندھار جانے کا ہے۔ مغلانی کے کہنے پر کئی امراء کے خفیہ خزانے پر احمد شاہ درانی نے قبضہ کر لیا۔ غور و خوض پر مغلانی بیگم کو اس نے جاہ پرست سازشی اور انتہاء کی خود غرض عورت پایا۔ اس لئے وہ اس سے متنفر ہو گیا۔

دہلی سے احمد شاہ کی واپسی پر مغلانی بیگم لاہور ٹھہر گئی۔ درانی نے اسے کہا کہ وہ آخری احکام قندھار جا کر ارسال کرے گا۔ احمد شاہ درانی نے پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کو صوبیدار اور سپہ سالار جہاں خان کو امیر لشکر اور نائب صوبیدار مقرر کیا۔ مغلانی بیگم کے متعلق حکم بھیجا کہ اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی جائے اور اسے تیس ہزار روپے وظیفہ دیا جائے۔ حکم ملنے پر وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کی چار سالہ جدوجہد بے اثر اور ناکام ثابت ہوئی۔ اب اس کی کوئی مدد کرنے والا نہ تھا۔ مغلانی بیگم خود قندھار گئی اور احمد شاہ درانی سے کہا کہ اگر حکومت نہیں دینا چاہتے تھے تو کم از کم اس کی جاگیر تو ضبط نہ کرتے اور پھر یہ تیس ہزار سالانہ؟ کیا وہ اتنی ہی حقیر ہو گئی ہے؟ احمد شاہ درانی نے اسے کہا کہ اس کا وظیفہ تین گنا کر دیتے ہیں۔ مغلانی بیگم نے کہا کہ کم از کم اس کی جاگیر واپس کر دیں۔ ورنہ وظیفہ بھی اپنے پاس رکھیں۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دی۔ لاہور پہنچ کر اس نے سرائے حکیم میں قیام کیا۔

آدینہ بیگ جالندھر دوآب پر پھر قابض ہو گیا۔ اس کے پاس اب بھی پندرہ ہزار فوج تھی۔ اس نے حسب سابقہ اس علاقے پر اپنی گرفت مضبوط رکھی۔ جالندھر دوآب میں سکھ بھی لوٹ مار کرنے سے گریز کرتے تھے۔ پنجاب کے مختلف علاقوں میں سکھوں نے قیامت برپا کر

رکھی تھی۔ حالات روز بروز بگڑتے جا رہے تھے۔ سکھ جتھے آبادیاں بڑی بے رحمی سے لوٹ رہے تھے۔ صرف بست جالندھر کا علاقہ ایسا تھا جو ان کی دست برد سے محفوظ تھا۔ اس کی پہلی وجہ یہ تھی کہ آدینہ بیگ کے پاس آزمودہ فوج تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ در پردہ کئی سکھ سرداروں سے اس کی ساز باز تھی۔ وہ انہیں دوسرے علاقوں میں بدامنی پھیلانے سے نہیں روکتا تھا۔ آدینہ بیگ کا اول مقصد پنجاب کا حاکم بلکہ خودمختار حاکم بننا تھا۔

چند مہینے بعد تیمور شاہ اور جہاں خان سکھوں کے خلاف کاروائی کرنے پر تیار ہو گئے۔ تیمور شاہ نے یہ سوچا کہ پنجاب میں صرف جالندھر دوآب کے ناظم آدینہ بیگ کے پاس صحیح معنوں میں فوج ہے۔ اس کو اپنی اطاعت پر مجبور کیا جائے اور سکھوں کے بڑھتے ہوئے خطرہ کو ختم کرنے کے لئے اس کی مدد حاصل کی جائے۔ اس مقصد کے لئے تیمور شاہ نے ایک وفد جالندھر دوآب بھیجا۔ وفد کی گفتگو سن کر آدینہ بیگ نے تیمور شاہ کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وفد واپس چلا گیا۔ تیمور شاہ اور جہاں خان بہت جز بز ہوئے۔

تھوڑے عرصہ بعد تیمور شاہ نے ایک اور وفد آدینہ بیگ کے پاس بھیجا اور پیغام بھیجا کہ اگر اسے جالندھر دوآب کا ناظم رہنے دیا جائے تو وہ کتنا روپیہ دے سکتا ہے۔ آدینہ بیگ نے کہا کہ وہ تیمور شاہ کی اطاعت گزاری کے لئے تیار ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اسے دربار میں حاضری پر مجبور نہ کیا جائے۔ وہ 36 لاکھ سالانہ سرکاری خزانے میں جمع کراتا رہے گا۔ ان شرائط کے ساتھ آدینہ بیگ نے اپنا وکیل بھی وفد کے ساتھ بھیج دیا۔ تیمور شاہ نے آدینہ بیگ کی شرائط کو قبول کر لیا۔ تیمور شاہ نے آدینہ بیگ کی تقرری کا حکم جاری کر دیا۔ لیکن اس کے وکیل کو ضمانت کے طور پر لاہور میں روک لیا۔ آدینہ بیگ نے اپنے وکیل کے لاہور روکے جانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ اس نے سکھ جتھے داروں کو خفیہ پیغامات بھیجے کہ وہ افغان سپاہیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ سکھ جتھے اس کی چال میں آ گئے۔ آدینہ بیگ چاہتا تھا کہ سکھ افغانوں کے درمیان جنگ ہو۔ دونوں فریق کمزور ہو جائیں گے اس کے بعد وہ بلاشرکت غیرے وہ پنجاب پر خودمختار ہو کر حکومت کرے گا۔ اسے دہلی کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس پر مرہٹوں کی گرفت

رفتہ رفتہ مضبوط ہو رہی تھی۔ دو تین ماہ بعد جہاں خان نے آدینہ بیگ سے واجبات کا مطالبہ کیا۔ لیکن آدینہ بیگ نے جواب بھیجا کہ آئندہ فصل پر ہی مالیہ وصول کر کے کچھ رقم خزانے میں بھیج سکتا ہے۔ اس پر جہاں خان نے اس کے وکیل کو قید میں ڈال دیا۔ جہاں خان کو معلوم ہو چکا تھا کہ آدینہ بیگ خان واجبات کی ادائیگی میں ہمیشہ غداری کرتا ہے۔

مغلانی بیگم کو جب پوری طرح یقین ہو گیا کہ احمد شاہ درانی اسے حکومت پنجاب واپس نہ کرے گا اور اس نے آدینہ بیگ کے وکیل دل آرام کی گرفتاری کا سن کر فیصلہ کیا کہ وکیل دل آرام کی مدد کی جائے اور اس طرح آدینہ بیگ کی حمایت حاصل ہو سکے گی۔ اس نے چکنی چپڑی باتوں سے تیمور شاہ سے وکیل دل آرام کو رہا کروا لیا اور اسے خفیہ طور پر لاہور سے فرار کروا کر آدینہ بیگ کے پاس بھیجنا چاہتی تھی کہ جہاں خان کو اطلاع ہو گئی دل آرام کو سرائے سے فرار ہوتے وقت جہاں خان کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا۔ مغلانی بیگم کو بھی گرفتار کر کے قلعہ کے جیل خانے میں ڈال دیا۔ اس کے بعد بیگم کی کوئی خبر نہ ملی۔ کہا جاتا ہے کہ چند مہینوں میں ہی نہایت کسمپرسی کی حالت میں وفات پا گئی۔

اب سکھوں نے باقاعدہ تیمور شاہ کے خلاف جنگ شروع کر دی جسا سنگھ کلال عرف آہلووالیہ نے لاہور کے مضافات میں تباہی مچا دی۔ جسا سنگھ ٹھوکا نے امرتسر کے آس پاس کے دیہات کو تباہ کر دیا۔ سردار آلہ سنگھ نے پٹیالہ کے علاقہ میں اپنی مطلق العنانی قائم کر دی۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے تیمور شاہ نے آدینہ بیگ کو اپنی مدد کے لئے لاہور طلب کیا لیکن اس نے معاہدے کی رو سے حاضری سے انکار کر دیا۔ اس پر تیمور شاہ نے جب دیکھا کہ پنجاب کے حکام میں آدینہ بیگ خان ناظم دوآبہ جالندھر ایک زور آور شخص ہے اور ہمسری کا دعویدار ہو کر پوری پوری تعمیل احکام نہیں کرتا۔ اسے منظور ہوا کہ اس کو مطیع کرے بدیں خیال اس نے آدینہ بیگ کو حکم جاری کیا کہ تم ایک بار ضرور ہمارے پاس حاضر ہو جاؤ کہ بعض باتیں اس لائق نہیں کہ زبانی تم کو سمجھائی جائیں۔ آدینہ بیگ خان نے اس کو جواب میں لکھا کہ دوآبہ بست جالندھر جہاں میں حکمران ہوں وہیں سکھ ہی رہتے ہیں۔ رات دن انہیں منصوبوں میں ہیں کہ کسی

طرح پھر شورش برپا کریں اگر میں خدمت میں حاضر ہوں اور علاقہ خالی چھوڑ جاؤں تو مفسد لوگ
موقع غنیمت سمجھیں گے اور ایسا مفسدہ برپا کریں گے کہ پھر انتظام کرنا ناممکن ہوگا۔ شہزادہ مجھ کو اس
وقت حاضری سے معذور تصور فرمائیں۔ شہزادہ نے مکرر سہ مکرر اس کی حاضری کے احکامات جاری
کئے۔ مگر وہ نہ آیا۔ آخر فوج سلطانی اس کی تنبیہ کے لئے معمور ہوئی کہ اس کو پکڑ لائیں۔ یہ سن کر وہ
معہ لشکر اور خزانہ کانگڑہ پہاڑیوں میں چلا گیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کانگڑہ کی پہاڑیوں سے اسے
بڑے سے بڑا لشکر بھی اسے نہیں نکال سکتا تھا۔

آدینہ بیگ خان کا مرہٹوں کو اپنی مدد کے لئے بلانا
اور دوبارہ حاکم پنجاب مقرر ہونا:

تیمور شاہ نے سلطانی فوج کے سپہ سالار خواجہ مرزا خان کو حکم دیا تھا کہ ہر قیمت پر آدینہ
بیگ کی فوج کو ختم کیا جائے اور آدینہ بیگ کو زندہ یا مردہ اس کے پاس پیش کیا جائے۔ جب خواجہ
مرزا کی فوج آدینہ نگر کے پاس پہنچی تو آدینہ بیگ خان نے خواجہ مرزا افسر فوج کی بہت خاطر
مدارت کی اور اس قدر مال و دولت دیا کہ اس کو اپنا غلام بنالیا۔ اس کے ہمراہی فوج بھی تمام و کمال
آدینہ بیگ کی ہوگئی۔ (ایک مورخ کے مطابق آدینہ بیگ خان نے خواجہ مرزا خان کے ساتھ اپنی
بیٹی کی شادی کردی اور مال و دولت بے شمار دے کر اس کو اپنے ساتھ ملالیا)

خواجہ مرزا خان اپنی فوج لے کر آدینہ بیگ کے ساتھ مل گیا یہ خبر فوراً ہی پنجاب میں
پھیل گئی۔ اور سکھوں نے زور و شور سے لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ پنجاب کے مشرقی حصہ میں کوئی
حکومت نہ رہی۔ یہاں تک کہ لاہور کے گرد و نواح میں بھی انہوں نے تباہی مچادی۔

تیمور شاہ بے بس ہوگیا اس کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ جگہ جگہ سکھوں کی شورش کچل
سکتا۔ روز بروز حالات بگڑتے جارہے تھے۔ اور آخر اس نے قندھار جانے کا فیصلہ کرلیا۔ تیمور شاہ
نے گھبرا کر اپنا خزانہ شاہدرہ بھیج دیا اور خود بھی ایک روز شاہدرہ چلا گیا۔ لاہور کے نواح میں ہی سکھ
جتھے دار سردار جسا سنگھ کلال آہلوالیہ لوٹ مار کررہا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ تیمور شاہ لاہور خالی
کرگیا ہے تو اس نے لاہور پر قبضہ کرلیا اور حاکم پنجاب بن بیٹھا اور اپنا سکہ جاری کردیا۔ سکہ پر یہ

الفاظ کندہ کروائے۔

سکہ زد در جہاں بفضلِ اکال   ملک احمد گرفت جسا کلال

جسا سنگھ نے تیمور پر حملہ نہ کیا اور دوسری طرف تیمور شاہ شاہدرہ میں ٹھہر کر حالات کا جائزہ لے رہا
تھا کہ آدینہ بیگ خان جو مدت سے پنجاب پر قابض ہونا چاہتا تھا وہ جسا سنگھ کو لاہور پر قابض نہیں
دیکھ سکے گا۔ تیمور شاہ کے اندازے کے عین مطابق آدینہ بیگ خان نے اپنے جرنیل صدیق بیگ
اور مرزا خان کو لاہور بھیجا تاکہ وہ جسا سنگھ سے بات چیت کریں کہ وہ لاہور کن شرائط پر خالی کرنے
کو تیار ہے۔ وفد کو جسا سنگھ نے ٹکا سا جواب دے دیا کہ وہ لاہور کسی قیمت پر خالی نہ کرے گا۔
آدینہ بیگ خان مخمصے میں پھنس گیا سوچا کہ اگر ان حالات میں وہ لاہور پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھا
تو اس کا فوجی نقصان لازمی تھا۔ وہ اپنی فوجی قوت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لاہور پر حملہ اس لئے بھی
مشکل نظر آرہا تھا کہ ابھی تیمور شاہ شاہدرہ میں مقیم تھا۔ وہ حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس طرح
بیک وقت اس کے دو دشمن تھے اور وہ دونوں دشمنوں سے ایک وقت میں ٹکرانا نہیں چاہتا تھا۔ حسب
سابقہ اس نے دہلی کی طرف دیکھا دہلی کے حالات بھی بدل چکے تھے۔ عماد الملک کی جگہ نجیب
الدولہ دہلی کا وزیر مقرر کیا گیا تھا۔ عماد الملک اپنے اقتدار کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اس نے
مرہٹوں سے رجوع کیا مرہٹہ لشکر دہلی پر حملہ آور ہوا۔ عماد الملک نے نجیب الدولہ کو دہلی سے بھاگنے
پر مجبور کردیا۔ 6 ستمبر 1757ء کو دہلی پر مرہٹوں کا قبضہ ہوگیا عماد الملک بحال ہوگیا تھا۔

آدینہ بیگ خان نے اپنے آدمی خفیہ طور پر دہلی بھیجے جنہوں نے رگھوناتھ راؤ سپہ سالار
مرہٹہ لشکر سے ملاقات کی اسے پنجاب پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ حملہ کی صورت میں آدینہ بیگ
نے وعدہ کیا کہ مرہٹہ لشکر کو کوچ کے لئے ایک لاکھ روپیہ اور پڑاؤ کے لئے پچاس ہزار یومیہ دیا
کرے گا۔

رگھوناتھ راؤ نے عماد الملک کی سازش سے دہلی پر قبضہ کیا تھا وہ اب مرہٹہ سلطنت کو اور
بڑھانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے آدینہ بیگ کی دعوت قبول کرلی۔

اس دوران آدینہ بیگ اپنی فوج کو اور مضبوط کرتا رہا۔ فروری 1758ء میں رگھوناتھ

راؤ دہلی سے اپنا لشکر لے کر نکلا۔ پٹیالہ کے نزدیک آدینہ بیگ خان اپنے لشکر سمیت رگھوناتھ راؤ کے لشکر کے ساتھ مل گیا۔ دونوں لشکروں نے لاہور کی طرف کوچ شروع کر دیا۔

جسا سنگھ کلال کو 8 اپریل 1758ء کو اطلاع ملی کہ آدینہ بیگ لشکر لے کر لاہور پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔ جسا سنگھ کلال نے اطلاع ملتے ہیں لاہور کو خالی کر دیا۔

تیمور شاہ بھی افغانستان کی طرف روانہ ہو گیا خواجہ مرزا خان کی سرکردگی میں لشکر تیمور شاہ کا تعاقب کرتا رہا جب تیمور شاہ چناب عبور کر گیا تو لشکر واپس آ گیا۔

رگھوناتھ راؤ نے 75 لاکھ روپے سالانہ کے عوض پنجاب کی حکومت آدینہ بیگ کو دے دی۔ اس شام لاہور کے قلعہ میں چراغاں کیا گیا اور جشن منایا گیا آدینہ بیگ خان کو اس لئے حاکم پنجاب بنایا گیا تھا۔ کیونکہ آدینہ بیگ خان کے پاس ہی ایک منظم فوج تھی۔ اور وہ ہی پنجاب پر حکومت کر سکتا تھا۔

آدینہ بیگ خان نے اقتدار سنبھالنے کے دوسرے مہینے بعد سکھوں کے خلاف مہم شروع کر دی خواجہ مرزا نے لاہور کے آس پاس سکھوں کا صفایا کر دیا۔ جسا سنگھ کلال جموں کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ آدینہ بیگ کو اطلاع ملی کہ جسا سنگھ ٹھوکا عرف رام گڑھیا روز بروز طاقت پکڑ رہا ہے اس کو خط لکھا کہ اگر تم ہماری اطاعت قبول کر لو تو فائدے میں رہو گے اگر طاقت دیکھنا چاہتے ہو تو ہم بھی طاقت کا جواب دے سکتے ہیں۔ ٹھوکا نہ مانا، اس پر آدینہ بیگ نے فوری حملہ کر دیا۔ سکھوں کو شکست دے دی ٹھوکا رات کو جان بچا کر بھاگ گیا۔

سکھوں کو احساس ہو گیا کہ آدینہ بیگ اب ان کو ختم کر کے ہی رہے گا۔ سکھوں کو میر منو کے بعد ایک مسلمان حاکم کے ساتھ واسطہ پڑا تھا جو انہیں جانتا تھا جب کبھی سکھ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر کسی جگہ جمع ہوتے تو وہ آدینہ بیگ کی فوج کو اپنے پاس ہی پاتے چار مہینوں میں پنجاب کا میدانی علاقہ تقریباً سکھوں کی شورش سے صاف ہو گیا اور انہیں معلوم ہوتا تھا کہ آدینہ بیگ ہمیشہ کے لئے سکھوں کی شورش کو ختم کر کے دم لے گا۔ لیکن اچانک اسے درد قولنج کا دورہ پڑا اور چند روز بعد وہ 15 ستمبر 1758ء میں انتقال کر گیا۔ اسے بٹالہ ضلع گورداسپور کے قریب گاؤں

قلویاں میں اس کے وصیت کے مطابق دفن کر دیا گیا۔ اس کی قبر بے نشان ہے۔ وہ جس طرح مفلسی اور گمنامی کی حالت سے پنجاب کی سیاست میں نمودار ہوا تھا اس طرح اپنا نشان چھوڑے بغیر تاریخ سے غائب ہو گیا۔

آدینہ بیگ خان کے متعلق مورخین کی رائے ہے کہ آدینہ بیگ خان اٹھارہویں صدی کا ایک ایسا سیاست دان تھا جو ڈپلومیسی میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ جنگ اور امن کے تمام رموز سے واقف تھا۔ وہ چالاک اور موقع شناس تھا۔ مغلوں کے آخری دور میں صرف آدینہ بیگ ہی ایک ایسا شخص تھا جو کم از کم پنجاب پر مسلمانوں کی حکومت بچا سکتا تھا طویل جدوجہد کے بعد اسے صرف پانچ مہینے حکومت کرنے کی مہلت ملی۔ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو پنجاب کا نقشہ اور ہوتا۔ دہلی کی مغل حکومت سے وہ آزاد ہو گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی شکست کے بعد وہ پنجاب کا خود مختار حاکم بن بیٹھا، کیونکہ احمد شاہ ابدالی کی موت کے بعد اس کے جانشین کمزور واقع ہوئے تھے۔ سکھوں کا اس نے صفایا کر دیا تھا۔ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

آدینہ بیگ کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد پنجاب پر سکھ سردار غالب آ گئے آخر رنجیت سنگھ قسمت کی یاوری سے تمام سکھ سرداروں پر غالب آ گیا۔ پنجاب میں سکھ حکومت قائم ہو گئی اب پنجاب کی تاریخ سکھوں کے احوال اور دور حکومت کی تاریخ ہے۔ اگر قسمت یاوری کرتی اور آدینہ بیگ کچھ اور عرصہ زندہ رہتا تو پنجاب کی تاریخ آرائیوں کے دور حکومت کی تاریخ ہوتی۔

☆☆☆

برصغیر کے اہم قبائل کی آبادی اور علاقہ

1881ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے ہی خود ڈینزل ابٹسن نے "Punjab Castes" کے نام سے ایک علیحدہ کتاب تصنیف کی جو پنجاب کے عوام کے بارے میں معلومات کا بیش قیمت خزانہ بنی۔ اسی دوران 1881ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کے حوالے سے ایک دوسرے نقطہ نظر سے ایک کتاب "Compendium of the castes and tribes found in Indian exclusive of native states. منظر عام پر آئی۔ اس کتاب کے مصنف مسٹر یوسٹس جے (Eustace J,Kitts) نے برصغیر میں بسنے والی قوموں کی آبادی صوبوں کی سطح پر علیحدہ علیحدہ شائع کر دی۔ یہاں ہم اس کتاب سے برصغیر کی چیدہ چیدہ اقوام کی مختلف علاقوں میں 1881ء تک کی کل آبادی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

Population of Important Tribes in the whole India in 1881

Tribes	Arain	Awan	Gujjar	Jat	Dogar	Rajput	Pathan
Total Population	800,041	532,895	1,819,546	5,691.220	63,437	8,675.514	1,195,140
Ajmer	-	-	32,690	35,173	-	14,965	8,312
Punjab	800,041	532,895	627,304	4143750	63,437	1,678,936	859,852
Bangal	-	-	41	7,890	-	1,409,354	-
Berar	-	-	967	89	-	44,133	37,653
Bombay	-	-	64609	5,185	-	489,128	489,128
Central Prov	-	-	44289	14,120	-	241,052	-
Coorge	-	-	-	-	-	480	-
Mudras	-	-	-	63,337	-	193,550	15,373
N.W.Prov	-	-	308,909	682,429	-	3,149,455	-
Broda	-	-		9,669	-	81,990	14,235
Central India	-	-	337,466	14,662	-	803,366	-
Haiderabad	-	-	562	278	-	56,873	61,437
Rajputana	-	-	402,709	425,508	-	479,554	70,242
Asam	-	-	-	-	-	10,541	-
Masoor	-	-	-	-	-	18,987	-

برصغیر میں آرائیں آبادی اور علاقہ جات اور آرائیں قبیلے کی کل آبادی کتنی ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے۔ بہر حال اس سوال کا جواب بعد میں ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ پورے برصغیر میں یہ لوگ کہاں کہاں آباد ہیں۔ ایسی معلومات کسی فرد یا کسی قبیلے سے مشکل ہی ملتی ہے۔ اس کے لئے حکومتی ریکارڈ درکار ہوتا ہے۔

پنجاب کے عوام کے اعداد و شمار سب سے پہلے 1881ء میں اکٹھے کئے گئے۔ اس وقت برصغیر میں عوام کی تعداد اور علاقوں کے متعلق 1881ء کی مردم شماری کے سوائے کوئی ذریعہ معلومات نہ تھا۔ کیونکہ مغلوں میں تو ایسے مفید کاموں کا رواج کہاں تھا؟

مردم شماری 1881ء کے مطابق آرائیوں کی کل آبادی اس وقت 800041 تھی۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آرائیوں کی آبادی صرف پنجاب میں تھی۔ اس مردم شماری کے مطابق کسی دوسرے صوبے میں نہیں پائے گئے۔ سرحد میں کچھ قلیل تعداد آرائیوں کی تھی۔ اعوان بھی صرف پنجاب میں آباد تھے۔ جن کی تعداد تقریباً ساڑھے تین لاکھ تھی۔ پنجاب میں سب سے زیادہ تعداد جاٹوں کی تھی۔ جو اس وقت 41 لاکھ افراد سے اوپر تھے۔ جب کہ راجپوت 17 لاکھ کے ساتھ دوسرے اور پٹھان 9 لاکھ کے ساتھ تیسرے نمبر پر تھے۔ یاد رہے کہ صوبہ پنجاب بہت بڑے رقبے پر مشتمل تھا۔ اس میں کانگڑہ اور، دہلی سے لیکر میانوالی، اٹک، ملتان تک کا علاقہ شامل تھا۔ آرائیں آبادی کے ساتھ اہم برادریوں کی آبادی اور ان کے اضلاع کی تفصیل اس لئے دی گئی ہے۔ کہ اپنی آبادی کی کل آبادی کا دوسری برادریوں سے موازنہ کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ موجود دور میں مختلف اقوام اور اپنی قوم کی متوقع آبادی کو ذہن میں لانے میں دشواری نہ ہو۔

مولف کے علم کے مطابق مردم شماری 1881ء کے وقت صوبہ سندھ اور صوبہ اتر پردیش (یوپی) میں آرائیوں کی کافی آبادی موجود تھی۔ صوبہ سرحد میں آرائیں اگرچہ قلیل تعداد میں ہی موجود تھے ان صوبوں کی آبادیوں کو مردم شماری میں شامل نہ کیا گیا ہے۔ آرائیں قبیلے کی آبادی اب کتنی ہے؟ یہ سوال ہمیشہ سے ہی بڑا اہم رہا ہے۔ پاکستان بننے سے پہلے مردم

شماریوں میں قبیلوں کی آبادی علیحدہ علیحدہ ظاہر کی جاتی تھی۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد ایسا فورم نظر نہیں آتا تھا۔ جو یہ کام کرے۔ مولف کئی لائبریریوں میں گیا تا کہ تازہ مردم شماری سے آرائیوں کی موجودہ تعداد کا پتہ لگایا جا سکے لیکن وہاں سے کوئی مردم شماری 1881ء کی طرح کا ریکارڈ نہ مل سکا۔ مولف نے مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کی ہیں۔ ان کے مطابق آرائیوں کی آبادی دو کروڑ ہے۔ عام طور پر یہی تعداد زبان زد عام ہے۔

آرائیوں کے نمایاں قبائل کی تعداد کے لحاظ سے ترتیب:

ڈینزل ابٹسن نے 1881 کی مردم شماری کی روشنی میں Punjab Castes کے نام سے پنجاب میں بسنے والی اقوام کے متعلق رپورٹ مرتب کی۔ اس کے صفحہ 194 پر آرائیں پر نوٹ لکھتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ آرائیوں کی بہت سی گوتیں ہیں۔ لیکن چنڈور۔ گہلن، چھچھر، سندھو اور برار، آرائیوں کی پانچ بڑی گوتیں ہیں یعنی ان گوتوں کے قبائل آرائیوں کے بڑے قبیلے ہیں۔ لیکن اس نے صفحہ 194 پر اسی رپورٹ Punjab Castes میں آرائیوں کی مختلف نمایاں گوتوں کی تعداد مردم شماری 1881ء کے مطابق دی ہے جس سے اس صفحہ مذکورہ کے نظریہ کی نہ تائید ہوتی ہے۔ ابٹسن کے مرتب کردہ جدول ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے مطابق آرائیوں کے نمایاں قبائل (گوتوں) کی ترتیب تعداد کے لحاظ سے یوں بنتی ہے:

ا۔ جتالہ:

جتالہ گوت کے آرائیوں کو باقی لوگوں پر برتری حاصل ہے اس آرائیں قبیلے کی تعداد بوقت مردم شماری 1881ء 33367 تھی۔ اس قبیلے کے لوگ بوقت مردم شماری جالندھر، امرتسر، گورداسپور، سیالکوٹ، لاہور، فیروز پور اور ملتان میں آباد پائے گئے۔

۲۔ گہلن:

تعداد کے لحاظ سے گہلن آرائیں گوت کے افراد دوسرے نمبر پر ہیں۔ اس کی تعداد بوقت مردم شماری مذکورہ 33187 تھی۔ یہ قبیلہ بڑی تعداد میں جالندھر، ہوشیار پور، گورداسپور، لاہور، فیروز پور میں آباد تھا۔

پنجاب Castes 1881ء کی مردم شماری کے مطابق

	ملتانی	گھار	منڈا	ہانسی	بہن	بھیڈا	گوہیر	نیل گوریا	گیلن	ملانی	نین	چنڈور
انبالہ	8,424	47	-	-	-	-	-	-	-	217	36	270
لدھیانہ	0	1,710	1,201	963	263	628	94	-	-	153	571	1,237
جالندھر	-	1,831	-	4,704	3,912	7,372	5,355	-	-	1,792	3,819	5,141
ہوشیار پور	-	-	140	1,141	130	468	91	2,509	4,485	1,118		073
امرتسر	150	514	61	142	128	-	-	-	-	279	1,128	5,428
گورداسپور	10	137	-	955	34	350	105	-	-	261	895	1,147
سیالکوٹ	30	-	-	382	1,804	155	75	-	-	23	571	1,840
لاہور	6,486	32	8	89	118	49	10	-	-	637	9,081	6,113
گوجرانوالہ	130	-	-	19	305	-	58	-	-	-	184	338
فیروزپور	3	49	-	500	3	37	377	-	-	1,070	4,862	3,637
گجرات	-	83	-	-	413	-	-	-	-	-	668	-
شاہ پور	-	-	4	1	-	-	-	-	-	-	-	-
ملتان	1	-	-	00	-	-	-	-	-	0	-	258
جھنگ	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
منٹگمری	-	-	-	14	-	-	-	-	-	188	7	70
مظفرگڑھ	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
انگریزی ایریا	13,311	4,537	1,509	9,858	7,107	8,829	6,250	2,839	4,485	5,920	21,632	26,110
مقامی ریاستیں	687	36	740	64	13	7	13	-	-	424	334	1,337
صوبہ	13,889	4,788	2,392	9,713	7,190	8,858	6,841	2,894	4,436	0,259	21,934	27,506

پنجاب Castes 1881ء کی مردم شماری کے مطابق

	ملتانی	گھار	منڈا	ہانسی	بہن	بھیڑا	گوہیر	نیل گوریا	گیلن	ملانی	نین	چنڈور
انبالہ	8,424	47	-	-	-	-	-	-	-	217	36	270
لدھیانہ	0	1,710	1,201	963	263	628	94	-	-	153	571	1,237
جالندھر	-	1,831	-	4,704	3,912	7,372	5,355	-	-	1,792	3,819	5,141
ہوشیارپور	-	-	140	1,141	130	468	91	2,509	4,485	1,118		073
امرتسر	150	514	61	142	128	-	-	-	-	279	1,128	5,428
گورداسپور	10	137	-	955	34	350	105	-	-	261	895	1,147
سیالکوٹ	30	-	-	382	1,804	155	75	-	-	23	571	1,840
لاہور	6,486	32	8	89	118	49	10	-	-	637	9,081	6,113
گوجرانوالہ	130	-	-	19	305	-	58	-	-	-	184	338
فیروزپور	3	49	-	500	3	37	377	-	-	1,070	4,862	3,637
گجرات	-	83	-	-	413	-	-	-	-	-	668	-
شاہ پور	-	-	4	1	-	-	-	-	-	-	-	-
ملتان	1	-	-	00	-	-	-	-	-	0	-	258
جھنگ	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
منٹگمری	-	-	-	14	-	-	-	-	-	188	7	70
مظفرگڑھ	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-
انگریزی ایریا	13,311	4,537	1,509	9,858	7,107	8,829	6,250	2,839	4,485	5,920	21,632	26,110
مقامی ریاستیں	687	36	740	64	13	7	13	-	-	424	334	1,337
صوبہ	13,889	4,786	2,392	9,713	7,190	8,858	6,841	2,894	4,436	0,259	21,934	27,506

پنجاب 1881ء کی مردم شماری کے مطابق Castes

	ڈھینگے	بھٹی	بھٹہ	جنجوعہ	ڈھڈی	رائے	گہلن	واہنڈ	قطب شاہی	جتالہ	ہنجر
انبالہ	189	656	7	3	88	-	203	-	-	1,004	7
لدھیانہ	36	34	405	14	620	465	1,350	-	-	1,537	770
جالندھر	377	334	3,194	1,487	15	13,004	7,213	-	-	4,931	858
ہوشیار پور	113	150	922	12	1,054	342	3,892	-	-	1,031	636
امرتسر	-	1,382	12	26	-	3,272	504	178	8	2,834	1,429
گورداسپور	5,784	2,295	352	31	159	1,864	-	-	-	3,927	757
سیالکوٹ	950	1,980	895	801	786	2,630	320	820	6	2,644	7
لاہور	815	1,080	7,646	521	422	73	-	-	-	5,009	3,715
گوجرانوالہ	-	1,210	580	1,541	68	2,794	276	1,076	10	901	9
فیروزپور	917	2,202	3,580	10	242	-	3,858	-	335	3,243	1,815
گجرات	-	495	24	909	-	-	383	814	110	1,131	-
شاہ پور	-	162	85	850	-	-	-	352	3	292	-
ملتان	23	830	711	668	78	-	-	3	12	2,058	-
جھنگ	-	208	17	1,432	139	-	-	68	69	-	-
منٹگمری	520	-	4,014	185	1,596	-	5	-	-	987	10
مظفرگڑھ	-	-	1,109	32	-	-	-	-	-	-	-
انگریزی ایریا	9,295	15,688	24,477	8,098	6,559	24,355	30,479	2,815	557	32,153	10,333
مقامی ریاستیں	956	1,002	8,126	8	69	46	2,708	-	-	1,115	338
صوبہ	10,251	16685	32,503	8,100	7,100	24401	34,401	2,815	557	33367	16,616

پنجاب 1881ءکی مردم شماری کے مطابق Castes

	ڈھینگے	بھٹی	بھٹہ	جنجوعہ	ڈھڈی	راے	گہلن	واہند	قطب شاہی	جتالہ	جھجھر
انبالہ	189	656	7	3	88	-	203	-	-	1,004	7
لدھیانہ	36	34	405	14	620	465	1,350	-	-	1,537	770
جالندھر	377	334	3,194	1,487	15	13,004	7,213	-	-	4,931	858
ہوشیارپور	113	150	922	12	1,054	342	3,892	-	-	1,031	636
امرتسر	-	1,382	12	26	-	3,272	504	178	8	2,834	1,429
گورداسپور	5,784	2,295	352	31	159	1,864	-	-	-	3,927	757
سیالکوٹ	950	1,980	895	801	786	2,630	320	820	6	2,644	7
لاہور	815	1,080	7,646	521	422	73	-	-	-	5,009	3,715
گوجرانوالہ	-	1,210	580	1,541	68	2,794	276	1,076	10	901	9
فیروزپور	917	2,202	3,580	10	242	-	3,858	-	335	3,243	1,815
گجرات	-	495	24	909	-	-	383	814	110	1,131	-
شاہپور	-	162	85	850	-	-	-	352	3	292	-
ملتان	23	830	711	668	78	-	-	3	12	2,058	-
جھنگ	[illegible]	208	17	1,432	139	-	-	68	69	-	-
منٹگمری	520	-	4,014	185	1,596	-	5	-	-	987	10
مظفرگڑھ	-	-	1,109	32	-	-	-	-	-	-	-
انگریزی ایریا	9,295	15,688	24,477	8,098	6,559	24,355	30,479	2,815	557	32,153	10,333
مقامی ریاستیں	956	1,002	8,126	8	69	46	2,708	-	-	1,115	338
صوبہ	10,251	16685	32,503	8,100	7,100	24401	34,401	2,815	557	33367	16,616

۳۔ بھٹہ: تعداد کے لحاظ سے بھٹہ گوت کے آرائیں تیسرے نمبر پر ہیں۔ان کی تعداد مردم شماری مذکورہ میں 32603 رپورٹ ہوئی۔ بڑی تعداد میں جالندھر، لاہور، فیروز پور، منٹگمری (موجودہ ساہیوال) میں آباد پائے گئے۔

۴۔ چنڈور: بھٹہ سے نیچے چنڈور ہیں۔ان کی تعداد 27508 رپورٹ ہوئی۔ یہ بوقت مردم شماری جالندھر، لاہور، فیروز پور میں آباد ملے۔

۵۔رامے: چنڈور قبیلہ کے بعد رامے گوت کے آرائیں آتے ہیں ان کی تعداد 24492 رپورٹ ہوئی۔ یہ بڑی تعداد میں جالندھر، امرتسر، لاہور، فیروز پور میں آباد ہے۔لیکن ان کی سب سے زیادہ تعداد جالندھر میں آباد تھی۔

۶۔ نین: تعداد کے لحاظ سے یہ آرائیں قبیلہ چھٹے نمبر پر ہے۔اس کی تعداد 21924 رپورٹ ہوئی۔ یہ بڑی تعداد میں جالندھر، امرتسر، لاہور اور فیروز پور میں آباد پائے گئے۔

۷۔آرائیں بھٹی: عددی لحاظ سے بھٹی آرائیں قبیلہ ساتویں نمبر پر آتا ہے۔رپورٹ میں اس کی تعداد 16688 پائی گئی۔ بھٹی قبیلہ کے آرائیں گورداسپور، امرتسر، سیالکوٹ، لاہور، گوجرانوالہ، فیروز پور، منٹگمری اور مظفر گڑھ میں آباد ملے۔

۸۔ آرائیں ملتانی: بھٹی قبیلہ کے بعد تعداد کے لحاظ سے ملتانی گوت کے آرائیں ہیں ان کی تعداد کے لحاظ 13998 ملتانی گوت کے آرائیں ہیں۔یہ زیادہ تعداد میں انبالہ، لاہور میں آباد رپورٹ ہوئے۔

۹۔ ڈھینگا: اس گوت کے آرائیں تعداد کے لحاظ سے نویں نمبر پر ہیں۔ان کی تعداد 10251 پائی گئی۔ مردم شماری کے وقت یہ سب سے بڑی تعداد میں ضلع گورداسپور میں پائے گئے۔ان کے بعد نمایاں قبائل، ڈھڈی، برہمن، منڈا، ہانسی، ملانی، بھیڈا، گورایہ، جنجوعہ گوتوں کے آرائیں ہیں۔ مولف کے مطابق بھٹی آرائیں قبیلہ تعداد میں سب سے زیادہ ہے کیونکہ بھٹی حکمرانوں میں کچھ بھٹہ کہلاتے تھے۔ یہ بھی دراصل بھٹی ہیں۔ ڈھینگا بھٹی قبیلہ کا ہی ایک ذیلی قبیلہ ہے۔ ملتانی گوت کے لوگ غالباً بھٹی ہیں۔ گجر مولفین ملتانی کو بھٹی راجپوت کہتے ہیں۔ چھچھر قبیلہ بھی غالباً (اگرچہ تحقیق طلب ہے) بھٹی قبیلہ کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ لہذا آرائیوں میں بھٹی گوت کا قبیلہ سب سے زیادہ تعداد میں ہے۔

حصہ دوئم

پہلا باب

فصل اول

آزادی ہند کی تحریکوں میں آرائیوں کا شاندار کردار

سید احمد شاہ شہید کی تحریک مجاہدین اور آرائیں

اٹھارہویں صدی میں مغلوں کی قوت مضمحل ہو چکی تھی۔ مغلوں کے دور انحطاط میں مرہٹے ملک کے بڑے حصے پر چھا گئے اور ایک موقع پر تو مغلوں کا تخت بھی ان کی دسترس میں آگیا۔

افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی نے اگر ان کو شکست دے کر ان کی کمر نہ توڑ دی ہوتی تو وہ شاید برصغیر میں دوبارہ ہندو رام راج قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ وہ شکست کے بعد پہلے تو ٹکڑوں میں بٹے اور پھر ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے ہوئے ختم ہو گئے۔

پنجاب میں رنجیت سنگھ نے بظاہر ایک مستقل حکومت کا ڈول ڈالا۔ وہ ایک عارضی فوجی غلبہ تھا جو رنجیت سنگھ سے قائم ہوا اور اس کی موت کے چار پانچ برس بعد ہی ختم ہو گیا۔ اس دور میں ہندوستان میں انگریزوں نے اپنے قدم جما لئے تھے۔ وہ تاجروں کے بھیس میں آئے۔ سب سے پہلے بنگال، کرناٹک، بہار، اڑیسہ کو اپنے زیر قبضہ لائے۔ اس کے بعد مرہٹوں اور نظام آف دکن کو ساتھ ملا کر سلطان ٹیپو کو شہید کر کے سلطنت میسور کو ختم کیا اور اس کے بعد مرہٹوں، نظام اور اودھ پر توجہ مبذول کی اور تھوڑے ہی دنوں میں سب کو امداد دی۔ فوجی نظام کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ پھر دہلی پہنچے اور اس تخت گاہ کے مختار کل بن گئے اور سلطنت مغلیہ کے تمام اختیارات سنبھال لئے۔ بہادر شاہ ظفر کی حکومت صرف قلعہ کے اندر تک محدود تھی۔ پنجاب میں سکھوں اور باقی ہندوستان میں انگریزوں کا سلوک مسلمانوں سے اچھا نہ تھا۔

شاہ عبدالعزیز، خلف الرشید، شاہ ولی اللہ اس وقت ملکی صورت حال کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا ہے کہ وہ پنجاب، کشمیر، اور پٹھانوں کے علاقوں میں جا کر سکھوں کے جابرانہ نظام کے خلاف جہاد کریں۔ اور اس طرح کم از کم مسلم اکثریت کے ان علاقوں میں حکومت الٰہیہ قائم کریں۔ شاہ عبدالعزیز اس وقت عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ سید احمد بریلوی شاہ صاحب ان مرید تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب کے تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی تاریخی تحریک مجاہدین کا آغاز کیا۔ اس تحریک میں حضرت شاہ اسماعیل پسر شاہ ولی اللہ ان کے دست راست بنے۔

سید احمد شہید 1786ء کو بریلی میں پیدا ہوئے جذبہ جہاد ان میں بچپن میں ہی جاگزیں ہو گیا تھا۔ سید صاحب خود فرماتے ہیں کہ عہد طفلی میں ہی میرے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ میں کافروں سے جہاد کروں گا۔ جسمانی طور پر بھی وہ غیر معمولی قوت کے مالک تھے۔ تحریک کے اعلان کے بعد سینکڑوں لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسمعیل ان مجاہدین کو لے کر صوبہ سرحد پہنچے۔ اور وہ بہت جلد اس علاقے میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور حکومت کو توسیع دینے میں مصروف ہو گئے۔ علاقے کے افغان سردار بھی آپ کے تابع ہو گئے۔

سکھوں کو سید احمد بریلوی سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ تو سکھوں نے آپ کی حکومت الٰہیہ کو ختم کرنے اور آپ کو شہید کرنے کا سوچا۔ رنجیت سنگھ نے کئی مہمات سید احمد بریلوی کے ساتھ لڑنے کے لئے بھیجیں۔ جن کو سید احمد بریلوی نے شکست دے دی۔ رنجیت سنگھ نے ایک کثیر فوج سید احمد بریلوی کے مقابلہ میں بھیجی۔ سید احمد بریلوی کے ساتھ اس وقت ڈیڑھ ہزار مجاہدین تھے۔ سکھ فوج کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسمعیل نے ڈٹ کر سکھ فوج کا مقابلہ کیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ لیکن مجاہدین کی قلیل تعداد اور پٹھان سرداروں کی غداری کے سبب سید احمد بریلوی کو شکست ہو گئی۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسمعیل شہید بڑی بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ آخری معرکہ بالاکوٹ کے میدان پر ہوا تھا۔ سید احمد شہید اور شاہ

اسمعیل شہید بالاکوٹ میں ہی دفن ہوئے۔

سید احمد شہید کے ساتھ پانی پت کے آرائیں تحریک میں شامل تھے۔ اس سلسلہ میں مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہید" کے صفحات گواہ ہیں۔ سید احمد بریلوی خود تو شہید ہو گئے لیکن ان کی تحریک جاری رہی۔ جنگ آزادی 1857ء کی تحریک بھی سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین کی چنگاریوں کے بھڑکنے سے پیدا ہوئی تھی۔ سید احمد شہید کی یہ تحریک ان کی وفات کے بعد بیسویں صدی تک جاری رہی۔ جنگ آزادی کے مرکزی رہنماؤں میں مولانا محمد جعفر تھانیسری (آرائیں) شامل تھے۔ ان کا مفصل ذکر تو ہم جنگ آزادی کے عنوان میں کریں گے۔ انہوں نے سید احمد شہید کی تحریک کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ تحریک مجاہدین کے لئے ان کی خدمات کا ذکر جنگ آزادی کے عنوان ہی میں کریں گے۔ لیکن بیسویں صدی میں جن آرائیں مجاہدین نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر تحریک کی شاندار خدمات سرانجام دیں ان کا علیحدہ ذکر کریں گے۔

☆☆☆

فصل دوئم

جنگ آزادی اور آرائیں

ا)۔مولانا محمد جعفر تھانیسری آرائیں اور جنگ آزادی

مولانا محمد جعفر تھانیسری آرائیں جنگ آزادی 1857ء کے مرکزی رہنماؤں میں سے ایک ہے۔کتاب ''1857 اور آج'' کے مصنف احمد سلیم صفحہ نمبر 272 پر لکھتے ہیں۔

''جنگ آزادی میں نامور علماء کرام حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا جعفر تھانیسری، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا تبارک علی، مفتی عنایت کاکوری، مفتی مظہر کریم دریا آبادی، مولانا احمد اللہ شاہ، مولانا فضل رسول بدایونی، مفتی اسلام اللہ گویا، مفتی لطف اللہ علی گڑھی، مولانا فضل امام خیر آبادی، مولوی غلام قادر، قاضی فیض اللہ کشمیری۔ان علماء نے جنگ آزادی کے دوران فتوی جہاد دیا تھا اور اس پر دستخط کئے تھے۔اس فتویٰ کی بناء پر بہت سے مسلمان جنگ آزادی میں شامل ہوئے اور جنرل بخت خان کو ایک وسیع لشکر دستیاب ہو گیا۔جن علماء وفضلاء نے فتویٰ جہاد پر دستخط دیئے تھے۔ان کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔مولانا فضل حق خیر آبادی کو جزیرہ انڈیمان بھیجا گیا۔مولانا امام بخش صہبائی کو سولی کا نشانہ بنایا گیا۔مولانا جعفر تھانیسری کو پہلے پھانسی اور پھر پھانسی کی سزا منسوخ کر کے کالے پانی بھیجا گیا۔سید اکبر زمان اکبر آبادی اور مولانا احمد اللہ شاہ، مولانا عبد الغفار کو انڈیمان بھیجا گیا۔آزادی کے جانثاروں میں ان کا نام بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔شمع حریت کے ان پروانوں کے حالات و

واقعات کے تفصیلی جائزہ کی گنجائش نہ ہے۔ان میں سے تین علماء کرائے مولوی محمد باقر، (والد مولانا محمد حسین آزاد) مولانا محمد جعفر تھانیسری، اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کیئے جاتے ہیں۔''

کتاب کے مصنف احمد سلیم نے مولانا جعفر تھانیسری اور مولانا فضل حق خیر آبادی کا ذکر جنگ آزادی کے نامور مرکزی ہیروز جنرل بخت خان جھانسی کی رانی اور تانتیا ٹوپے کے ساتھ کیا گیا ہے۔

کتاب کے مصنف احمد سلیم مولانا جعفر تھانیسری کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا محمد جعفر تھانیسری کرنال کے رہنے والے تھے۔ذی علم بزرگ تھے۔شروع سے ہی انگریزوں کے مخالف تھے 1857ء میں جب مولانا کو پتہ چلا کہ انگریزوں نے دہلی کا محاصرہ کر لیا ہے۔ان کا حساس دل مضطرب ہوا۔وہ فوراً جانے کو تیار ہو گئے۔تاکہ بہادر شاہ ظفر کی امداد کر سکیں۔تھانیسر میں ان کو دس آدمی ایسے مل گئے جنہوں نے ان کے ساتھ مجاہدانہ اور رضا کارانہ طور پر دہلی جانے اور جنگ میں شریک ہونے پر آمادگی ظاہر کردی۔مولانا ان دس آدمیوں کو لے کر مردانہ وار دہلی روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر بڑی شجاعت کے ساتھ لڑے''۔

ڈاکٹر ہنٹر جس نے جنگ آزادی میں خاص طور پر مسلمانوں کو معتوب کیا۔اور جس کی کتاب کا جواب سرسید نے دیا اپنی کتاب میں مولانا جعفر تھانیسری کے متعلق لکھتے ہیں:

''جنگ کے غیر مانوس کام میں اسکی اعلیٰ قابلیت نے اس کو نمایاں کر دیا۔''

تقدیر نے بہادر شاہ ظفر کا ساتھ نہ دیا۔مسلمانوں کو شکست ہو گئی مجاہدین میں کچھ مارے گئے اور کچھ تتر بتر ہو گئے۔مولانا دہلی سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین میں مولانا کا کردار

دہلی سے نکلنے کے بعد بھی آزادی کی تڑپ ماند نہ پڑی۔سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین

کے لئے بڑی سرگرمی سے مولانا تھانیسری نے کام کرنا شروع کر دیا۔ تمام ملک کے شہر شہر گھوم کر مجاہدین کو اسلحہ اور جانباز فراہم کرنے لگے۔ اگر غزن خان پٹھان سارجنٹ پولیس انگریز انسپکٹر جنرل پولیس کو یہ رپورٹ نہ دیتا کہ رائفلوں اور مجاہدین کو محاذ پر بھیجنے کا ذمہ دار مولانا جعفر تھانیسری ہے۔ تو شاید یہ تحریک بڑی تحریک کے طور پر زندہ رہتی۔ غزن خان کی رپورٹ پر انگریز آئی جی نے آپ کو گرفتار کر لیا اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر دہلی لے آیا۔

اپنی کتاب ''تاریخ انڈیمان'' کالا پانی میں لکھتے ہیں:

''کپتان پارسنز اور کپتان ٹائی نے کہا: سچ سچ بتا دو رعایت کی جائے گی۔ میں نے کہا: مجھے کچھ معلوم نہ ہے۔ اس کے بعد زدوکوب شروع ہوئی یہاں تک مار کھاتے کھاتے کئی بار گر پڑا۔ میرے ذمہ رمضان کے کچھ روزے تھے۔ کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھ لیا۔ دوسرے روز زدوکوب کے بعد مجھے ڈپٹی کمشنر کے بنگلے میں لے گئے۔ چاپلوسی سے کہا سب کچھ بتا دو تمہیں گواہ بنا کر رہا کر دیں گے۔ اور بڑا عہدہ بھی دیں گے۔ میں نے انکار کیا تو پھر مار پیٹ شروع ہوگئی۔ صبح 8 بجے سے رات 8 بجے زدوکوب کرتے رہے۔ افطار کا وقت آیا تو میں نے بنگلے کے درخت سے پتے توڑ کر روزہ افطار کیا۔''

آپ نے اپنے مقدمہ کی پیروی خود کی۔ اپنی کتاب میں فیصلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہم نے دیکھا کہ چاروں اسیسر اس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ کر آنسو بھر بھر روتے تھے۔ اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے۔ مگر جج اور کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر مائل پایا۔ تو مارے ڈر کے انہوں نے بھی لکھ دیا۔ کہ ہمارے نزدیک بھی جرم مندرجہ فرد قرارداد ان پر ثابت ہے۔ چنانچہ سزائے موت معہ ضبطی جائیداد کی سزا ملی۔''

مولانا جعفر تھانیسری کی کتاب کالا پانی سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''جس روز سزا کا حکم سنایا جانے والا تھا۔ تو ہربرٹ ایڈورڈز نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم عقلمند، ذی علم، اور قانون دان ہوا اپنے شہر کرنال کے نمبردار اور رئیس ہو لیکن تو نے ساری عقلمندی اور قانون دانی کو سرکار کے خلاف استعمال کیا۔ اب تمہیں پھانسی ہو جائے گی اور جائیداد ضبط ہو جائے گی۔ تمہاری لاش تمہارے وارثوں کو نہیں ملے گی۔ میں نے جواب دیا جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے۔ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے آپ کو ہلاک کر دے۔ اس جواب باصواب پر وہ خفا ہوا تھا۔ مگر پھانسی کا حکم دینے کے علاوہ وہ میرا کیا کر سکتا تھا۔''

اپیل پر پھانسی کی سزا کالا پانی میں بدل گئی اور 11 جنوری 1866ء کو جزائر انڈیمان (کالا پانی) بھیج دیا۔ 9 نومبر 1883ء کو سترہ سال دس ماہ تک جزیرہ انڈیمان میں قید رہنے کے بعد رہا ہو کر وطن واپس پہنچے۔ رہائی کے بعد اچھا وقت گزرا۔ غالباً 1905 میں وفات پائی۔

''عظمتوں کے چراغ'' کے مصنف ولی مظہر نے اپنی کتاب میں سلطان شہاب الدین غوری، حضرت مجدد الف ثانی، شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر، شاہ ولی اللہ، احمد شاہ ابدالی، غازی نصر اللہ خان، نواب سراج الدولہ، سلطان ٹیپو شہید، سید احمد شہید، پیر پگاڑا اول، ہیمو میر شہید، حاجی شریعت اللہ، بہادر شاہ ظفر، بیگم حضرت محل، جنرل بخت خان، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا محمد جعفر تھانیسری، عمرا خان، سید جمال الدین افغانی، سرسید احمد خان، کو عظمتوں کے چراغ کہہ کر ان کے حالات لکھے ہیں۔ اس سے ان کے اونچے تاریخی مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

محمد علی چراغ نے اپنی کتاب اکابرین تحریک پاکستان میں تحریک پاکستان کے درجہ اول کے رہنماؤں کے ساتھ مولانا کا ذکر ہے اکابرین تحریک پاکستان کی فہرست تحریک پاکستان کے عنوان میں دے دی جائے گی۔

II) سندھ ضلع خیر پور میں واقع گاؤں سلیم آباد کے بانی اور رئیس حضرت مولانا محمد سلیم آرائیں ہیں۔ آپ کو مولانا محمد اشرف علی تھانوی کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ ملک غلام محمد اور خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل اپنے اپنے دور حکومت میں آپ کے مکان پر حاضر ہوئے۔ ان کے فرزند مولانا خلیل اللہ نے ''جند حریت'' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ جس میں آپ نے اپنے آباؤ

اجداد کے حیرت انگیز کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد میں مولانا عبدالقادر کا ذکر کیا ہے۔ کتاب ''1857 اور آج'' مصنفہ احمد سلیم میں ان کا نام نامور علماء کی فہرست میں شامل ہے۔ جنہوں نے دہلی میں فتویٰ جہاد پر دستخط کیے تھے۔ اس فتویٰ جہاد کی وجہ سے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد جنرل بخت خان کے ساتھ شریک جہاد ہوگئی۔

مولانا خلیل اللہ لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنی فوج اور اہل وعیال کے ساتھ علی الاعلان دہلی کی طرف سفر شروع کیا اور راستہ کی مزاحمتوں کو کاٹتے ہوئے دشمن سے لڑتے مرتے اور مارتے مردانہ وار دہلی پہنچے جہاد پر فتویٰ مرتب کر کے اہل علم کے دستخطوں سے شائع کر دیا۔ مجاہدین میں تنظیم پیدا کی۔''

انگریز کو کمک پہنچنے پر مجاہدین کی فتح شکست میں تبدیل ہوتی ہوئی نظر آئی تو افغانستان کی طرف امیر دوست محمد خان سے مدد طلب کرنے کے لئے وفد بھیجا۔ اور اس کے جواب کے انتظار میں پٹیالہ کے جنگلات میں قیام کیا۔ اور وہیں 1860ء کو وفات پائی۔ آپ کے فرزند مولوی سیف الرحمٰن، مولوی عبداللہ، مولوی عبدالغفار، مولوی عبدالعزیز اور مولوی محمد جنرل بخت خان کی فوج میں شامل ہو کر آزادی کے لئے لڑے۔

آپ کے فرزندوں نے تاحیات انگریزوں کی حکومت کو تسلیم نہ کیا بلکہ ان کی ملازمتوں القابات اور خطابات کو حرام کہتے رہے۔

''جند حریت'' سے چند اقتباسات جن سے مولانا کے بلند کردار پر روشنی پڑتی ہے۔

ا) مولانا صاحب کو بریلی کے ایک جج نے لڑکے کی تعلیم کے لئے معقول تنخواہ پر ملازم رکھنے کی پیش کش کی۔ تو جواب دیا کہ تمہارے ہاں رشوت کا پیسہ آتا ہے اگر ہم نے آپ کی نوکری اختیار کر لی تو حرام کی تاثیر ہمارے رگ و پے میں سرایت کر جائے گی۔ پھر ہم اپنی باقی ماندہ زندگی کس طرح گزاریں گے۔

ب) میر محبوب علی نے ایک مقدمہ میں فتویٰ طلب کیا اور دو سو روپے بنام زکواۃ ارسال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ روپیہ لینا مجھ پر حرام ہے کیونکہ یہ رشوت ہے۔

ج) ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے بار بار پیشکش کی کہ آپ شرعی مقدمات کے فیصلے سرکار کی ملازمت اختیار کر کے کیا کریں۔ تو میں آپ کے لئے منظوری منگوا سکتا ہوں۔ آپ نے ہر بار جواب دیا مجھے تنخواہ لینے کی ضرورت نہ ہے۔

د) امیر دوست محمد خان والی کابل نے اپنے ساتھ افغانستان جانے کی درخواست کی تا کہ مدت العمر وہیں قیام کریں۔ تو جواب میں فرمایا:

''آپ کے ساتھ جانے میں بے شک دنیوی فائدہ ہے لیکن دین کا سراسر نقصان ہے۔ کیونکہ آپ خلاف شرع حکم دیں گے۔ اگر میں نے روکا تو آپ مجھ پر آزردہ ہوں گے اگر نہ روکا آپ کا لحاظ کیا تو میں گنہگار رہوں گا۔''

III) 1857ء کی جنگ آزادی میں دہلی کے قریب قصبہ تہاڑ کے آرائیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہت شہید ہوئے صرف وہ بچے جو جنگ آزادی کی ناکامی پر روپوش ہو گئے۔ 1920ء کے وقت خلافت ایجی ٹیشن میں اسی خاندان کے چوہدری عبدالحق بارایٹ لاء صدر میونسپل کمیٹی فیروز پور اور ان کے چھوٹے بھائی عبدالستار نے جوش وخروش سے حصہ لیا، خلافت تحریک ختم ہونے پر مجلس احرار اسلام بنی۔ اس مجلس کی بنیاد رکھنے والے آٹھ آدمیوں میں چوہدری عبدالستار بھی شامل ہے۔ تحریک حریت کشمیر میں چوہدری عبدالستار نے سرگرم کردار ادا کیا۔

IV) میاں چراغ دین ولد میاں نظام دین 1827 کو مرزا جان مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ پندرہ ہزار ایکڑ اراضی کے مالک تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں علاقے کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی۔ کم وبیش ایک ہزار کے قریب انگریزوں کا مارا۔ جب ہر طرف مسلمانوں کو ایک خاص سازش کے تحت شکست ہونی شروع ہوئی تو یہ بھی شکست کھا گئے۔ انگریز حکومت نے آپ کو اشتہاری قرار دے دیا اور ان کی اراضی پر قبضہ کر لیا۔ عرصہ تک مختلف جگہوں پر چھپتے چھپاتے رہے آخر سیالکوٹ میں سکونت اختیار کی۔ ظفر وال میں موضع چکڑی، سنکھترہ، نارووال اور سیالکوٹ میں زمین خرید لی۔ ان کے دو لڑکے تھے میاں علم دین، میاں امام دین۔

دونوں کو جب ان کی عمریں 5-7 برس تھیں۔ انگریز نے گرفتار کرلیا اد. ان کی تعلیم خود کی۔ جب انگریزوں نے آپ کو اشتہاری مجرم قرار دیا تو انہوں نے اپنی شکل وشباہت اور نام تبدیل کرلیا۔ بچوں کو 20/22 سال بعد اپنے باپ کا پتہ چلا کہ سیالکوٹ میں ہیں۔ آخر 1899 [illegible] وفات پائی۔

خدا رحمت کنند ۔این عاشقان پاک طینت را

☆☆☆

فصل سوئم

جاری تحریک مجاہدین اور مجاہد محمد حسین آرائیں

محمد حسین کا وطن کوٹ بھوانی داس ضلع گوجرانوالہ تھا۔ اس کے والد پیر محمد قوم آرائیں اپنے گاؤں کے نمبردار تھے۔ پیر محمد خود بھی 1895ء میں ترک وطن کر کے سب کچھ چھوڑ کر چلا گیا۔ پھر واپس نہ آیا۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ باقی زندگی نام بدل کر مجاہدین کے ساتھ گزاری یا کسی دوسری جگہ وفات پائی۔ قاضی کوٹ کے مقدمہ میں چمڑ کنڈ کے ایک مجاہد عبدالصمد عرف پیر محمد کا ذکر آتا ہے۔ ممکن ہے یہ محمد حسین کا والد ہی ہو۔ محمد حسین 1893ء میں پیدا ہوا والد کے گھر سے جانے کے وقت محمد حسین دو سال کا تھا۔ چھوٹی عمر میں مجاہدین کے سرگرم مبلغان کا وعظ ان پر اثر کرنے لگا۔ 12-1911ء میں جب اس کی عمر اٹھارہ، بیس سال تھی۔ اپنی چھوٹی ہمشیرہ کو بتا کر مجاہدین میں شامل ہونے کے لئے گھر سے چل نکلا۔ چھوٹی ہمشیرہ نے زاد راہ کے لئے اپنے زیورات بھائی کو دے دیئے۔ مجاہدین کا مرکز آزاد قبائل کا مقام اسمست تھا وہاں پہنچنے پر اس کا نام محمد عمر رکھا گیا۔ اس کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ ڈاک لے جائے نیز ہندوستان سے روپے اور آدمی مرکز میں پہنچاتا رہے۔ اس کام میں جان ہتھیلی پر رکھنا پڑتی تھی۔ قاصد کی خدمات انجام دینے کا مطلب تھا کہ زندگی کا ہر لمحہ سراسیمگی اور پریشانی میں گزرے۔ ہر لحظہ اضطراب ہر لمحہ گرفتاری کا خطرہ۔ محمد حسین آزادی کے حصول کا عاشق تھا۔ یہ ذمہ داری قبول کرلی اور فرائض بڑی جانفشانی سے ادا کرتا رہا۔ اس دوران وہ اپنی چھوٹی ہمشیرہ سے خفیہ ملاقات کرتا، اپنی ماں اور دوسرے بہن، بھائیوں سے نہ ملتا تھا۔ کہ مبادا اس کو دوبارہ نہ جانے دیں۔ ایک بار اس وعدہ پر کہ ماں اور دوسرے بھائی اس کے فرائض میں حائل نہ ہوں گے ماں سے ملاقات کرنے پر راضی ہو گیا۔ چنانچہ ایک رات کو خاص مقام پر ملاقات مقرر ہوگئی۔ پولیس کو خبر ہوگئی محمد حسین کو اطلاع مل

گئی۔ انجام کا وہ ایک غیر معروف راستے سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی ملاقات کے بعد وہ پولیس کے چنگل سے بچتا ہوا بخیریت نکل گیا۔

گرفتاری اور اسیری

آٹھ سال تک جماعت کی خدمات سرانجام دیتا رہا۔ اب مرکز چمرکنڈ سے منسلک ہو گیا تھا۔ پشاور سے ضروری سامان کی خرید و فروخت کا سارا کاروبار اس کے سپرد کر دیا گیا۔ اس لئے کہ وہ خفیہ راستوں سے واقف تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ خطرے کے وقت کون کون سی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ 1920ء میں انگریزوں نے ایک کارندے کو مجاہد کے بھیس میں مجاہدین کی جماعت میں شامل کر دیا وہ بھید معلوم کرتا رہا۔ محمد حسین سامان خریدنے پشاور آیا تو انگریز جاسوس بھی اس کے ساتھ تھا خریداری سامان کے بعد اس بدبخت نے محمد حسین سے کہا کہ ذرا ٹھہرو میں ایک آدمی سے مل کر آتا ہوں۔ جاسوس نے پولیس کو اطلاع کر دی یوں اچانک گھیرا ڈال کر محمد حسین کو بے خبری میں پولیس نے گرفتار کر لیا۔ اس پر مقدمہ چلا اس کو 21 سال قید اور 500/- روپے جرمانہ ہوا۔ شیخ دین محمد (جو بعد میں گورنر سندھ اور پھر وزیر امور کشمیر بھی رہے) ایڈووکیٹ نے اپیل بلا معاوضہ دائر کر دی اور سزا چودہ سال رہ گئی اور جرمانہ معاف ہو گیا۔

سزا پوری کرنے کے زندگی کے بعد آخری مہینے اس نے اپنے اقربا میں گزارے بیماری کے باوجود اس کا دل ایک لمحے کے لئے بھی چمبر کنڈ اور اسمست کے خیال سے غافل نہ ہوا۔

آزادی کے ان گمنام مجاہدین کی یاد منانا ہم پر فرض ہے اللہ تعالیٰ ایسے مجاہدین پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

تحریک مجاہدین اور سردار محمد شفیع آرائیں

تحریک مجاہدین کے تیسرے جانباز سردار محمد شفیع گنجہ کلاں ضلع لاہور کے مشہور سردار آرائیں خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اس عظیم خاندان کا تذکرہ علیحدہ کیا جائے گا۔ ابھی مختصر طور پر عرض ہے کہ سردار آصف احمد علی سابق وزیر خارجہ پاکستان ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ آپ کی جوانی کا آغاز تحریک مجاہدین کے ساتھ وابستہ رہا۔ پھر احرار کے سالار اعظم رہے۔ پاکستان کی

سیاسی جماعتیں اور تحریکیں حصہ اول مولفہ حافظ تقی الدین میں عنوان مجلس احرار اسلام میں سردار صاحب کا خصوصی ذکر موجود ہے۔ وہ احرار کے سالار اور 1940ء میں جماعت کے ڈکٹیٹر تھے یعنی ان کو جماعت کے تمام اختیارات جماعت کی طرف سے ودیعت ہوئے تھے۔ 1940ء میں دہلی میں گرفتاری سے قبل آپ نے اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے مولانا غلام غوث ہزاروی کو ڈکٹیٹر مجلس احرار قائم کیا تھا اور خود گرفتاری دے دی۔

ان کی خود نوشتہ ڈائری سے اقتباس جو ماہنامہ تبصرہ لاہور 1960ء کے کئی شماروں میں شائع ہوتی رہی ہے۔

''میں 1917ء میں ہائی سکول کا طالب علم تھا ان دنوں بصرہ، بغداد اور حجاز اور مکہ شریف کی تباہی اور ترکی کی بربادی کی خبریں سن سن کر انگریز کے سخت خلاف ہو چکا تھا اور آخر میں نے اپنے دل میں بغاوت کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ہمارے کئی بزرگ خان بہادر، آنریری مجسٹریٹ اور ذیلدار تھے جب ہم اپنے گاؤں جاتے تھے تو ان کے اسلحہ سے بندوق چلانا اور نشانہ لگانا سیکھتے تھے۔

مولانا فضل الٰہی کو کسی طریقے سے میری انگریز دشمنی کا معلوم ہو گیا وہ میرے پاس تشریف لائے انہوں نے مجھے چند کتابیں دیں جن میں سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی سوانح عمریاں بھی تھیں اور چھٹی والے دن وزیر آباد آنے کو کہا۔ جب مجھے وہاں آتے جاتے کئی ماہ گزر گئے تو ایک دن انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان سے یاغستان میں پیغام لے جانے والے سبھی قاصد پکڑے گئے ہیں۔ اور انگریزوں نے ان کو عمر قید کی سزا دے دی ہے۔

میں نے عرض کیا کہ قاصد کے فرائض ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ بولے مجھے خطرہ ہے کہ تم سختی برداشت نہ کر سکو گے اور راز کی باتیں نہ بتا دو گے۔ کیونکہ تم امیر خاندان سے ہو اور تم نے کبھی کوئی سختی برداشت نہ کی ہے۔ مگر میں نے ان کو یقین دلایا کہ میں یہ کام اچھی طرح کر سکتا ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا اچھا میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں۔ ایک دن جانے کے لئے میں ان کے مکان پر پہنچا انہوں نے ایک آدمی سے میرا تعارف کرایا۔ پھر ہم مشن پر روانہ ہوئے

اور سی آئی ڈی کی نظروں سے بچتے بچاتے دربند پہنچ گئے۔ پھر پیدل سفر کرتے ہوئے شام کو بمشکل اسمس (جو مجاہدین کا ہیڈ کوارٹر تھا) میں پہنچے۔ وہاں جاتے ہی امیر جماعت نعمت اللہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر چارپائی پر لیٹ گیا اور ایسا سویا کہ پھر صبح آنکھ کھلی۔

میں امیر المجاہدین کی خدمت میں صبح حاضر ہوا اور کپڑے پر لکھے ہوئے خطوط جو میری قمیض کے کفوں اور پشت کی پٹی کے اندر اور کوٹ کے کالر میں سلے ہوئے تھے ادھیڑ کر نکالے اور پیش کر دیئے۔ دوسرے دن وہ تمام باتیں جو مولانا فضل الٰہی نے زبانی بتائی تھیں۔ امیر صاحب کو زبانی عرض کر دیں۔ یہ پیغام دینے کے بعد میں دو تین روز رہا۔ امیر المجاہدین نے اسی طرح میرے کپڑوں کے اندر خطوط سلوا کر دیئے اور اسی سفیر کے ساتھ مجھے واپس کر دیا گیا۔ جو مجھے ہری پور ہزارہ تک چھوڑ گیا۔ وہاں سے میں بخریت وزیر آباد پہنچ گیا۔ مولانا فضل الٰہی نے مجھے دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد مجھ سے حالات دریافت کئے۔ میں نے خطوط نکال کر مولانا کو دیئے اور رات کی گاڑی سے لاہور آ گیا۔ ایسے مجاہدین کے متعلق مولوی محمود علی قصوری یوں لکھتے ہیں:

> ''جماعت مجاہدین میں قاصدوں کی خدمات سرانجام دینے کے لئے جن اصحاب کو منتخب کیا جاتا تھا۔ وہ ایسے اوصاف کے مالک تھے جو ہر شخص میں جمع نہ ہو سکتے تھے۔ قاصد نہایت ہی ہوشیار، زیرک اور معتمد ہوتے تھے۔ وہ بہروپ میں استاد اور اپنا حلیہ بدلنے میں مشاق ہوتے تھے۔ خفیہ پولیس کے آدمی ہر وقت ان کے تعاقب میں رہتے تھے۔ لیکن مجاہدین کے قاصد ان کو چکمہ دیتے اور ان کے چنگل سے بچتے ہوئے روپیہ اور پیغام اسمست پہنچاتے۔ جاسوسی ناولوں کی یاد تازہ کر دیتے تھے۔ یہ لوگ عموماً ہری پور ہزارہ کے مقامات یا پشاور سے حکومت ہند کی سرحد میں داخل ہوتے اور پنجاب دہلی، یوپی، بہار، کلکتہ، سی پی، بمبئی، منگلور اور مدارس تک چکر لگا کر مختلف مراکز میں جمع شدہ رقمیں اور جماعت کے لئے رنگروٹ لے کر آتے تھے۔''

فصل چہارم

تحریک پاکستان میں آرائیوں کا کردار

ا)۔ تحریک پاکستان میں متحدہ صوبہ پنجاب کی جانب سے آرائیں زعما نے بنیادی کردار ادا کیا۔ ان زعماء میں دو آرائیں رہنماؤں کو اولین اور مرکزی رہنماؤں کا رتبہ حاصل تھا۔ یہ زعماء جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں اور سر میاں محمد شفیع ہیں۔ یہ دونوں آپس میں چچازاد بھائی تھے۔ لاہور کے موضع باغبان پورہ کی مشہور آرائیں میاں فیملی سے ان کا تعلق تھا۔ جسٹس میاں شاہ دین 1868ء کو اور سر محمد شفیع 1869ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دونوں بھائی بیرسٹری کے لئے انگلینڈ چلے گئے۔ انگلینڈ میں اسوقت گاندھی جی، پنڈت موتی لعل نہرو، لارڈ سنہا، سید علی امام، سید حسین امام، سر عبدالرحیم، سر ابراہیم رحمت اللہ، بھی زیر تعلیم تھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو تحریک ہند کے مرکزی لیڈر بنے۔ جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں کام کیا۔ سیاسی اختلافات کے باوجود پنڈت موتی لعل نہرو اور سید حسن امام میاں صاحب کے ذاتی دوستوں میں شامل تھے۔

اکابرین تحریک پاکستان کے مصنف محمد علی چراغ کے مطابق انگلستان میں اس وقت کے طالب علموں نے ''انجمن اسلامیان ہند'' قائم کی۔ دونوں بھائی اس کے بانی ممبران میں شامل تھے۔ میاں شاہ دین کو اس انجمن کا نائب صدر چنا گیا۔

میاں فیملی کے بزرگوں نے اپنے ان نامور سپوتوں کو اس وقت انگلینڈ سے بیرسٹری کی تعلیم دلوائی، جب عام تو کیا بڑے بڑے زمیندار گھرانوں کے نوجوان تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ انگلینڈ سے واپسی پر ہر دو بھائیوں نے وکالت کے ساتھ ساتھ سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ میاں شاہ دین اور میاں شفیع نے جلد ہی سر سید احمد خان کی آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس میں شمولیت کر لی۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو بیدار کرنا تھا۔ تاکہ وہ ہندوؤں سے پیچھے نہ رہ

جائیں۔ان دونوں نے انجمن حمایت اسلام کی ترقی میں روپیہ اور وقت دے کر نمایاں کردار ادا کیا۔

اکابرین پاکستان از محمد علی چراغ کے صفحہ نمبر 363 کے مطابق 1906ء میں سر آغا خان کی سربراہی میں پینتیس افراد پر مشتمل ایک وفد تیار کیا گیا۔ یہ وفد اس وقت کے وائسرائے منٹو کو ملا۔اس میں مسلمانوں کے مطالبات پہلی بار پیش کئے گئے۔اس وفد میں پنجاب سے میاں محمد شفیع نے نمائندگی کی۔ بقول احمد سلیم وفد میں میاں صاحب پیش پیش تھے۔اکابرین تحریک پاکستان از محمد علی چراغ کے صفحہ 519ء کے مطابق میاں شاہ دین ہمایوں بھی شملہ وفد میں شامل تھے۔

دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں منعقد محمڈن ایجوکیشن کانفرنس منعقد ہوئی۔اس میں نواب وقار الملک کی تجویز پر آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی گئی۔تحریک پاکستان از پروفیسر محمد اسلم صفحہ 111 کے مطابق سر میاں محمد شفیع کی تجویز کے مطابق ہی مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کا نام آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔اکابرین تحریک پاکستان کے صفحہ 363 کے مطابق مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں قریباً شملہ وفد کے ارکان ہی شامل تھے اور کچھ اور سرآوردہ رہنما تھے۔گویا پنجاب سے میاں شاہ دین اور سر میاں محمد شفیع کو مسلم لیگ کے بانی رکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

جدو جہد آزادی میں پنجاب کا کردار از پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صفحہ 113 کے مطابق دونوں بھائی مسلم ایجوکیشن کانفرنس میں سرسید کے ہم نوا تھے۔ برطانوی نظام حکومت میں میاں محمد شفیع شروع سے ہی ہندی مسلمانوں کی ایک سیاسی تنظیم اور ان کے لئے جداگانہ حق انتخاب کے زبردست محرک اور موئید تھے۔اور اس بارے میں انہوں نے 1901ء میں پنجاب آبزرور میں مدلل مضامین لکھے۔یکم اکتوبر 1906ء کو جنوبی ایشیاء کے مسلم اکابرین کا وفد شملہ میں وائسرائے منٹو کو ملا۔اس میں میاں محمد شفیع شامل تھے۔دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ کے اجلاس کے موقع پر آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام میں وہ پیش پیش تھے۔منٹو مارلے ریفارمز میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ حق انتخاب کے حصول کے لئے میاں محمد شفیع نے شبانہ روز محنت کی۔
انڈین کانگریس نے اس کی مخالفت کی تھی۔سید علی امام اور قائداعظم محمد علی جناح کانگریس کے ہم نوا

تھے۔مگر میاں محمد شفیع کی محنت رنگ لائی اور 1929ء کی دستوری اصلاحات میں اسلامیان ہند کو جداگانہ انتخاب کا حق مل گیا۔جو ہند میں ان کی جداگانہ قومیت کا سنگ بنیاد بنا۔مرکزی مسلم لیگ کے قیام کے بعد پنجاب میں سرآوردہ لوگوں کا اجتماع ہوا۔اور صوبہ پنجاب میں مسلم لیگ کی پراونشل برانچ معرض وجود میں آئی۔میاں شاہ دین کو اس کا صدر اور میاں محمد شفیع کو اس کا سیکرٹری چنا گیا۔اس کی شاخیں میاں صاحب نے تمام صوبہ پنجاب میں پھیلا دیں۔اسی اثناء میں میاں شاہ دین کو پنجاب چیف کورٹ کا جج بنا دیا گیا۔یہ سب سے بڑا عہدہ تھا۔جو کسی ہندوستانی کو اس وقت ملا۔چنانچہ مسلم لیگ پنجاب کی صدارت خالی ہوگئی۔جس کو میاں محمد شفیع نے پر کیا۔میاں محمد شفیع دن رات مسلم لیگ کے لئے کام میں جت گئے۔میاں صاحب اپنے خاندان، علی گڑھ کالج، انجمن حمایت اسلام اور مسلم لیگ کی دل کھول کر خدمت کرتے رہے۔مارچ 1913ء آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا۔جس کی صدارت سر میاں محمد شفیع نے کی۔

غالباً 1916ء میں مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔

لیکن پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلم لیگ اور کانگریس کے سرکردہ رہنماؤں کا اجلاس دہلی میں بلایا اور تجاویز دہلی مرتب ہوئیں اور مسلم لیگ نے بھی کچھ شرائط پر مخلوط انتخابات کو مان لیا۔سر محمد شفیع اور ان کے ساتھی، سر محمد اقبال اور حسرت موہانی نے مخلوط انتخابات کو تسلیم نہ کیا۔بلکہ سر شفیع سے تو اپنی سیاست کے اوائل سے مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کے حامی تھے۔چنانچہ مسلم لیگ دو حصوں میں بٹ گئی۔ایک لیگ قائداعظم لیگ اور دوسری شفیع لیگ۔

اس افسوس ناک واقعہ کے متعلق کتاب ''مسلم لیگ 1906 سے 1992 تک'' کے مصنف ایس ایم بشیر اپنی کتاب صفحہ 54 پر لکھتے ہیں:۔

''کلکتہ مسلم لیگ جس کی قیادت قائداعظم محمد علی جناح کر رہے تھے۔تجاویز دہلی کے حامی تھی۔(یعنی مخلوط انتخابات کی حامی) اس وقت قائداعظم کا خیال تھا۔کہ کانگریس کے ساتھ ملکر ہند مسلم کا کوئی نہ کوئی حل ضرور تلاش کیا جا سکتا ہے۔لاہور مسلم لیگ جس کے قائد سر محمد شفیع تھے۔وہ جداگانہ

انتخابات کو ناگزیر سمجھتی تھی۔ ستمبر 1927ء کو دونوں مسلم لیگوں کے الگ الگ اجلاس ہوئے۔ لاہور مسلم لیگ کا جلسہ حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج میں زیر صدارت سر محمد شفیع ہوا۔ اس میں سر علامہ اقبال، حسرت موہانی اور نواب ذوالفقار علی شامل تھے۔ حضرت سر علامہ محمد اقبال لاہور مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے۔ کلکتہ مسلم لیگ کے اس سال صدر سر محمد یعقوب تھے۔ اس اجلاس میں علی برادران، قائداعظم، ظفر علی خان، ملک برکت علی، ڈاکٹر کچلو، ڈاکٹر محمد عالم، مولانا آزاد، سر عبدالرحیم، سر علی امام، مہاراجہ آف محمود آباد، مولوی فضل الحق شامل تھے۔ کلکتہ مسلم لیگ نے سائمن کمشن کا ساتھ دیا اور جداگانہ انتخابات کی مخالفت کی۔"

اسی کتاب کے صفحہ 56 کے مطابق 1929ء کو قائداعظم اور سر محمد شفیع نے دہلی میں ملاقات کی۔ نہرو رپورٹ (دہلی تجاویز) کو رد کرتے ہوئے قائداعظم نے مسلم لیگ کے چودہ مطالبات پیش کئے۔ جو آگے چل کر چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئے۔ جس میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ دوہرایا گیا۔ اس موقعہ پر مولانا محمد علی جوہر نے نہرو رپورٹ (تجاویز دہلی) کو دائمی غلامی اور ہندو غلبہ سے تشبیہ دی۔ اس پر دونوں مسلم لیگیں دوبارہ اکٹھی ہو گئیں۔ سر میاں محمد شفیع نے بسر و چشم قائداعظم کو مسلم لیگ کا صدر تسلیم کر لیا اور بقایا زندگی حضرت قائداعظم کی سرکردگی میں مسلم لیگ کے لئے وقف کر دی۔ اور اپنی موت 1932ء تک پنجاب میں مسلم لیگ کے لئے دن رات کام کیا۔ جبکہ پنجاب کے بڑے بڑے خان بہادر، بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار قیام پاکستان سے ایک دو سال قبل جب انہیں یقین ہو گیا کہ پاکستان بن کر رہے گا، مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ جنہوں نے قائداعظم کی رحلت کے بعد مسلم لیگ پر قبضہ کر لیا اور پورے ملک پر بھی۔ قائداعظم کے اقوال اور اصولوں کو چھوڑ کر اپنی ذاتی، گروہی مفادات اور جاگیروں کے تحفظ کے لئے سرگرم ہو گئے۔ عوام الناس اب انگریزوں کی بجائے ان جاگیرداروں کے محکوم ہو کر رہ گئے ہیں۔ قوم کو اب دوبارہ کسی قائداعظم اور سر محمد شفیع کی تلاش ہے۔

میاں عبدالعزیز مالواڈہ اور تحریک پاکستان

11) میاں عبدالعزیز مالواڈہ بیرسٹر بھی تحریک پاکستان کے نامور اکابرین میں شامل ہیں۔ آپ مولوی الٰہی بخش آرائیں چیف کورٹ کے آخری اردو دان وکیل کے فرزند تھے۔ اپنے زمانہ میں ہندوستان بھر کے فوجداری وکلا کی صف اول میں ان کا شمار تھا۔ آپ لاہور کے میونسپل کمیٹی کے سنئیر پریذیڈنٹ چنے گئے۔ 1922ء میں پرنس آف ویلز کی ہندوستان آمد پر لاہور کی میونسپل کمیٹی نے آپ کی زیر صدارت کمیٹی کی طرف سے اس کے بائیکاٹ کی قرارداد منظور کی۔ دوسری قرارداد مال روڈ پر لارڈ لارنس کا مجسمہ مال روڈ سے اٹھانے کے متعلق منظور کی۔ ان قراردادوں کے منظور ہو جانے پر انگلستان میں تہلکہ مچ گیا اور وہاں کے اخبارات نے اس سلسلہ میں بہت کچھ لکھا۔ قراردادیں میاں صاحب نے اس وقت منظور کرائیں۔ جب انگریزی راج پورے نصف النہار پر تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا خان بہادر، زمیندار، جاگیردار، انگریزوں کے خلاف منہ کھولنے سے گریز کرتا تھا۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق برصغیر کے وڈیروں، جاگیرداروں اور جوانوں نے پرنس آف ویلز کی گاڑی بجائے گھوڑوں کے خود کھینچی، آپ کئی بار پنجاب لیجیسلیٹو کے ممبر منتخب ہوئے۔ درمیان میں ایک مرتبہ آپ نے اپنی نشست سر محمد اقبال کے لئے خالی چھوڑ دی۔ اور خود کھڑے نہ ہوئے۔ علامہ اقبال کو کامیاب کروانے میں آپ نے بڑی امداد دی تھی۔ (کتاب اکابرین تحریک پاکستان میں میاں صاحب کے نشست چھوڑنے اور علامہ محمد اقبال کو کامیاب کروانے کا واقعہ درج ہے)۔

جب مسجد شہید گنج لاہور کا تنازعہ مابین مسلمان اور سکھ پیدا ہوا۔ آپ نے مسجد کو شہید ہونے سے بچانے کے لئے سر توڑ کوشش کی، انگریز گورنر نے بھی۔ مسجد کو شہید نہ کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن خباثت سے کام لیتے ہوئے مسجد کو شہید کروایا۔ مسلمانوں پر انگریز فوج نے اندھا دھند فائرنگ کروائی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ چلتی گولیوں میں آپ گورنر ہاؤس پہنچے اور فائرنگ رکوائی جس سے بہت سے مسلمان فائرنگ کی زد میں آنے سے بچ گئے۔

آپ مسلم لیگ کے سرگرم رکن تھے۔ 1936ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی

پالیمانی بورڈ کا ممبر بنایا گیا۔ لاہور میں آپ کی کوٹھی واقع بیرون یکی گیٹ تحریک آزادی کا مرکز بنی رہی۔ تمام نامور ہستیاں وہاں اکثر و بیشتر اکٹھی ہوتی رہتی تھیں۔ جن میں علی برادران، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خان، قائداعظم محمد علی جناح، چوہدری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان، میاں صاحب کو دو دفعہ انگریز حکومت نے سر کا خطاب پیش کیا۔ جسے آپ نے دونوں دفعہ ٹھکرا دیا۔

یورپ میں آزادی ہند کے لئے کام کرنے والی انقلابی انجمن کے سرگرم کارکن ڈاکٹر کیپٹن عبدالحفیظ، میاں عبدالعزیز مالواڈہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے کارنامے کسی مناسب جگہ پر تحریر کریں گے۔

III) مجلس احرار اسلام ہند

اس جماعت نے برصغیر کی سیاست میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔ جس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے بے مثل مقرر موجود تھے۔ جو لاکھوں لوگوں کے جلسہ میں ساری ساری رات خطاب کرتے تھے۔ لیکن جلسہ گاہ سے کوئی شخص اٹھ کر نہ جاتا تھا۔ وہ مجلس احرار اسلام کے سرپرست تھے۔ آل انڈیا مجلس احرار اسلام اگرچہ کانگریس کی ہمنوا تھی۔ لیکن اس کی شروع کردہ تحریک نے برصغیر سے انگریزوں کو بھگانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ اس کے صدر مولانا حبیب الرحمٰن آرائیں تھے۔ مولانا صاحب نے زندگی کے کئی سال قید و بند میں گزارے۔ قید و بند اور سختیاں بڑے تحمل اور حوصلے کے ساتھ برداشت کیں۔ اور آزادی کی منزل کو قریب لانے میں نہایت ہی اہم کردار ادا کیا۔ آپ ایوبی دور میں پنجاب اسمبلی کے دبنگ پارلیمنٹرین ایم حمزہ آرائیں کے قریبی رشتہ دار تھے۔ جنہوں نے اقتدار کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا تھا۔

IV) سردار محمد شفیع

قصور کے موضع گنجیانوالہ کے آرائیں خاندان کے سپوت تھے۔ وہ مجلس احرار اسلام کے سالار اعلیٰ تھے۔ جب مجلس احرار اسلام توڑ دی گئی اور اس کے ڈکٹیٹر مقرر ہونے لگے۔ تو مولانا احسان شجاع آبادی کے بعد آپ کو ڈکٹیٹر مقرر کیا گیا۔ اہم تحریکات میں ڈکٹیٹر کا حکم حرف آخر ہوتا

تھا۔ آپ نے تحریکات میں سرگرم حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

V) سر میاں محمد شفیع کی زوجہ محترمہ المعروف لیڈی شفیع نے میاں صاحب کی سرگرمیوں میں وہی کردار ادا کیا جو محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظم کے لئے کیا تھا۔ آپ بھی میاں صاحب کی سرگرمیوں میں ان کا ساتھ دیا کرتی تھیں۔ آپ نے لاہور میں آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس میں بڑا کام کیا اور مسلمان عورتوں میں بیداری پیدا کی۔ میاں صاحب کی وفات کے بعد بھی آپ نے حوصلہ نہ ہارا اور تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہیں۔

VI) بیگم جہاں آراء شاہنواز

سر میاں محمد شفیع کی بیٹی تھیں۔ آپ نے بھی عورتوں کے محاذ پر اپنی والدہ محترمہ لیڈی شفیع کے ساتھ بہت کام کیا۔ آپ نے اس وقت تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ جب مسلمان عورت گھر کی چار دیواری سے باہر جھانکنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آپ قیام پاکستان سے قبل ممبر صوبائی اسمبلی منتخب ہوئیں تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد سیاست میں سرگرم رہیں آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں نائب سپیکر بھی رہیں۔

VII) میاں بشیر احمد بیرسٹر

آپ جسٹس میاں شاہ دین کے فرزند ارجمند تھے۔ آکسفورڈ سے بیرسٹری کرنے کے بعد مارچ 1918ء میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں سر محمد شفیع نے میاں بشیر احمد کو سٹیج پر کھڑا کر کے اپنی اور میاں شاہ دین کی طرف سے قوم کے حضور پیش کیا۔ آپ نے مسلم لیگ کے لئے کام شروع کیا۔ مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے آپ نے پنجاب کے طوفانی دورے کئے اور شاندار کامیابی حاصل کی۔ جس کا اعتراف ڈاکٹر اقبال اور قائداعظم نے بھی کیا۔ 1940ء میں مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس جس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ اس کی استقبالیہ کمیٹی کا سیکرٹری بھی میاں بشیر احمد کو ہی منتخب کیا گیا۔ قائداعظم آپ کی تنظیمی صلاحیتوں سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ قائداعظم نے آپ کو آل انڈیا مسلم کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر بنایا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ ترکی میں پاکستان کے سفیر مقرر ہوئے۔ ترکی کو پاکستان کے قریب لانے میں آپ کا بہت ہاتھ ہے۔

VIII)میاں افتخار الدین

لاہور کے متمول ترین گھرانے میاں فیملی باغبانپورہ کے چشم چراغ تھے۔ وہ 1906ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ملکی اور غیر ملکی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ وہ پیدائشی حریت پسند تھے۔ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی انہوں نے سیاست کی خار دار وادی میں تحریک آزادی کے حوالے سے قدم رکھا۔ وہ اگر منصب کے طلبگار ہوتے تو انہیں سرکاری برطانیہ کی طرف سے بہت اچھا منصب مل سکتا تھا۔ اس وقت وہ لاہور میں کروڑوں کی جائیدار کے مالک تھے اور اربوں کی جائیداد بنا سکتے تھے۔ مگر انہوں نے وطن کی آزادی کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ اس وقت 1931ء میں پنجاب میں مجلس احرار بڑی تحاریک چلا رہی تھی۔ وہ مجلس احرار میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد انہیں کچھ تشنگی محسوس ہونے لگی تو احرار کو چھوڑ کر کانگریس میں شامل ہو گئے۔ کانگریس میں بہت آگے بڑھ کر آزادی کا جھنڈا اٹھالیا اور پنجاب کانگریس کے صف اول کے لیڈروں میں شمار ہونے لگے اور ابتدائی دور میں انہیں آزادی وطن کی خاطر قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھانا پڑیں۔ 1937ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ 1938ء میں وہ پنجاب کانگریس کے صدر چن لئے گئے۔ 1942ء کی کانگریس کی ''ہندوستان چھوڑ'' تحریک کے دوران وہ قید کر لئے گئے اور ایک سال سے زائد وہ جیل میں رہے۔ لیکن کانگریس کی مسلمانوں کے خلاف ذہنیت کو سمجھ جانے کے بعد وہ معہ اپنے قریبی ساتھیوں مظہر علی خان، سی آر اسلم، عبداللہ ملک، فیروز دین منصور، فضل الٰہی قربان، غلام نبی بھلر وغیرہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ فیض احمد فیض بھی ان کے قریبی ساتھی تھے۔

میاں صاحب اور ان کے ساتھیوں نے مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد مسلم لیگ کی آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ لاہور شہر کے ساتھ ساتھ سات ہزار ایکڑ اراضی ان کی ملکیت تھی جو تحریک آزادی میں شامل ہونے کی وجہ سے ختم کر دی گئی۔ لیکن گورنمنٹ وقت کے ان اقدامات کی وجہ سے بھی ان کے قدم نہ ڈگمگائے۔ خضر حیات ٹوانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کے خلاف مسلم لیگ کی ''راست اقدام'' تحریک میں میاں صاحب پیش پیش تھے۔ خضر کو وزارت سے

مستعفی ہونا پڑا۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور سے آپ نے روزنامہ پاکستان ٹائمز اور امروز اخبار نکالے۔ روزنامہ پاکستان ٹائمز کے چیف ایڈیٹر فیض احمد فیض اور ایڈیٹر مظہر علی خان تھے۔ امروز کے ایڈیٹر احمد ندیم قاسمی مقرر ہوئے۔ آپ نے قیام پاکستان کے بعد ترقی پسند تحریک اور ترقی پسند ادب اور ادبا کی سرپرستی کی۔ بہت سے مزدور یونین کے رہنما ان کے قریبی ساتھی تھے۔ پاکستان میں زرعی اصلاحات کا سب سے پہلا نعرہ آپ ہی نے بلند کیا تھا۔

وہ پاکستان میں ایسی معیشت چاہتے تھے جس میں عوام الناس کو خوشحالی نصیب ہو۔ ایوب خان نے اپنے دور میں پاکستان ٹائمز اور امروز ٹائمز کو حکومتی تحویل میں لے لیا تھا۔ حالانکہ اس وقت ان اخبارات کے اثاثے اربوں کے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی اصولی سیاست اور ترقی پسند اور مزدور تحریکوں کو پروان چڑھانے میں صرف کی۔ 1962ء میں خالق حقیقی سے جا ملے میاں صاحب مسلم لیگ کے شعلہ بیان مقرر تھے اور خضر حیات ٹوانہ کی یونینسٹ وزارت کے خاتمہ کا باعث بنے تھے۔ سندھ کے مشہور ادیب پیر علی محمد راشدی کے بقول میاں افتخار الدین کے پایہ کا جری، بے غرض اور ترقی پسند کارکن اگر کسی اور ملک میں پیدا ہوتا تو آج کے وقت میں شہر شہر میں ان کی یادگاریں نظر آتیں۔ لوگ ان کے کارناموں پر کتابیں لکھتے اور اخبارات ان کی برسی مناتے، مگر مرحوم پاکستان کی پیداوار تھے۔ ایسا نہ ہوا۔ بلکہ ان کو بھلا دیا گیا اور بقول حافظ تقی الدین مصنف تحریکیں اور پاکستان کی جماعتیں

میاں افتخار الدین بہادر اور عظیم انسان تھے وہ اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ وہ بہادروں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

IX)میاں عبدالباری جیسے روشن ضمیر، بیباک سیاستدان اور ہمدرد قوم ہر روز پیدا نہیں ہوتے۔ وہ جڑانوالہ کے ایک متوسط آرائیں گھرانے کے سپوت تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے وقت آپ گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم تھے کہ تحریک ہجرت کا غلغلہ ہوا۔ آپ چودہ حریت پسند نوجوانوں کے ہمراہ آزادی ہند کی خاطر سرکار انگریزی کی نظروں سے بچتے ہوئے آزاد قبائل کے

علاقہ میں پہنچے اور وہاں سے آزادی کی تحریک چلانے لگے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر واپس آئے گئے آپ کو انگریزی حکومت نے گرفتار کر لیا۔ مقدمہ چلا کر آپ کو تین ماہ کی سزا سنائی گئی۔

آپ حریت پسند اور اصول پرست تھے۔ سیاسی زندگی کے آغاز سے ہی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنے جوش، عمل اور جذبہ کی وجہ سے قائداعظم کے منظور نظر بن گئے۔ قیام پاکستان کے وقت پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے۔ 1949ء میں نواب ممدوٹ اور ممتاز دولتانہ کے کچھ عرصہ کے لئے اختلافات ختم ہوئے۔ تو دونوں گروپوں نے آپ کو متفقہ طور پر پنجاب مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا۔ صدر منتخب ہوتے ہی آپ نے اس وقت کے انگریز گورنر سر فرانسس موڈی کو ہٹانے کی تحریک کا آغاز کر دیا۔ آخر کار انگریز گورنر کو جانا پڑا۔ اور سردار عبدالرب نشتر پنجاب کے پہلے مسلمان گورنر مقرر ہوئے۔ جب لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان نے قائداعظم کے مقرر کردہ وزیراعلیٰ پنجاب نواب ممدوٹ کو وزارت سے ہٹا کر ممتاز دولتانہ کو وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا اور نواب ممدوٹ نے جناح عوامی لیگ جماعت بنائی۔ آپ بھی اصولی سیاست کی بناء پر پنجاب مسلم لیگ کا صدر کا عہدہ چھوڑ کر جناح عوامی لیگ میں شامل ہو گئے۔ ساری زندگی اصولی سیاست کی۔ کئی بار صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ صدر ایوب نے کئی بار اپنی جماعت میں شامل ہونے کے لئے کہا لیکن آپ نے ڈکٹیٹرشپ کی کسی صورت حمایت نہ کی۔ روایت ہے کہ صدر ایوب خود چل کر جڑانوالہ گئے۔ لیکن آپ کے پایۂ استقامت میں لغزش نہ آئی۔ تمام عمر لوگوں کے حقوق کی جنگ لڑتے رہے۔

X) میاں محمد شفیع المعروف بہ م۔ش پاکستان کے نامور صحافی ہو گزرے ہیں۔ وہ جالندھر کے ایک متوسط آرائیں گھرانے میں پیدا ہوئے۔ دوران تعلیم آپ انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ انٹر کالجیٹ برادر ہڈ کے زیر اہتمام پہلی مرتبہ 19 مارچ 1938ء کو ''یوم اقبال'' منایا گیا۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام بھی میاں محمد شفیع کی زیر صدارت عمل میں لایا گیا۔ حمید نظامی اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اس فیڈریشن نے 46-1945ء کے انتخابات میں

مسلم لیگ کی پنجاب میں جیت میں اہم کردار ادا کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سول اینڈ ملٹری گزٹ اخبار سے صحافت کا آغاز کیا۔ اس کے بعد نوائے وقت کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ لیاقت علی خان نے آپ کو مسلم لیگ کے انگریزی اخبار ڈان دہلی کا شمالی ہند کے چیف رپورٹر مقرر کر دیا۔ پنجاب مسلم لیگ نے خضر وزارت کے خلاف وزارت چھوڑو سول نافرمانی تحریک شروع کی۔ آپ نے تیس روز تک زیرزمین رہ کر سول نافرمانی تحریک کی مکمل رپورٹنگ کی۔ پنجاب یونینسٹ حکومت آپ کی تلاش میں تھی۔ آپ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ آپ کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت گرفتار کر کے ملتان جیل بھیج دیا گیا۔ لیکن پھر بھی خضر وزارت بچ نہ سکی۔ خضر حیات ٹوانہ کو مستعفی ہونا پڑا۔ اور پاکستان کی منزل نہایت ہی قریب آ گئی۔ آپ جیل سے اس روز رہا ہوئے جس روز پاکستان کا آفتاب طلوع ہوا۔ پاکستان بننے پر آپ دوبار صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ اور ساتھ ہی نوائے وقت میں اپنا کالم م۔ش کے قلمی نام سے لکھتے رہے۔

XI) مولانا ابوالکلام آزاد اپنی مشہور تصنیف ''آزادی ہند'' میں لکھتے ہیں کہ 1946ء میں انڈیا میں عبوری حکومت کے قیام کے وقت سردار پٹیل نے مسلم لیگ کو زک پہنچانے کی نیت سے وزارت مالیات کے قلمدان کی مسلم لیگ کو پیش کش کی۔ مطلب یہ تھا کہ ان کے پاس کوئی ایسا ماہر مالیات نہیں ہے اور جب یہ ناکام ہو جائیں گے۔ تو انگریزوں کو یہ تاثر دیا جائے گا کہ مسلم لیگ حکومت کرنے کے قابل نہ ہے۔ لہذا پاکستان کا قیام کسی صورت میں بھی مناسب نہ ہے۔ اس پیش کش پر لیاقت علی خان کو تشویش ہوئی۔ لیکن چوہدری محمد علی نے جو اس وزارت مالیات میں سیکرٹری تھے۔ لیاقت علی خان کو وزارت خزانہ قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ مسلم لیگ نے وزارت خزانہ قبول کر لی۔ لیاقت علی خان نے چوہدری محمد علی کے تعاون، مشورہ اور محنت شاقہ سے مالیاتی پالیسی (بجٹ) کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ کانگریس کے سینے میں تیر کی طرح اتر گیا اور خود سردار پٹیل اپنے دفتر کے دو چپڑاسی تک نہ رکھ سکا۔

آخر نہرو اور کانگریس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس مالیات پالیسی (بجٹ) کے شکنجہ میں ایسی پھنسی کہ تقسیم ہند کے فارمولے کو ماننے پر مجبور ہو گئی۔ چوہدری صاحب نے یوں کاروان

آزادی کی منزل کو قریب تر کر دیا۔

ہندوستان کی تقسیم کے متعلق جو کمیٹی اس غرض کے لئے بنائی گئی تھی کہ تفصیلات طے کرے۔ اور سروسز افواج اور اموال کی تقسیم کی جزئیات کا ڈھانچہ تیار کرے۔ مسلم لیگ کی طرف سے چوہدری محمد علی ہی اس کے ممبر تھے۔ گویا تخلیق پاکستان کے نہایت اہم معماروں میں آپ کا اسم گرامی ہماری برادری کے لئے ہمیشہ سرمایۂ افتخار رہے گا۔ آپ پاکستان کے وزیر اعظم بھی رہے۔ اور 1956ء میں پاکستان کا اولین آئین بھی آپ کی وزارت عظمٰی میں تیار ہوا۔ (نوٹ: چوہدری محمد علی کی مذکورہ خدمات کا تذکرہ تحریک پاکستان سے متعلق ہر کتاب میں موجود ہے)

مولف نے تحریک پاکستان میں ان آرائیں زعماء کے کردار کو اجاگر کیا۔ جو مرکزی اور صوبائی سطح کے لیڈر تھے۔ اضلاع اور شہروں کی سطح پر ہزاروں آرائیں کارکنوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ جس کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ یہ بہت دقیق اور محنت طلب کام ہے۔ جو کہ مولف کے بس سے باہر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی برادری کا فرد یا کوئی ادارہ اس کارنامہ کو سرانجام دینے میں کسی دن کامیاب ہو جائے۔

☆☆☆

دوسرا باب

فصل اول

پاکستان میں مختلف دور حکومت اور آرائیں

ا۔ عہد چوہدری محمد علی آرائیں (وزیر اعظم پاکستان)

(11 اگست 1955ء تا 8 ستمبر 1956ء)

چوہدری محمد علی نے مسٹر محمد علی بوگرہ کے وزارت عظمٰی سے 7 اگست 1955ء کو مستعفی ہونے کے بعد 11 اگست 1955ء کو وزیر اعظم پاکستان کا حلف اٹھایا۔ لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد اور ایوب خان کے مارشل لاء سے قبل چوہدری صاحب کے عہدِ حکومت کو عمدہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں تجمل حسین انجم اپنی کتاب ''پاکستان'' کے صفحہ 175 پر لکھتے ہیں:۔

''چوہدری محمد علی میں قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ان کے عہد میں عوام نے کسی حد تک خوشحالی کی فضا میں سانس لیا۔ چوہدری محمد علی کا دور ذہانت اور فطانت کا دور سمجھا جاتا ہے۔''

ان کے عہد میں ون یونٹ بل منظور کیا گیا۔ 1956ء کا آئین پہلا آئین آپ کے عہد میں ہی منظور ہوا اور اس آئین کا نفاذ بھی کیا گیا۔ پاکستان کا نام اسلامیہ جمہوریہ پاکستان آپ کے عہد میں ہی رکھا گیا۔ پہلے پنجسالہ منصوبے کا آغاز آپ کے عہد میں کیا گیا۔ آل پارٹی کانفرنس منعقد کی گئی۔ ان کے عہد میں قائداعظم کے قول ''اتحاد، ایمان اور تنظیم پر عمل درآمد دیکھنے میں آیا۔ وزارت عظمٰی سے قبل آپ مرکز میں وزیر خزانہ تھے۔ وہ وزارت مالیات کے سیکرٹری بھی رہے

ہیں۔ وہ انتہائی محنتی اور ذہین افسر تھے۔ اور مذاکرات کے فن میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ مغربی پاکستان میں وڈیروں، جاگیرداروں اور مشرقی پاکستان کی مقامی قیادت کے درمیان جوڑ توڑ کی سیاست ان سے ڈھکی چھپی نہ تھی۔ اس لئے سیاست کے پٹے ہوئے راستہ پر چلنے کی بجائے منفرد راستہ اپنایا۔ اور پھر اپنے پورے عہد میں اس راستہ پر گامزن رہے۔ پہلے پنجسالہ منصوبے (1956-60) سے پاکستان کی معاشی ترقی کی بنیاد رکھی۔ آل پارٹیز کانفرنس میں کشمیر کے مسئلہ کو ایک بار زندہ کیا۔ اور امریکہ اور برطانیہ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ دورنگی حکمت عملی چھوڑ کر کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان کا ساتھ دیں۔ چوہدری محمد علی نے کشمیر کے مسئلہ کو سیٹو اور سنٹو کے ایجنڈے پر لانے پر زور دیا۔

آپ نے اس وقت کے سرکردہ مسلم لیگی ارکان کی سیاست میں بے اصولی اور قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دینے کے سبب 8 ستمبر 1956ء کو وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ استعفیٰ میں مسلم لیگ کے ایک سربراہ گروپ کو قومی خدمت کی راہ میں رکاوٹ بننے کا ذکر کیا۔ آپ نے اپنی کتاب ''ظہور پاکستان'' میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

آپ کا دور حکومت ایک سال ایک ماہ پر مشتمل ہے۔ اس دور میں مسلم لیگی اقتدار میں آنے کے لئے دن رات مصروف رہنے لگے تھے۔ پارٹیاں بدلنا اور گروپ بنانا ان کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ چوہدری صاحب کے بعد حسین شہید سہروردی 12 ستمبر 1956ء تا اکتوبر 1957ء۔ اسماعیل چندریگر اس کے بعد وزیراعظم بنے۔ جو 13 دسمبر 1957ء کو ایک ماہ بعد ہی استعفیٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔ ملک فیروز خان 13 دسمبر 1957ء کو وزیراعظم بنے۔ اور 7 اکتوبر 1958ء کو سکندر مرزا صدر مملکت نے مارشل لاء لگا کر 1956ء کا آئین منسوخ کر دیا۔ اور ملک فیروز خان کی وزارت عظمیٰ ختم کر کے جنرل محمد ایوب کو وزیراعظم بنا دیا۔ جنرل ایوب نے وزیر اعظم بننے کے بعد تین دن بعد ہی 27 اکتوبر 1957 کو میجر جنرل سکندر مرزا صدر مملکت سے پستول کی نوک پر استعفیٰ لے لیا۔ میجر جنرل اسکندر مرزا پاکستان چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلے گئے۔ اس دور کی جھلکیوں کی روشنی میں چوہدری محمد علی کا دور بقول تجمل حسین انجم بہترین ہے۔ چوہدری

محمد علی جالندھر کے معزز آرائیں خاندان کے سپوت تھے۔ اس دور میں میاں ممتاز دولتانہ ملک فیروز خان نون، میر غلام علی، سردار امیر اعظم، سید امجد علی، میاں جعفر شاہ پارٹیاں بدل کر یا گروپ تبدیل کر کے تقریباً ہر وزارت میں وزیر مقرر ہوتے رہے۔ میاں ممتاز دولتانہ تو ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت میں بھی وزیر مقرر ہوئے۔ جن کو وزیراعلیٰ مغربی پاکستان مقرر کرنے کے لئے راتوں رات ری پبلکن پارٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ یوں پاکستان میں بے اصولی اقتدار پرستی اور ذاتی مفاد کی سیاست کو فروغ دیا گیا جس نے چند آخری عشروں میں آخری حدوں کو چھولیا ہے۔

☆☆☆

فصل دوئم

میر ذوالفقار علی بھٹو کا عہد حکومت

(20 ستمبر 1971 تا 6 جنوری 1977ء)

میر ذوالفقار علی بھٹو کا تعلق سندھ کی بھٹو آرائیں برادری سے ہے۔ آپ کے والد سر شاہنواز بھٹو سندھ کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ وہ جونا گڑھ کے وزیر اعظم بھی رہے۔ میر ذوالفقار علی بھٹو جنرل محمد ایوب کے دور میں پاکستان کے وزیر خارجہ رہے۔ 1965ء کی جنگ کے بعد پاکستان اور انڈیا کے سربراہان کے درمیان معاہدہ شملہ ہوا۔ تو آپ نے معاہدہ شملہ پر جنرل محمد ایوب سے اختلاف کیا۔ جس پر صدر پاکستان جنرل محمد ایوب نے آپ سے استعفیٰ لے لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جنرل محمد ایوب نے اقتدار جنرل محمد یحییٰ خان کو منتقل کر دیا۔ جس کے دور میں مشرقی پاکستان کے لوگوں نے حکومت پاکستان کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس طرح پاکستان اور انڈیا کے درمیان 1971ء کی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ جس میں مشرقی پاکستان میں پاکستان فوجوں کو انڈیا کے جرنیل جنرل اوروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس طرح مشرقی پاکستان ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا۔ جب حالات جنرل یحییٰ کے کنٹرول سے باہر ہو گئے تو لوگوں کے بھر پور مطالبہ پر جنرل یحییٰ کو اقتدار چھوڑنا پڑا۔ تو اس نے اقتدار 2 دسمبر 1971 کو میر ذوالفقار علی بھٹو کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ بھٹو کی پارٹی پیپلز پارٹی مغربی پاکستان میں سب سے زیادہ سیٹیں جیت کر ابھری تھی۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اس وقت عہد صدارت سنبھالا۔ جب پاکستان کے قریباً نوے ہزار فوجی بھارت کے قیدی بن چکے تھے۔ مغربی پاکستان کا قریباً 5 ہزار مربع میل کا علاقہ دشمن کے قبضہ میں تھا۔ قومی خزانہ خالی تھا۔ زرمبادلہ کی پوزیشن نازک تھی۔ بین الاقوامی برادری میں پاکستان تنہا ہو چکا تھا۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی ذہانت سے بہت جلدی ان مشکلات پر

قابو پالیا۔ آپ نوے ہزار پاکستانی فوجی قیدی بھارت سے چھڑا کر پاکستان لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اپنا 5 ہزار مربع میل کا علاقہ بھی ہندوستان سے واپس لے لیا۔ اور قوم کا حوصلہ بلند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ کے دور کے اہم واقعات میں، زرعی اصلاحات، پاکستان سٹیل مل کا قیام، قومی شناختی کارڈ اسکیم کا اجراء، 1973ء کے آئین کی منظوری دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس، مرزائیوں کا اقلیت قرار دینا، ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو یورپ سے بلا کر ایٹم بنانے کا کام سپرد کرنا۔ عوامی نمائندگی کا بل ہیں۔ 1973ء میں آئین کی منظوری کے بعد آپ نے صدر مملکت کا عہدہ چھوڑ دیا اور وزیر اعظم بن گئے۔

آپ پاکستان کے بڑے مقبول لیڈر ثابت ہوئے۔ پسے ہوئے طبقات کو آپ ہی نے اپنے حقوق کے لئے لڑنے کی راہ دکھائی۔ غریب اقوام کے دلوں کی دھڑکن بن گئے۔ اس نے تیسری دنیا کے ممالک کا بھی اپنے آپکو لیڈر منوالیا۔ اس کا تیسری دنیا کا رہنما بننا۔ پاکستان میں ایٹم بنانے کا آغاز امریکہ کو پسند نہ آیا۔ ان دونوں منصوبوں سے باز نہ آنے کی صورت میں اس وقت کے امریکہ کے وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے آپ کو خطرناک نتائج کی دھمکی دی۔ پاکستان میں انتخابات میں دھاندلی کے الزام میں تحریک شروع ہو گئی۔ جو بہت شدت اختیار کر گئی۔ اور جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے بھٹو حکومت کر برطرف کر کے ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کر لیا۔ اور بعد ازاں ان پر نواب محمد احمد خان قتل کیس کا مقدمہ چلا۔ اور ان کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ اس طرح دنیا کا ابھرتا ہوا لیڈر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

☆☆☆

فصل سوئم

جنرل محمد ضیاء الحق کا دور حکومت

5 جولائی 1977ء سے 17 اگست 1988ء

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ میرزوالفقار علی بھٹو کے خلاف 1977ء کے انتخابات میں دھاندلی کے الزامات پر قومی اتحاد تحریک نے بہت زور پکڑ لیا تھا۔ ملک خانہ جنگی کے دہانہ پر پہنچ گیا تھا۔ اس پر اس وقت کے آرمی چیف جنرل ضیاء الحق نے 4 جولائی 1977ء کو بھٹو کو گرفتار کر لیا۔ اور 5 جولائی 1977ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کر کے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ اور کچھ عرصہ بعد ملک کے صدر فضل الٰہی کو برطرف کو کر کے صدارات عظمیٰ کا عہدہ بھی سنبھال لیا۔

صدر جنرل ضیاء الحق کے عہد کے مشہور واقعات، فوجداری مقدمات پر اور دیوانی مقدمات میں 25 ہزار روپے یا اس سے کم رقم دعویٰ جات پر کورٹ فیس ختم کرنا حدود قوانین کا اجراء۔ اکیڈمی آف لیٹرز اسلام آباد کا افتتاح، پہلی ایشیائی اسلامی کانفرنس پانچواں پانچسالہ منصوبہ، اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس کا اجلاس، زکوۃ وعشر آرڈیننس کا نفاذ، وفاقی شرعی عدالت کا قیام، اسلامی یونیورسٹی کا قیام، تیسری اور چوتھی اسلامی سربراہی کانفرنس، ادارہ وفاقی محتسب کا قیام، انتخابات کروا کر محمد خان جونیجو کو وزیر اعظم مقرر کرنا۔ چھٹا پانچسالہ منصوبہ، کہوٹہ پلانٹ کا نام بدل کر ڈاکٹر عبدالقدیر لیبارٹری رکھنا۔ اسلامی نظام حکومت کا نو نکاتی منشور قانونی شہادت میں ترمیم، پہلی سارک سربراہ کانفرنس میں شرکت، پاکستان سٹیل ملز کا افتتاح، افغانستان پر روسی حملہ کے خلاف افغانستان کی مدد اور روس کو شکست دے کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا شامل ہیں۔

17 اگست 1977ء کو طیارے کے حادثے میں وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

☆☆☆

فصل چہارم

محترمہ بینظیر بھٹو کا پہلا دور حکومت

(2 دسمبر 1988ء سے 6 اگست 1990ء)

جنرل ضیاء الحق کی ناگہانی موت پر غلام اسحاق خان اس دور کے سینٹ کے چیئرمین نے صدر مملکت کا عہدہ آئینی طور پر سنبھال لیا۔ اور جلد ہی جنرل انتخابات کا اعلان کر دیا۔ یکم دسمبر 1988ء کو صدر پاکستان جناب اسحاق خان نے قومی اسمبلی میں زیادہ نشستیں حاصل کرنے کے نتیجے میں محترمہ بینظیر بھٹو کو بطور وزیر اعظم پاکستان نامزد کیا۔

2 دسمبر 1988ء کو محترمہ بےنظیر بھٹو نے وزیر اعظم پاکستان کا حلف بڑے صاف اور شگفتہ لہجے میں اعتماد کے ساتھ اٹھایا۔ ان کے عہد اول کے مشہور واقعات میں بلوچستان اسمبلی کی بحالی بلوچستان اسمبلی کا عدالتی فیصلہ، چوتھی سارک سربراہ کانفرنس، ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا پاک بھارت سمجھوتہ پیپلز ورکس پروگرام کا اجراء۔ سام میزائلوں کا کامیاب تجربہ، مرکز اور پنجاب میں محاذ آرائی، دولت مشترکہ میں پاکستان کی واپسی، پاکستان اور امریکہ میں دفاعی تعاون بڑھانے کا فیصلہ شامل ہیں۔

6 اگست 1990ء کو صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے قومی اسمبلی توڑ کر بےنظیر بھٹو حکومت ختم کر دی۔

محترمہ بینظیر بھٹو کا دوسرا دور

(اکتوبر 1993ء تا نومبر 1996ء)

1993 میں عام انتخابات نگران وزیر اعظم معین قریشی کے عہد میں ہوئے۔ دوبارہ مسلم لیگ

(جونیجو گروپ) کی مدد سے وزیر اعظم منتخب ہوئیں۔ لیکن 5 نومبر 1996 کو صدر مملکت سردار فاروق احمد لغاری نے آٹھویں ترمیم کے تحت معزول کر دیا۔ آپ عالم اسلام اور پاکستان کی پہلی خاتون رہنما تھی۔ جو وزیر اعظم منتخب ہوئیں۔

ان کو یہ منفرد اعزاز حاصل تھا کہ آپ پاکستان کی دو بار منتخب وزیر اعظم بنیں۔ مجموعی طور پر آرائیں زعماء پاکستان کی مرکزی حکومت میں تقریباً 23 سال برسرِ اقتدار رہے۔

☆☆☆

تیسرا باب

پاکستان میں صدر، وزیر اعظم اور وزیر بننے والے آرائیں زعماء

صدر پاکستان

۱۔ میر ذوالفقار علی بھٹو

1971ء میں یحییٰ خان کے صدر پاکستان کے عہدہ سے فارغ ہونے کے بعد میر ذوالفقار علی بھٹو پہلے سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہونے کے ساتھ صدر پاکستان بھی بنے۔ آپ نے 1973ء تک صدر پاکستان کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ جب 1973ء میں آئین پاکستان مرکزی اسمبلی نے منظور کر لیا اور اس کا اجراء ہو گیا تو آپ نے صدر پاکستان کا عہدہ چھوڑ دیا اور چوہدری فضل الٰہی کو صدر پاکستان چن لیا گیا۔

۲۔ جنرل ضیاء الحق

1977ء میں جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء لگا دیا اور ذوالفقار علی بھٹو کی کابینہ اور اسمبلیوں کو توڑ دیا۔ چوہدری فضل الٰہی کے عہدہ صدارت پورا ہونے کے بعد جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان کے عہدہ پر فائز ہوئے اور اپنی وفات تک صدر رہے۔ پاکستان کی تاریخ میں آپ کا عرصہ حکومت سب سے زیادہ ہے۔

وزیر اعظم پاکستان

۱۔ چوہدری محمد علی

آپ 1955ء سے 1956ء تک پاکستان کے وزیر اعظم رہے۔ سب سے بڑا کارنامہ 1956ء کا پہلا آئین پاکستان کو دینا تھا۔ قیام پاکستان سے 1956ء تک تمام حکومتیں آئین بنانے میں ناکام رہی تھیں۔

۲۔ میر ذوالفقار علی بھٹو

1973ء میں پاکستان کے دستور بن جانے اور اجراء کے بعد آپ صدر پاکستان کے عہدے سے الگ ہو گئے اور وزیر اعظم پاکستان بنے۔ 1977ء میں جنرل ضیاء الحق نے آپ کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ آپ چار سال تک وزیر اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔

۳۔ محترمہ بینظیر بھٹو (2 بار)

آپ 1988ء اور پھر 1993ء میں وزیر اعظم پاکستان منتخب ہوئیں۔ آپ کو دو بار وزیر اعظم پاکستان بننے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کو اسلامی دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم بننے کا شرف ملا۔ 2008ء میں شاید آپ تیسری بار وزیر اعظم پاکستان منتخب ہو جاتیں۔ لیکن موت نے آپ کو مہلت نہ دی۔ موجودہ حکومت آپ کی جدوجہد کے ثمرات لئے ہوئے ہے۔ آپ ذوالفقار علی بھٹو کی صاحبزادی تھیں۔

وفاقی وزیر رہنے والے آرائیں حضرات

چوہدری جہانگیر علی ایڈووکیٹ سرگودھا — میاں عطاء اللہ فیصل آباد

چوہدری ممتاز احمد شیخوپورہ — چوہدری آصف احمد علی وزیر خارجہ قصور

میاں زاہد سرفراز فیصل آباد — جہانگیر بدر لاہور

چوہدری عبدالغفور بہاولنگر — اعجاز الحق راولپنڈی

چوہدری اسد الرحمٰن ٹوبہ ٹیک سنگھ — میاں محمد زمان ساہیوال

میاں رضا ربانی (موجودہ) — ثمینہ گھرکی (موجودہ)

شاہد حسین بھٹو (موجودہ)

وزیر اعلیٰ پنجاب

محمد حنیف رامے وزیر اعلیٰ پنجاب رہے۔

صوبائی وزراء

میاں نور اللہ (آپ میاں عطاء اللہ کے والد تھے) — میاں افتخار الدین

مہر محمد صادق — میاں عبدالسلام

ڈاکٹر انوار الحق — ڈاکٹر محمد شفیق

چوہدری نذیر احمد — چوہدری محمد اکرم

محمد افتخار تاری — ملک سرفراز احمد

عبدالحفیظ کاردار — ملک غلام نبی

نیلم جبار چوہدری: آپ نے پرویز مشرف کے مشیر خاص طارق عزیز کے بھانجے سابقہ وزیر جنگلات کو جنرل الیکشن میں شکست دی۔

موجودہ وزیر

فاروق یوسف گھرکی۔

سپیکرز اور ڈپٹی سپیکرز

۱۔ بیگم جہاں آرا شاہنواز پاکستان دستور ساز اسمبلی میں ڈپٹی سپیکر رہی ہیں۔

۲۔ محمد حنیف رامے پنجاب اسمبلی کے سپیکر رہے ہیں۔

۳۔ محمد نواز کھوکھر قومی اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر رہے ہیں۔

گورنرز

آدینہ بیگ خان حاکم پنجاب

آپ مغلیہ حکومت کے آخری دور میں حاکم پنجاب (گورنر) تھے۔آپ جس جدوجہد سے گورنر پنجاب بنے اس کا مفصل ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

میاں محمد وارث کمانیہ صوبیدار کشمیر

آپ راجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں توپ خانہ کے افسر تھے۔کشمیر کے صوبیدار (گورنر) بھی رہے۔

سر میاں محمد شفیع (گورنر یوپی)

آپ کسی تعارف کے محتاج نہ ہیں۔انگریزی دور میں یوپی کے گورنر رہے۔

میاں محمد عبداللہ

آپ مہاراجہ کشمیر کی جانب سے گلگت کے گورنر رہے۔آپ قدرت اللہ شہاب کے والد تھے۔

میاں محمد اظہر

آپ نواز دور میں پنجاب کے گورنر رہے۔آپ لاہور کارپوریشن کے میر بھی منتخب ہوئے۔لاہور کی میئرشپ سے آپ نے بڑا نام پایا۔لاہور شہر کا عمدہ انتظام و انصرام ہی آپ کو گورنر پنجاب مقرر کرنے کا سبب بنا۔آپ نے دوران گورنرشپ سماج دشمنوں، ڈاکوؤں، اور اشتہاری ملزموں کے خلاف کریک ڈاؤن کروایا تھا۔اور بڑے بڑے نامی وگرامی ڈاکو اور اشتہاریوں کا صفایا کر دیا تھا۔

ارائیں سول افسران

۱۔چوہدری محمد علی

آئی سی ایس (سی ایس پی) سیکرٹری وزارت مالیات اور پہلے سیکرٹری جنرل مرکزی حکومت پاکستان رہے پاکستان کی مرکزی سول سروس میں یہ سب سے اونچا عہدہ تھا۔

۲۔قدرت اللہ شہاب (آئی سی ایس (سی ایس پی)

قیام پاکستان سے قبل ایک صوبہ کے ہوم سیکرٹری آزاد کشمیر کے سیکرٹری جنرل، سیکرٹری ٹو گورنر جنرل، اور ہالینڈ میں سفیر رہے۔صاحب طرز ادیب تھے۔اپنے وقت کے بہت پاورفل سیکرٹری تھے۔

۳۔حاجی غلام محیی الدین

بہاولپور میں کپتان پولیس رہے۔

۴۔ڈاکٹر محمد بشیر چوہدری

آپ ڈائریکٹر جنرل سائل سروے آف پاکستان رہے ملک کے مایہ ناز سائنسدان تھے۔سائل سروے پر تحقیقی کام کیا۔آپ کی سرکردگی میں محکمہ کی کارکردگی کی تعریف وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے بھی کی تھی۔

۵۔خان بہادر میاں مولا بخش بٹالوی

اٹاچی ٹو وائسرائے (گورنر جنرل) ہند رہے۔آپ کو نواب کا خطاب بھی ملا۔

۶۔ملک تاج الدین سانده کلاں

اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب رہے۔

۷۔ خان بہادر منشی سزاوار

ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل رہے۔

۸۔ خان بہادر میاں فضل دین

ڈپٹی چیف کنزرویٹو جنگلات رہے۔

۹۔ مہر محکم الدین شاہدرہ

راجہ رنجیت سنگھ دور میں سیالکوٹ کے مال افسر رہے جو اس وقت بڑا دیوانی اور فوجی عہدہ تھا۔

۱۰۔ میاں امام بخش

سکھوں کے عہد میں عہدہ کارداری پر فائز تھے۔ جو کہ اس دور کا بہت بڑا عہدہ تھا۔

۱۱۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ آرائیں

ریجنل ڈائریکٹر پبلک ہیلتھ سروسز حیدرآباد رہے۔

۱۲۔ خان صاحب محمد دین

چیف انجینئر پی۔ ڈبلیو۔ پی اینڈ آر سندھ رہے۔

۱۳۔ سردار محمد اکرم ای ڈی او آر

آپ ای ڈی او آر ہیں۔ شیخوپورہ سے تبدیل ہوئے ہیں۔

۱۴۔ چوہدری نصیر احمد ممبر ایکسائز

چوہدری صاحب ممبر ایکسائز اینڈ کسٹم کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

۱۵۔ خان بہادر محمد یوسف

ایڈیشنل سٹیبلشمنٹ کمشنر لاہور رہے۔

۱۶۔ چوہدری محمد سعید

ایس پی کے عہدے پر فائز رہے۔

۱۷۔ میاں انعام الحق

DCO (مرتبہ ڈی سی) ہیں۔ تھوڑا عرصہ ہوا شیخوپورہ سے تبدیل ہوئے۔

۱۸۔ میاں سعد اللہ

ڈپٹی سیکرٹری سروسز اور جنرل ایڈمنسٹریشن پنجاب لاہور رہے۔

۱۹۔ چوہدری حفیظ اللہ اسحاق

دوران سروس ڈپٹی کمشنر اور ممبر بورڈ آف ریونیو پنجاب رہے۔ (ریٹائرڈ ہو چکے ہیں)

۲۰۔ چوہدری محمد ذوالفقار

چیئرمین سنٹرل بورڈ آف ریونیو رہے۔

۲۱۔ میاں خالد عثمان

آپ ای ڈی او آر کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔

۲۲۔ کرنل محمد خالد

آپ فوج سے پولیس محکمہ میں آئے اور ایس پی پولیس رہے۔

۲۳۔ میاں ذکاء الدین شفیع ایس ایس پی

آپ ایس ایس پی رہے۔ تعلق اٹاری ضلع شیخوپورہ۔

۲۴۔ میاں بشیر احمد بار ایٹ لاء

ترکی میں سفیر رہے۔

۲۵۔ میاں عبدالوحید

سابق سفیر۔ ایم این اے بھی رہے۔

۲۶۔ میاں اللہ بخش مرحوم

چیف کنزرویٹو آف فاریسٹ کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

۲۷۔سردار اصغر علی

خاندان گنجیانوالہ قصور پی۔سی۔ایس افسر (ر)

۲۸۔نذیر احمد چوہدری

ڈائریکٹر شماریات اسٹیٹ بینک آف پاکستان رہے۔پھر آپ کی خدمات انڈونیشیا نے حاصل کیں۔

۲۹۔چوہدری محمد جمیل

سول سرونٹ ہیں شیخوپورہ میں اسسٹنٹ کمشنر رہے۔

۳۰۔ڈاکٹر امداد حسین

ڈپٹی ایجوکیشن ایڈوائزر گورنمنٹ رہے۔ برطانیہ میں بطور ڈپٹی ایجوکیشنل ایڈوائزر متعین رہے۔

۳۱۔جناب چوہدری ارشاد احمد

بی۔اے پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے۔سی۔ایس۔پی میں کامیاب ہونے کے بعد ڈپٹی کمشنر اور کمشنر رہے۔

۳۲۔چوہدری محمد اصغر

ایم۔ایس۔سی فزکس کیا۔سی۔ایس۔پی میں کامیاب ہونے کے بعد اٹامک انرجی کمیشن میں شامل ہوئے۔مختلف ملکوں میں اٹامک انرجی کی اعلیٰ تعلیم پانچ سال تک حاصل کرتے رہے۔اٹامک میں اعلیٰ خدمات سرانجام دیں۔

۳۳۔میاں عبدالعزیز گورداسپوری

چیف انجینئر پاکستان کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

۳۴۔مسٹر جاوید الطاف سی ایس پی

ایم۔اے فلسفہ کیا۔سی۔ایس۔پی کرنے کے بعد سول سروس میں چلے گئے۔

۳۵۔ظفر الطاف سی ایس پی

ایم اے سائیکالوجی کیا۔سی ایس پی امتحان میں کامیاب ہو کر سول سروس میں منتخب ہوئے۔ڈائریکٹر فنانس بھی رہے۔

۳۶۔محمد نصیر حسین

محکمہ انکم ٹیکس میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر رہے۔

۳۷۔چوہدری فتح محمد شیفتہ

تعلیم حاصل کرنے کے بعد آرمی میں ملازم ہوئے۔دوسری جنگ عظیم میں اسسٹنٹ کنٹرولر آف سپلائی مقرر ہوئے مرکزی حکومت کے ڈپٹی چیف کنٹرولر امپورٹ وایکسپورٹ کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

۳۸۔چوہدری محمد افضل کریم

نائب تحصیلدار بھرتی ہوئے ترقی کرتے ہوئے اسسٹنٹ کمشنر متعین ہوئے۔

۳۹۔ڈاکٹر میاں محمد شفیع

ویٹرنری ڈاکٹر تھے ترقی کرتے ہوئے ایڈیشنل ڈائریکٹر رہے شعبہ لائیوسٹاک کو بہت ترقی دی۔حکومت آزاد کشمیر میں شعبہ لائیوسٹاک کے مشیر بھی رہے۔

۴۰۔میاں منور الدین

الیکٹرک انجینئرنگ میں پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے آپ نے محکمہ ٹیلیگراف میں اور محکمہ فون میں بہت شاندار خدمات سرانجام دیں۔محکمہ ٹیلی گراف وفون کو ابتدائی طور پر استوار کرنے میں آپ کا بڑا ہاتھ ہے۔آپ جنرل منیجر سنٹرل ٹیلی کمیونیکیشن لاہور رہے۔ٹیکنیکل صلاحیتوں میں چوٹی کے ماہرین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

۴۱۔ میاں محمد وحید الدین

اے سی شیخوپورہ رہے۔ ایڈیشنل کمشنر لاہور کے عہدے سے تھوڑے سال ہوئے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔

۴۲۔ چوہدری محمد صدیق

ایڈیشنل کمشنر لاہور رہے۔

۴۳۔ مسعود احمد

اسسٹنٹ سیکرٹری لاء اینڈ لیجسلیچر رہے۔

۴۴۔ میاں محمد شفیع سابق ڈپٹی کمشنر لاہور

آپ ڈی سی لاہور رہے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے متعلق ان کی کتاب بڑی مشہور ہے۔

۴۵۔ میاں نصیر احمد سی ایس پی (مرحوم)

میاں نصیر احمد سی ایس پی کا امتحان پاس کرنے کے بعد پاکستان سول سروس میں شامل ہوئے۔ آپ ڈی سی اور کمشنر رہے۔ مرکزی حکومت میں انڈسٹری کے محکمہ کے سیکرٹری رہے۔ مغربی پاکستان کے بورڈ آف ریونیو کے سینئر ممبر رہے۔ آپ چیئرمین پاکستان پبلک کمیشن کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

۴۶۔ شوکت جاوید آئی جی پنجاب

آپ اس وقت انسپکٹر جنرل آف پولیس پنجاب ہیں۔

۴۷۔ خان بہادر میاں عبدالرب

محکمہ مالیات میں ملازم ہوئے مشیر قومی بچت مغربی پاکستان کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے 1937ء میں جالندھر سے متحدہ پنجاب اسمبلی کے رکن بھی رہے تھے۔

☆☆☆

چھٹا باب

آرائیں فوجی افسران

چوہدری محمد صدیق ایڈمرل (ر) پاکستان نیوی

قیام پاکستان کے بعد نیوی کے سربراہ مقرر ہوئے۔ نیوی کے انگریز سربراہوں کے بعد آپ کو پاکستان نیوی کا پہلا سربراہ (ایڈمرل) ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ کی قیادت میں پاکستان نیوی میں بڑی ترقی ہوئی۔

جنرل ضیاء الحق کمانڈر انچیف پاکستان بری فوج

آپ 1977ء میں پاکستان بری فوج کے سربراہ مقرر ہوئے۔ بلحاظ عہدہ آپ پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف تھے۔

جنرل محمد عارف چیف آف سٹاف بری فوج

جب جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان بنے تو بری فوج کے چیف آف سٹاف جنرل عارف مقرر ہوئے۔ اچھے شاعر بھی ہیں۔

لیفٹیننٹ جنرل غلام مصطفیٰ

حال ہی میں پاکستان آرمی سے ریٹائرڈ ہوئے۔ آجکل انجمن آرئیاں پاکستان کے صدر ہیں اور برادری کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

میجر عصمت انور (مرحوم)

آپ نے سب سے پہلے آزاد کشمیر گورنمنٹ قائم کی۔ جہاد کشمیر میں مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

کیپٹن انوار الحق شہید

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ واہگہ بارڈر پر پل کی حفاظت پر معمور تھے۔ دشمن نے شدید حملے کیے لیکن ان کے جوابی حملوں کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ دشمن نے تازہ دم فوج لے کر دوبارہ حملہ کیا۔ آپ نے توپ خانہ کو ایسی ہدایات دیں جس سے ٹھیک نشانہ پر ایسی گولہ باری ہوئی کہ دشمن بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن بھاگتے ہوئے دشمن کے ایک ٹینک نے کیپٹن کو تاک کر گولہ پھینکا جو کیپٹن انوار الحق کے کندھے پر لگا اور وہ شہید ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

میاں محمد سلیم جاوید شہید (تمغہ جرأت)

آپ میاں نذیر مسلم ایڈووکیٹ ملتان کے صاحبزادے تھے۔ 1957ء میں نیوی میں کمشن ملا۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ پی این ایس بابر بحری جہاز پر بطور Narigating آفسر مامور تھے۔ چنانچہ اسی جہاز نے انڈیا کی بندرگاہ دوارکا اور ہوائی اڈا تباہ کیا۔ ہندوستان کے ہوائی فوج کے جہازوں کو گرایا۔ جنہوں نے ان کے جہاز پر بم برسانے کی کوشش کی۔ جنگ کے اختتام پر انہیں دو تمغہ جات ملے۔ جن میں تمغہ جرأت شامل تھا۔ آپ نائب کمانڈر نیوی بھی رہے۔ 1971ء میں بطور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر چٹاگانگ رہے۔ جنگ میں بھارت کی بے تحاشہ گولہ باری سے کھڑے ہوئے تجارتی جہازوں میں آگ بھڑک اٹھی اس کے سدباب کے لئے جاتے ہوئے ہندوستانی لڑاکا طیاروں نے جیپ پر حملہ کر دیا اور آپ شہید ہو گئے۔

فلائٹ لیفٹیننٹ حسیب شہید

آپ میاں عبدالباری مشہور مسلم لیگی رہنما کے نواسے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں ہونہار طالب علم تھے۔ ہواباز پائلٹ بننے کی ٹھانی تو پہلی ہی کوشش میں تمام مراحل طے کر لئے۔ سلیکشن کمیٹی کے ایک رکن قائداعظم کے پائلٹ گروپ کیپٹن عطائے ربانی نے بعد میں حسیب کے والد سے کہا "سلیکشن کمیٹی کے تمام افسران اس غیر معمولی صلاحیتوں والے نوجوان سے بہت

متاثر ہوئے۔ اکیڈیمی میں حسیب نے تمام امتحانات شاندار پوزیشنوں سے پاس کیے۔" آپ کی شادی میں چوہدری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان اور سید قاسم رضوی سی ایس پی شامل ہوئے تھے۔

ایک بار بموں سے بھرا ہوا جہاز چلا رہا تھا۔ کوئی خرابی ہوگئی کنٹرول ٹاور سے حکم ملا اپنی جان بچاؤ جہاز سے کود جاؤ۔ لیکن حسیب نے حکم کے برعکس بڑی مہارت سے شہری آبادی سے ہٹ کر ایک ویران جگہ پر جہاز اتار لیا۔ حکام نے باز پرس کی کہ جان کی پرواہ کیوں نہیں کی تو جواب تھا۔

"ہوسکتا تھا کہ جہاز شہری آبادی پر گرتا اور سارے بم پھٹ کر قیامت برپا کر دیتے۔ اس لئے جان کی بازی لگا کر خرابی کے باوجود جہاز کو ویران جگہ پر اتارا۔"

ایک دفعہ برطانوی شاہی ہوابازوں سے فضائی مقابلہ ہوا۔ حسیب کا جہاز پرانا سیبر تھا۔ جبکہ برطانوی پائلٹ جدید ترین طیارے چلا رہے تھے۔ لیکن حسیب نے ان کو اپنے پرانے طیارے سے مات دے دی۔ مظاہرہ کے بعد برطانوی ہواباز حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگے۔

اسے گھڑسواری کا بھی بڑا شوق تھا۔ کہتے ہیں چھ سال کی عمر میں حسیب اپنے نانا جی کے ایک سرکش گھوڑے کو سواری کے لئے اصطبل سے لے گیا تھا۔ سرکش گھوڑوں پر سواری کرنے سے اس کو بڑا لطف آتا تھا۔

افسوس ہے کہ وہ دوسری جنگ عظیم میں استعمال ہونے والا 1940ء ماڈل کا جہاز چلاتے ہوئے راہی بحق ہوئے۔

میجر جنرل افتخار احمد کنگروی

الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری کے بعد فوج کی انجینئرنگ کور میں شامل ہوئے چیف انجینئر ملٹری بنے۔ میجر جنرل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

بریگیڈیئر خورشید ربانی (ستارہ جرأت)

تعلیم کے بعد فوج میں کمشن ملا۔ دوسری جنگ عظیم میں عراق اور شام میں خدمات سر انجام دیں۔ تقسیم ملک کے بعد کشمیر میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ 1965ء کی جنگ میں جوڑیاں مقبوضہ کشمیر کو فتح کرنے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

میجر محمد افضل ملک شہید

میجر افضل فرنٹیئر فورس کے مجاہد شکر گڑھ کے محاذ پر داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ جنہوں نے سب سے پہلے گولیوں کو اپنے سینے پر روکا اور دشمن کی جارحیت کو روک دیا۔ وہ حنیف رامے کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔

بریگیڈیئر ظہیر الدین احمد

مہر فاضل ہانسی حصار کے خاندان سے تعلق تھا۔ اس خاندان سے کیپٹن جان محمد، کیپٹن محمد اسماعیل، کیپٹن محمد سرور بھی آرمی آفیسر تھے۔

کیپٹن شمشاد احمد شہید

آپ پاکستان نیوی میں ملازم تھے یوپی کی آرائیں برادری سے ان کا تعلق تھا۔

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر قمر الدین

تعلیم کے بعد انڈین میڈیکل میں کمشن ملا۔ دوسری جنگ میں خدمات سرانجام دیں۔ پاکستان بننے کے بعد 1948ء میں آپ نے آزادی کشمیر کی جنگ میں حصہ لیا۔ ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ نے فیلڈ ایمبولینس کی کمانڈ کی تھی۔

لیفٹیننٹ جنرل سلیم احمد میاں (ستارہ قائداعظم)

تعلیم کے بعد انڈین میڈیکل سروس میں کمشن ملا۔ اکثر اوقات پاکستان میڈیکل کارپس کالج کی ہائی کمان بھی آپ کے ہاتھ میں رہی۔ آرمڈ فورسز میڈیکل کالج میں سرجری کے چیف انسٹرکٹر رہے۔ آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی میں خدمات سرانجام دیں۔ خدمات کے عوض

ستارہ قائداعظم عطاء ہوا۔

صوفی حمید علی نیوی ونگ کمانڈر (ر)

آفیسر کالونی لاہور کے رہائشی ہیں۔ صوفی محمد اکبر علی جالندھری مصنف سلیم التواریخ کے فرزند ہیں۔

میجر جنرل محمد فاروق

تعلق شیخوپورہ کے گاؤں پنواں سے، حاضر سروس ہیں۔

بریگیڈیئر (ر) مختار احمد

تعلق شیخوپورہ گاؤں پنواں۔

لیفٹیننٹ کرنل (ر) بشیر احمد

آپ فوج کے حساس ادارے میں ملازم تھے۔

میجر جنرل محمد ارشد گنجیال

جنرل ضیاء الحق کے دور میں ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب رہے۔ ساکن کوٹ نظام دین شیخوپورہ۔

عبدالستار چوہدری گروپ کیپٹن

بیس کمانڈر پی اے ایف لاہور رہے۔

عبدالقدوس شاکر ڈیرہ اسمعیل خاں

انگریزی دور میں قبائلی علاقہ میں انگریزوں کے خلاف کئی سالوں تک لڑائی لڑی۔ وہ بڑا افسانوی کردار بن گئے تھے۔ فقیرا یپی کی فوج کے سالار تھے۔

میجر محمد اسماعیل آرائیں

آپ کو سردار بہادر کا خطاب ملا تھا۔ اس طرح پورا نام سردار بہادر میجر محمد اسماعیل ہوا۔

برطانیہ کے شہنشاہ جارج پنجم کے دورہ ہند کے وقت اس کے باڈی گارڈ دستہ کے اہم رکن تھے۔ آپ نے فوج میں آرائیں رجمنٹ قائم کروانے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن انگریزوں کو برصغیر کو چھوڑنا پڑا۔ لہذا یہ خواب ادھورا رہ گیا۔

سلام باری سلیمی کموڈور نیوی

آپ پاکستان نیوی میں کموڈور رہے۔ آپ کا تعلق شیخوپورہ کی مشہور سماجی شخصیت ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی سے بتایا جاتا ہے۔ آپ سربراہ محکمہ جہاز رہے۔ ان کی بیگم ڈاکٹر مجیدہ اختر صوفی محمد اکبر کی پوتی ہیں۔

ایئر وائس مارشل عمر فاروق

تعلیم کے بعد فضائیہ میں بطور پائلٹ شامل ہوئے۔ ایئر وائس مارشل کے عہدے تک پہنچے۔ آپ پی آئی اے یعنی پاکستان ایئر لائنز کے چیئر مین بھی رہے۔

☆☆☆

ساتواں باب

شعبہ عدلیہ اور ارائیں

۱۔ جسٹس میاں عبدالرشید: چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف پاکستان (سپریم کورٹ آف پاکستان) آپ کا تعلق باغبانپورہ میاں خاندان سے تھا۔ آپ قائمقام گورنر جنرل پاکستان بھی رہے۔ آپ نواب مولا بخش مرحوم کے داماد تھے۔

۲۔ جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں برصغیر میں آپ پہلے شخص تھے جو پنجاب ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے۔ ان سے قبل کسی کو عدلیہ میں اتنا بڑا عہدہ کبھی نہ حاصل ہوا تھا۔

۳۔ جسٹس ملک محمد اکرم پنجاب ہائی کورٹ کے جج رہے۔

۴۔ جسٹس محمد صدیق عدلیہ میں سول جج مقرر ہوئے۔ ترقی کرتے ہوئے عدالت عالیہ پنجاب ہائی کورٹ کے جج کے عہدے تک پہنچے۔

۵۔ جسٹس ملک عبدالقیوم آپ جسٹس ملک محمد اکرم کے صاحبزادے ہیں۔ پنجاب ہائی کورٹ کے کے جج کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

۶۔ جسٹس میاں غلام احمد عدلیہ میں سول جج منتخب ہوئے۔ پنجاب ہائی کورٹ کے جج کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اپلیٹ لیبر کورٹس پنجاب کے جج بھی رہے۔

۷۔ جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے آپ محمد صدیق کے صاحبزادے ہیں۔ ہائی کورٹ کے جج سے ترقی کر کے جج سپریم کورٹ آف پاکستان مقرر ہوئے۔ چیف جسٹس چوہدری افتخار محمد کے خلاف پرویز مشرف صدر پاکستان کی طرف سے بھیجے جانے والے ریفرنس کی سماعت کرنے والے بنچ کے سربراہ آپ ہی تھے۔ جرأت مندی سے کام لیکر اور ایک ارب روپے اور بیٹے کی وزارت کی پیشکش کو ٹھکرا کر لیڈنگ فیصلہ آپ ہی نے لکھا تھا۔ جس کی تائید بنچ کی اکثریت نے کی تھی۔ آپ

نے جس بے خوفی، بے باکی اور اعلیٰ اور قومی کریکٹر کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر پاکستانی عدلیہ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ چوہدری افتخار محمد کے بعد وقت کے جابر آمر کے سامنے کھڑے ہونے کی جرأت آپ اور آپ کے تائید کرنے والے ججوں کے حصہ میں آئی۔

۸۔ جسٹس چوہدری غلام سرور آپ پنجاب ہائی کورٹ کے براہ راست جج مقرر ہوئے۔ افسوس چھوٹی عمر میں اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔

۹۔ جسٹس میاں نجم الزمان آپ پنجاب ہائی کورٹ کے براہ راست جج مقرر ہوئے۔ آپ پنجاب ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے مشہور ایڈووکیٹ ایم۔ بی۔ زمان کے صاحبزادے ہیں۔

۱۰۔ جسٹس بشیر اے مجاہد آپ کو پنجاب ہائی کورٹ کا جج رہنے کا شرف حاصل ہوا۔

۱۱۔ جسٹس ثاقب نثار آپ پنجاب ہائی کورٹ کے جج ہیں آپ کے والد میاں نثار احمد بھی جج پنجاب ہائی کورٹ رہے ہیں۔

۱۲۔ جسٹس ظفر اقبال چوہدری ہائی کورٹ پنجاب کے جج اور ڈپٹی اٹارنی جنرل پاکستان رہے۔

۱۳۔ جسٹس میاں حامد فاروق جج سپریم کورٹ آف پاکستان رہے۔

۱۴۔ جسٹس میاں محبوب احمد چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ اور پھر سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج مقرر ہوئے۔ آپ فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس بھی رہے۔

ایڈووکیٹ جنرل

خلیل الرحمٰن رمدے۔ ایم۔ بی زمان ایڈووکیٹ جنرل پنجاب رہے۔

اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب زعیم فاروق ملک۔ آپ اے کریم ملک کے صاحبزادے ہیں۔

سیشن جج

۱۔ میاں محمد ظریف آپ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج شیخوپورہ بھی رہے۔ تعلق لاہور سے تھا۔

۲۔ ملک ممتاز حسین تعلق شرقپور کے ملک خاندان سے ہے۔ سیشن جج رہے۔

۳۔ میاں نظام الدین تعلق میاں فیملی باغبانپورہ لاہور، سیشن جج کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

جسٹس شاہ دین ہمایوں آپ کے ہی فرزند تھے۔

۴۔ میاں ظہور الدین ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج رہے۔ جسٹس شاہ دین ہمایوں کے بھائی تھے۔ میاں شاہنواز آپ کے ہی فرزند تھے۔ آپ کی بہو جہاں آرا شاہنواز سر میاں محمد شفیع کی دختر تھیں۔ جس نے کئی دہائیوں تک اسمبلی میں آرائیوں کی نمائندگی کی۔

۵۔ میاں احسان الحق سیشن جج جالندھر رہے۔

۶۔ میاں ریاض حسین شاہ آپ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج شیخوپورہ بھی رہے۔ ایک روحانی خانوادہ سے تعلق کی بنا پر نام کے ساتھ شاہ کا اضافہ ہوا تھا۔

۷۔ چوہدری اعجاز احمد آپ شیخوپورہ میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج بھی رہے۔ آپ وحید الدین سابقہ اسسٹنٹ کمشنر شیخوپورہ کے بھائی ہیں۔ آج کل سیشن جج کے منصب پر فائز ہیں۔

۸۔ چوہدری زاہد نذیر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج شیخوپورہ رہے آپ کی چوہدری زاہد پرویز گوجرانوالہ کی نامور سیاسی شخصیت اور سابقہ ایم پی اے سے قریبی عزیز داری ہے۔

۹۔ میاں عبدالقیوم ایک طویل سروس کے بعد آپ سیشن جج کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ آپ شیخوپورہ کے مشہور مسلم لیگی رہنما سابقہ ایم پی اے میاں عبداللطیف کے صاحبزادے اور میاں عبدالرؤف سابقہ ایم این اے کے بھائی ہیں۔ میاں عبدالقدوس ممبر پاکستان بار کونسل ۔میاں محمد سعید ممبر ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ کے والد محترم ہیں۔

☆☆☆

پاکستان میں سیاسی انتخابات اور آرائیں

قومی اسمبلی کے انتخابات

آرائیوں نے ہر دور میں سیاسی انتخابات میں بساط بھر حصہ لیا اور ان انتخابات میں اپنی آبادی کے تناسب سے کامیابیاں حاصل کیں۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی 1947ء قیام پاکستان کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی کا انتخاب انہی ارکان اسمبلی میں سے کیا جانا تھا۔ جو 1945-46ء کے عام انتخابات میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ 26 جولائی 1947ء وہ تاریخی دن تھا۔ جب قائداعظم محمد علی جناح نے تقسیم ہند کے اعلان مجریہ 3 جون 1946ء کی دفعہ 21 کی ذیلی دفعات 14 اور 15 کے تحت پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے قیام اور اس کے ناموں کا اعلان کیا۔

پاکستان کی یہ پہلی دستور اسمبلی 69 افراد پر مشتمل تھی۔ جن میں سے 44 کا تعلق مشرقی بنگال 17 کا تعلق مغربی پنجاب، 4 کا تعلق سندھ۔ 3 کا تعلق سرحد اور ایک کا تعلق بلوچستان سے تھا۔ مغربی پنجاب سے جو حضرات پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن نامزد ہوئے ان کے اسمائے گرامی ذیل ہیں:

جناب محمد خان دولتانہ، جناب گنگا سرن، سر ظفر اللہ خان، جناب افتخار حسین ممدوٹ، جناب میاں افتخار الدین، جناب قائداعظم محمد علی جناح، جناب کرامت علی شیخ، جناب نذیر احمد خان، سردار عبدالرب نشتر، ملک فیروز خان نون، جناب عمر حیات ملک، بیگم جہاں آراء شاہنواز، جناب شوکت حیات خان، لالہ نرائن گجرال، بھیم سین سچر، سردار اجل سنگھ، سردار کرتار سنگھ۔

اس فہرست میں درج ممبران میں میاں افتخار الدین اور بیگم جہاں آراء شاہنواز کا تعلق آرائیں برادری سے تھا۔ دونوں باغبانپورہ کی میاں فیملی کے معزز رکن تھے۔ بیگم جہاں آراء شاہنواز سر میاں محمد شفیع کی صاحبزادی تھی۔ میاں افتخار الدین لاہور کے زمیندار اور روزنامہ پاکستان ٹائمز اور روزنامہ امروز کے مالک تھے۔ انہوں نے ترقی پسند تحریکوں، ترقی پسند ادیبوں اور مزدور یونینز کی سرپرستی کی۔ برادری کی آبادی کے تناسب بھی زیادہ اسمبلی میں نمائندگی آرائیں برادری کو ملی۔

دوسری دستور ساز اسمبلی 1955ء

پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد نے جب 24 اکتوبر 1954ء کو ایمرجنسی نافذ کر کے پہلی دستور ساز اسمبلی کو توڑنے کا اعلان کر دیا جس کو اسمبلی کے اسپیکر مولوی تمیز الدین مرحوم نے سندھ چیف کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ چیف کورٹ سندھ نے سماعت کے بعد گورنر جنرل کے اقدام کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ گورنر جنرل کی اس فیصلہ کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل پر اس وقت کے چیف جسٹس محمد منیر نے گورنر جنرل کے اقدام کو حق بجانب قرار دے دیا۔ اسی فیصلہ نے عدلیہ کو اکثریت کی رائے میں غلط راہ پر ڈال دیا اور بعد میں اعلیٰ عدالتوں نے اس فیصلہ کو بنیاد بنا کر آمروں کی فوجی حکومتوں کو تحفظ فراہم کیا۔ جن سے جمہوری عمل بار بار متاثر ہوا۔ اور پاکستان میں جمہوریت صحیح جڑ نہ پکڑ سکی۔

بہر حال اس فیصلے کے مطابق گورنر جنرل غلام محمد کو دستور ساز اسمبلی کے لئے انتخابات کروانا پڑے۔ لیکن یہ انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نہیں ہوئے۔ جن کے انعقاد کا عدالت نے حکم دیا تھا۔ لیکن ان کا انتخابی ادارہ صوبائی اسمبلیوں کے ارکان پر مشتمل تھا۔ اور ہر صوبائی اسمبلی کو اپنے اپنے کوٹے کے مطابق دستور ساز اسمبلی کے ارکان منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ یہ اسمبلی 80 ارکان پر مشتمل تھی۔

تمام پاکستان بشمول مغربی بنگال اور مغربی پاکستان کے کل 80 ارکان میں سے جناب میاں عبدالباری، جناب عزیز الدین، جناب میاں افتخار الدین، جناب چوہدری محمد علی، کا تعلق

آرائیں برادری سے تھا۔ان سب کا تعلق مغربی پنجاب سے تھا۔ کیونکہ آرائیوں کی تعداد سب سے زیادہ مغربی پنجاب میں تھی۔ سندھ میں اگرچہ آرائیوں کی تھوڑی تعداد موجود تھی۔ وہاں سے ان کو کوئی نمائندہ نہ ملا۔ بلوچستان اور سرحد میں آرائیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔اس اسمبلی کا سب سے بڑا کارنامہ 1956ء کے آئین کی تیاری تھا۔اس آئین کی منظوری کے بعد یہ اسمبلی کہلانے لگی۔ آئین کی منظوری کے وقت چوہدری محمد علی (آرائیں) وزیراعظم پاکستان بنے۔ اس اسمبلی نے 7 اکتوبر 1958 تک کام کیا۔ جنرل محمد ایوب خان نے اسکندر مرزا کے ایماء پر مارشل لاء نافذ کر کے اسمبلی کو توڑ دیا۔

1962ء کے انتخابات

یہ انتخابات صدر ایوب نے کروائے۔ انتخابات سے قبل صدر ایوب صدارتی طرز حکومت متعارف کروا چکے تھے۔اسی بناء پر 1956ء میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر بنیادی جمہوریت کے اسی ہزار ارکان کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔انہی ارکان سے ووٹ لے کر جنرل ایوب خان 1960ء میں پانچ سال کے لئے ملک کے صدر منتخب ہوئے۔

1962ء میں بنیادی جمہوریت کے انہی اسی ہزار ارکان نے قومی اور صوبائی اسمبلی کے ارکان کو ووٹ دے کر منتخب کیا۔اس وقت ون یونٹ بن چکا تھا۔مغربی پاکستان کے صوبہ سے 78 ارکان ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔

آرائیں ممبر قومی اسمبلی

جناب میاں عبدالباری، جناب عزیز دین

جناب چوہدری محمد حسین، جناب ذوالفقار علی بھٹو

جناب میاں عبدالباری اور جناب عزیز دین اس سے قبل بھی اسمبلی میں منتخب ہوئے تھے۔ چوہدری محمد حسین ایوبی دور میں لاہور کارپوریشن کے میئر تھے۔اور ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو سندھ کے مشہور بھٹو خاندان سے تھے۔ان کے والد سر شاہنواز

بھٹو اپنے وقت کی سیاست کا بڑا نام تھے۔ جنرل ایوب کی کابینہ میں میر ذوالفقار علی بھٹو وزیر تھے۔ وہ بلا مقابلہ رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔اس انتخاب میں میاں افتخار الدین کے بیٹے عارف افتخار اور میاں ذکاء الرحمٰن نے حصہ لیا۔ برادری سے یہ دونوں حضرات شکست کھا گئے۔

1965ء کے انتخابات

1965ء میں صدر محمد ایوب خان نے صدارتی الیکشن کا اعلان کر دیا۔ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے جمہوریت کی خاطر لوگوں کے زبردست اصرار پر جنرل محمد ایوب کے خلاف صدارتی الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا کونسل مسلم لیگ کے خواجہ ناظم الدین، عوامی لیگ کے نوابزادہ نصر اللہ خان نیشنل عوامی پارٹی کے خان عبدالولی خان اور نظام اسلام پارٹی کے صدر چوہدری محمد علی سابق وزیراعظم پاکستان نے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دیا۔لیکن بنیادی جمہوریت کے 80 ہزار ارکان کی اکثریت پر دباؤ ڈال کر 2 جنوری 1965ء کو اگلی پانچ سالہ مدت کے لئے جنرل محمد ایوب صدر بن بیٹھے۔

مارچ 1965ء میں قومی اسمبلی کے الیکشن ہوئے۔اس الیکشن مین ملک امیر محمد خان گورنر پنجاب نے جاگیرداروں کو خاص طور پر ٹکٹ دیئے اور ان کو کامیاب بھی کرایا۔اور ان لوگوں کو اسمبلی تک پہنچنے نہ دیا۔ جو اسمبلی میں اپنی شعلہ بار تقریروں سے حکومت کے غلط اقدامات کو منظر عام پر لاتے تھے۔

ہماری برادری کے میاں عبدالباری جو پہلے دو مرتبہ رکن اسمبلی بن چکے تھے۔اور عوام میں بڑے مقبول تھے۔ الیکشن کامیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ ان کو کامیاب نہ ہونے دیا گیا۔ برادری کے وہ لوگ جنہوں نے پنجاب اسمبلی میں اپنی شعلہ بیان تقریروں سے اقتدار کے ایوانوں کو لرزہ براندام کیا۔ اسمبلی میں نہ پہنچے۔ بلکہ بعض روایت کے مطابق ان کو اسمبلی میں نہ پہنچنے دیا گیا۔ ایم حمزہ کو بھی ناکام بنایا گیا۔

1970ء کے عام انتخابات

25 مارچ 1969 کو ایوب خان کی حکومت کے خاتمے کے بعد ملک میں آغا یحییٰ خان

کے مارشل لاء کا آغاز ہوا اس نے قومی اسمبلی کے انتخابات کے لئے 5 اکتوبر 1970ء کی تاریخ مقرر کی اس وقت مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی دو بڑی جماعتیں تھیں۔

الیکشن کی نئی تاریخ 7 دسمبر 1970ء مقرر ہوئی۔ اس وقت ساڑھے تین کروڑ رجسٹرڈ ووٹر تھے۔ قومی اسمبلی کے 291 ارکان کے انتخابات لئے پولنگ ہوا۔ ملک کے سب حصوں میں انتخابات پرامن ماحول میں منعقد ہوئے۔ اور عام یہ تاثر تھا کہ یہ انتخابات منصفانہ تھے۔ ان میں دھاندلی یا بدعنوانی نہ کی گئی تھی۔ انتخابی بے قاعدگیوں کی تعداد بھی بہت کم تھی۔ مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ اور مغربی پاکستان میں میر ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی سب سے زیادہ سیٹیں جیت کر سرفہرست رہیں۔

ان انتخابات کو پاکستان میں انتخابی سیلابی ریلہ کہا جاتا ہے۔ اس انتخابی سیلابی ریلہ میں بڑے بڑے سیاست دان بہہ گئے۔ پاکستان میں پہلی بار غریب سیاسی کارکن اسمبلیوں تک پہنچے۔

قومی اسمبلی میں منتخب ہونے والے آرائیں ارکان چوہدری جہانگیر علی ایڈووکیٹ، چوہدری ممتاز احمد، میاں حامد یسین، میاں مسعود احمد، ذوالفقار علی بھٹو، ڈاکٹر نذیر احمد، میاں محمد عطاء اللہ تھے۔

چوہدری جہانگیر علی سرگودھا کے ایڈووکیٹ تھے انہوں نے این ڈبلیو 39 سرگودھا سے الیکشن میں حصہ لیا۔ انہوں نے مہر خداداد لک کو تقریباً اٹھارہ ہزار ووٹوں سے شکست دی۔ مہر خداداد لک سرگودھا کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ کافی عرصہ سے اسمبلیوں کے ممبر منتخب ہوتے چلے آرہے تھے۔ ان کو سدا بہار ممبر قومی اسمبلی کہا جاتا تھا۔ جب چوہدری جہانگیر علی نے مہر خداداد لک کے مدمقابل اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرائے تھے۔ تو بعض لوگوں نے ان کا تمسخر اڑایا۔ کہ کہاں مہر خداداد لک اور کہاں جہانگیر علی مگر فتح خداداد تھی۔

چوہدری جہانگیر علی کامیاب اور شکست مہر خداداد کا مقدر بنی۔ انتخاب کے بعد چوہدری جہانگیر علی ذوالفقار علی بھٹو کی کابینہ میں وزیر بھی بنے۔ چوہدری جہانگیر کا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا۔

چوہدری ممتاز احمد کا تعلق شیخوپورہ کے متوسط آرائیں خاندان سے تھا۔ انہوں نے این ڈبلیو 66 شیخوپورہ سے الیکشن لڑا۔ ان کے مدمقابل شیخوپورہ کے پرانے مسلم لیگی بہت بڑے زمیندار محمد حسین چٹھہ تھے۔ وہ کئی بار ممبر اسمبلی رہ چکے تھے اور میاں ممتاز دولتانہ کی کابینہ کے ممتاز وزیر رہ چکے تھے۔ وہ بڑے سیاسی اثر ورسوخ کے مالک تھے۔ ان کی جاٹ برادری بھی اس حلقہ میں اکثریت میں تھی۔ لیکن مقدر کی یاوری سے چوہدری ممتاز احمد جیت گئے۔ اور وفاقی کابینہ میں وزیر بھی بنے۔ چوہدری صاحب کا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا۔ میاں حامد یٰسین کا تعلق یٰسین ذیلدار فیملی سے تھا۔ انہوں نے این ڈبلیو 67 شیخوپورہ 3 سے الیکشن لڑا۔ ان کے مدمقابل آرائیں برادری کے ہی میاں عبداللطیف ایڈووکیٹ تھے۔ وہ بڑے مسلم لیگی رہنما بہت متمول اور بہت بڑے زمیندار اور بہت بڑی جائیداد کے مالک تھے۔ سابق ممبر صوبائی اسمبلی رہ چکے تھے۔ لیکن انہوں نے میاں حامد یٰسین سے تقریباً 49000 ووٹوں سے شکست کھائی۔ میاں عبداللطیف چوہدری محمد حسین چٹھہ کے قریبی ساتھی تھے۔ دونوں ہی انتخابی سیلابی ریلہ میں بہہ گئے۔ میاں صاحب پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔ میر ذوالفقار علی بھٹو کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے پنجاب میں دو سیٹوں ملتان اور لاہور سے الیکشن لڑا۔ دونوں سے کامیاب ہوئے۔ سندھ سے دو سیٹوں سے الیکشن لڑا۔ دونوں حلقوں سے کامیاب ہوئے۔

ڈاکٹر نذیر احمد نے این ڈبلیو 59 ڈیرہ غازیخان سے قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا۔ اس کے مدمقابل خواجہ قطب الدین تھے۔ آپ نے جماعت اسلامی کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔ جبکہ ان کے مدمقابل کا تعلق اس علاقہ کی بہت بڑی روحانی گدی سے تھا۔ وہ جمعیت علمائے پاکستان کے امیدوار تھے۔ ڈاکٹر نذیر احمد صرف ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے۔ ڈیرہ غازیخان کے جاگیردار علاقہ میں ڈاکٹر نذیر احمد کا اسمبلی میں پہنچ جانا ان کے اپنے حلقہ میں ان کی ہردلعزیزی اور ان کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ علاقوں کے جاگیرداروں نے ایک عوامی آدمی کے اسمبلی میں پہنچ جانے کو خطرہ کی گھنٹی سمجھا اور انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو کرایہ کے قاتلوں سے قتل کروا دیا۔ ان کی خالی نشست پر تونسہ شریف کے روحانی خاندان سے خواجہ غلام سلیمان ضمنی الیکشن میں

کامیاب ہوئے۔

میاں محمد عطاء اللہ نے اس وقت کے سب سے بڑے صنعت کار رفیق سہگل کو 62000ووٹوں سے ہرا دیا۔میاں صاحب پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر لڑے تھے۔جب کہ رفیق سہگل نے جمعیت علمائے پاکستان کی طرف سے الیکشن میں حصہ لیا۔

میاں عطاء اللہ فیصل آباد کی مشہور ہستی میاں نور اللہ کے بیٹے تھے میاں نور اللہ 1945ء میں اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔قیام پاکستان کے بعد وہ پنجاب کابینہ میں وزیر مالیات رہے۔میاں صاحب نے فیصل آباد حلقہ 50 سے الیکشن میں حصہ لیا۔

آرائیں برادری کے بڑے رہنما میاں محمد طفیل، زاہد سرفراز، ایم حمزہ، عارف افتخار 1970ء کے الیکشن میں امیدوار تھے۔لیکن وہ اس انتخابی سیلابی ریلہ میں بہہ کر شکست کھا گئے۔جس میں پاکستان کے صف اول کے رہنما خواجہ خیر الدین، فضل القادر، ایئر مارشل اصغر خان، نوابزادہ نصر اللہ خان، احمد سعید کرمانی، علامہ سر محمد اقبال کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال، ایوب کھوڑو، جی۔ایم سید، میاں یٰسین وٹو، چوہدری محمد حسین چٹھہ، عبدالستار نیازی بھی بہہ کر شکست کھا گئے تھے۔

1977ء کے قومی اسمبلی کے عام انتخابات

ان انتخابات میں مندرجہ ذیل آرائیں حضرت قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

۱۔این اے 68 فیصل آباد سے میاں عطاء اللہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر تقریباً 14 ہزار ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

۲۔میاں زاہد سرفراز قومی اتحاد کے ٹکٹ پر این اے 69 لائیلپور سے کامیاب ہوئے۔پیپلز پارٹی کے امیدوار میاں محمد اقبال بھی آرائیں برادری سے ہی تھے۔زاہد سرفراز بھٹو کے بہت بڑے ناقد تھے۔

۳۔میجر (ر) معین الدین باری پی پی کے ٹکٹ پر قومی اتحاد کے رحمت علی سے تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب ہوئے۔کامیاب امیدوار میاں عبدالباری کے فرزند ارجمند تھے۔جڑانوالہ

سے کامیاب ہوئے۔

۴۔خالد لطیف کاردار: پی پی کے ٹکٹ پر کاردار فیملی کے خالد لطیف کاردار تقریباً اکیس ہزار ووٹوں کی اکثریت سے محمد حنیف رامے کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔دونوں آرائیں برادری سے تھے۔ان کا حلقہ این اے 82 لاہور تھا۔

۵۔میاں احسان الحق: یہ پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر تینتیس ہزار ووٹوں کی اکثریت سے خورشید محمود قصوری کو شکست دے کر حلقہ نمبر 83 لاہور سے کامیاب ہوئے۔خورشید محمود قصوری مشرف دور میں وزیر خارجہ رہے ہیں۔

۶۔سردار احمد علی این اے 89 قصور سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔ان کے مدمقابل آرائیں برادری کے ہی میاں جمیل احمد شرقپوری گدی نشین دربار حضرت میاں شیر محمد شرقپور تھے۔سردار احمد علی اس سے قبل کئی بار صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو چکے تھے۔وہ ضلع لاہور کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین بھی رہ چکے تھے۔سردار آصف احمد علی انہی کے فرزند ارجمند ہیں۔جو کہ پاکستان کے وزیر خارجہ رہ چکے ہیں۔

۷۔میاں شمیم حیدر پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر تقریباً 49 ہزار ووٹوں کی اکثریت سے نذیر احمد کے مقابلہ کامیاب ہوئے۔میاں صاحب این اے 96 شیخوپورہ سے کامیاب ہوئے۔میاں حامد یسین کے خاندان سے ہیں۔

میاں مسعود احمد صاحب این اے 105 سیالکوٹ سے تقریباً 54 ووٹوں کی برتری سے کامیاب ہوئے۔وہ 1970ء میں ممبر قومی اسمبلی کامیاب ہوئے تھے۔

ان انتخابات میں ایم اے حمزہ، میاں عبداللطیف، ڈاکٹر عبدالخالق، ظفر اقبال ایڈووکیٹ اور میاں ساجد پرویز آرائیں زعماء شکست سے دوچار ہوئے۔

ان انتخابات کے اعلان ہونے کے فوراً بعد پی۔این۔اے نے الزام لگایا کہ ووٹنگ میں وسیع پیمانے پر دھاندلی ہوئی ہے۔بھٹو کے خلاف زبردست تحریک چلی۔جو مارشل لاء پر منتج ہوئی۔ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اسمبلیاں توڑ دیں۔

1985ء کے عام انتخابات

یہ انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر صدر ضیاء الحق نے کروائے۔ اس میں مندرجہ ممبران قومی اسمبلی آرائیں برادری سے تھے۔

۱۔محمد نواز کھوکھر: این اے 35 سے کامیاب ہوئے انہوں نے ظفر علی شاہ کو شکست دی۔ واضح رہے کہ محمد نواز آرائیں ہیں۔ آرائیوں کی گوت کھوکھر کی بنا پر محمد نواز کھوکھر کہلاتے ہیں۔

۲۔چوھدری محمد نذیر احمد: این اے 71 فیصل آباد سے دلدار احمد چیمہ کو 10 ہزار ووٹوں کی برتری سے شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ چوہدری محمد نذیر احمد کوہستانی مشہور تھے وہ کوہستان ٹرانسپورٹ کے مالک تھے۔ ان دونوں کے انتخاب کی سب سے مشہور بات یہ ہے۔ کہ دونوں نے فیصل آباد کے چوکوں میں ایک دوسرے پر برتری جتانے کے لئے نوٹوں کو بڑے پیمانہ پر جلایا تھا۔

۳۔ڈاکٹر محمد شفیق چوھدری: این اے 73 فیصل آباد سے کامیاب ہوئے۔ ڈاکٹر محمد شفیق پنجاب میں وزیر رہے۔ وہ طالب علم لیڈر رہ چکے ہیں۔

٤۔جناب ایم حمزہ: این اے 80 فیصل آباد سے 15 ہزار ووٹوں کی برتری سے کامیاب ہوئے۔ ایم حمزہ ایوبی دور میں پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے۔ ایوبی دور میں ایم حمزہ، میر عبدالباقی بلوچ، خواجہ محمد صفدر نے اپنی تقریروں سے صاحبان اقتدار کو لرزہ براندام رکھا۔ ان کی تقریریں اسمبلی کی جان ہوا کرتی تھیں۔ تینوں حضرات کا نام اس وقت بچے بچے کی زبان پر تھا۔ اس دور میں میر عبدالباقی بلوچ پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا تھا۔

۵۔میاں محمد آصف: آپ لاہور کے ایک حلقہ سے اس وقت کے جماعت اسلامی کے مرکزی لیڈر اور وفاقی وزیر رحمت الٰہی اور چوہدری محمد حسین سابق ایم این اے کے صاحبزادہ چوہدری محمد الیاس، گلوکار عنایت حسین بھٹی، اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے صاحبزادے سید محمد فاروق مودودی کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ رحمت علی اور چوہدری محمد الیاس کا آرائیں

برادری سے تعلق تھا۔ وکیل انجم نے اپنی کتاب میں عنایت حسین بھٹی کو بھی آرائیں ہی بتایا ہے۔ ممکن ہے وہ آرائیں بھٹی ہوں۔

٦۔حاجی محمد اصغر گھرکی: آپ ملک شاہ محمد اعوان کو شکست دے کر ایک حلقہ سے منتخب ہوئے۔ اب سیٹ پر عموماً گھرکی خاندان کے لوگ ہی کامیاب ہوتے آرہے ہیں۔ واضح رہے کہ گھرکی لاہور کے نواح میں ایک گاؤں ہے۔ محمد اصغر آرائیں تھے گھرکی گاؤں کی وجہ سے گھرکی کہلاتے تھے۔

۷۔سردار آصف احمد علی: نوابزادہ خضر حیات خان کو ہرا کر اسمبلی میں پہنچے۔ سردار آصف احمد علی پاکستان کے وزیر خارجہ رہے ہیں۔ گنجیانوالہ میاں فیملی قصور سے ان کا تعلق ہے۔ خضر حیات خان، احمد رضا خان قصوری کے بھائی ہیں۔

۸۔میاں عبدالرئوف شیخوپورہ کے ایک حلقہ سے چودھری نذیر احمد ورک کو شکست دے کر قومی اسمبلی میں پہنچے۔ میاں عبدالرؤف، میاں عبداللطیف سابق ایم پی اے کے فرزند ہیں۔ جبکہ نذیر احمد ورک کا تعلق جماعت اسلامی اور شیخوپورہ کی اکثریتی جاٹ برادری سے ہے۔

۹۔میاں شمیم حیدر شیخوپورہ کے حلقہ سے محمد حسین چٹھہ کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

۱۰۔ملک سرفراز احمد شیخوپورہ کا علاقہ شرقپور کے مشہور آرائیں ملک خاندان سے تعلق ہے۔ حلقہ شرقپور سے کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچے۔ پنجاب میں منسٹر بھی رہ چکے ہیں۔

۱۰۔میاں محمد زمان اوکاڑہ کے حلقہ سے میجر جنرل راؤ فرمان علی خان کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ وفاقی وزیر رہ چکے ہیں۔

۱۱۔چوھدری عبدالغفور بہاولنگر کے ایک حلقہ سے کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچے۔ اس سے قبل ایم پی اے بن کر نواز شریف کی وزارت میں صوبائی وزیر رہے۔ آپ بہاولپور کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں۔

۱۲۔چوھدری عبدالستار ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک حلقہ سے ملک نادر خان ٹوانہ کو شکست

دے کر کامیاب ہوئے۔ ملک نادر خان 1962 میں ایم پی اے رہ چکے تھے۔

ان انتخابات میں برادری کے میاں زاہد سرفراز سابق وفاقی وزیر، میاں عبدالباری کے صاحبزادے میاں غلام دستگیر باری، چوہدری اسد الرحمٰن (جسٹس محمد صدیق کے فرزند) میاں معراج دین، میاں عبدالکبیر، میاں محمد نعیم الرحمٰن، شکست سے دوچار ہوئے۔

1988ء کے انتخابات

29 مئی 1988 کو غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والی اسمبلی کو توڑ دیا گیا۔ 16 نومبر 1988 میں قومی اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے۔ اس میں مندرجہ ذیل آرائیں حضرات کامیاب ہوئے۔

۱۔ **چوھدری محمد نذیر احمد کوھستانی** فیصل آباد کے دوحلقوں سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے انہوں نے رانا محمد اسلم اور طالب خان کو ہرایا۔

۲۔ **میاں زاھد سرفراز چوھدری** محمد نذیر احمد نے ایک نشست چھوڑ دی، ضمنی انتخابات میں میاں زاہد سرفراز کامیاب ہوئے۔

۳۔ **مھر عبدالرشید** فیصل آباد کے حلقہ 65 سے چوہدری شیر علی کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

٤۔ **چوھدری اسد الرحمن** ٹوبہ ٹیک سنگھ کے حلقہ کمالیہ سے خالد احمد کھرل کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

۵۔ **چوھدری عبدالستار** ٹوبہ ٹیک سنگھ کی ایک نشست سے پیپلز پارٹی کے غیاث الدین جانباز کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

٦۔ **حاجی امان الله** گوجرانوالہ شہر سے غلام دستگیر خان کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ غلام دستگیر کو ناقابل شکست سمجھا جا رہا تھا۔

٦۔ **میاں محمد شفیع** ، سیالکوٹ کے ایک حلقہ سے اختر جاوید پیرزادہ کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے۔

۷۔ **جھانگیر بدر** جماعت اسلامی کے حافظ سلیمان بٹ کو شکست دے کر لاہور کے ایک

شہری حلقہ سے کامیاب ہوئے۔

۸۔ **میاں محمد عثمان** لاہور کے شہری حلقے سے پیپلز پارٹی کے مرکزی لیڈر شیخ محمد رشید کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔

۹۔ **حاجی محمد اصغر گھرکی** نے وزیر علی بھٹی کو لاہور کے ایک شہری حلقہ سے شکست دیر کو کامیابی حاصل کی۔

۱۰۔ **میاں محمد اشرف** ایڈووکیٹ ساہیوال کے ایک حلقہ سے مہر غلام فرید کاٹھیا کو ہرا کر قومی اسمبلی میں پہنچے۔

۱۱۔ **چودھری عبدالغفور** نے پیپلز پارٹی کے بہت سرگرم لیڈر کو بہاولنگر کے ایک حلقہ سے ہرا کر کامیابی حاصل کی۔

۱۲۔ **میاں عبدالخالق** نے رحیم یار خان کے ایک حلقہ سے کامیابی حاصل کی اور قومی اسمبلی میں پہنچے۔

۱۳۔ **بیگم نصرت بھٹو** لاڑکانہ حلقہ سے ایوب کھوڑو کی بیٹی حمیدہ کھوڑو کو عام انتخابات میں ہرا کر ممبر قومی اسمبلی بنیں۔

۱۳۔ **بے نظیر بھٹو** لاہور کے ایک شہری حلقہ سے لاڑکانہ کی ایک نشست سے کامیاب ہوئیں۔ کراچی شہری حلقہ سے تیسری نشست حاصل کی۔ وہ وزیر اعظم بنیں۔

١٤۔ **میاں محمد اظھر:** حلقہ این اے 95 لاہور سے میاں نواز شریف نے کامیاب ہو کر نشست خالی کردی۔ ضمنی انتخابات میں میاں محمد اظہر کامیاب ہوئے۔

ان انتخابات میں راولپنڈی سے محمد نواز کھوکھر قصور سے سردار آصف احمد علی ساہیوال سے میاں محمد زمان، ساہیوال سے ہی انوار الحق رامے، شکست سے دوچار ہوئے، خواتین کی مخصوص نشست پر برادری کی ریحانہ سرور کامیاب ہوئیں۔ ان کے خاوند میجر محمد سرور شہید کو پاکستان کا سب سے پہلا نشان حیدر ملا تھا۔

ان انتخابات کی خاص بات یہ ہے کہ این اے 166 لاڑکانہ 3 سے محترمہ بے نظیر بھٹو

نے اپنے حلقے میں کامیاب ہونے والے ووٹوں سے 96.71% ووٹ حاصل کر کے فیصد تناسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کر کے عالمی ایکارڈ قائم کیا۔ اس حلقہ میں مجموعی طور پر 85026 ووٹ کاسٹ ہوئے تھے۔ جن میں سے محترمہ بے نظیر بھٹو نے 82229 ووٹ حاصل کئے تھے۔

1990ء کے عام انتخابات

آرائیں برادری سے حضرات ذیل ممبران قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔

۱۔ **حاجی محمد نواز کھوکھر** راجہ پرویز خان کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ یاد رہے کہ 1988ء میں راجہ پرویز خان کامیاب ہوئے تھے۔ حاجی صاحب نے یہ سیٹ جیت کر پرانا بدلہ چکا دیا۔ وفاقی سیٹ اسلام آباد سے کامیاب ہوئے۔

۲۔ **محمد اعجاز الحق** راولپنڈی کے ایک حلقہ سے راجہ شاہد ظفر کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ اس حلقہ کا معرکہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اس معرکہ میں ایک جانب 1985 اور 1988 میں کامیاب ہونے والے راجہ شاہد ظفر اور دوسری طرف جنرل ضیاء الحق کے صاحبزادے اعجاز الحق تھے۔ راجہ شاہد ظفر جو وزیر بھی رہ چکے تھے۔ اپنے زمانہ اقتدار میں اپنے حلقے میں کام کرنے کی وجہ سے خاصے مقبول تھے۔ جبکہ اعجاز الحق کو کنٹونمنٹ ایریا اور آرائیں برادری کے ووٹ ملنے کی خاصی توقع تھی۔ یہ معرکہ اعجاز الحق نے بڑی اکثریت سے جیتا۔ انہوں نے راجہ شاہد ظفر کو 30 ہزار سے زیادہ ووٹوں سے شکست دی۔

۳۔ **چوہدری محمد نذیر احمد کوہستانی** فیصل آباد کی ایک نشست سے چوہدری محمد الیاس جٹ کو ہرا کر اسمبلی میں پہنچے۔

٤۔ **میاں زاہد سرفراز** فیصل آباد کی سیٹ سے کامیاب ہوئے۔ فضل حسین راہی کو ناکام بنایا۔

۵۔ **چوہدری اسد الرحمن** اپنے سابقہ حریف خالد احمد کھرل کے بھائی جاوید احمد خان کو ناکام بنا کر اسمبلی میں دوبارہ پہنچے۔ حلقہ کمالیہ سے کامیاب ہوئے۔

٦۔ **ایم حمزہ** ٹوبہ ٹیک سنگھ کی ایک سیٹ سے اپنے پرانے حریف حاجی محمد اسحٰق کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔

۷۔ **اعجاز الحق** : این اے 72 ٹوبہ ٹیک سنگھ میں قاضی غیاث الدین جانباز کو ہرا کر کامیاب ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ نشست چھوڑ دی، اس پر میاں عبدالوحید جنرل ضیاء الحق کے برادر نسبتی کامیاب ہوئے۔ وہ سفیر بھی رہ چکے ہیں۔

۸۔ **میاں محمد شفیع** نے میاں مسعود احمد کو ہرا کر سیٹ حاصل کی۔ میاں مسعود احمد بھی دو بار اس نشست سے قومی اسمبلی کے ممبر بنے تھے۔ دونوں کا تعلق آرائیں برادری سے تھا۔ یہ نشست سیالکوٹ سے تھی۔

۹۔ **میاں محمد عثمان صاحب** لاہور کی شہری سیٹ سے شیخ محمد رشید سینئر رہنما پیپلز پارٹی کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ 1988ء میں اس حلقہ سے ہی دونوں امیدوار تھے۔ اور نتیجہ بھی یہی تھا۔

۱۰۔ **سردار آصف احمد علی** قصور کی نشست سے کامیاب ہوئے۔

۱۱۔ **میاں محمد زمان** اوکاڑہ کی ایک نشست سے رائے محمد اسلام خان کو ہرانے میں کامیاب رہے۔

۱۲۔ **انوار الحق رامے** نے ساہیوال کی ایک سیٹ سے نوریز شکور کو شکست دی۔

۱۳۔ **چوہدری عبدالغفور** ، بہاولنگر کی ایک نشست سے علی اکبر مظہر کو ہرا کر کامیاب رہے۔ انہوں نے یہ سیٹ مسلسل تیسری بار جیت کر حاصل کی۔

۱٤۔ **بیگم نصرت بھٹو** لاڑکانہ کی ایک نشست سے کامیاب ہوئیں۔

۱۵۔ **محترمہ بے نظیر بھٹو** لاڑکانہ کے حلقہ سے پیپلز پارٹی کی شریک چیئرپرسن اور سابقہ وزیر اعظم اپنی ہی برادری کے الحاج سردار اللہ بخش کو ہرا کر کامیاب ہوئیں۔ انہوں نے 98-48% ووٹ حاصل کر کے اپنا ہی سابقہ ریکارڈ توڑ دیا۔

۱٦۔ **میاں ڈاکٹر عبدالخالق** رحیم یار خان کے ایک حلقہ سے مخدوم رکن الدین کو شکست

دے کر کامیاب ہوئے۔

ان انتخابات میں برادری کے مہر عبدالرشید الحاج امان اللہ، میاں مسعود احمد، میاں احسان الحق، جہانگیر بدر، شکست سے دوچار ہوئے۔

1993ء کے عام انتخابات

ان انتخابات میں برادری کے مندرجہ ذیل حضرات کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچے۔

۱۔ **حاجی محمد نواز کھوکھر** وفاقی سیٹ سے کامیاب ہوئے۔

۲۔ **چودھری محمد ریاض** ،راولپنڈی کے ایک حلقے سے راجہ عبدالعزیز بھٹی کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔

۳۔ **محمد اعجاز الحق** راولپنڈی کے ایک حلقے سے اپنے حریف راجہ شاہد ظفر کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

٤۔ **میاں امجد یٰسین** فیصل آباد کے ایک حلقہ سے اپنی برادری کے مہر عبدالرشید کو ہرا کر ممبر قومی اسمبلی بنے۔ میاں امجد یٰسین کا تعلق پنجاب کی ایک Legendary شخصیت میاں، فتح دین، کے خاندان سے ہے۔ اس وقت فیصل آباد ضلع کے نائب ناظم ہیں۔ ان کی بیگم مرحومہ ممبر قومی اسمبلی تھی۔

۵۔ **ایم حمزہ** ٹوبہ ٹیک سنگھ سے پرانے حریف حاجی اسحاق کو ہرا کر ممبر قومی اسمبلی بنے۔

٦۔ **میاں عبدالوحید** لاہور کے ایک شہری حلقہ سے سلمان تاثیر (موجودہ گورنر پنجاب) کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۷۔ **خالد جاوید گھرکی** لاہور کے ایک حلقہ سے محمد عاشق ڈیال کو ہرا کر ممبر بنے۔ یہ محمد اصغر گھرکی کے صاحبزادے ہیں۔

۸۔ **سردار آصف علی** حلقہ قصور سے خورشید محمود قصوری کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

۹۔ **بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بینظیر بھٹو** سندھ سے بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بینظیر بھٹو کامیاب ہوئیں۔

ان انتخابات میں ایک سیٹ پر چوہدری محمد نذیر احمد کے انتقال کے سبب انتخاب ملتوی ہوگیا۔ مہر عبدالرشید، چوہدری اسد الرحمٰن، حاجی امان اللہ، عزیز الرحمٰن چن، میاں محمد شفیع، جہانگیر بدر، میاں محمد زمان، انوار الحق رامے، اور میاں محمد اشرف کامیاب نہ ہو سکے۔ میاں زاہد سرفراز بھی ناکام ہوئے۔

نوٹ: ان انتخابات میں لاہور کے ایک شہری حلقہ سے میاں محمد منیر اپنی ہی برادری کے میاں خالد سعید کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

نیز مہر ذوالفقار علی بھی لاہور کی ایک شہری سیٹ سے کامیاب ہو کر ممبر قومی اسمبلی بنے۔ وہ ڈسٹرکٹ بورڈ لاہور کے چیئرمین رہ چکے تھے۔ نیز فیصل آباد کی جس نشست پر چوہدری محمد نذیر احمد کے انتقال کے سبب انتخاب نہ ہوا تھا۔ وہاں ضمنی انتخاب میں ان کے صاحبزادے چوہدری شاہد نذیر کامیاب ہو کر ممبر قومی اسمبلی بنے۔ چوہدری شاہد نذیر ناظم فیصل آباد رہ چکے ہیں۔

اس کے علاوہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک امیدوار کے انتقال کے سبب الیکشن نہ ہوا۔ لہٰذا ٹوبہ ٹیک سنگھ کے حلقہ 72 میں چوہدری محمد اشفاق اپنی ہی برادری کے چوہدری عبدالستار کو ہرا کر ممبر قومی اسمبلی بنے۔

1997ء اور 2002ء کے قومی اسمبلی کے انتخابات کے متعلق مواد بسیار کوشش کے باوجود دستیاب نہ ہو سکا ہے۔ دستیاب ہونے پر کتاب کے ضمیمہ میں یا بشرطِ زندگی کتاب کے کسی ایڈیشن میں تفصیل درج کی جائے گی۔

2008ء کے عام انتخابات

اس الیکشن میں برادری سے حضرات ذیل رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے:

۱۔ **محمد عاصم نذیر چوہدری** محمد نذیر احمد کوہستانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ 2002ء کے الیکشن میں بھی وہ اسی حلقہ سے ایم این اے منتخب ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی برادری سے چوہدری محمد اکرم سابق ایم۔ پی۔ اے اور حال تحصیل ناظم جڑانوالہ کے بھتیجے کو شکست دی۔ وہ حلقہ 76 سے کامیاب ہوئے۔

۲۔ میاں مرغوب احمد صاحب لاہور کے شہری حلقہ سے ن لیگ کی ٹکٹ پر پیپلز پارٹی کے اورنگ زیب شفیع برکی کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۳۔ ثمینہ خالد گھرکی لاہور کے شہری حلقہ سے عام انتخابات میں 44569 ووٹ حاصل کر کے کامیاب ہوئیں۔ ان کے خاوند بھی اس حلقہ سے ایم۔ این۔ اے رہ چکے ہیں۔ حاجی محمد اصغر گھرکی کی بہو ہیں۔ یہ سیٹ کافی عرصہ سے گھرکی جیتتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے حریف وہاں کے ڈیال ہیں۔ اب مرکزی وزیر بھی بن گئیں ہیں۔

۴۔ میاں جاوید لطیف شیخوپورہ کی سیٹ سے کامیاب ہوئے ان کے مدمقابل چوہدری محمد سعید ورک تھے جو کہ 2002ء میں اس حلقہ سے ایم۔ این۔ اے منتخب ہوئے تھے۔ میاں صاحب 1997 کے انتخابات میں شیخوپورہ کے ایک حلقے سے ایم۔ پی۔ اے رہ چکے ہیں۔ بڑے نڈر اور فعال سیاسی کارکن ہیں۔

۵۔ سردار آصف احمد علی قصور کے ایک حلقہ سے کامیاب ہوئے وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی دوسری وزارت عظمیٰ میں پاکستان کے وزیر خارجہ رہے۔

۶۔ چوہدری عبدالغفور بہاولنگر کے حلقہ سے طاہر بشیر چیمہ کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ چوہدری عبدالغفور پنجاب میں میاں محمد نواز شریف وزارتوں میں شامل رہے۔ مرکز میں میاں نواز شریف وزارت عظمیٰ کی مرکزی کابینہ کے رکن رہے۔ ضلع بہاولنگر کے ڈسٹرکٹ کونسل کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں۔

۷۔ شاہد حسین بھٹو لاڑکانہ کے حلقہ سے پیپلز پارٹی کے مرتضیٰ شہید بھٹو کی بیوہ غنویٰ بھٹو کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

لاہور کے حلقہ سے ملک ریاض، خانیوال سے افتخار نذیر، ساہیوال سے چوہدری زاہد اقبال، اور بہاول پور سے چوہدری سعود مجید جو ممبران قومی اسمبلی منتخب ہوئے، کا غالباً تعلق آرائیں برادری سے ہے۔ حتمی ایسا نہ کہا جا سکتا ہے چوہدری سعود مجید نے چوہدری پرویز الٰہی سابق وزیر اعلیٰ پنجاب کو شکست دی۔ ان لوگوں کو اس لئے بھی آرائیں برادری کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔

کیونکہ حلقوں میں آرائیں اکثریت میں ہیں۔ یا بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ اب مرکزی بھی بن گئے ہیں۔

ان انتخابات میں آرائیں برادری کے بڑے سرکردہ رہنما فیصل آباد کے حلقے سے چوہدری محمد نذیر احمد کے بیٹے زاہد نذیر ضلع فیصل آباد کے ہی ایک حلقے سے میاں زاہد سرفراز کے بھانجے میاں قاسم فاروق، فیصل آباد سے ہی ایم۔ این۔ اے رہنے والے میاں عبدالمنان ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک حلقہ سے ایم حمزہ منڈی بہاؤالدین سے سابقہ ایم این اے چوہدری اعجاز احمد، میاں مصباح الرحمٰن، عزیز الرحمٰن چن، جہانگیر بدر، میاں شمیم حیدر، سابقہ وفاقی وزیر، چوہدری اسد الرحمٰن، (نواز شریف کے وزیر مملکت) چوہدری محمد اشرف شکست سے دو چار ہوئے۔ شکست کھانے والوں کی اکثریت کا تعلق ق لیگ سے تھا۔

۷۔ محمد جنید انور چوہدری چوہدری عبدالستار کے پوتے ہیں۔ چوہدری عبدالستار ٹوبہ ٹیک سنگھ کے حلقوں سے کئی بار ایم۔ پی۔ اے اور ایم۔ این۔ اے منتخب ہوتے رہے۔ وہ ڈسٹرکٹ ناظم ٹوبہ ٹیک سنگھ ہیں۔ محمد جنید انور ٹوبہ ٹیک سنگھ سے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔

عوام کی قسمت کے ستارے جو عوام پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے

سیاسی بنیاد کس نے رکھی میاں فیملی شیخوپورہ

انتخابات 1951ء	انتخابات 1956ء	انتخابات غیر جماعتی 1962ء	انتخابات 1970ء	انتخابات 1977ء	انتخابات 1985ء	انتخابات 1990ء
صوبائی اسمبلی	مغربی پاکستان اسمبلی	مغربی پاکستان اسمبلی	مغربی پاکستان اسمبلی	قومی اسمبلی	قومی اسمبلی	صوبائی اسمبلی
میاں عبداللطیف (مسلم لیگ)	میاں عبداللطیف	میاں عبداللطیف (آزاد)	میاں عبداللطیف (آزاد)	میاں عبداللطیف (قومی اتحاد)	میاں عبدالرؤف (آزاد)	میاں عبدالرؤف (آزاد)
23707 کامیاب	ون یونٹ اسمبلی میں منتخب ہو گئے	319 کامیاب	319 کامیاب	39063 ناکام	52871 کامیاب	9779 ناکام
رمضان یٰسین جناح عوامی لیگ		غلام مصطفیٰ	غلام مصطفیٰ	ملک مشتاق (پی پی پی)	نذیر احمد ملک	حاجی محمد نواز (آئی جے آئی)
24363 ناکام		113 ناکام	113 ناکام	60804 کامیاب	44442 ناکام	20723 کامیاب

عوام کی قسمت کے ستارے جو عوام پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے

سیاسی بنیاد کس نے رکھی ٹوبہ ٹیک سنگھ کے آرائیں

انتخابات 1937ء	انتخابات 1946ء	انتخابات 1951ء	انتخابات 1956ء	انتخابات غیر جماعتی 1962ء	انتخابات 1965ء	انتخابات 1970ء
پنجاب اسمبلی	پنجاب اسمبلی	صوبائی اسمبلی	چوہدری سلطان علی	قومی اسمبلی	قومی اسمبلی	قومی اسمبلی
میاں نور اللہ	میاں نور اللہ	چوہدری محمد حسین	ون یونٹ کے	چوہدری عبدالستار	چوہدری سلطان احمد	چوہدری محمد اسلم
2126 ناکام	(مسلم لیگ)	(جناح لیگ)	رکن چنے گئے	(آزاد)	(کنونشن لیگ)	(پی پی پی)
پیر ناصر الدین	11492 کامیاب	6659 ناکام		288 ناکام	259 کامیاب	کامیاب
(یونینسٹ پارٹی)	پیر ناصر الدین	مخدوم نذر حسین		افضل چیمہ	ایم حمزہ	ایم حمزہ
6331 کامیاب	(یونینسٹ پارٹی)	24276 کامیاب		(آزاد)	(متحدہ محاذ)	(پی ڈی اے)
	10224 ناکام			370 کامیاب	182 ناکام	30861 ناکام

انتخابات 1977ء	انتخابات غیر جماعتی 1985ء	انتخابات 1988ء	انتخابات 1990ء	انتخابات 1993ء	انتخابات 1977ء	انتخابات 1990ء
قومی اسمبلی	قومی اسمبلی	قومی اسمبلی	قومی اسمبلی	قومی اسمبلی	صوبائی اسمبلی	صوبائی اسمبلی
چوہدری بشیر احمد	چوہدری عبدالستار	چوہدری عبدالستار	اعجاز الحق	ضمنی انتخاب	میاں محمد اقبال	چوہدری بشیر احمد
(پی پی پی)	36241 کامیاب	(آئی جے آئی)	(آئی جے آئی)	(پی پی پی)	(قومی اتحاد)	4145 ناکام
کامیاب	نادر ٹوانہ	22836 کامیاب	72372 کامیاب	چوہدری محمد اشفاق	ناکام	سردار محمد مراد
ایم حمزہ	34484 ناکام	غیاث الدین جانباز	غیاث الدین جانباز	22028 کامیاب	منظور احمد	10182 کامیاب
(قومی اتحاد)		(پی پی پی)	(پی ڈی اے)	میاں عبدالستار	(پی پی پی)	
ناکام		51510 ناکام	44752 ناکام	(مسلم لیگ ن)	کامیاب	
				46552 ناکام		

عوام کی قسمت کے ستارے جو عوام پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے

سیاسی بنیاد کس نے رکھی بھٹو خاندان

انتخابات 1937ء	انتخابات 1946ء	انتخابات 1951ء	انتخابات 1956ء	انتخابات غیر جماعتی 1962ء	انتخابات 1965ء	انتخابات 1970ء
سندھ اسمبلی شاہنواز بھٹو ناکام عبدالحمید سندھی کامیاب قومی اسمبلی 1988ء کراچی بینظیر بھٹو پی پی پی کامیاب جمشید احمد خان آئی جی آئی ناکام قومی اسمبلی چترال نصرت بھٹو پی پی پی کامیاب صاحبزادہ محی الدین آئی جے آئی ناکام	سندھ اسمبلی نبی بخش بھٹو کامیاب قاضی فضل اللہ مسلم لیگ ناکام 1990ء قومی اسمبلی نصرت بھٹو پی ڈی اے کامیاب شاہ محمود پاشاہ ناکام قومی اسمبلی ممتاز بھٹو ایس این ایف ناکام شبیر احمد پی پی پی کامیاب	سندھ اسمبلی خان بہادر احمد خان بھٹو ناکام ایوب کھوڑو مسلم لیگ کامیاب بھٹو خاندان کے کسی فرد نے الیکشن میں حصہ نہ لیا	ون یونٹ اسمبلی میں بھٹو خاندان کا کوئی فرد کامیاب نہ ہوا قومی اسمبلی 1991 بینظیر بھٹو پی پی پی کامیاب خالد محمود آئی جے آئی ناکام صوبائی اسمبلی مرتضی بھٹو ناکام پیر مظہر الحق پی پی پی کامیاب قومی اسمبلی ممتاز بھٹو ایس این ایف ناکام مہر الطاف بھائیو پی پی پی کاماب	قومی اسمبلی ذوالفقار علی بھٹو بلامقابلہ کامیاب اور ایوب کے وزیر خزانہ بنے	قومی اسمبلی ممتاز بھٹو کنونشن لیگ بلامقابلہ کامیاب قومی اسمبلی لاڑکانہ ذوالفقار علی بھٹو بلامقابلہ رکن اسمبلی چنے گئے قومی اسمبلی ممتاز علی بھٹو پی پی پی بلامقابلہ قومی اسمبلی کے رکن چنے گئے	قومی اسمبلی ڈی آئی خان ذوالفقار علی بھٹو ناکام مولانا مفتی محمود جے یو آئی کامیاب قومی اسمبلی لاڑکانہ ذوالفقار علی بھٹو پی پی پی کامیاب ایوب کھوڑو کونسل لیگ ناکام

عوام کی قسمت کے ستارے جو عوام پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے

سیاسی بنیاد کس نے رکھی میاں عبدالباری فیصل آباد

انتخابات 1951ء	انتخابات 1956ء	انتخابات 1962ء	انتخابات 1965ء	انتخابات 1970ء	انتخابات 1985ء	انتخابات غیر جماعتی 1988ء
صوبائی اسمبلی میاں عبدالباری (جناح لیگ) کامیاب	دستوریہ کے رکن چنے گئے میاں عبدالباری ون یونٹ کے انتخاب میں ناکام ہو گئے	قومی اسمبلی میاں عبدالباری 382 کامیاب رائے محمد اسلم 198 ناکام	قومی اسمبلی میاں عبدالباری (متحدہ محاذ) 133 ناکام کرنل سلیم کھرل 309 کامیاب	قومی اسمبلی غلام دستگیر باری (پی ڈی پی) 28306 ناکام چوہدری انور خان (پی پی پی) 77557 کامیاب	قومی اسمبلی میجر معین الدین (پی پی پی) 74465 کامیاب چوہدری محمد حسین (قومی اتحاد) نے بائیکاٹ کیا	قومی اسمبلی غلام دستگیر باری 33560 ناکام رائے صلاح الدین 35652 ناکام

انتخابات 1988ء
قومی اسمبلی میاں غلام دستگیر 33560 ناکام رائے صلاح الدین 35652 کامیاب

عوام کی قسمت کے ستارے جو عوام پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے

سیاسی بنیاد کس نے رکھی میاں چراغ فیملی اوکاڑہ خان صاحب میاں چراغ علی کے حوالے سے میاں خاندان کو عروج حاصل ہوا

انتخابات 1937ء	انتخابات 1946ء	انتخابات 1951ء	انتخابات 1956ء	انتخابات غیر جماعتی 1962ء	انتخابات 1965ء	انتخابات 1970ء
پنجاب اسمبلی خان صاحب میاں چراغ ناکام جہانگیر خان یونینسٹ پارٹی کامیاب	صوبائی اسمبلی میاں عبدالحق مسلم لیگ کامیاب خان بہادر نور محمد یونینسٹ پارٹی ناکام	صوبائی اسمبلی میاں غلام محمد مسلم لیگ کامیاب سکندر خان ناکام صوبائی اسمبلی میاں عبدالحق جناح عوامی لیگ کامیاب محبوب جیلانی ناکام	میں غلام محمد ون یونٹ انتخاب میں ناکام ہوئے مغربی پاکستان اسمبلی میاں عبدالحق ون یونٹ اسمبلی میں کامیاب ہو کر ریپبلکن پارٹی سے وابستہ ہو گئے	مغربی پاکستان اسمبلی میاں عبدالحق کامیاب سید ذاکر حسین ناکام مغربی پاکستان اسمبلی صاحبزادہ نذیر حسین ناکام راؤ خورشید علی کامیاب میاں زمان بھی مغربی پاکستان اسمبلی میں ناکام ہو گئے	صوبائی اسمبلی چوہدری نذیر احمد بلا مقابلہ کنونشن لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے قومی اسمبلی میاں عبدالحق کنونشن لیگ کامیاب غلام جیلانی ناکام	صوبائی اسمبلی میاں نذیر احمد قیوم لیگ ناکام رائے میاں خان کھرل پی پی پی کامیاب

انتخابات 1977ء	انتخابات 1985ء	انتخابات 1988ء	انتخابات 1990ء
صوبائی اسمبلی میاں محمد زمان کامیاب راؤ فرمان علی ناکام	صوبائی اسمبلی میاں محمد زمان ناکام راؤ سکندر اقبال پی پی پی کامیاب	صوبائی اسمبلی میاں محمد زمان آئی جے آئی کامیاب راؤ سکندر اقبال پی پی پی ناکام	صوبائی اسمبلی میاں محمد زمان مسلم لیگ ن ناکام راؤ سکندر اقبال پی پی پی کامیاب

عوام کی قسمت کے ستارے جو عوام پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے

سیاسی بنیاد کس نے رکھی

انتخابات 1946ء	انتخابات 1951ء	انتخابات 1956ء	انتخابات غیر جماعتی 1962ء	انتخابات 1970ء	انتخابات 1988ء	انتخابات 1990ء
صوبائی اسمبلی میاں افتخار الدین مسلم لیگ 6969 کامیاب خان بہادر اللہ دتہ یونینسٹ پارٹی 2218 ناکام	صوبائی اسمبلی بیگم جہاں آراء شاہنواز خواتین نشست پر مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئیں	مغربی پاکستان اسمبلی بیگم جہاں آراء شاہنواز خواتین نشست پر مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئیں	مغربی پاکستان اسمبلی بیگم جہاں آراء شاہنواز خواتین آزاد 28 کامیاب باجی رشیدہ لطیف 6 ناکام	صوبائی اسمبلی میاں محمد رفیع پی پی پی 28391 کامیاب صفدر حسین جماعت اسلام 2942 ناکام	ضمنی انتخاب میاں عمر حیات آئی جے آئی کامیاب میاں محمد رفیع پی پی پی ناکام	صوبائی اسمبلی عزیز الرحمان 27248 ناکام روحیل اصغر 42058 کامیاب

انتخابات 1993ء	انتخابات 1946ء	انتخابات 1988ء	انتخابات 1993ء
صوبائی اسمبلی عزیز الرحمان چن پی پی پی 43370 کامیاب میاں نواز شریف 63242 کامیاب	صوبائی اسمبلی میاں بشیر احمد مسلم لیگ 5067 کامیاب چوہدری سردار دین یونینسٹ پارٹی 2127 ناکام	صوبائی اسمبلی عزیز الرحمان چن پی پی پی 39397 کامیاب شکیل اصغر آئی جے آئی 26804 ناکام	قومی اسمبلی ضمنی انتخاب عزیز الرحمٰن پی پی پی 43949 ناکام میاں عباس شریف مسلم لیگ ن 36909 کامیاب

عوام کی قسمت کے ستارے جو عوام پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے

سیاسی بنیاد کس نے رکھی باغبان پورہ لاہور کی آرائیں فیملی میاں بشیر احمد نے خاندان کو سیاسی حوالے سے نمایاں کیا

انتخابات 1937ء	انتخابات 1946ء	انتخابات 1951ء	انتخابات 1956ء	انتخابات غیر جماعتی 1962ء	انتخابات 1965ء	انتخابات 1970ء
پنجاب اسمبلی میاں افتخار الدین کانگریس کامیاب خان بہادر حبیب اللہ خان یونینسٹ ناکام	صوبائی اسمبلی خواتین نشست بیگم جہاں آراء شاہنواز مسلم لیگ 2282 کامیاب خورشید بیگم آزاد 72 ناکام میاں افتخار الدین دستوریہ کے رکن نامزد ہوئے	میاں افتخار الدین پہلی دستوریہ کے رکن نامزد ہوئے صوبائی اسمبلی بیگم جہاں آراء مسلم لیگ 16104 کامیاب بیگم خدیجہ جی اے خان 16507 ناکام	میاں افتخار الدین دوسری دستوریہ کے رکن چنے گئے مغربی پاکستان اسمبلی بیگم جہاں آراء ون یونٹ کی رکن چنی گئیں	قومی اسمبلی عارف افتخار آزاد 154 ناکام سردار رشید احمد آزاد 166 کامیاب	قومی اسمبلی میاں عارف افتخار اپوزیشن 242 کامیاب چوہدری محمد حسین کنونشن لیگ 214 ناکام	قومی اسمبلی میاں عارف افتخار عوامی نیشنل پارٹی بھاشانی گروپ 10849 ناکام احمد رضا قصوری پی پی پی 52328 کامیاب

انتخابات 1988ء	انتخابات 1990ء
قومی اسمبلی میاں عمر حیات آئی جے آئی 43733 ناکام بے نظیر بھٹو پی پی پی 53425 کامیاب	قومی اسمبلی میاں عمر حیات آئی جے آئی 53352 کامیاب سلمان تاثیر پی پی پی 51503 ناکام

عوام کی قسمت کے ستارے جو عوام پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے

سیاسی بنیاد کس نے رکھی

انتخابات 1937ء	انتخابات 1946ء	انتخابات 1951ء	انتخابات 1956ء	انتخابات غیر جماعتی 1962ء	انتخابات 1965ء	انتخابات 1970ء
پنجاب اسمبلی سردار محمد حسین گنجیانوالہ چونیاں کے حلقہ سے یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے 1977ء قومی اسمبلی سردار آصف احمد علی 41930 کامیاب خضر حیات خان 28233 ناکام آصف احمد علی مسلم لیگ میں شامل ہوگئے	پنجاب اسمبلی سردار محمد حسین گنجیانوالہ مسلم لیگ 11721 کامیاب خان بہادر حبیب اللہ خان صدر آل پاکستان جاٹ ایسوسی ایشن 6999 ناکام 1985ء قومی اسمبلی سردار آصف احمد علی آئی جے آئی 46529 کامیاب ریاض احمد 29913 ناکام	پنجاب اسمبلی سردار محمد حسین مسلم لیگ 20715 کامیاب غلام صفدر خان جناح لیگ 18969 ناکام پنجاب اسمبلی سردار احمد علی مسلم لیگ 22087 کامیاب سردار محمد اسلم جناح عوامی لیگ 18336 ناکام 1988ء قومی اسمبلی سردار آصف احمد علی جونیجو گروپ 49255 کامیاب خورشید محمود قصوری نواز لیگ 39481 ناکام	سردار محمد حسین ون یونٹ کے رکن منتخب ہونے کے بعد ریپبلکن پارٹی سے وابستہ ہوگئے اس وقت مسلم لیگ ضلع لاہور کے صدر تھے سردار احمد علی ون یونٹ کے رکن چنے گئے اور ریپبلکن پارٹی سے وابستہ ہوگئے ضلع لاہور پارٹی کے صدر رہے	مغربی پاکستان اسمبلی سردار محمد حسین آزاد 133 کامیاب عبدالرحمٰن 90 ناکام مغربی پاکستان اسمبلی سردار محمد حسین آزاد 190 کامیاب خان محمد عظیم خان آزاد 144 ناکام	مغربی پاکستان اسمبلی سردار محمد حسین 135 ناکام رانا پھول کنونشن لیگ 251 کامیاب مغربی پاکستان اسمبلی سردار محمد حسین آزاد ناکام نواب احمد علی قصوری 195 کامیاب	قومی اسمبلی سردار احمد علی پی پی پی 60412 کامیاب میاں جمیل شرق پوری دی اتحاد 52160 ناکام 1990ء قومی اسمبلی سردار آصف احمد علی پی پی پی 39468 ناکام صاحبزادہ خضر حیات خان آزاد 63993 کامیاب

صوبائی انتخابات اور ارائیں

1937ء پنجاب اسمبلی کے انتخابات اور کامیاب ہونے والے آرائیں ممبران

۱۔ **میاں نور اللہ** لائل پور کے دیہاتی حلقے سے چوہدری رحمت کو ہرا کر پنجاب اسمبلی میں پہنچے۔ انہوں نے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے حلقہ سے بھی انتخاب میں حصہ لیا۔ لیکن پیر ناصر الدین شاہ سے شکست کھائی۔

۲۔ **بیگم جہاں آرا شاہنواز** لاہور کی خواتین نشست پر غلام جنت اسرار کو ہرا کر کامیاب ہوئیں۔

۳۔ **میاں عبدالعزیز بیرسٹر** لاہور کے حلقہ سے اپنی ہی برادری کے خان بہادر ملک محمد الدین کو ہرا کر ممبر اسمبلی بنے۔

۴۔ **میاں افتخار الدین** قصور کے حلقہ سے سردار حبیب اللہ موکل کو شکست دے کر ممبر صوبائی اسمبلی بنے۔

۵۔ **سردار محمد حسین گنجیانوالہ** چونیاں سے بلا مقابلہ کامیاب ہوئے۔

ان انتخابات میں ساہیوال سے برادری کے سرکردہ رہنما خان صاحب میاں چراغ دین شکست سے دوچار ہوئے۔

سندھ میں صوبائی کونسل 35 ارکان پر مشتمل تھی۔ اس صوبائی کونسل کے سر شاہنواز بھٹو، اور سردار واحد بخش بھٹو ممبران تھے۔ لیکن 1937ء کے صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں سر شاہنواز بھٹو عبدالحمید سندھی سے ہار گئے۔

1946ء کے پنجاب اسمبلی کے انتخابات

ان انتخابات میں مندرجہ ذیل آرائیں زعماء کامیاب ہوئے:

۱.میاں نواز اللہ ٹوبہ ٹیک سنگھ کی نشست سے کامیاب ہوئے۔انہوں نے اپنے حریف پیر ناصر الدین کو ہرا کر 1937ء کے انتخابات کا بدلہ چکا دیا تھا۔مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔

۲. میاں محمد رفیق لاہور کی بیرونی سیٹ سے محمد دین کانگریسی کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔

۳.بیگم جہاں آراء شاہنواز بیرون لاہور سے خواتین کی نشست پر خورشید بیگم کو ناکام بنانے میں کامیاب رہیں۔جہاں آراء شاہنواز نے 2282 جبکہ خورشید بیگم نے 72 ووٹ لئے۔

۴.میاں افتخار الدین قصور سیٹ سے خان بہادر اللہ دتہ کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔چار ہزار ووٹوں سے شکست دی۔جو اس زمانہ میں بڑی بات تھی۔مسلم لیگ کی جانب سے الیکشن میں حصہ لیا۔

۵.سردار محمد حسین گنجیانوالہ چونیاں کے حلقہ سے خان بہادر حبیب اللہ خان صدر آل انڈیا جاٹ مہاسبھا کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔انہوں نے خان بہادر کو نو ہزار ووٹوں سے شکست دی۔

۶.میاں عبدالحق منٹگمری کے حلقہ سے خان بہادر کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔تعداد بالترتیب 13224 اور 1534 تھی۔مسلم لیگ کی جانب سے حصہ لیا۔

۷. میاں عزیز الدین لائل پور کے حلقہ سے ملک رب نواز ٹوانہ کو شکست دے کر سیٹ جیتنے میں کامیاب ہوئے۔مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔

۸.میاں بشیر احمد باغبان پورہ میاں فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔فیروز پور سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔

1951ء کے صوبائی انتخابات

ان انتخابات میں جو آرائیں حضرات ممبر صوبائی اسمبلی منتخب ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

۱.چوہدری عزیز الدین مسلم لیگ کے ٹکٹ پر لائل پور کے حلقہ 3 سے کامیاب ہوئے۔

۲. مہر محمد صادق لائل پور کے حلقہ نمبر 4 سے ممبر صوبائی اسمبلی بنے۔

۳. میاں عبدالستار لائل پور کے حلقہ 7 سے جناح عوامی مسلم لیگ کے ٹکٹ پر سیٹ جیتنے میں کامیاب ہوئے۔

٤. بیگم شاہنواز بیرونی لاہور خواتین نشست سے کامیاب ہوئیں۔

۵. سردار محمد حسین گنجیانوالہ ضلع لاہور کے حلقہ نمبر 5 سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔

٦.سردار احمد علی مسلم لیگ کے ٹکٹ پر لاہور کے حلقہ 6 سے کامیاب ہوئے۔

۷. میاں عبداللطیف شیخوپورہ کے حلقہ 5 سے مہاجر سیٹ پر کامیاب ہوئے۔ان کا ٹکٹ مسلم لیگ کا تھا۔

۸. میاں غلام محمد میاں محمد زمان کے والد تھے۔مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ساہیوال کے حلقہ 3 سے کامیابی حاصل کی۔

۹. میاں محمد شفیع (م۔ش) ساہیوال کے حلقہ 7 سے مہاجر سیٹ پر کامیاب ہوئے۔

1956ء ون یونٹ اسمبلی کے انتخابات

۱۔اس اسمبلی میں لائلپور سے برادری کے میاں عبدالباری چوہدری عزیز الدین، مہر صادق نے حصہ لیا۔اس میں صرف مہر محمد صادق کامیاب ہوئے۔

۲۔ضلع شیخوپورہ سے میاں عبداللطیف نے انتخابات میں حصہ لیا وہ کامیاب ہو گئے۔

۳۔ضلع لاہور سے برادری کے سردار محمد حسین گنجیانوالہ، سردار احمد علی، بیگم شاہنواز کامیاب ہو گئے۔جبکہ ملک غلام نبی ناکام ہو گئے۔

۴۔ضلع منٹگمری (ساہیوال) ضلع سے برادری سے میاں عبدالحق، میاں محمد شفیع (م۔ش) نے حصہ

لیا۔ دونوں کامیاب ہوگئے۔

بی۔ڈی سسٹم کے تحت 1962 میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات

ان انتخابات میں برادری کے منتخب ہونے والے حضرات کی فہرست یوں ہے:

۱۔ **ایم حمزہ**۔حلقہ بی۔ڈبلیو 67 لائل پور سے بی۔ڈی کے تحت منتخب ہوکر اسمبلی میں پہنچے۔انہوں نے دوسروں کے علاوہ حافظ عبدالرحمٰن کو شکست دی تھی۔لائل پور سے کامیاب ہونے والے واحد امیدوار تھے۔شاید دوسروں نے انتخابی سسٹم سے اختلاف کرتے ہوئے الیکشن میں حصہ نہیں لیا تھا۔

۲۔بی۔ڈبلیو 74 لاہور سے سردار احمد علی دوسروں کے علاوہ اپنی برادری کے محمد یعقوب مان کو ہرا کر اسمبلی میں پہنچے۔

۳۔ **سردار محمد حسین گنجیانوالہ** بی۔ڈبلیو 75 لاہور سے کامیاب ہوئے۔

۴۔بی۔ڈبلیو 76 لاہور سے میاں معراج الدین ممبر صوبائی اسمبلی بنے۔

۵۔بی۔ڈبلیو 79 لاہور سے میاں محمد شریف کامیاب رہے۔وہ سردار محمد حسین گنجیانوالہ کے رشتہ دار تھے۔ایوب خان نے ان کو سپیشل ٹکٹ دلایا تھا۔

۶۔ **میاں عبداللطیف** شیخوپورہ سے ممبر صوبائی اسمبلی چنے گئے۔

۷۔ **میاں عبدالحق** منٹگمری کے ایک حلقہ سے میاں ممبر اسمبلی منتخب ہوئے۔

1965ء کے صوبائی انتخابات

یہ الیکشن صدر محمد ایوب نے کروائے تھے۔اس میں آرائیں برادری سے مندرجہ ذیل حضرات مغربی پاکستان کی صوبائی اسمبلی کے ارکان منتخب ہوئے تھے۔

۱۔ **ایم حمزہ**: ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک حلقہ سے آزاد امیدوار کے طور پر منتخب ہوئے تھے۔

۲۔ **چوہدری عید محمد**: لاہور کے شہری حلقہ سے احمد سعید کرمانی اور اپنی ہی برادری کے چوہدری محمد حسینؒ کے داماد چوہدری عبدالحمید کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

۳۔ **میاں محمد شفیع**: لاہور سے اپنی برادری کی بہت با اثر شخصیت کو ہرا کر کامیاب ٹھہرے۔

۴۔ **چوہدری نذیر احمد** ساہیوال کے حلقہ سے بلا مقابلہ منتخب ہوئے ان کا تعلق خان بہادر چراغ علی کے خاندان سے تھا۔

۵۔ **میاں محمد اسلام**: رحیم یار خان کے حلقہ سے رکن اسمبلی بنے۔

ان انتخابات میں ملک غلام نبی، میاں محمد شریف، سردار محمد حسین گنجیانوالہ، چوہدری اشفاق، ظفر یٰسین ہار گئے۔

انتخابات 1970 صوبائی اسمبلی

یہ انتخابات جنرل یحییٰ نے کروائے تھے۔پیپلز پارٹی نے پہلی بار الیکشن میں حصہ لیا۔اور بڑے بڑے برج الٹا دیئے۔

۱۔ **مہر محمد علی** فیصل آباد کے ایک حلقہ سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔

۲۔ **عبدالحفیظ کاردار** لاہور کے ایک حلقہ سے سابقہ ایم۔پی۔اے میاں محمد شفیع کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۳۔ **ملک غلام نبی** لاہور سے دیگروں کے علاوہ اپنی ہی برادری کے سابقہ ایم۔پی۔اے چوہدری عید محمد کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۴۔ **افتخار احمد تاری** لاہور کے ایک حلقہ سے چوہدری کلیم الدین کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔پنجاب کی کابینہ میں شامل ہوئے اور پھر بھٹو کے معتوب بھی ٹھہرے۔

۵۔ **حنیف رامے** لاہور کے ایک حلقہ سے کامیاب ہوئے۔پنجاب کابینہ میں وزیر خزانہ بنے۔اور بعد میں وزیر اعلیٰ پنجاب بھی رہے۔

۶۔ **میاں محمد رفیع** لاہور کے حلقہ سے اپنی برادری کے میاں معراج دین کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔

۷۔ **یعقوب علی مان** لاہور کے دیہاتی حلقہ سے نواب محمد احمد خان کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔آرائیں تھے موضع مان کے رہائشی تھے۔اس لئے موضع کی نسبت سے یعقوب مان کہلاتے تھے، خاصے بڑے زمیندار تھے۔

۸۔ **سرفراز احمد** شیخوپورہ کے ایک حلقہ سے رائے بشیر احمد بھٹی (ننکانہ کے بہت بڑے جاگیردار) اور میاں غلام احمد شرقپوری گدی نشین دربار حضرت میاں شیر محمد کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔

۹۔ **میاں خورشید انور** ملتان وہاڑی کے ایک حلقہ سے کامیاب ہوئے۔

۱۰۔ **چوہدری محمد اشرف** نے ساہیوال کے ایک حلقہ سے محمد جہانگیر لنگڑیال اور رائے اقبال احمد خان کو شکست دے کر بڑا اپ سیٹ کیا۔ چوہدری صاحب ایک وکیل تھے۔ جبکہ دونوں مخالفین بہت بڑے جاگیردار تھے اور جہاں سیاست میں ان کی اجارہ داری تھی۔

۱۱۔ **میاں محمد اسلام** رحیم یار خان کے ایک حلقہ سے پیپلز پارٹی کے امیدوار کو ہرا کر کامیاب رہے۔

1977ء کے صوبائی انتخابات

ان انتخابات میں چوہدری علی محمد خادم فیصل آباد، میاں ریاض، ڈاکٹر سردار احمد، ملک غلام نبی، عبدالحفیظ کاردار، چوہدری محمد یعقوب مان لاہور سے میاں خورشید انور وہاڑی سے، چوہدری ارشاد احمد ساہیوال سے کامیاب ہوئے۔ ان کے علاوہ اور بھی کافی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی تصدیق نہ ہوسکی۔ اس لئے ان کا اندراج نہ کیا۔

1985ء کے صوبائی اسمبلی پنجاب کے انتخابات

ان انتخابات میں مندرجہ ذیل زعماء برادری کامیاب ہوئے:۔

۱۔ **چوہدری محمد ریاض** راولپنڈی کے ایک حلقہ سے کامیاب ہوئے۔

۲۔ **میاں طارق محمود** گجرات کے ایک حلقہ سے اپنے علاقے کے سب سے بڑے جاگیردار میاں افضل حیات کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ میاں افضل حیات پنجاب کے عبوری وزیر اعلیٰ بھی رہے ہیں۔

۳۔ **چوہدری نذیر احمد** فیصل آباد کے ایک حلقہ سے ممبر صوبائی اسمبلی بنے۔

۴۔ **چوہدری محمد اکرم** فیصل آباد جڑانوالہ کے حلقہ سے کامیاب ہوئے۔ صوبائی

کابینہ میں وزیر بھی رہے۔

۵۔ **میاں محمود احمد** لاہور شاہدرہ کے حلقہ سے ممبر پنجاب اسمبلی بنے۔

۶۔ **ڈاکٹر سردار احمد** لاہور کے ایک حلقہ سے اپنی برادری کے میاں مصباح الدین کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۷۔ **میاں محمد اسحق** لاہور کے ایک حلقہ سے کامیاب ہوئے۔

۸۔ **میاں محمد آصف** لاہور سے ایم۔ پی۔ اے بنے۔ اس کے بعد کئی بار ممبر اسمبلی بنے۔

۹۔ **سرفراز نواز** لاہور کے ایک حلقہ سے ایم۔ پی۔ اے بنے۔ مشہور کرکٹر تھے۔ آپ کی بیوی اداکارہ بیگم رانی کا آپ کی کامیابی میں بڑا ہاتھ تھا۔

۱۰۔ **چوہدری حاکم علی** قصور کے ایک حلقہ سے ایم۔ پی۔ اے منتخب ہوئے۔

۱۱۔ **میاں زاھد یٰسین** شیخوپورہ کے ایک حلقہ سے ممبر صوبائی اسمبلی بنے۔ آپ میجر ریٹائرڈ تھے۔ حامد یٰسین سابق ایم۔ این۔ اے آپ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ نائب ناظم ضلع شیخوپورہ بھی رہے۔

۱۲۔ **مہر محمد سلیم** گوجرانوالہ شہر سے ایم پی اے بنے۔

۱۳۔ **میاں محفوظ احمد آرائیں** وہاڑی کے ایک حلقہ سے کامیاب ہوئے۔

۱۴۔ **چوہدری اکرام الحق** اوکاڑہ سے ایم۔ پی۔ اے بنے۔

۱۵۔ **ارشاد علی** اوکاڑہ کے ایک حلقہ سے کنور اعجاز کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۱۶۔ **چوہدری عبدالغفور** بہاولنگر کے ایک حلقہ سے ایم۔ پی۔ اے بنے۔ کئی بار ایم۔ پی۔ اے اور ایم۔ این۔ اے بنے۔ میاں محمد نواز شریف کی صوبائی کابینہ میں سدابہار وزیر رہے۔ میاں صاحب کی مرکزی وزارت میں وزیر رہے۔

1988ء کے صوبائی انتخابات

ذیل حضرات ایم۔ پی۔ اے بنے۔

۱۔ **میاں محمد فاروق** حلقہ ڈچکوٹ سے پیپلز پارٹی کے محمد مونس کو شکست دے کر کامیاب

ہوئے۔

۲۔**چوہدری محمد اشفاق** ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک حلقہ سے ایم۔پی۔اے بنے۔

۳۔**محمد طارق** نے گجرات کے ایک حلقہ سے میاں افضل حیات کو شکست دی۔

٤۔**میاں وحید** نے گجرات کے حلقہ سے چوہدری محمد اسلم کو شکست دے۔

۵۔**میاں محمد رشید** سیالکوٹ کے ایک حلقہ سے کامیاب ہوئے۔

٦۔**اسلم گورداسپوری** لاہور کے حلقہ سے کامیاب ہوئے۔وہ مشہور شاعر تھے۔

۷۔**میاں محمود الرشید** نے لاہور کے حلقے سے سرفراز نواز کو شکست دی۔

۸۔**عمر حیات** لاہور سے محمد حسین کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۹۔**حاجی محمد نواز** شیخوپورہ کے ایک حلقہ سے قیصر ذوالفقار بھٹی کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ان کا شمار میاں محمد نواز شریف کے ساتھیوں میں ہوا۔

1990ء کے صوبائی انتخابات

ان انتخابات میں برادری سے مندرجہ ذیل اصحاب ایم۔پی۔اے منتخب ہوئے:۔

۱۔**ڈاکٹر محمد شفیق** پی پی 43 فیصل آباد سے محمد اکرم افضال کو ہرا کر کامیاب ہوئے محمد اکرم افضال 1988ء میں اس حلقے سے ایم۔پی۔اے بنے۔اس حلقہ میں جٹ آرائیں اور راجپوت برادریاں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

۲۔**چوہدری محمد اکرم** نے حلقہ 46 پی پی فیصل آباد سے چوہدری ظہیر الدین کو شکست دی۔چوہدری (ق) لیگ پنجاب کے جنرل سیکرٹری ہیں۔اور صوبائی کابینہ میں وزیر رہے ہیں۔

۳۔**میاں محمد فاروق** پی پی 51 فیصل آباد سے راجہ خالد عثمان کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

٤۔**چوہدری نذیر احمد** نے حلقہ پی پی 58 سے چوہدری بدرالدین کو شکست سے دوچار کیا۔

۵۔**چوہدری عبدالستار** ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ایک حلقہ سے ایم۔پی۔اے بنے۔چوہدری صاحب 1951ء سے سیاست میں نمایاں رہے۔ضلع ناظم ٹوبہ ٹیک سنگھ بھی رہے ہیں۔

٦۔**مہر محمد سلیم** پی پی 88 گوجرانوالہ سے ایم۔پی۔اے بنے۔

۷۔**میاں طارق محمود** پی پی 97 گجرات سے میاں افضل حیات کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔1988ء میں طارق محمود نے میاں افضل کو شکست دی تھی۔

۸۔**میاں وحید** پی پی 98 گجرات سے چوہدری محمد اسلم کو شکست سے دوچار کیا۔وہ منڈی بہاؤالدین کے چیئرمین بھی رہے ہیں۔

۹۔**افضل چن** پی پی 100 گجرات محمد حیات اور چوہدری ارشاد کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔لاہور کے عزیز الرحمٰن چن آرائیں ہیں۔گجرات کا افضل چن ارائیں ہے یا نہیں، وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔

۱۰۔**میاں محمد رشید** سیالکوٹ کے ایک حلقہ سے میاں مشتاق احمد کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

۱۱۔**میاں محمود احمد** پی پی 116 لاہور سے میاں مشتاق کر ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۱۲۔**ڈاکٹر انوار الحق** نے لاہور کے حلقے سے اعجاز الحق کے بھائی نے محمد حنیف رامے کو شکست دے کر کامیابی حاصل کی۔وہ صدر جنرل ضیاء الحق کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔

۱۳۔**حاجی محمد شریف** لاہور کے حلقہ سے ملک شاہد نبی کو ہرا کر ایم۔پی۔اے بنے۔شاہد نبی کے والد ملک غلام نبی پنجابی کے بہت بڑے مقرر تھے۔صوبائی وزیر بھی رہے۔

۱٤۔**میاں محمد شہباز** لاہور کے حلقہ سے پیر ناظم حسین کو ہرانے میں کامیاب ہوئے۔

۱۵۔**چوہدری عمر حیات** لاہور سے سردار عادل عمر کو ہرا کر ایم پی اے بنے۔چوہدری عمر حیات چوہدری حاکم علی کے بھتیجے ہیں۔

۱٦۔**ملک سرفراز** حلقہ شرقپور سے کامیاب ہوئے۔

۱۷۔**حاجی محمد نواز** پی پی 137 شیخوپورہ سے اسلامی جمہوری اتحاد ٹکٹ پر قیصر

ذوالفقار بھٹی کو پانچ ہزار ووٹوں سے شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ میاں منظور وٹو کشمکش میں میاں محمد نواز شریف کے وفادار ساتھی ثابت ہوئے۔

۱۸۔**میجر زاہد یسین** شیخوپورہ کے ایک حلقہ سے کامیاب ہوئے۔

۱۹۔**ڈاکٹر ممتاز علی** اوکاڑہ کے ایک حلقہ سے کنور اعجاز علی سابقہ ایم پی اے کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ ان کے بھائی ارشاد علی نے 1985ء میں کنور اعجاز علی کو شکست سے دو چار کیا تھا۔

۲۰۔**میاں محفوظ احمد آرائیں** وہاڑی کے ایک حلقہ سے سردار خان کھچی کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

۲۱۔**چوہدری نذیر احمد** وہاڑی کے ایک حلقہ سے عبدالرشید بھٹی کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ اس حلقہ میں آرائیں اور بھٹی برادریوں کا آپس میں مقابلہ ہے۔ چوہدری نذیر احمد کے چچا چوہدری برکت علی بھی دو بار اس حلقے سے ایم پی اے بنے تھے۔

۲۲۔**چوہدری عبدالغفور** پی پی 229 بہاولنگر سے چوہدری منیر احمد کو شکست دے کر کامیاب ہوئے وہ اس الیکشن میں ایم این اے بھی منتخب ہوئے تھے۔ چوہدری عبدالغفور کا ستارہ ضیاءالحق کے مارشل لاء میں خوب چمکا۔ وہ وزارتوں میں شامل ہوتے رہے۔

۲۳۔**میاں عبدالرشید** اسلام پی پی 234 رحیم یار خان سے سردار نواز کو شکست دے کر کامیاب ہوئے میاں عبدالرشید کے والد میاں محمد اسلام بھی ایم پی اے رہے تھے۔

۲۴۔**چوہدری محمد ریاض** راولپنڈی کے حلقہ سے مرزا محمد یعقوب کو ہرا کر کامیاب رہے۔

1993ء کے صوبائی انتخابات

ان انتخابات میں مندرجہ ذیل حضرات برادری سے رکن صوبائی اسمبلی بنے:۔

۱۔**چوہدری محمد ریاض** راولپنڈی پی پی 10 سے بطور آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔ انہوں نے پیپلز پارٹی کے راجہ قیصر اور مسلم لیگ (ن) کے ایم پرویز کو شکست دی۔

۲۔**ڈاکٹر انوار الحق** نے ٹوبہ ٹیک سنگھ پی پی 73 سے مسلم لیگ (ن) کے ٹکٹ پر پیپلز پارٹی کے غیاث الدین جانباز اور جونیجو گروپ کے حاجی جنید انور کو شکست دی۔

۳۔**احسان الحق چوہدری** پی پی 75 ٹوبہ ٹیک سنگھ سے حاجی غلام ربانی کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ حاجی غلام ربانی 1990ء میں اس سیٹ سے ایم پی اے منتخب ہوئے تھے۔

۴۔**میاں محمد رشید** پی پی 115 سیالکوٹ سے کامیاب ہوئے۔ وہ اس حلقہ سے چار بار رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔ اور دو بار ایم ایل اے رہے ہیں۔

۵۔**محمد حنیف رامے** نے پی پی 118 لاہور سے رامے صاحب نے مسلم لیگ نواز کے حاجی امداد حسین کو شکست دی۔

۶۔**میاں معراج دین** پی پی 120 لاہور سے حاجی محمد احمد کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ دونوں کا تعلق آرائیں برادری سے تھا۔ میاں معراج دین 1962ء اور 1965ء میں بھی اس حلقہ سے مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔

۷۔**میاں عبدالستار** پی پی 124 لاہور سے حافظ سلمان بٹ کو ہرا کر رکن اسمبلی بنے۔

۸۔**محمد اقبال گھرکی** نے پی پی لاہور 132 سے عاشق ڈیال اور اکرم بٹ عرف بھیلہ بٹ کو شکست دی۔

۹۔**میاں سعید احمد شرقپوری** پی پی 136 شیخوپورہ سے افتخار احمد بھنگو کو شکست دے کر رکن اسمبلی بنے وہ میاں جلیل احمد شرقپوری ڈسٹرکٹ ناظم شیخوپورہ کے بھائی تھے۔

۱۰۔**حاجی محمد نواز** پی پی 137 سے نذیر احمد ورک اور میاں جاوید لطیف کو شکست دے کر رکن اسمبلی بنے۔ 1990ء میں انہوں نے قیصر ذوالفقار کو شکست دی۔ حاجی صاحب تحریک پاکستان کے کارکن حاجی محمد شریف مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ حاجی نواز 1988ء میں بھی اس حلقہ سے کامیاب ہوئے تھے۔ 1993ء کے سیاسی بحران میں وہ شیخوپورہ کے واحد ایم پی اے تھے جنہوں نے نواز شریف کا ساتھ دیا۔ باقی دس ایم پی اے میاں منظور وٹو سے مل گئے تھے۔

۱۱.چوہدری محمد رفیق آرائیں پی پی 172 ملتان سے ملک طیب خان اعوان اور نواب حیات اللہ ترین کے قریبی عزیز عطاء اللہ ترین کو شکست دی۔

۱۲. محمد شفیق آرائیں پی پی 188 ساہیوال سے ارشد لودھی کو جو میاں نواز شریف کی وزارت میں وزیر رہے، شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

۱۳.میاں ثاقب خورشید پی پی 195 سے چوہدری نذر محمد گل سابقہ ایم پی اے کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔ میاں ثاقب میاں خورشید انور کے صاحبزادے ہیں۔ میاں خورشید انور 1970ء کو نواب احسن خان کو ہرا کر کامیاب ہوئے تھے۔ میاں خورشید احمد کے ایک صاحبزادے سلیم خورشید 1977ء میں ایم این اے منتخب ہوئے۔

۱۴.میاں امتیاز احمد پی پی 237 رحیم یار خان سے پیپلز پارٹی کے عرفان اللہ کو 15 ہزار ووٹوں سے ہرا کر کامیاب رہے۔ وہ ڈاکٹر میاں عبدالخالق کے بھتیجے ہیں۔ جو 1988-1990 میں یہاں سے کامیاب ہوئے تھے۔

۱۵.ڈاکٹر محمد شفیق چوہدری پی پی 43 فیصل آباد سے چوہدری افضل کو ہرا کر کامیاب ہوئے تھے۔ ڈاکٹر محمد شفیق پرویز الٰہی کی وزارت میں صوبائی وزیر رہے ہیں۔

۱۶. میاں محمد فاروق پی پی 51 فیصل آباد سے میاں محمد طفیل کے بھانجے میاں عبدالرؤف کو ہرا کر کامیاب ہوئے۔

۱۷.بدر دین چوہدری پی پی 58 سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ سے کامیاب ہوئے۔

۱۸.ڈاکٹر انوار الحق برادر اعجاز الحق پی پی 73 سے کامیاب ہوئے۔ انہوں نے غیاث الدین جانباز کو شکست دی۔

1997ء اور 2002ء کے پنجاب اسمبلی کے انتخابات کے کوائف دستیاب نہ ہو سکے ہیں دستیاب ہونے پر اس کتاب میں بطور ضمیمہ یا بشرط زندگی کتاب کے کسی ایڈیشن میں شامل کر دیئے جائیں گے۔

2008ء کے صوبائی اسمبلی پنجاب کے انتخابات

ان انتخابات میں برادری سے جو رکن اسمبلی منتخب ہوئے ان کے اسمائے گرامی ذیل ہیں:۔

۱.نیلم جبار حلقہ پی پی 86 ٹوبہ ٹیک سنگھ سے پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر اشفاق الرحمٰن سابقہ صوبائی وزیر اور صدر مملکت پرویز مشرف کے دست راست طارق عزیز کے بھانجے کو شکست دے کر کامیاب ہوئیں۔ وہ ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ کے نہایت ہی معزز رکن چوہدری محمد عالم ایڈووکیٹ کی صاحبزادی ہیں۔ اور اب میاں محمد شہباز شریف کی کابینہ میں محکمہ سماجی بہبود اور سوشل ویلفیر کی وزیر ہیں۔

۲.محمد اسد اللہ پی پی 106 حافظ آباد سے شوکت علی بھٹی کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ وہ غالباً چوہدری محمد شفیق آرائیں سابقہ چیئرمین بلدیہ پنڈی بھٹیاں کے قریبی عزیز ہیں۔

۳. حافظ محمد نعمان لاہور کے ایک حلقہ سے پہلی بار ممبر منتخب ہوئے ہیں۔

۴۔مہر اشتیاق لاہور کے حلقہ سے کامیاب ہوئے۔

۵.میاں نصیر احمد لاہور کے حلقہ سے پہلی بار ایم پی اے منتخب ہوئے۔ پیپلز پارٹی کے قاسم ضیاء کو شکست دی۔

۶.فاروق یوسف گھرکی لاہور کے حلقہ سے کامیاب ہوئے انہوں نے چوہدری محمد منشاء کو شکست دی۔ جو سابقہ ایم پی اے تھے۔

۷.محمد نوید انجم لاہور کے شہری حلقہ سے پہلی بار ایم پی اے منتخب ہوئے۔ پیپلز پارٹی کے شاہد امتیاز کو ہرایا۔

۸. محمد آجاسم شریف لاہور پی پی 140 سے کامیاب ہوئے۔ آپ پہلے بھی ایم پی اے رہ چکے ہیں۔ ان کے والد حاجی محمد شریف بھی ایم پی اے منتخب ہوتے رہے ہیں۔

۹.چوہدری علی اصغر منڈا شیخوپورہ کے شرقپور علاقے سے میجر (ر) جاوید نصر اللہ کو شکست دیکر کامیاب ہوئے وہ چوہدری محمد شریف ایڈووکیٹ کے بھتیجے ہیں۔

۱۰.چوہدری غلام نبی پی پی 167 شیخوپورہ سے پیپلز پارٹی کے ضلعی صدر الطاف

حسین ورک کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد نواز اس حلقہ سے 1988-1990 اور غالباً 1997 میں کامیاب ہوئے تھے۔ شیخوپورہ کی سیاست میں ان کا خاندان اب بہت اہمیت حاصل کر گیا ہے۔

۱۱۔ میاں یاور زمان پی پی 191 اوکاڑہ سے مہر عبدالستار کو شکست دے کر کامیاب رہے۔ ان کے والد میاں محمد زمان ایم پی اے، ایم این اے منتخب ہوتے رہے ہیں۔ وہ وفاقی وزیر بھی رہے۔ ان کے دادا میاں غلام محمد بھی اسمبلی میں اس حلقہ سے نمائندگی کرتے رہے ہیں۔

۱۲۔ میاں محمد شفیق پی پی 207 لودھراں سے عامر اکبر شاہ کو ہرا کر کامیاب رہے اس سے پہلے بھی وہ ایم پی اے رہ چکے ہیں۔

۱۳۔ ڈاکٹر فرخ جاوید پی پی 203 سے (ق) لیگ کے نعیم ابرار کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔ وہ اس حلقہ سے پہلے بھی ایم پی اے رہ چکے ہیں۔

۱۴۔ میاں محمد اسلم پی پی 289 رحیم یار خان سے کامیاب ہوئے۔ وہ میاں عبدالسلام کے صاحبزادے ہیں جو کئی بار اس حلقہ سے ایم پی اے منتخب ہوئے۔

نوٹ: الیکشن 2008ء میں صوبائی اسمبلی کے آرائیں ارکان کی اکثریت پہلی بار انتخابات میں کامیاب ہوئی ہے۔ یا معروف گھرانوں کے غیر معروف افراد اسمبلی میں پہنچے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق زیادہ صحیح ہونے کا دعویٰ نہ کیا جا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے برادری کے کئی ارکان کے نام Miss ہو گئے ہوں۔ اور کسی دوسری برادری سے کسی کا نام ناکافی معلومات کی بناء پر اس فہرست میں شامل ہو گیا ہو۔ اس کے علاوہ پچھلے انتخابات کے آرائیں ارکان کے ناموں کے لئے کتابوں اخباروں اور وسیع معلومات رکھنے والے لوگوں سے رابطہ کر کے ان کے نام درج کئے گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر برادری کے کچھ ارکان کے نام شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ یا کسی دیگر برادری کے کسی رکن کو آرائیں برادری سے سمجھ کر اس کا اندراج ان فہرستوں میں شامل ہو گیا ہے؟ تو ایسا ہرگز ارادۃً نہ ہے۔ بلکہ صحیح معلومات کی عدم دستیابی کی بناء پر ہے۔ اگر ایسا ہو تو مولف اس کے لئے پیشگی معذرت خواہ ہے۔

مقامی حکومتوں میں آرائیوں کا کردار

انگریزوں نے جب سے برصغیر میں مقامی حکومتی نظام رائج کیا۔ آرائیں برادری نے اس میں بھرپور شرکت کی۔ میٹروپولیٹن کارپوریشن میونسپل کمیٹیوں، ٹاؤن کمیٹیوں، ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبران منتخب ہوتے رہے۔ پرویز مشرف سابقہ صدر کے دور میں ضلع ناظم اور تحصیل ناظم کا نظام رائج ہوا۔ آرائیں ان مقامی حکومتوں کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے۔

میونسپل کمیٹیاں

لاہور میونسپل کمیٹی

لاہور شہر پہلے میونسپل کمیٹی ہوتی تھی۔ پھر آبادی بڑھی تو اس کو کارپوریشن کا درجہ دیا گیا اور آبادی کے تجاوز سے اس کو میٹروپولیٹن کارپوریشن کہا جانے لگا۔ لاہور خواہ میونسپل کمیٹی، کارپوریشن، میٹر کارپوریشن ہو اس کی شروع سے آج تک نصف سے زیادہ سربراہی آرائیں شرفاء کے ہاتھ رہی۔ اس سلسلہ میں آرائیں برادری کو دوسری برادریوں پر سبقت حاصل ہے۔

میونسپل کمیٹی لاہور

میاں عبدالعزیز مالواڈہ سینئر وائس پریذیڈنٹ

ایک وقت تھا جب لاہور شہر کی مقامی حکومت کو میونسپل کمیٹی کا درجہ حاصل تھا۔ 1920ء میں میاں عبدالعزیز مالواڈہ کے میونسپل کمیٹی لاہور کے سینئر وائس پریذیڈنٹ ہونے کا سوراخ ملتا ہے۔ اس وقت بلحاظ عہدہ ڈپٹی کمشنر لاہور پریذیڈنٹ ہوتا تھا۔ لیکن میونسپل کمیٹی کی صدارت میاں صاحب

ئی کیا کرتے تھے۔ پرنس آف ویلز کے دورہ ہند پر اس کے استقبال نہ کرنے اور لارڈ کارنواس کے مجسمہ کو مال روڈ سے اٹھانے کی دو قرار دادیں میاں صاحب کی صدارت میں منظور ہوئی تھیں۔ یہ جرأت میاں صاحب نے اس وقت کی تھی جب بڑے بڑے جاگیر دار اور مالکان/نوابان ریاست ہائے انگریزوں کے خلاف ایک بھی کلمہ کہنے کی جرأت نہ کرتے تھے۔

میاں صاحب بطور پریذیڈنٹ (تین بار)

جب میونسپل کمیٹی کا عہدہ وائس سینئر پریذیڈنٹ نے بڑھا کر پریذیڈنٹ کر دیا گیا تو میاں صاحب حکومت وقت کی انتہائی مخالفت کے باوجود لاہور کے تین بار پریذیڈنٹ منتخب ہوئے۔

میونسپل کمیٹی ہوشیار پور

تعلیم کے بعد انگلستان سے واپس آ کر میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے ہوشیار پور میں پریکٹس شروع کی۔ اس دوران آپ میونسپل کمیٹی ہوشیار پور کے ممبر بھی منتخب ہو گئے۔ آپ نے مسلمان بچیوں کی خاطر 1908ء میں ہوشیار پور میں اسلامیہ ہائی سکول کا اجرا کیا۔ جس کا سنگ بنیاد نواب وقار الملک نے 1908ء میں رکھا۔ جس میں سر سید احمد خان کے صاحبزادے آفتاب احمد خان، سر میاں محمد شفیع، جسٹس میاں شاہ دین اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بھی شامل ہوئے تھے۔

خان بہادر میاں چراغ دین وائس چیئر مین ڈسٹرکٹ بورڈ ساہیوال

1922ء سے 1928ء تک آپ کے ضلع منٹگمری حال ساہیوال کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیئر مین رہنے کا سراغ ملتا ہے۔ آپ ایم پی اے بھی منتخب ہوتے رہے۔

چوہدری عبدالحق صدر میونسپل کمیٹی فیروز پور

آپ 1920ء میں صدر میونسپل کمیٹی فیروز پور تھے۔

سردار احمد علی چیئر مین لاہور ڈسٹرکٹ بورڈ

آپ تین سال تک ڈسٹرکٹ بورڈ لاہور کے چیئر مین رہے۔ سنٹرل کوآپریٹو بنک لاہور کے تقریباً 50 سال تک پریذیڈنٹ رہے۔

چوہدری محمد حسین وائس چیئر مین لاہور کارپوریشن

1961ء میں پانچ سال کے لئے لاہور کارپوریشن کے وائس چیئر مین منتخب ہو کر لاہور کے اول شہری ٹھہرے۔ اس دوران ایم این اے بھی بنے۔ صدر محمد ایوب کے ذاتی دوستوں میں سے تھے۔

خان بہادر میاں محمد یوسف سینئر وائس چیئر مین ڈسٹرکٹ بورڈ انبالہ

آپ 1929ء سے 1941ء تک مسلسل بارہ سال ڈسٹرکٹ بورڈ کے سینئر چیئر مین رہے۔ آپ 1925ء سے 1930ء تک میونسپل کمیٹی انبالہ کے سینئر وائس پریذیڈنٹ رہے۔ آپ آنریری مجسٹریٹ اور انبالہ ضلع کے مصالحتی قرضہ بورڈ کے چیئر مین بھی رہے۔ سر چھوٹو رام اس وقت کے وزیر نے آپ کی اسمبلی میں بہت تعریف کی تھی۔ انہوں نے ایوان میں بتایا کہ میاں محمد یوسف پنجاب بھر میں بہترین مصالحتی چیئر مین ثابت ہوئے ہیں۔

چوہدری غلام محیی الدین چیئر مین میونسپل کمیٹی ڈیرہ غازی خان

آپ 25 سال تک مسلسل ڈیرہ غازی خان میونسپل کمیٹی کے بی ڈی ممبر اور 5 سال تک میونسپل کمیٹی کے چیئر مین بھی رہے۔ کھوسہ، لغاری جاگیردار خاندانوں کے ہوتے ہوئے ڈیرہ غازی خان میونسپل کمیٹی کا چیئر مین منتخب ہونا چوہدری صاحب کے بارسوخ ہونے کی دلیل ہے۔

میئر اور لارڈ میئر لاہور کارپوریشن

میاں عبدالعزیز مالواڈہ (2 بار)

میونسپل کمیٹی لاہور کو جب کارپوریشن کا درجہ ملا تو میاں صاحب دو بار اس کے میئر منتخب ہوئے۔

میاں محمد اظہر میئر لاہور

آپ نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے دوران لاہور کے میئر منتخب ہوئے تھے۔ ناجائز تجاوزات ختم کر کے بڑا نام کمایا تھا۔

میاں شجاع الرحمٰن میئر لاہور

آپ لاہور کارپوریشن کے میئر رہے۔ آج کل آپ کے صاحبزادے مجتبیٰ شجاع الرحمٰن پنجاب کابینہ میں صوبائی وزیر ہیں۔

میاں عبدالمجید لارڈ میئر لاہور میٹروپولیٹن کارپوریشن

پنجاب کارپوریشن کے میٹروپولیٹن کارپوریشن بن جانے کی وجہ سے لارڈ میئر کہلائے۔

چوہدری عبدالحمید میئر سرگودھا کارپوریشن

آپ سرگودھا کارپوریشن کے میئر کے علاوہ ایم این اے بھی رہے ہیں۔

چوہدری محمد اشرف میئر سیالکوٹ کارپوریشن

آپ شہر اقبال میں کارپوریشن کا میئر رہنے کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔

ضلع ناظمین

چوہدری محمد نذیر احمد ضلع ناظم فیصل آباد

آپ کوہستان ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالک تھے۔ ناظم ضلع فیصل آباد رہے۔ بڑے دبنگ ناظم تھے۔ ان کی زندگی میں ضلع فیصل آباد کی تمام سیاست آپکے گرد گھومتی تھی۔ اپنے وقت کے بے تاج بادشاہ تھے۔ کئی بار ایم این اے منتخب ہوئے۔ آپ کے تینوں صاحبزادے ایم این اے، ایم پی اے منتخب ہو چکے ہیں۔ چوہدری عاصم نذیر دوسری مرتبہ ایم این اے منتخب ہوئے ہیں۔

چوہدری شاہد نذیر ضلع ناظم فیصل آباد

آپ چوہدری محمد نذیر احمد کوہستانی سابقہ ضلع ناظم کے صاحبزادے ہیں۔ چوہدری صاحب کی وفات کے بعد ناظم ضلع فیصل آباد رہے۔ ناظم شپ کے دوران ضلع کی شکل وصورت میں بڑا نکھار آیا بڑے ترقیاتی کام ہوئے آپ بھی ایم پی اے رہ چکے ہیں۔

میاں نعیم الرحمٰن ضلع ناظم سیالکوٹ

موجودہ بلدیاتی نظام کے تحت پہلے الیکشن میں ضلع ناظم سیالکوٹ منتخب ہوئے۔ آپ مولوی عبدالحق کے پرانے مسلم لیگی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔

میاں عامر محمود ضلع ناظم لاہور

آپ کو فخر حاصل ہے کہ جب سے موجودہ بلدیاتی نظام متعارف ہواہ، آپ ضلع لاہور کے ناظم چلے آرہے ہیں۔ آپ کے کام کو دیکھتے ہوئے دوسری ٹرم کیلئے خود لاہور میں آ کر صدر پرویز مشرف نے ضلع ناظم کے انتخابات میں حصہ لینے کو کہا۔ جس میں آپ کامیاب رہے۔ آج کل بھی ضلع ناظم لاہور ہیں۔

صاحبزادہ میاں جلیل احمد شرقپوری ضلع ناظم شیخوپورہ

آپ موجودہ نظام کے دوسرے انتخاب میں ضلع ناظم شیخوپورہ منتخب ہوئے۔ اگست 2008ء میں آپ کے خلاف تحریک عدم اعتماد کامیاب ہوگئی اور آپ کو ضلع ناظم کا عہدہ چھوڑنا پڑا۔ آپ کا تعلق حضرت میاں شیر محمد کے روحانی خانوادے سے ہے۔ نئے انتخاب میں برادری کے میاں لیاقت علی نائب ناظم منتخب ہو گئے ہیں۔

چوہدری عبدالغفور چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل بہاولنگر

آپ کو چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل بہاولنگر رہنے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کئی بار صوبائی کابینہ اور مرکز میں بھی وزیر رہے۔

چوہدری محمد اشفاق ناظم ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

ضلع ناظم چوہدری عبدالستار

دوسرے انتخابات میں چوہدری عبدالستار ضلع ناظم ٹوبہ ٹیک سنگھ منتخب ہوئے۔ آپ کئی بار ایم پی اے اور ایم این اے منتخب ہو چکے ہیں۔

☆☆☆

سیاسی جماعتیں اور آرائیں

ا۔ مسلم لیگ

1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس جماعت قائم ہوئی۔ آغاز میں یہ جماعت بلا تفریق تمام مذاہب اور فرقوں کے لوگوں کی نمائندہ تھی۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر ہندوؤں کے حلقہ اثر میں چلی گئی اور اس نے مسلمانوں کے ساتھ متعصبانہ رویہ اختیار کرلیا۔ 1906ء میں مسلمانوں کے شملہ وفد کی کامیابی کی اہمیت کو انڈین نیشنل کانگریس نے کم کرنے کی کوشش کی۔ تو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم پر مسلم رہنماؤں نے اپنے لئے الگ سیاسی جماعت کے قیام کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ 30 دسمبر 1906ء کو ڈھاکہ میں منعقد آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کے بعد نواب سلیم اللہ خان نے مسلمانوں کے لئے ایک الگ سیاسی تنظیم بنانے کے تجویز پیش کی۔ اس اجلاس میں پنجاب سے سر میاں محمد شفیع، جسٹس میاں شاہ دین کو شمولیت کا اعزاز حاصل ہوا۔ نئی جماعت کا نام سر میاں محمد شفیع کی تجویز پر آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ (ریفرنس پہلے دیا جاچکا ہے)

دونوں میاں صاحبان باغبانپورہ کی آرائیں فیملی کے سپوت تھے۔ مرکزی آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے بعد پنجاب میں صوبائی سطح پر مسلم لیگ کا قیام سر میاں شفیع اور میاں شاہ دین کی کوشش سے عمل میں آیا۔ میاں شاہ دین مسلم لیگ پنجاب کے پہلے صوبائی صدر منتخب ہوئے۔ اور سر میاں محمد شفیع اس کے سیکرٹری جنرل بنے۔ اس طرح پنجاب میں مسلم لیگ کو منظّم کرنے کا سہرا بھی دونوں بھائیوں کے سر پر ہے۔ جب میاں شاہ دین کو پنجاب ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا گیا تو پنجاب مسلم لیگ کے صدر سر میاں محمد شفیع بنے۔ سر میاں محمد شفیع مسلم لیگ کے مرکزی

رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ مسلم لیگ کے سالانہ خصوصی اجلاس ہر سال ہوتے تھے۔ مارچ 1913ء میں سالانہ خصوصی اجلاس منعقدہ بمقام لکھنؤ کی صدارت سر میاں محمد شفیع نے فرمائی تھی۔ 1920ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کر کے مسلم لیگ کے ساتھ اپنی تاحیات وابستگی کا آغاز کیا۔ 1916ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے مشترکہ اجلاس میں مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب کو کانگریس نے مان لیا تھا۔ لیکن 1927ء میں نہرو نے قائداعظم سے دہلی میں ملاقات کی اور دونوں جماعتوں کے زعماء کو دہلی بلایا گیا۔ اس اجلاس میں جداگانہ انتخاب کی بجائے مخلوط انتخاب کے طریقہ کی سفارشات کو تسلیم کیا گیا۔ اس کو نہرو رپورٹ کا نام دیا گیا۔ سر میاں محمد شفیع شروع سے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کے حامی چلے آرہے تھے۔ اس لئے قائداعظم اور سر میاں محمد شفیع میں اختلافات پیدا ہوگئے۔ چنانچہ سر میاں محمد شفیع نے اپنی قیادت میں مسلم لیگ کا الگ دھڑا قائم کرلیا۔ اس کے نتیجے میں جناح لیگ نے مسلم لیگ کا انیسواں اجلاس دسمبر 1927ء کو کلکتہ میں سر یعقوب کی صدارت میں منعقد کیا اور شفیع لیگ نے مسلم لیگ کا انیسواں اجلاس جنوری 1928ء میں لاہور میں سر میاں محمد شفیع کی صدارت میں منعقد کیا۔ قائداعظم نے 1929ء میں نہرو رپورٹ میں مخلوط انتخابات کو رد کرتے ہوئے نہرو رپورٹ کے جواب میں اپنے مشہور چودہ نکات پیش کئے۔ چنانچہ سر میاں محمد شفیع نے دوبارہ اپنا دھڑا ختم کردیا اور دونوں دھڑے دوبارہ متحد ہوگئے اور قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں تن من اور دھن سے مسلم لیگ کے کام میں مصروف ہوگئے۔ اکتوبر 1933ء میں متحدہ مسلم لیگ کے سالانہ خصوصی اجلاس کی صدارت میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے کی۔ اس طرح پنجاب کے آرائیں زعماء کو دوبار مسلم لیگ کے سالانہ خصوصی اجلاس کی صدارت کرنے کا شرف حاصل ہے۔ ان کے علاوہ پنجاب سے شیخ عبدالقادر، سر علامہ محمد اقبال، اور سر ظفر اللہ خان کو مسلم لیگ کی صدارت کا فخر حاصل ہوا ہے۔

1944ء میں میاں افتخار الدین نے پنجاب کانگریس کی صدارت سے استعفیٰ دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ 1945ء کے الیکشن میں وہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے

ممبر منتخب ہوئے۔ پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ وزارت کے خلاف تحریک کی ابتداء میاں افتخار الدین نے ہی کی اور بہت زیادہ سرگرم رول ادا کیا تھا۔ اس تحریک کے نتیجہ میں خضر حیات ٹوانہ جو کہ اس وقت پنجاب کے سب سے بڑے جاگیردار تھے، نے استعفیٰ دے دیا اور پنجاب کابینہ ٹوٹ گئی۔ 1940ء میں مسلم لیگ نے لاہور کے جلسہ میں قراردادِ پاکستان منظور کی تھی۔ اس جلسہ کی استقبالیہ کمیٹی کے سیکرٹری میاں بشیر احمد تھے۔ جو کہ جسٹس میاں شاہ دین کے فرزند اور سر میاں محمد شفیع کے داماد تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد نواب افتخار حسین ممدوٹ مغربی پنجاب کے پہلے وزیر اعلیٰ بنے۔ میاں ممتاز دولتانہ ذہانت میں اپنے آپ کو نواب افتخار حسین سے برتر خیال کرتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان پنجاب کی وزارت عظمیٰ کی کشمکش شروع ہوگئی۔ میاں افتخار الدین جو کہ ممدوٹ وزارت میں وزیر بحالیات تھے، وزارت سے الگ ہو گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ مہاجرین کی بحالی کے لیے جس پیمانے پر کام کی ضرورت ہے، وہ نہ ہو رہا ہے۔ پنجاب کے رہنما اپنے ذاتی مفاد کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔

ممدوٹ دولتانہ کشمکش کے دوران میاں عبدالباری پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے اور میاں ممتاز دولتانہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر تھے۔ اس کشمکش میں میاں ممتاز دولتانہ پنجاب مسلم لیگ کی صدارت سے علیحدہ ہو گئے۔ اور دونوں گروپ میاں عبدالباری کی قیادت میں متحد ہو گئے۔ سیاستدانوں کی قلابازیاں از تجمل حسین انجم کے صفحہ 119 کے مطابق دولتانہ کا خیال تھا کہ میاں باری پرانی وضع کے آدمی ہیں میرے قبضہ میں رہیں گے ان کے پردہ میں جس طرح چاہوں گا۔ مسلم لیگ کو چلاؤں گا لیکن میاں صاحب کسی بے اصولی کے مرتکب نہ ہوئے۔

اس دوران میاں ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب مقرر ہو چکے تھے۔ وہ گورنر کے مشیروں کی تقرری کے خلاف تھے۔ جب کہ میاں عبدالباری مشیروں کی تقرری کے حق میں تھے۔ تقرر شدہ پانچ مشیروں میں سے چار میاں گروپ کے تھے۔ اس طرح مشیروں کے مسئلہ پر میاں عبدالباری اور ان کے گروپ نے میاں ممتاز دولتانہ کو شکست دے دی۔ میاں عبدالباری نے انگریز گورنر

پنجاب سر فرانسس موڈی کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔

1955ء میں جب چوہدری محمد علی وزیر اعظم پاکستان بنے تو مسلم لیگ کے صدر بھی وہی تھے۔ 1956ء میں جب چوہدری محمد علی نے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دیا تو مسلم لیگی لیڈروں کے ذاتی مفاد پرستانہ رویہ، گروہی سیاست اور اقتدار کے لئے پارٹیاں بدلنے کے رجحان کے پیش نظر مسلم لیگ کی صدارت سے مستعفی ہو گئے۔ ان وجوہات کی بناء پر میاں عبدالباری نے بھی میاں ممتاز دولتانہ گروپ سے اختلاف کرتے ہوئے۔ پنجاب مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آرائیں زعماء نے پاکستان کے قیام کے لئے خلوص نیت سے جدوجہد میں حصہ لیا اور قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے جہدو جہد کی۔

۲۔ جماعت مجلسِ احرار اسلام یا احراری جماعت

1918ء میں جنگ عظیم اول کے خاتمہ کے ساتھ ہی خلافت عثمانیہ کو شکست ہوگئی۔ جرمن اور ترکی اس جنگ میں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ اس جنگ میں تمام اقوام یورپ اور ان کے مقبوضات جرمنی اور ترکی کے خلاف جنگ میں برسرپیکار تھے۔ خلافت عثمانیہ کو بچانے کے لئے ہندوستان میں تحریک خلافت کی بنیاد رکھی گئی۔ تحریک خلافت کے بڑے لیڈر مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی تھے۔ جنہوں نے بڑی جاندار تحریک چلائی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جنگ عظیم کے خاتمہ کے قریب ترکی فوجوں کی کمان کمال اتاترک کے ہاتھ آ گئی۔ جنگ کے خاتمہ پر بچے کھچے ترکی کی قیادت غازی مصطفیٰ کمال پاشا (کمال اتاترک) کو حاصل ہوئی۔ کمال اتاترک کی حکومت نے خود ہی ترکی میں خلافت کا خاتمہ کر دیا اس لئے ہندوستان میں تحریک خلافت بے مقصد ہوگئی اور جماعت خلافت کی ضرورت نہ رہی۔ اس لئے تحریک خلافت کے ساتھ وابستہ پنجاب کے لیڈران اور ورکران نے لاہور میں کنونشن کیا۔ جس میں دیگر لوگوں کے علاوہ مندرجہ ذیل لیڈر حضرات سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن

لدھیانوی (آرائیں) حضرت مولانا داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر، چوہدری افضل حق، شیخ احتشام الدین، شامل تھے اور جماعت مجلس احرارِ اسلام کی بنیاد رکھی۔

پہلے صدر حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور جنرل سیکرٹری مولانا مظہر علی اظہر چنے گئے۔ یہ اجلاس 1929ء کو لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ جولائی 1931ء کو مجلسِ احرار کا مرکزی اجلاس زیرِ صدارت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی منعقد ہوا۔ اجلاس میں جماعت کی جدید تنظیم کی گئی۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو صدر مقرر کیا گیا اور جنرل سیکرٹری مولانا داؤد بنائے گئے۔ اجلاس میں ایک ریزویشن کے ذریعے مسلمانانِ ہند کے لئے جداگانہ طریقہ انتخاب منظور کیا گیا۔ ان کی صدارت میں مجلس احرارِ اسلام نے برصغیر کی سیاست میں بہت اہم رول ادا کیا۔ مجلس احرار نے تحریکِ کشمیر، تحریک مسجد شہید گنج میں بہت سرگرم حصہ لیا۔ مرزائیوں کے خلاف تحریک کا آغاز احرار نے کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد مرزائیوں کے خلاف احرار نے بڑے زور وشور سے تحریک شروع کی۔ جس میں دوسری دینی جماعتیں بھی شامل ہوگئیں اور آخر کار ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن ایم حمزہ کے قریبی بزرگ تھے۔ سردار محمد شفیع گنجیانوالے سردار آصف احمد علی کے قریبی بزرگ تھے۔ آل انڈیا مجلس احرار کے سالار اول تھے اور مجلس احرار نے ورکنگ کمیٹی توڑ کر جماعت میں ڈکٹیٹر شپ قائم کی۔ وہ ایک موقع پر مجلس کے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے تھے۔ ڈکٹیٹر سردار محمد شفیع سالار اول مجلسِ احرار نے 1940ء میں گرفتاری پیش کی اور جماعت کی ڈکٹیٹر شپ مولانا غلام غوث ہزاروی کے سپرد کی۔ قیام پاکستان کے بعد جماعت کا سیاسی ونگ ختم کر دیا گیا۔ لیکن دینی محاذ پر سرگرم رہی اور مرزائیوں کے خلاف اب پہلے سے بھی زیادہ پرزور تحریک چلائی۔ جس میں دوسری دینی جماعتیں بھی شامل ہوگئیں۔ جس میں دینی رہنماؤں ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا عبدالستار نیازی اور کچھ دوسرے لوگوں کو موت کی سزا سنائی گئی جو کہ بعد میں ختم ہوگئی۔ تحریک کی شدت کے پیشِ نظر لاہور میں تاریخ کا سب سے پہلا مارشل لاء لگا۔ جنرل اعظم مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔ جنہوں نے تحریک کو دبا دیا۔ آخر کار بھٹو عہد میں مرزائیوں کا غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ اور اس طرح مجلسِ

احرار کی کئی سالوں پر محیط تحریک رنگ لائی۔ مجلس احرار بڑی ہنگامہ پرور، سٹریٹ پاور رکھنے والی جماعت تھی۔ اس نے انگریز حکمرانوں کی راتوں کی نیند حرام کیے رکھی۔ ہندوستان سے انگریزوں کے بھگانے میں احرار کی تحریکوں کا بڑا حصہ ہے۔

۳۔ جماعت جناح عوامی لیگ

پنجاب میں ممدوٹ دولتانہ دور میں اقتدار کی کشمکش میں مسلم لیگ بھی اختلافات کا شکار ہوگئی۔ نواب افتخار حسین ممدوٹ اور میاں عبدالباری کی قیادت میں مسلم لیگ کا ایک دھڑا مسلم لیگ سے الگ ہوگیا اور جناح عوامی لیگ جماعت بنالی۔ نواب افتخار حسین ممدوٹ اس کے صدر اور میاں عبدالباری اس کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ صفحہ 142 سیاستدانوں کی قلابازیاں از تجمل حسین انجم کے مطابق علیحدگی کے وقت ملک غلام نبی اور میاں عبدالباری (دونوں آرائیں حضرات) نے مسلم لیگ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ انہوں نے مسلم لیگ سے نہیں بلکہ ایسے گروہ سے علیحدہ اختیار کی ہے جو مسلم لیگ پر ناجائز قابض ہوگیا تھا۔

1951ء میں صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ دولتانہ گروپ اور جناح عوامی لیگ میں گھمسان کا رن پڑا۔ مسلم لیگ دولتانہ گروپ نے دھونس، دھاندلی اور سرکاری ذرائع کے استعمال اور جھرلو کی انتہا کر دی۔ جھرلو کی اصطلاح 1951ء کے پنجاب کے صوبائی انتخابات کے نتیجہ میں پہلی بار منظر عام پر آئی اور پاکستان میں آئندہ انتخابات کے لئے مثال بن گئی اور ہر دور میں اس کا استعمال ہوا۔

انتخابات کے بعد نواب ممدوٹ غیر فعال ہوگئے اور جماعت بھی غیر فعال ہوگئی اور آخر کار ختم ہوگئی لیکن میاں عبدالباری اور ملک غلام نبی سیاست میں سرگرم اور فعال رہے۔ میاں عبدالباری پاکستان دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ کئی بار ممبر صوبائی اسمبلی بنے اور 1962ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ملک غلام نبی بعد میں ایک موقع پر پیپلز پارٹی میں شامل ہوگئے۔ صوبائی رکن اسمبلی منتخب ہوکر پنجاب صوبائی کابینہ میں وزیر بھی رہے۔

۴۔ آزاد پاکستان پارٹی

قیام پاکستان کے بعد پنجاب میں افتخار حسین ممدوٹ وزیر اعلیٰ بنے۔ میاں افتخار الدین کو وزیر بحالیات (مہاجرین) کا قلمدان سونپا گیا۔ تھوڑے عرصے بعد میاں افتخار الدین نے وزارت اعلیٰ پر الزام لگایا کہ وہ جاگیرداروں اور زمینداروں کی نمائندہ ہے اور خلوص نیت سے مہاجرین کی بحالی کی کوشش نہ کر رہی ہے۔ لہذا وزارت سے الگ ہو گئے۔ اصولی موقف پر مستعفی ہونے کی پاکستان میں پہلی دفعہ مثال قائم ہوئی۔

وزارت سے استعفیٰ دینے کے بعد میاں افتخار الدین نے ایک نئی پارٹی بنانے کا سوچا۔ اس سلسلہ میں 1949ء کو ایک کنونشن لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں پنجاب کے ترقی پسند خیالات رکھنے والے اصحاب بشمول میاں افتخار الدین، سردار شوکت حیات خان، سید قسور گردیزی، سردار مظہر علی، طاہرہ مظہر علی، سید امیر حسین شاہ، مرزا ابراہیم، سی آر اسلم، چوہدری فتح محمد، مولوی غلام محمد ہاشمی، میاں محمود علی قصوری، عابد حسین منٹو وغیرہ جمع ہوئے اور پاکستان کی پہلی ترقی پسند جماعت بنائی گئی۔ اس جماعت کا نام آزاد پاکستان پارٹی رکھا گیا۔ میاں افتخار الدین اس کے صدر چنے گئے۔

قیام پاکستان کے بعد میاں افتخار الدین نے انگریزی اخبار پاکستان ٹائمنز[1] اور اردو اخبار امروز جاری کیا۔ پاکستان ٹائمنز کے چیف ایڈیٹر فیض احمد فیض ایڈیٹر مظہر علی خان امروز کے ایڈیٹر احمد ندیم قاسمی، تھے۔ یہ اخبار آزاد پاکستان پارٹی کے نقیب تھے۔ ان اخبارات میں جماعت کی پالیسی کے مطابق ترقی پسندانہ رجحانات کے نت نئے مضامین چھپتے رہتے تھے۔

آزاد پاکستان پارٹی مزدور شعبہ میں بھی متحرک تھی۔ مرزا ابراہیم ریلوے مزدور یونین کے صدر تھے۔ دیگر بہت ساری ٹریڈ یونینز بھی سی آر اسلم اور دیگر لیڈروں کے کنٹرول میں تھی۔ اس وقت تقریباً سارے پنجاب میں ٹریڈ یونین کی سیاست آزاد پاکستان پارٹی کے ٹریڈ یونین گروپ ہی کرتے تھے۔ چوہدری فتح محمد کسان ونگ کے سربراہ تھے۔ 1950ء تا 1959ء تک تمام کسان کمیٹیاں ٹریڈ یونین اور دیگر یونینز آزاد پاکستان پارٹی کی کوشش سے ہی معرض وجود میں آئیں۔

اگرچہ آزاد پاکستان پارٹی سیاسی میدان میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکی۔ لیکن اس کے ترقی پسند ممبران کی وجہ سے پاکستان میں ترقی پسند اور سیکولر رجحانات کو بڑی حد تک تقویت ضرور ملی۔ جس کا فائدہ آخر کار ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی نے اٹھایا۔

1957ء، میں اس جماعت کو دوسری ترقی پسند جماعتوں میں مدغم کر دیا۔ ایک متحدہ جماعت پاکستان نیشنل پارٹی بنائی گئی۔ جو بعد مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے مولانا بھاشانی اور گنا تنتری دل کے مل جانے سے نیشنل عوامی لیگ پارٹی بن گئی۔ نئی پارٹی کی تنظیم میں میاں افتخار الدین نے سرگرم کردار ادا کیا۔

۵۔ عوامی نیشنل پارٹی

مشرقی پاکستان کے الگ ہو جانے کے بعد نیشنل عوامی پارٹی کی مغربی پاکستان کی شاخ نے بھرپور سیاست میں حصہ لیا۔ خان ولی خان اس کے نمایاں لیڈروں میں سے ایک تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان میں برسر اقتدار تھے۔ اس دور میں عوامی نیشنل پارٹی کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ ولی خان پر غداری کا مقدمہ قائم کر کے حیدرآباد ٹربیونل قائم کیا گیا۔

نیشنل عوامی پارٹی کے خلاف قانون کیے جانے کے بعد جیل کے اندر سے نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈروں نے نئی جماعت بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ نئی جماعت نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے نام سے 1976ء میں قائم ہوئی۔ شیر باز خان مزاری کو پارٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ 1987ء میں 99% دھڑے نے نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی سے الگ ہو کر عوامی نیشنل پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کے پہلے صدر جناب ولی خان صاحب اور جنرل سیکرٹری سردار شوکت علی بنے تھے۔ سردار شوکت علی کا تعلق گنجیانوالہ کے مشہور خاندان سے ہے۔ سردار آصف احمد علی سابقہ وزیر خارجہ پاکستان گنجیانوالہ کے آرائیں خاندان سے ہیں۔

عوامی نیشنل پارٹی کو پاکستان کی سیاست میں نمایاں مقام حاصل ہے اب یہ مرکز میں پیپلز پارٹی کی حکومت میں شامل ہے۔

۶۔ نظام اسلام پارٹی

1956ء میں چوہدری محمد علی وزیراعظم پاکستان نے مسلم لیگی زعماء کی ریشہ دوانیوں، سازشوں سے تنگ ہوکر وزارت عظمیٰ اور مسلم لیگ کی صدارت سے بھی استعفیٰ دے دیا۔ چوہدری محمد علی نے اپنی جماعت نظام اسلام پارٹی کے نام سے قائم کی۔

1964ء میں جن پارٹیوں نے صدر میں ایوب خان کے صدارتی الیکشن میں اس کی مخالف کی۔ اس میں نظام اسلام پارٹی بھی شامل تھی۔ چوہدری محمد علی اس کے صدر تھے۔

1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی انتخابات میں دھاندلی کے خلاف محاذ میں دیگر جماعتوں کے ساتھ نظام اسلام پارٹی بھی شامل تھی۔ چوہدری محمد علی کی وفات کے بعد پارٹی ختم ہوگئی۔

۷۔ پاکستان پیپلز پارٹی

پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی جناب ذوالفقار علی بھٹو تھے۔ وہ لاڑکانہ صوبہ سندھ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد سر شاہنواز وہاں کے ایک بڑے زمیندار تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم یافتہ تھے اور اس یونیورسٹی میں وہ لیکچرار بھی رہے تھے۔ وہ خوبصورت ذہین نوجوان تھے۔

1958ء میں مارشل لاء کے نفاذ پر جنرل محمد ایوب خان نے ذوالفقار علی بھٹو کو اپنی کابینہ میں شامل کرلیا اور قدرتی وسائل کا وزیر بنادیا۔ جب جنرل ایوب خان کو سیاسی پارٹی بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو کنونشن مسلم لیگ کے نام سے جماعت بنالی۔ صدر ایوب اس کے صدر بن گئے اور ذوالفقار علی بھٹو کو اس پارٹی کا جنرل سیکرٹری بنادیا گیا۔ اور وزارت خارجہ کا قلمدان ان کے سپرد کردیا۔

1965ء میں پاک وہند جنگ ہوئی۔ جنگ بندی کے بعد انڈیا اور پاکستان کے سربراہوں کے درمیان معاہدہ تاشقند ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو معاہدہ تاشقند کو پاکستان کے مفاد کے خلاف سمجھتے تھے۔ بعض مورخین کے مطابق ذوالفقار علی خان نے صدر ایوب کو معاہدہ پر دستخط نہ کرنے کو کہا لیکن صدر ایوب نے معاہدہ پر دستخط کردیئے۔ اور مورخین کے مطابق اس پر دونوں کے درمیاں کشیدگی پیدا ہوگئی۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا دوران جنگ

مسٹر بھٹو سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے جو تقریریں کیا کرتے تھے وہ تقاریر ریڈیو پاکستان سے بھی نشر کی جاتی تھیں۔ لوگوں میں ان کی تقاریر کو بہت پسند کیا جاتا تھا اور لوگوں میں یہ تاثر پیدا ہوگیا تھا کہ وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو ہی پاکستان کی عوام کی امید کی کرن ہیں۔ لوگ ایوب خان سے معاہدہ تاشقند کی بناء پر متنفر ہوگئے تھے۔ کیونکہ مشہور ہوگیا تھا کہ صدر جنرل محمد ایوب خان نے جیتی ہوئی جنگ معاہدہ کرکے ہار دی تھی۔ وزارت سے استعفیٰ پر لوگوں میں ذوالفقار علی بھٹو کی مقبولیت بہت بڑھ گئی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے یہ اعلان کردیا کہ وہ معاہدہ تاشقند کی حقیقت لوگوں پر واضح کرے گا۔ اس پر عوام ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ ان کی طلسماتی شخصیت اور عوامی انداز بیان نے بھی ان کی مقبولیت میں بہت اضافہ کردیا۔

اس پر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی جماعت بنانے کا سوچا۔ چنانچہ نومبر 1967ء کو لاہور میں ڈاکٹر مبشر حسن کے گھر پر منعقدہ اجلاس میں پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے پہلے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل سیکرٹری جے اے رحیم بنائے گئے۔ پارٹی کے بانی ارکان میں ڈاکٹر مبشر حسن، جے اے رحیم، محمد حنیف رامے، غلام مصطفیٰ کھر وغیرہ تھے۔

پارٹی کے مندرجہ ذیل رہنماء اصول منظور کیئے گئے۔

ا۔ اسلام ہمارا دین ہے۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ سوشلزم ہماری حقیقت ہے۔ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں اور ساتھ ہی غریب عوام کو روٹی، کپڑا، مکان دینے کا نعرہ لگادیا۔ یہ پارٹی بہت تھوڑے عرصہ میں عوام میں مقبول ہوگئی۔ اور ذوالفقار علی بھٹو نے صدر ایوب کے خلاف تحریک کا اعلان کردیا۔ اس دور میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں نیب کے بھاشانی گروپ نے کسان کانفرنس کی۔ جس میں پیپلز پارٹی کے لوگوں کی کثیر تعداد شامل ہوئی۔ کانفرنس کی کامیابی سے محسوس ہوتا تھا کہ پاکستان سرخ ہوگیا ہے۔ یعنی بائیں بازو کے لوگوں کا دیس بن گیا ہے۔ پیپلز پارٹی کی سرگرمیوں سے یہ یقین ہوگیا کہ پاکستان سوشلسٹ نظریات کا ملک بن چکا ہے۔ پیپلز پارٹی کے جلسوں میں سوشلسٹ انقلاب کے نعرے لگائے جاتے تھے۔ لوگوں میں پیپلز پارٹی کی مقبولیت اور تحریک جمہوریت اور لوگوں کے احتجاج کے پیش نظر جنرل ایوب نے اقتدار جنرل یحییٰ خان کے سپرد کردیا۔

جنرل یحییٰ خان نے 1970ء میں انتخابات کرائے۔ مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی نے سب سے زیادہ سیٹیں حاصل کیں۔ اور مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے زیادہ سیٹیں لیں۔ عوامی لیگ کو پیپلز پارٹی پر برتری حاصل تھی۔ جنرل یحییٰ خان خود بھی اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور بعض مورخین کے مطابق مسٹر بھٹو بھی شراکت اقتدار کے خواہاں تھے۔ دونوں جماعتوں میں افہام وتفہیم نہ ہوسکی۔ عوامی لیگ پارٹی نے اقتدار کے لئے تحریک کا آغاز کردیا۔ جو آخر کار 1971ء کی پاک و ہند جنگ کا باعث بنی۔ جس میں پاکستانی فوجوں کو شکست ہوئی اور مشرقی پاکستان الگ ہوگیا اور بنگلہ دیش کے نام سے وہاں مجیب الرحمٰن کی حکومت قائم ہوگئی اور پاکستان کا اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کو ملا۔ 1977ء تک ذوالفقار علی بھٹو نے حکومت کی اور 1977ء میں انتخابات میں دھاندلی کے الزام پر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تمام جماعتوں نے قومی اتحاد کے نام سے تحریک کا آغاز کردیا اور آخر میں جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کرکے ملک میں مارشل لاء نافذ کردیا۔ اور کچھ عرصہ بعد ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف نواب احمد خان قصوری کے قتل کے الزام میں مقدمہ چلا۔ ان کو سزائے موت ہوگئی اور جنرل ضیاء الحق نے تمام دنیا سے اپیلوں کے باوجود کہ مسٹر بھٹو کو پھانسی نہ دی جائے پھانسی دے دی اور ملک پر گیارہ سال حکومت کی۔

اس دور میں جنرل ضیاء الحق نے میاں محمد نواز شریف کو پہلے وزیر اعلیٰ پنجاب بنایا اور پھر اس کو پرموٹ کیا۔

1988ء میں جنرل ضیاء الحق نے مسٹر جونیجو کی وزارت ختم کردی اور پھر جنرل ضیاء الحق بہاول پور سے آتے ہوئے طیارہ کے حادثہ میں جان بحق ہوگئے۔ سینٹ کے چیئرمین غلام اسحاق خان نے صدر پاکستان کا عہدہ سنبھال لیا۔ اور 1988ء میں الیکشن کروائے۔ جس کے نتیجہ میں محترمہ بینظیر بھٹو وزیر اعظم پاکستان بنیں۔ 1990ء میں غلام اسحاق خان نے محترمہ بینظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ ختم کردی۔ اور الیکشن کے نتیجہ میں میاں محمد نواز شریف پاکستان کے وزیر اعظم بنے۔ 1993ء میں میاں نواز شریف کی وزارت عظمیٰ ختم ہونے پر الیکشن کے نتیجہ میں

محترمہ بینظیر بھٹو دوسری بار وزیر اعظم بنیں۔ لیکن صدر محمد فاروق لغاری نے ان کی وزارت عظمیٰ ختم کردی۔ 1993ء کے الیکشن میں میاں محمد نواز شریف دوبارہ وزیر اعظم پاکستان بنے۔ جس کو 1999ء میں پرویز مشرف نے حکومت سے الگ کردیا۔ اور خود اقتدار پر قابض ہوگئے اور میاں محمد نواز شریف کو ملک بدر کردیا۔

2008ء میں الیکشن کے نتیجہ میں پیپلز پارٹی سب سے زیادہ سیٹیں حاصل کرکے مرکز میں حکومت میاں محمد نواز شریف کے اشتراک کرکے حکومت بنا چکی ہے۔

اگرچہ مسٹر بھٹو 1977ء میں اقتدار سے الگ کردیئے گئے اور بعد اپریل 1978ء کو ان کو پھانسی دے دی گئی۔ لیکن مرنے کے باوجود بھی لوگوں کے دلوں میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی مقبولیت کم نہ ہوئی۔ اور 1988ء اور 1993 میں میر ذوالفقار علی بھٹو کے اثر کی وجہ سے پیپلز پارٹی دوبارہ برسر اقتدار آئی۔ اور بھٹو کی بیٹی محترمہ بینظیر بھٹو دو بار وزیر اعظم پاکستان بنیں۔ 2008ء کے الیکشن سے قبل اگرچہ محترمہ بینظیر بھٹو لیاقت باغ راولپنڈی میں جلسہ کے فوراً بعد ایک خودکش حملہ یا قاتلانہ حملے میں جاں بحق ہوگئیں۔ لیکن مسٹر بھٹو اور محترمہ بینظیر بھٹو کے فیکٹر کے تحت ہی پیپلز پارٹی سب سے زیادہ سیٹیں لینے میں کامیاب ہوئی۔

مورخین کی عام رائے کے مطابق میاں محمد نواز شریف کو ضیاء الحق فیکٹر کی بناء پر دو بار وزارت عظمیٰ ملی تھی۔ کیونکہ ان کو ضیاء الحق کا سیاسی وارث گردانہ گیا تھا۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کی سیاست کافی عرصہ بھٹو خاندان اور ضیاء الحق کے زیر اثر رہی ہے۔ بلکہ موجودہ حکومت میں بھٹو فیکٹر نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مولف نے دونوں کے ادوار کے میرٹ اور ڈی میرٹ کا ذکر نہ کیا ہے۔ بلکہ سیاست میں ان کے اثر اور فیکٹر کو قارئین تک پہنچانا مقصود تھا اور یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ بڑے بڑے عہدے اور وزارتیں اور سفارتیں ان ہی کی مرہون منت ہیں۔

جماعت اسلامی

1941ء میں دہلی کے ایک اجتماع میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اس کے امیر چنے گئے۔ مولانا مودودی نے جماعت کو ایک منظم اور بڑی سٹریٹ

پاور رکھنے والی جماعت بنا دیا۔ جماعت اسلامی نے تحریک ختم نبوت میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ مولانا مودودی کو سزائے موت بھی ہوئی۔ لیکن بعد میں منسوخ ہوگئی۔ 1972ء میں مولانا مودودی خرابی صحب کی وجہ سے جماعت اسلامی کی امارت سے الگ ہو گئے اور جماعت اسلامی نے متفقہ طور پر میاں محمد طفیل کو امیر جماعت اسلامی بنالیا۔ ان کو بھٹو حکومت نے گرفتار کرلیا اور ان کے ساتھ جیل میں بد اخلاقی اور بد سلوکی کی گئی اور سپریم کورٹ کے حکم پر رہا ہوئے۔

1985ء میں جماعت اسلامی نے میاں محمد طفیل کی امارت میں الیکشن میں بڑے زور د شور سے حصہ لیا۔ ان انتخابات میں جماعت کے مرکزی پارلیمنٹ میں آٹھ ممبر کامیاب ہوئے۔ جماعتی ارکان میں سے کچھ نے وزارتیں بھی حاصل کیں۔ اس دوران میاں محمد طفیل جماعت اسلامی کی امارت سے الگ ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ میاں محمد طفیل جنرل ضیاء الحق کے رشتہ دار تھے۔

جمعیت علمائے اسلام

جمعیت علمائے ہند کی بنیاد 1919ء میں رکھی تھی۔ اس کے رہنماؤں میں سے حضرت شیخ الہند محمود الحسن اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کو بلند مرتبہ حاصل ہے۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے حصہ کا نام جمعیت علمائے اسلام رکھا گیا۔ پاکستان میں مولانا مفتی محمود اس کے بڑے رہنما تھے۔ ایک سٹیج پر جمعیت علمائے اسلام کے صدر حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی تھے۔ جن کا تعلق آرائیں برادری سے تھا۔ اب جمعیت دو گروپوں سمیع الحق اور فضل الرحمٰن گروپ (درخواستی گروپ) میں تقسیم ہوگئی ہے۔ فضل الرحمٰن اس کے مقتدر رہنما ہیں۔ صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان میں جمعیت العلمائے پاکستان کا بڑا اثر ہے۔ حضرت مفتی محمود بوقت بنیاد جمعیت علمائے اسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی کے مدرسہ خیر المدارس میں مدرس تھے۔ جو بعد میں سیاست میں اونچا مقام حاصل کر گئے۔

مزدور کسان پارٹی

مزدور کسان پارٹی 1967ء میں قائم ہوئی اس جماعت کے بانی اراکین میں میجر (ر) محمد اسحاق، محمد افضل ایڈووکیٹ، غلام نبی کلو وغیرہ تھے یہ جماعت سوشلسٹ خیالات

رکھنے والی جماعت تھی۔ ایک سٹیج پر مزدور، کسان پارٹی کا ایک گروپ سردار شوکت علی گنجیانوالہ کی سربراہی میں عوامی نیشنل پارٹی میں شامل ہوگیا اور سردار شوکت علی عوامی نیشنل پارٹی کے جنرل سیکرٹری بن گئے۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی

بنگلہ دیش کے قیام کے بعد نیب بھاشانی گروپ کے مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے اکثر کارکن جن میں سی آر اسلم ایڈووکیٹ، عابد حسین منٹو ایڈووکیٹ، بشیر احمد ایڈووکیٹ، خواجہ محمد رفیق، انیس ہاشمی، کنیز فاطمہ کراچی، محمد قسور گردیزی، میاں محمود احمد ایڈووکیٹ فیصل آباد، چوہدری فتح محمد ٹوبہ ٹیک سنگھ، اور دیگر بہت سارے لوگ کا اجتماع ہوا۔ اور اس اجتماع میں پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ اور تمام مسائل کا حل سوشلزم کو قرار دیا گیا۔ سوشلسٹ پارٹی آف پاکستان کے پہلے صدر سی آر اسلم اور جنرل سیکرٹری عابد حسین منٹو قرار دیئے گئے۔

سی آر اسلم کا تعلق آرائیں برادری سے ہے پارٹی نے زیادہ کام مزدوروں میں کیا۔ پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن مزدوروں کا ادارہ تھا۔ جس کی تنظیم آل پاکستان تھی۔ اور دیگر ٹریڈ یونینز بھی زیادہ تر سوشلسٹ پارٹی کے کنٹرول میں تھی۔ کسان محاذ پر پارٹی بڑی متحرک رہی۔ سی آر اسلم ایڈووکیٹ ابھی حال ہی میں فوت ہوئے ہیں۔ سوشلسٹ پارٹی ابھی زندہ ہے لیکن کافی حد تک غیر متحرک ہوگئی ہے۔

سیاسی جماعتوں اور تنظیموں کا تفصیل سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے۔ تا کہ قارئین اور خاص طور پر برادری کے لوگوں کو بتایا جائے کہ کافی جماعتوں اور تنظیموں کے بانی ہی آرائیں تھے۔ یا ان جماعتون میں آرائیں کلیدی عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ مسلم لیگ، پیپلز پارٹی اور ضیاء الحق فیکٹر کے گرد پاکستان کی سیاست خاص طور پر گھومتی رہی۔ جن کے بانی یا بانی ارکان کا تعلق آرائیں زعماء سے رہا ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا تا کہ آرائیں حضرات بڑی تعداد میں سیاسی عمل میں حصہ لیں۔ اور اپنی اکثریتی صالح فطرت کی بناء پر پاکستان کی سیاست میں مثبت کردار ادا کر کے پاکستان کو ترقی کی منزلوں تک لے جاسکیں۔

صحافتی محاذ پر آرائیں زعماء کا کردار

صحافتی میدان میں بھی آرائیں زعماء نے قابل قدر خدمات سرانجام دیں ہیں۔انہوں نے پاکستان میں کئی روزنامہ اخبارات اور ادبی رسائل جاری کئے۔روزنامہ اخبار قومی سطح کے اخبارات کی صورت اختیار کر گئے۔ادبی جرائد نے کامیابیوں کی آخری سرحدوں کو چھولیا۔ پاکستان میں ادب کوفروغ دینے میں بہت نمایاں کردار ادا کیا۔نامور ادباء،شعراء،افسانہ نگاروں اور نثر نگاروں کو متعارف کرایا۔کچھ اخبارات اور ادبی جرائد کا ذکر یوں ہے:۔

۱۔دی پاکستان ٹائمز

یہ انگریزی کا اخبار ہے۔تحریک پاکستان کے آخری مرحلہ پر میاں افتخار الدین نے 4 فروری 1947ء کو لاہور سے اپنی قائم کردہ کمپنی الموسوم پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کے زیر اہتمام لاہور سے جاری کیا۔اس کے پہلے چیف ایڈیٹر فیض احمد فیض اور ایڈیٹر مظہر علی خان اظہر کو مقرر فرمایا۔قیام پاکستان کے بعد اس اخبار کو ملک گیر اہمیت حاصل ہوگئی۔پاکستان بھر میں انگریزی کا کوئی دوسرا اخبار اس کا ہم پلہ نہ تھا۔جیسا کہ کمپنی کا نام ہی پروگریسو پیپرز تھا۔فیض احمد فیض ترقی پسند خیالات کے حامی اور خود میاں افتخار الدین بھی ترقی پسند رجحانات رکھتے تھے۔اس اخبار نے اندرون ملک بائیں بازو کے عناصر،کارکنوں،محنت کشوں کی حمایت کی اور آرٹ اور کلچر کی سرپرستی اپنائی۔بین الاقوامی میدان میں اس نے نوآبادیاتی اور سامراجی قوتوں کی مخالفت کی اور اشتر کی ممالک کی حمایت کی۔1964ء میں جنرل ایوب نے اس وقت کے مقبول عام اور وسیع پیمانے پر پڑھے جانے والے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے والے اخبارات کو حکومتی تحویل میں لینے کی پالیسی

ئی۔ان قومیائے اخبارات کو کنٹرول کرنے کے لئے ایک ادارہ نیشنل پریس ٹرسٹ بنایا۔دی پاکستان ٹائمز کو بھی نیشنل ٹرسٹ کی ملکیت میں دے دیا گیا۔میاں افتخار الدین کو اس اخبار کی ت سے محروم کردیا گیا۔جس سے میاں افتخار الدین کو اخبار اور اس وقت کی کروڑوں روپے کی جائیداد سے جس میں اخبار کے دفاتر تھے،ہاتھ دھونا پڑے۔

روزنامہ امروز

یہ اردو اخبار تھا۔اس کو بھی میاں افتخار الدین نے پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کے زیر اہتمام 4 مارچ 1948ء کو لاہور سے جاری کیا۔جلد ہی اخبار کے ایڈیشن کراچی اور ملتان سے بھی شائع ہونے لگے۔بہت جلد یہ اخبار قومی سطح کا اخبار بن گیا اور پنجاب میں نوائے وقت کے علاوہ باقی تمام اخباروں کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔اس کے ایڈیٹران میں مولانا چراغ حسن حسرت،احمد ندیم قاسمی بھی شامل رہے۔یہ بھی دی پاکستان ٹائمز کی طرح قومی اور بین الاقوامی معاملات میں بائیں بازو کی ترجمانی کرتا تھا۔پاکستان میں ٹریڈ یونین کو فروغ دینے میں اس اخبار نے بہت زیادہ کام کیا۔جاگیرداری کے خاتمہ اور مختلف طبقوں میں معاشی تفریق ختم کرنے کے خیالات کو پھیلایا۔ جس کی وجہ سے بھٹو دور میں زرعی اصلاحات کی گئیں۔اگرچہ مکمل طور پر جاگیرداری کا خاتمہ نہ سکا ہے۔صدر جنرل محمد ایوب خان نے اس اخبار کو بھی کنٹرول کرنے کے لئے قومیا کر نیشنل ٹرسٹ کی ملکیت میں دے دیا۔

روزنامہ امروز نے اردو ادب میں بھی گراں قدر اضافے کئے۔اس میں ہر اتوار کو علمی و ادبی صفحات بھی شائع ہونے لگے۔جس سے علم و ادب کو فروغ حاصل ہوا اور اردو زبان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔اس کے علاوہ امروز نے خوبصورت میک اپ اور لے آؤٹ کے لحاظ سے اردو صحافت میں تبدیلی کی۔کوہستان اور مشرق کے اجراء سے پہلے پنجاب میں امروز ہی ایسا اخبار تھا جو ہر لحاظ سے دیدہ زیب تھا۔نیشنل ٹرسٹ پریس کی تحویل میں جانے کے بعد روز بروز اسکو زوال آتا گیا۔آج کل نظر نہ آتا ہے۔شائد بند ہوگیا ہے۔

۳۔روزنامہ کوہستان

یہ اخبار آرائیں دانشوران عنایت اللہ اور نسیم حجازی مرحومین نے 14 اگست 1953ء کوراولپنڈی سے جاری کیا۔ عنایت اللہ اس کے منتظم اور نسیم حجازی مدیر اعلیٰ تھے۔ جلد ہی اس نے بہت زیادہ مقبولیت حاصل کرلی۔ 1956ء میں لاہور سے بھی شائع ہونے لگا۔ یہ اپنے وقت کا وسیع اشاعت اور وسیع ریڈر شپ رکھنے والا اخبار تھا۔

کوہستان نے اردو صحافت میں کافی اضافے کئے جو مستقل رجحانات کی صورت اختیار کر گئے۔ بقول ڈاکٹر مسکین حجازی مصنف "پنجاب میں اردو صحافت" صفحہ نمبر 526 کوہستان ایک مقبول عام اخبار تھا۔ اس میں معاشرے کے عام طبقات کے مسائل، احوال، سرگرمیوں کو جگہ دینے کا اہتمام کیا گیا۔ علمی، ادبی، ثقافتی تنظیموں اور ان کی کارکردگی کے لئے کالم مختص کئے گئے۔ تعلیمی اداروں میں ہونے والی سرگرمیوں کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ ہونہار طلبہ و طالبات کے تعارف کا اہتمام کیا گیا۔ بچوں، طلبہ، خواتین، محنت کشوں کے لئے الگ الگ صفحات مختص کئے گئے۔ معلوماتی اور عام دلچسپی کے حامل مندرجات پر مشتمل میگزین سیکشن شروع کیا گیا۔

کوہستان نے لے آؤٹ اور طباعت کے لحاظ سے اردو صحافت میں ایک اہم اضافہ کیا۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ جدید اردو اخبار نویسی میں کوہستان کو نئی ایجادات کا فخر حاصل ہے۔ پہلی بار کوہستان میں مختلف طبقوں کے لئے الگ الگ صفحات کا رواج ہوا۔

1963ء میں عنایت اللہ اخبار سے الگ ہو گئے۔ اخبار کی مقبولیت کے پیش نظر اس وقت کی حکمران جماعت کنونشن، لیگ نے پریشر ڈال کر کوہستان کے اکثریتی حصص خرید کر اس کا انتظام سنبھال لیا۔ لیکن اخبار زوال پذیر ہو گیا۔ اخبار دیگر ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہا۔ آخر اس کی مالی حالت اس قدر خراب ہو گئی کہ 1971 میں کوہستان مستقلاً بند ہو گیا۔

۴۔ روزنامہ مشرق

یہ اخبار 1963ء میں کوہستان سے الگ ہو کر عنایت اللہ مرحوم نے جاری کیا۔ اور جلد ہی یہ روزنامہ پاکستان کے چند بڑے اور کامیاب ترین اردو اخبارات میں شامل ہو گیا۔ اس کی روزانہ اشاعت بہت بڑھ گئی اور ~ ان سوسائٹی کے بہت بڑے حلقے میں مقبول عام ہو کر پڑھا

جانے لگا۔

صدر جنرل محمد ایوب خان نے اخبار کی مقبولیت اور رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کے خدشہ کی بناء پر 1964ء میں اس اخبار کو بھی زبردستی نیشنل پریس ٹرسٹ میں شامل کرلیا۔ اس اخبار نے ٹرسٹ میں شامل ہونے کے باوجود اپنا الگ تشخص برقرار رکھا۔ اگرچہ ہر دور میں اس کی پالیسی حکومت وقت کی ضرورتوں کے مطابق رہی۔ اس کے باوجود عام مضامین مختلف النوع خصوصی اشاعتوں میں اسلام، پاکستانیت، اور ملی اقدار کے بارے میں مواد شائع ہوتا رہا۔ اس وجہ سے مشرق کی اشاعت ٹرسٹ کے دوسرے اخبارات سے بہت زیادہ ہے اور بقول ڈاکٹر سید عبداللہ مشرق نے کوہستان کی روایات کو آگے بڑھایا بلکہ ان میں اضافہ کیا۔ مشرق نے کوہستان سے بڑھ کر اردو کی خدمت کی ہے۔ خصوصاً اونچے طبقے کی خواتین نے مشرق کے ذریعہ اردو کو قابل اعتناء خیال کرنے کا آغاز کیا اور مشرق نے انگریزی زاد طبقے کو مسلمان بنا دیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ صدر جنرل ایوب کے زمانہ میں نوائے وقت کے علاوہ آرائیں زعماء کے اخبارات، پاکستان ٹائمز، امروز، کوہستان، مشرق تمام قومی سطح کے اخبارات تھے اور مقبولیت کی بلندیوں پر تھے اور رائے عامہ پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ اس لئے ان کو حکومت نے زبردستی اپنی تحویل میں لے لیا۔ پھر اخبارات سوائے پاکستان ٹائمز زوال پذیر ہو گئے۔ آج کل اخبارات کے اسٹالوں پر نظر نہ آتے ہیں۔

۵۔ روزنامہ آزاد

یہ اخبار مولانا عبدالرحیم ساقی آرائیں نے جاری کیا۔ پھر انہوں نے سٹوڈنٹس اون بک ڈپو کے نام سے کتابوں کی دوکان کھول لی اور کتابیں شائع کرنے لگے۔ پھر اس کا ڈیکلیریشن مختلف اصحاب لیتے رہے۔ اگرچہ اس کے ایڈیٹران میں آغا شورش کاشمیری، نوابزادہ نصراللہ خان، شیخ احتشام الدین، عبداللہ ملک، حمید اختر اور آئی اے رحمان شامل رہے ہیں۔ لیکن یہ اخبار اپنے بڑے معاصرین کے مقابلہ میں جم نہ سکا۔ جیسے تیسے چلتا رہا اور آخر 1978ء میں بند ہو گیا۔

۶۔روزنامہ مساوات

یہ اخبار حنیف رامے نے 1970ء کو جاری کیا۔ وہ ہی اس کے پہلے مدیر تھے۔ 1970ء کے انتخابات سے قبل اس اخبار نے خاصی مقبولیت حاصل کرلی تھی۔ چونکہ یہ پیپلز پارٹی کا نقیب تھا۔اس لئے مخالف جماعتوں پر تندوتیز تنقید کرتا تھا۔اور پیپلز پارٹی کی خبریں نمایاں طور پر شائع کرتا تھا۔

پیپلز پارٹی کے برسراقتدار آنے کے بعد رفتہ رفتہ اس کی مقبولیت کم ہوگئی۔آخرکار 1979ء کو یہ اخبار بند ہوگیا۔

۷۔ڈیلی بزنس رپورٹ

1939ء میں مدیر سندر داس عاصی اس کے مالک تھے۔تجارتی پرچہ تھا۔1947ء کے بعد سندر داس کی بھارت روانگی پر ڈیلی بزنس رپورٹ بند ہوگیا۔اکتوبر 1948ء میں میاں شاہ محمد عزیز نے فیصل آباد سے پھر جاری کیا۔لاہور سے بھی شائع ہوا۔تجارتی حلقوں میں بڑا مقبول عام اخبار رہا ہے۔میاں شاہ محمد عزیز فوت ہو چکے ہیں۔

۸۔ہفت روزہ نصرت

یہ ہفت روزہ پہلے محمد حنیف رامے اور ان کے بھائی اکٹھا شائع کرتے تھے۔پھر کاروبار کی تقسیم کے بعد محمد حنیف رامے نے نصرت کا چارج سنبھال لیا۔حنیف رامے نے پیپلز پارٹی میں شامل ہونے پر اس کو پیپلز پارٹی کا نقیب بنادیا اور پیپلز پارٹی کا پیغام ملک کے کونے کونے تک پہنچایا۔

۹۔ہفت روزہ نسیم

یہ ہفت روزہ جہلم سے شائع ہوتا تھا۔اس کے ایڈیٹر جناب محمد اسحاق نقشبندی تھے۔جن کا بازار کلاں جہلم میں مکتبہ نسیم تھا۔جو سکولوں کی نئی درسی کتب شائع کرتے تھے۔

۱۰۔رسالہ ہمایوں

سر عبدالقادر کے رسالہ مخزن کے بعد جس رسالہ نے پنجاب میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے، اپنا حلقہ اثر قائم کیا اور اپنی حیثیت منوائی وہ ہمایوں ہے۔

ہمایوں کا پہلا شمارہ 1922ء کو افق صحافت پر نمودار ہوا۔اس کے مالک و مدیر میاں بشیر احمد بار ایٹ لاء تھے۔انہوں نے یہ رسالہ اپنے والد جسٹس میاں شاہ دین ہمایوں کی یاد میں نکالا۔علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے سب سے پہلے اپنی نظم اس رسالہ کے لئے بھیجی۔وہ میاں صاحب کے والد میاں شاہ دین ہمایوں کی یاد میں تھی۔جس کا مطلع کچھ یوں ہے:

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی۔
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی۔

ادبی صحافت میں رسالہ ہمایوں نے بعض جدتیں پیدا کیں اور ایسے موضوعات کا احاطہ کیا جو اس سے پہلے ادبی رسائل کے لئے اجنبی تھے۔متمدن دنیا کی مختلف جدید تحریکوں پر مفصل مضامین شائع کئے۔تاکہ قارئین عالمی تمدن کی رفتار کا صحیح انداز کرسکیں۔مغربی ادب کے تراجم اور مغربی فن مصوری کے نمونے کثرت سے شائع کئے۔لیکن مشرقی ادبیات اور مشرقی فنون کو بھی برابر کا حصہ دیا۔پاکستان و ہند کے ممتاز ادیبوں،شاعروں کا کلام اس میں شائع ہوتا تھا۔دانشوروں کے متعدد موضوعات پر مضامین و مقالات شائع ہوتے تھے۔مثلاً مغربی سیاسیات، واقعات عالم، معاشرتی واقعات، طبیعات، فلسفہ، شخصیات، معاشرت تمدن، اخلاقیات، مذہب، روحانیت، سیرت و سوانح، تنقید وغیرہ۔ہر سال اس کا سالگرہ نمبر شائع ہوتا تھا۔اس کے خصوصی نمبر بھی شائع کئے گئے۔مثلاً افسانہ نمبر 1934، روسی ادب نمبر 1935، فرانسیسی ادب نمبر 1935 روایتی افسانوں کی بجائے نئے افسانے کی ابتداء کی۔اس میں لکھنے والوں میں سید فیاض محمود، حسن عسکری اور کرشن چندر سرفہرست تھے۔ہمایوں کا سرورق خوبصورت، دلکش اور جاذب نظر تھا۔اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا تھا۔کہ کوئی مخرب اخلاق اشتہار رسالہ میں شائع نہ ہونے پائے۔

ہمایوں تحریک فروغ اردو کا علمبردار تھا۔اردو زبان کو ہندو فرقہ پرستوں اور انگریزوں کی ہندو نوازی کا مقابلہ کرنا تھا۔اگر اس وقت اردو کی حمایت اس انداز میں نہ کی جاتی تو اردو کا مستقبل

تاریک ہو جاتا۔ ہمایوں نے اردو زبان کی ترقی اس کو ملکی زبان بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ہمایوں نے سماجی و معاشرتی میدان میں بھی بہت نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ میاں بشیر احمد تعلیم نسواں کے اس دور میں حامی تھے۔ جب عورتوں کا گھروں سے نکلنا شرفاء میں بڑا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ انہوں نے ہمایوں کے ذریعے عورتوں کی ترقی اور بہبود کے لئے بھرپور کوشش کی۔ مسلمان آزادی کے لئے جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے۔ لیکن مردوں نے عورتوں کو گھر کی چاردیواری سے باہر نکلنے سے منع کر دیا۔ عورتوں کو پردہ میں بیٹھ کر بھی کسی سیاسی جلسہ میں شریک ہونے کی ممانعت تھی۔ چنانچہ مدیر ہمایوں اس بات پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ باتیں اب زبردستی چھوڑنا پڑیں گی۔ اگر نہ چھوڑیں گئیں تو قوم کو ابھرتے ابھرتے بھی اس کو لے ڈوبیں گیں۔ میاں صاحب نے اپنی بیگم گیتی آراء بشیر احمد کو سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت فرمائی۔ ان کی خواہر نسبتی بیگم جہاں آراء شاہنواز (دونوں سر میاں محمد شفیع کی صاحبزادیاں) تو قیام پاکستان سے قبل اور بعد پنجاب اسمبلی کی کئی بار ممبر منتخب ہوئیں ان کی دیکھا دیکھی اور بہت سی خواتین نے تحریکِ آزادی میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

ہندوستان میں بری رسوم میں سے ایک رسم شادی پر خرچ کرنا بھی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"کون ہے جو افلاس زدہ ہندوستان میں جہیز اور دعوت کے بغیر شادی رچانے کو تیار ہو۔ بنئے کی کمائی بیاہ اور مکان نے کھائی۔ یہ تو مشہور ہے اور مسلمان کمائی سے گزر کر بچے بچی کی شادی کے لئے بنیئے سے سود در سود قرضہ لینا عین مسلمانیت سمجھتا ہے"۔

ہمایوں اپنے وقت کی ہندوستان کی سیاسی حالت سے بے خبر نہ تھا۔ بلکہ حکومت برطانیہ کے خلاف جو تحریک چلتی ہمایوں اس پر رائے زنی کرتا تھا۔ ہندو مسلم فسادات سے منع کرتا تھا۔ بکم جنوری 1922ء سے لیکر 1957ء تک ہمایوں مسلسل باقاعدہ سے ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع

ہوتا رہا۔ اس میں ایک دن کی تاخیر بھی نہ ہوئی۔

۱۱۔ ماہنامہ ادب لطیف

ماہنامہ ادب لطیف کا اجراء محمد حنیف رامے کے چچا چوہدری برکت علی نے 1935ء میں کیا۔ پہلے شمارے میں ماہنامہ کے درج ذیل مقاصد بیان کئے گئے۔

۱۔ زبان اردو کے اعلیٰ نمونے پیش کرنا، ادب لطیف کا حقیقی مقصد ہے۔

۲۔ ادب لطیف کی کوشش ہوگی کہ نثر، شاعری اور ہلکے پھلکے ادب کے اعلیٰ نمونے پیش کرے۔

۳۔ علمی اور تنقیدی مضامین کے ذریعے ملک میں پاکیزہ ادب پیدا کرنا۔

۴۔ اس کی اشاعت کا حقیقی اور غرض یہ کہ ابنائے وقت کو اردو کی قدر دانی کی طرف مائل کیا جائے اور ان کے محاسن و کمالات کی پوری پوری داد دی جائے۔

یہ رسالہ ایسا تھا۔ جس نے اعلیٰ معیاری تخلیقات پیش کرنے کے علاوہ ادبی تحریکوں اور محرکات کو بھی متاثر کیا۔ اس نے بعض ایسی روایات قائم کیں۔ جن کو بعد میں دوسرے پرچوں نے اختیار کیا۔ ان میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس نے اردو ادب کو مغربی ادب کے مختلف رجحانات کے بدلتے ہوئے دور سے ہم آہنگ کیا۔ اور اسے فکر کی تازہ بہ تازہ دریافتوں اور تخلیقی تجربوں کے بہت قریب کر دیا۔

ادب لطیف کے کارناموں میں سالناموں کے علاوہ جو علمی ادب کا شاہکار ہوتے تھے۔ اس کے خصوصی نمبر میں 1950 کا طویل مختصر افسانہ نمبر 1954 ڈرامہ نمبر 55 کا اردو نمبر 1959 کا ناولٹ نمبر۔

1935 سے تاحال ادب لطیف کی ادارت کا شرف بہت سے نامور ادباء اور شعراء کو حاصل رہا ہے۔ جن میں طالب انصاری، مرزا ادیب، کرشن چندر، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، راجندر سنگھ بیدی، باری علیگ، ممتاز مفتی، فکر تونسوی، عارف عبدالمتین، قیوم نظر، سید قاسم محمود، ذکاء الرحمٰن، اور ناصر زیدی شامل ہیں۔ ان نابغہ روزگار ادباء اور شعراء کی فہرست سے

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ماہنامہ ادب لطیف کس معیار کا پرچہ ہوگا اور اس میں کس معیار کے ادباء اور شعراء کا کلام شائع ہوتا ہوگا اور پرچہ نے فروغ ادب میں کتنا موثر کردار ادا کیا ہوگا۔ یہ پرچہ آج بھی جاری ہے اور ادب کی خدمت میں مصروف ہے۔

۱۲۔ سویرا

یہ جریدہ 1946ء میں لاہور سے جاری ہوا۔ ترقی پسند تحریک اور ادب کا ترجمان تھا۔ اس کا اجراء چوہدری برکت علی (مالک ادب لطیف) کے بھتیجے چوہدری نذیر احمد نے کیا تھا۔ پہلا پرچہ چوہدری نذیر احمد اور فکر تونسوی نے ملکر مرتب کیا اور داریہ بعنوان "مجھے بھی کچھ کہنا ہے" میں یہ بتایا گیا کہ سویرا ترقی پسند ادیبوں کا نقیب ہے۔ پہلے پرچہ میں جان پہچان کے زیر عنوان اختر حسین رائے پوری، ممتاز مفتی، شفیق الرحمٰن، باری علیگ، اوپندر ناتھ اشک، ساحر لدھیانوی اور فراق گورکھپوری کے خاکے شائع کئے گئے، مقالات باری، ظہیر کاشمیری، سنہا لال کپور، عندلیب شادانی، طفیل احمد اور سعادت حسن منٹو کے تحریر کردہ تھے۔ بعد میں ظہیر کاشمیری، احمد راہی، عارف عبدالمتین، حنیف رامے، سلیم الرحمٰن، ریاض احمد چوہدری، ظفر اقبال اور صلاح الدین محمود بھی مختلف اوقات میں مجلس ادارت سے وابستہ رہے۔

مجلس ادارت سے وابستہ نابغہ روزگار افراد سے رسالے کے معیار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس پرچہ میں صرف پاکستان کے ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے ترقی پسند ادیب اور شاعر لکھتے رہے ہیں۔

۱۳۔ نقوش

لاہور کا مشہور ادبی رسالہ نقوش مارچ 1948ء میں احمد ندیم قاسمی اور ہاجرہ مسرور کی ادارت میں نکلا چوتھے شمارے میں سعادت حسن منٹو کا افسانہ "کھول دو" چھاپنے پر حکومت نے سیفٹی ایکٹ کے تحت بند کر دیا پھر 1949ء میں دوبارہ اجراء ہوا۔ 1951ء کو محمد طفیل اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ اس وقت سے لے کر آج تک محمد طفیل ہی اس کے مدیر چلے آرہے ہیں۔ ان کا نام ہی محمد طفیل نقوش پڑ چکا ہے۔

اردو کے مشہور ادیب حکیم احمد شجاع کے مطابق نقوش کا اجراء محمد طفیل نے کیا تھا۔ بہر حال آج کل نقوش کے وہی مالک و مدیر ہیں۔ نقوش میں ڈاکٹر تاثیر، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، مولانا صلاح الدین، کے مقالے، ممتاز شیریں، شفیق الرحمٰن، سعادت حسن منٹو، ممتاز مفتی، اے حمید، اشفاق احمد کے افسانے، جگر مراد آبادی، ن م راشد، صوفی تبسم، عبدالحمید عدم، جوش ملیح آبادی، قیوم نظر اور احسان دانش، جیسے اپنے وقتوں کے چوٹی کے شاعروں کا کلام شائع ہوتا رہا ہے۔ اب بھی چوٹی کے ادباء اور شعراء کا قلمی تعاون نقوش کے ساتھ جاری ہے۔

ادبی دنیا میں نقوش کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ قومی ادب کی دن رات خدمت میں مصروف ہے۔ نقوش نے بہت ضخیم خصوصی شمارے شائع کئے ہیں۔ نقوش کا افسانہ نمبر، منٹو نمبر، شخصیات نمبر، غزل نمبر، مکاتیب نمبر، لاہور نمبر، ادب عالیہ، رسول نمبر وغیرہ، خاصے کی چیز ہے اور یہ نمبر علمی اور ادبی دستاویزات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ محمد طفیل نقوش کا تعلق آرائیں برادری سے ہے۔

۱۴۔ روزنامہ سفینہ

یہ اخبار مشہور صحافی وقار انبالوی نے 17 نومبر 1947ء کو لاہور سے جاری کیا۔ اس کے ایڈیٹر وقار انبالوی ہی تھے۔ اس کے صفحات زیادہ تر مہاجرین کے مسائل کے لئے وقف ہوتے تھے۔ مہاجرین کی آباد کاری اور ان کی مشکلات پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ حکومت خصوصاً پنجاب کے انگریز گورنر فرانسس مودی کے بارے میں اس کا لہجہ سخت ہوتا تھا۔ چنانچہ اسے بندش کا سامنا کرنا پڑا۔ وقار انبالوی اخبار کی بندش کے بعد "نوائے وقت" میں "سرراہے" کالم اپنی وفات پر لکھتے رہے۔ وقار انبالوی اچھے شاعر بھی تھے۔ آرائیں برادری کے نامور سپوت تھے۔

۱۵۔ روزنامہ خبریں

روزنامہ خبریں قومی سطح کا اخبار ہے۔ اس کی اشاعت وسیع ہے۔ وسیع حلقوں میں پڑھا جاتا ہے۔ بعض اوقات ہائی لائٹ کرنے کے لئے واقعہ کی جائے وقوعہ پر جا کر صحیح تفصیل معلوم کرنے کے لئے رپورٹنگ ٹیم بھیجنے کی روایت بھی خبریں نے ہی ڈالی ہے۔ اس اخبار کا اجراء ضیاء

شاہد نے کیا وہی اس کے مالک ہیں اور ایڈیٹر انچیف ہیں۔

۱۶۔ٹیلیویژن 5

ٹیلیویژن 5 چینل بھی ضیاء شاہد نے قائم کیا ہے وہی اس کے مالک ہیں۔اس چینل نے بہت تھوڑے عرصے میں عوام میں خاصی مقبولیت حاصل کر لی ہے۔عوام میں سیاسی اور سماجی شعور پیدا کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

☆☆☆

تیرھواں باب

شاعر، ادیب اور صحافی

آرائیں برادری کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس میں بہت اعلیٰ پائے کے شاعر، ادیب اور صحافی پیدا ہوئے۔جنہوں نے شاعری، ادب اور صحافت میں بہت بلند مقام حاصل کیا۔

جلال الدین جلالؔ

اتر پردیس (یو۔پی) میں ادب وشاعری کا بڑا چرچا تھا۔چنانچہ بھیلی پیت کے آرائیوں میں بھی علم وادب وشاعری کو کافی فروغ ملا۔اردو، فارسی کی تعلیم عام ہونے سے علمی ذوق نکھرا اور خوشحالی اور فارغ البالی نے اسے خاصی جلا بخشی، موضع ڈھکیہ کے آرائیں خاندان کے جلال الدین مرحوم جو جلالؔ تخلص فرماتے تھے۔بڑے اچھے قادر الکلام شاعر تھے۔ان کی غزل کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیے:۔

تم آؤ تو مے خانے میں اک لطف ہے زاہد
پینا نہ سہی مرد خدا ذرا دیکھتے رہنا

واں زلفیں سنواریں گئیں اُمڈے ہیں ادھر اشک
کس رخ پہ برستی ہے گھٹا دیکھتے رہنا۔

محمد اسحاق بےصبرؔ

یو۔پی کی آرائیں برادری سے ان کا تعلق ہے۔تقسیم برصغیر پر پاکستان کراچی چلے آئے۔آم کی تعریف میں ایک نظم سے ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

یہ آم خاص بخشش پروردگار ہے

اللہ کا الف ہے محمد کا میم ہے۔

کراچی کی تعریف میں ان کا ایک شعر

اے کراچی اے نگارِ انقلاب

تجھ سے بوئے دوستاں آنے لگی

چوہدری عبدالعزیز خالدؔ

جالندھر کی مردم خیز دھرتی میں پیدا ہوئے۔ ماسٹر کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ انکم ٹیکس میں انکم ٹیکس کمشنر رہے۔ غالباً اس سے بڑے عہدے پر بھی پہنچے۔ بہت بلند پایہ شاعر ہیں۔ سیارہ ڈائجسٹ نے تقریباً ساڑھے گیارہ سو صفحات پر مشتمل عبدالعزیز خالدؔ نمبر نکالا۔ ان کی شاعری کی بیس کتابیں شائع ہوئیں۔ اپنے اشعار میں عربی الفاظ، اصطلاحات کو برتنے کا آپ کو خاص ملکہ تھا۔ جس سے بعض دفعہ بھاری پن کا بھی احساس ہوتا ہے۔ یونانی زبان کی معروف شاعرہ سیفو کے اشعار کا منظوم ترجمہ گل نغمہ زبان دانی کی بہترین مثال ہے۔

ظفر اقبال

ضلع ساہیوال سے تعلق ہے۔ قادر الکلام شاعر ہیں۔ جدید غزل کے بڑے شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بعض ناقدین ان کو جدید غزل کے بانیوں میں شمار کرتے ہیں۔ جدید غزل میں نئے رجحانات کو آپ نے فروغ دیا ہے۔

مختلف اخبارات میں کالم نگاری کے جوہر دکھاتے ہیں۔ آپ کا کالم طنز و مزاح سے مزین ہوتا ہے۔ جس سے قاری بڑا لطف لیتا ہے اور بڑے پتہ کی باتیں بھی اخذ کرتا ہے۔

نمونہ کلام:

یہاں کسی کو بھی حسب آرزو نہ ملا۔

کسی کو ہم نہ ملے اور ہم کو تو نہ ملا۔

جب سے اس کا حسن حائل ہو گیا ہے راہ میں

زندگی اپنی گزرتی ہے بسر ہوتی نہیں۔

وقت بتلائے گا ایک دن کہ میں کیا ہوں

آگ ہوں۔ راکھ ہوں خورشید ہوں یا ذرہ ہوں۔

نہ جانے کب سے وہی گرمیوں کا موسم

کڑکتی دھوپ، دہکتی زمین۔ ہوا ساکن۔

ریاض مجید

تعلیم حاصل کرنے کے بعد لیکچرشپ سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ فیصل آباد کے کالجز میں پروفیسر رہے۔ اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں۔ ان کے کلام سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

جب دن چڑھا ہزار ہا کاموں میں بٹ گئے

رات آ گئی تو اپنے ہی اندر سمٹ گئے

آج اپنے دوستوں کی صورتیں پہچان لو

یہ کسے معلوم کل کو کون کیا ہو جائے گا

کون سا فخر ہے جس پر کریں گردن اونچی

ہم کو اس دور خرابی نے دیا کیا ہے

سیکھ جائیں گے کبھی دنیا سے سمجھوتے کا گُر

رفتہ رفتہ ہم کو جینے کا ہنر آ جائے گا

محمد حنیف رامے:

سیاست کے میدان میں بہت سی کامیابیاں حاصل کیں۔ بھٹو دور میں پنجاب کے وزیر خزانہ رہے اور پھر پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے۔ سینیٹر رہے۔ پہلے بھٹو کے دستِ راست شمار ہوتے تھے اور اختلاف پر پیپلز پارٹی سے الگ ہو گئے۔

ہفت روزہ نصرت نکالتے رہے۔ پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے تو ہفت روزہ نصرت کو پیپلز پارٹی کا آرگن بنا دیا اور پیپلز پارٹی کا پیغام ملک کے کونے کونے میں پہنچایا۔ روزنامہ مساوات

جاری ہوا۔تو سیاست کے ساتھ روزنامہ مساوات کے ایڈیٹر بھی رہے۔اخبار کو مقبول بنانے میں آپ کا بڑا ہاتھ تھا۔آپ اعلیٰ درجہ کے مصور بھی تھے۔"پنجاب کا مقدمہ" نام سے کتاب لکھی جس کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

نسیم حجازی

آپ روزنامہ کوہستان کے حصہ دار مالک اور ایڈیٹر تھے۔آپ کی ادارت میں ایوبی دور میں کوہستان اخبار کا بڑا شہرہ تھا۔اس وقت یہ سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اخبار تھا۔جو آپ کی صحافتی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

آپ اردو زبان کے بہت بڑے ناول نگار بھی تھے بلکہ ناول نگاری ہی آپ کی اصل پہچان ہے۔آپ نے اسلامی تاریخ کے پس منظر میں کئی ناول تحریر کیے۔جو بہت زیادہ مشہور بھی ہوئے اور جنہوں نے اسلامی تاریخ اور اسلامی شخصیات کو بہت اجاگر کیا۔نسیم حجازی کے ناول درج ذیل ہیں:۔

داستان مجاہد۔انسان اور دیوتا۔محمد بن قاسم۔آخری چٹان۔یوسف بن تاشفین۔معظم علی۔اور تلوار ٹوٹ گئی۔خاک اور خون۔

عنایت اللہ

روزنامہ کوہستان نسیم حجازی نے عنایت اللہ کے ساتھ ملکر ہی قائم کیا تھا۔آپ اخبار کے انتظامی امور کے انچارج تھے۔انہوں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں سے کوہستان کو اپنے دور کا مقبول ترین اخبار بنا دیا۔1963ء میں کچھ وجوہات کی بناء پر کوہستان سے الگ ہو گئے۔اور روزنامہ مشرق نکالا۔کوہستان چھوڑنے کے بعد کوہستان زوال پذیر ہو گیا۔لیکن آپکی اعلیٰ انتظامی اور صحافتی قابلیت کے وجہ سے مشرق ایک سال میں اپنے دور کا مقبول ترین اخبار بن گیا۔اغلب خیال یہ ہے کہ اپنے دور میں مشرق سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اخبار تھا۔آپ نے اس میں بہت سے نئے موضوعات کو متعارف کروایا اور بڑی جدتیں کیں۔جدید صحافت کے نئے انداز اور رجحانات مشرق نے دیئے۔آپ جس اخبار میں بھی کام کرتے تھے وہ کافی مقبول ہو جاتا تھا۔

بہت اعلیٰ پایہ کے اخبار نویس تھے۔

ضیاء شاہد

آپ بہت اعلیٰ صحافتی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔آپ کی تحریریں بڑی جاندار ہوتی ہیں۔مختلف اخبار میں کام کرنے کے بعد اپنا اخبار روزنامہ خبریں جاری کیا۔جو آپ کی کاوشوں سے بہت جلدی قومی سطح کا اخبار بن کر ابھرا۔جو آپ کی اعلیٰ صحافتی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔آپ نے 5 کے نام سے ٹیلیویژن کا اجراء کیا ہے۔جس نے بہت تھوڑے عرصہ میں عوام میں پذیرائی حاصل کر لی ہے۔

ایم اسلم

ایم اسلم کا تعلق لاہور سے ہے۔ناول نگار ہیں۔آپ کے ناولوں کی تعداد کافی ہے۔آپ کا شمار بسیار نویس، ناول نگاروں میں ہوتا ہے۔بعض تنقید نگاروں کے مطابق ان کے ناول ادب میں اعلیٰ مقام نہ حاصل کر سکے ہیں۔بہر حال ان کو اپنے دور میں کافی شہرت حاصل تھی۔

وقار انبالوی

آپ نے بہت سے اخبارات میں کام کیا۔روزنامہ سفینہ آپ بڑی دیر تک شائع کرتے رہے۔اس میں مہاجرین کے مسائل کو اجاگر کیا جاتا۔اخبار کی بندش کے بعد روزنامہ نوائے وقت سے منسلک ہوئے۔اور کافی سالوں تک نوائے وقت کا سر راہے تحریر کرتے رہے۔جس کو لوگ بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ان کے طنز و مزاح سے بہت لطف اندوز ہوتے تھے۔آپ عمدہ شاعر بھی تھے ابھی حال ہی میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

آفتاب اقبال

آپ مشہور شاعر اور کالم نگار ظفر اقبال کے صاحبزادے ہیں۔نوائے وقت میں کالم لکھتے ہیں۔آپ کے کالم میں ظفر اقبال کے کالم کی سی چاشنی پائی جاتی ہے۔بلکہ ان کا کالم باپ کے کالم سے بھی زیادہ مقبول ہے۔آپ کے کالم کی کاٹ خاصے کی چیز ہے۔

قدرت اللہ شہاب

آئی سی ایس افسر تھے۔ والد عبداللہ گلگت کے گورنر تھے۔ آپ بڑے صاحب طرز ادیب تھے۔ شہاب نامہ اور ماں جی ان کی شاہکار تصانیف ہیں۔ شہاب نامہ میں اپنی ذاتی زندگی کے علاوہ قیام پاکستان سے قبل اور بعد کی تاریخ پر ادبی انداز میں تاریخ ملتی ہے۔ آپ ترقی پسند ادب کے مخالف تھے۔ اپنی اہلیہ کی وفات پر نوحہ لکھا اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:۔

اک نیا گھر بسالیا تونے ــــ ہم سے دامن چھڑالیا تونے
خالی خالی سی رات کی بانہیں ــــ شیشہ بے تاب، چاندنی بے نور
جانے کیا پرالیا تونے ــــ اک نیا گھر بسالیا تونے۔

میاں محمد شفیع (م۔ش)

جالندھر میں پیدا ہوئے۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام آپ کی زیر صدارت ہی عمل میں آیا۔ جس کے صدر حمید نظامی مقرر ہوئے۔ اس مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے 1946ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا۔ سول اینڈ ملٹری اخبار میں ملازم ہو گئے۔ پنجاب مسلم لیگ کی تحریک نافرمانی کے لئے ڈان کے لئے بیس دن زیر زمین رہ کر رپورٹنگ کی۔ جس کے نتیجے میں خضر حیات ٹوانہ کو وزارت سے استعفیٰ دینا پڑا اور آپ گرفتار بھی ہوئے۔ طلوع آزادی پر رہا ہوئے۔

پاکستان ٹائمز کے اجراء پر اس سے منسلک ہو گئے۔ م۔ش کے نام سے اپنا مشہور کالم نوائے وقت میں لکھتے رہے۔ جسے لوگ بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ دوبار پنجاب صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب بھی ہوئے۔

محمد طفیل

پاکستان کا نہایت ہی مقبول رسالہ ''نقوش'' آپ کی ادارت میں 1951ء سے شائع ہو رہا ہے۔ اعلیٰ پایہ کے صحافی اور ادیب ہیں۔ صاحب، آپ، جناب آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

جو مختلف شخصیات کے خاکے ہیں۔ ان کی علمی و ادبی شخصیات کو ہر پڑھے لکھے شخص سے لے کر صدر مملکت تک نے سراہا ہے۔

رشید آفریں سیالکوٹی

جناب اکبر لاہوری سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ آپ کا کلام مشہور ادبی جرائد میں شائع ہوتا رہا ہے۔ صاحب دیوان شاعر ہیں۔ چند اشعار:۔

چار سو آرزو کے ہیں دیپک جلے
ظلمتوں کے ہر ایک دل سے سائے ڈھلے

دوستوں سے ملی داد حسن وفا
دشمنوں سے مگر دست حیرت ملے

آج کل کر و شکر اے آفریں
کامران ہو گئے قوم کے ولولے

چوہدری بشیر احمد بیتاب

آپ کو انجم وزیر آبادی سے شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ ضلع رحیم یار خان کے ایک گاؤں میں رہائش پذیر ہیں۔ اچھے زمیندار اور تحصیل صادق آباد کسان بورڈ کے صدر رہ چکے ہیں۔ آپکا کلام ''شان ہند'' دہلی عارف، تدریب اور رسالہ نورنگ میں شائع ہوتا رہا ہے۔ چند اشعار:۔

مشکلات، مصائب میرے سدِ راہ
حادثے ہیں دم بدم منہ کھولے ہوئے

منزلیں ہیں کٹھن پر خطر راستے
حوصلہ چاہئے زندگی کے لئے

یہ آنسو، نالے اور تنہائی کی راتیں ہیں
فرقت کی لمبی راتوں کو اس طرح گزارا کرتے ہیں۔

ہم طوفانوں کے خوگر ہیں احسان نہ لیں گے ساحل کا

نزدیک کنارا جب آئے ہم اس سے کنارا کرتے ہیں۔

میاں بشیر احمد

آپ جسٹس شاہ دین کے فرزند تھے۔شاعر بھی تھے۔آپ کی مشہور نظم ہے۔

ملت کا پاسبان ہے۔محمد علی جناح

ملت کا جسم و جان ہے محمد علی جناح

غیروں کے دل بھی سینے کے اندر دہل گئے

مظلوم کی فغاں ہے محمد علی جناح

لگتا ہے ٹھیک جا کے نشانے پر جس کا تیر

ایسی کڑی کمان ہے محمد علی جناح

ظہیر نیاز بیگی

شرقپور سے تعلق ،تحریک پاکستان کے جلسوں میں نظمیں پڑھا کرتے تھے۔آپ کو تحریک پاکستان میڈل بھی ملا۔آپ کی نظم کے چند اشعار:

وقت ہے مسلم آپس کے سب جھگڑے آج مٹاتا جا

ملت کے ہر ایک جوان کو اک مرکز پہ لاتا جا

قائد کی قیادت میں پھر سکہ آج بٹھاتا جا

لیگ میں شامل ہو کر اب میدان عمل گرماتا جا

اس دنیا میں کیوں اپنا جہاں نہ ہو

تو گر ہوش میں آجائے نقصان نہ ہو۔

چین ظہیر کہاں ہے جب تک پورا یہ ارمان نہ ہو

جینے کا کچھ لطف نہیں ہے جب پاکستان نہ ہو۔

ان کے علاوہ ملک حسن علی جامعی شرقپوری کئی کتابوں کے مصنف ،منشی نبی بخش نایاب

صاحب دیوان شاعر،مولوی رحیم بخش خدا اور رسول کی عشق میں لکھی گئی 26 کتابوں کے مصنف، جن میں بارہ محمدی زبان پنجابی بہت مشہور ہے۔میاں رحیم اللہ از خاندان میاں خاندان باغبانپورہ فصیح گو اور بقول راجہ رنجیت سنگھ پنجاب کا دانا بیگ ،مولوی قادر بخش نادر شاعر از خاندان باغبانپورہ حاجی بشیر احمد بشیر صاحب شعری مجموعہ نامور پنجابی شاعر،صوفی محمد اکبر علی مصنف سلیم التواریخ منشی محمد ابراہیم انبالوی مصنف آل زورعین، چوہدری علی اصغر ناول نگار ادیب اور مصنف تاریخ آرائیاں ۔ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی شیخوپورہ،شاعر،میاں محمد شفیع مصنف کتب بابت جنگ آزادی 1857 ،عبدالحمید پنجابی شاعر، چوہدری حبیب اللہ ادیب اور محقق ،ڈاکٹر مسکین علی حجازی صحافی، اطہر عباس کالم نگار،نفیس اقبال افسانہ نگار اور عالمہ، فاضلہ میاں محمد حنیف صحافی ،میاں عبدالرشید ذیلدار،صحافی اور حصہ دار سابقہ روزنامہ کوہستان ،خلیفہ خالد امین ایڈووکیٹ ،صحافی اور متعدد کتب کے مصنف، چوہدری محمد شریف شاعر، پروفیسر علم الدین سالک ادیب و محقق ،محبوب جاوید ایڈووکیٹ صحافی و ادیب ،شفیق جالندھری صحافی ،مصنف ،ادیب، پروفیسر شعبہ صحافت، چوہدری بشیر احمد بیتاب شاعر جیسے نامور شاعر،ادیب ،صحافی آرائیں برادری سے ہیں۔لیکن طوالت کے پیشِ نظر ان کا اختصار سے ذکر کیا گیا۔ان کے علاوہ ماضی اور حال کے بہت سے آرائیں شاعر، ادیب ،صحافی، تحقیق طلب ہیں۔ان کے متعلق معلومات بشرطِ زندگی بعد میں مہیا کی جائے گی۔

☆☆☆

اراضی کے بڑے آرائیں مالکان

بھٹو خاندان

سندھ اراضی کے بڑے مالکان کی آماجگاہ ہے۔ اس میں بہت سے خاندان زرعی اصلاحات سے قبل لاکھوں ایکٹر یا ہزاروں مربعوں کے مالک تھے۔ یہ خاندان اب بھی بڑے قطعات اراضی کے مالکان ہیں۔ مختلف ہتھکنڈوں سے یہ خاندان اپنی سابقہ اراضی کے بچانے میں کامیاب رہے ہیں۔ میر ذوالفقار علی بھٹو اور ممتاز بھٹو کا خاندان بہت بڑا مالک اراضی تھا اور شائد اب بھی ہے۔ ان کا شمار سندھ کے چوٹی کے بڑے مالکان میں ہوتا تھا اور اب بھی یہ مقام ان کو حاصل ہے۔

دہلی کا ملک خاندان

ملک عطاء محمد کو ملک کا خطاب ان کی فوجی خدمات کی وجہ سے شاہجہان نے عطاء فرمایا اور دہلی کے نزدیک بہت بڑی جاگیر بھی دی تھی۔ اس خاندان میں سے ملک احمد حسین بڑے زمیندار اور رئیس تھے۔ دہلی سے متصل ملک پورہ، سادھوڑا، راجپورہ، جہاں نما، وزیر پورہ، سکندر پور، جھر دوڈہ، کرجنی، اور بابلہ تمام گاؤں اس ملک کی ملکیت تھے۔

یوپی کے بڑے مالکان آرائیں

یوپی کے شیخ کہلانے والے آرائیں مالکان کا کچھ حال ہم پچھلے حصہ میں رقم کر چکے ہیں۔ اٹھارھویں صدی میں سرسہ اور اس کے بعد جالندھر سے آرائیں کافی بڑی تعداد میں صوبہ اتر پردیش (یو۔پی) کے اضلاع بریلی، پھیلی بھیت، اور مراد آباد اور نینی تال میں جا کر آباد ہو گئے

تھے۔ جہاں اکثریت نے اپنی محنت شاقہ سے بڑے قطعات اراضی پیدا کر لئے اور بعض نے بہت بڑی بڑی زمینداریاں قائم کر لیں۔ چونکہ یوپی میں بڑے مالکان اراضی مثل، صدیقی، فاروقی، عثمانی، شیخ کہلاتے تھے۔ معاشرہ میں یہ خاندان بڑے معزز اور محترم سمجھے جاتے تھے۔ لہذا علاقہ کی نسبت سے وہ بھی شیخ کہلانے لگے۔ جس طرح سندھ میں بھٹو آرائیں میر کا لاحقہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے میر ذوالفقار علی بھٹو، میر ممتاز علی بھٹو، کیونکہ سندھ کے بڑے مالکان میر کہلاتے تھے۔ میانوالی، مظفر گڑھ میں ارائیں ملک کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ان علاقوں میں ملک کہلانا باعث فخر ہے۔ لاہور اور اس کے گرد اضلاع میں معزز آرائیں میاں کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ہماچل پردیس، اور کشمیر کے راجپوت میاں کہلانا باعث فخر سمجھتے تھے۔ سوسائٹی میں میاں راجپوتوں کا رتبہ اعلیٰ مانا جاتا تھا۔ بہرحال یوپی کے مالکان اراضی کا تذکرہ کرتے ہیں۔

شیخ نذیر احمد آرائیں

شیخ نذیر احمد ساکن موضع ڈانگ ضلع پھیلی بھیت میں 13 گاؤں کے واحد مالک تھے۔ موٹر کار کی ایجاد کے بعد برصغیر میں پہلی کار شیخ نذیر احمد نے ہی خریدی تھی۔

حاجی شیخ قدرت اللہ

حاجی شیخ قدرت اللہ ضلع پھیلی بھیت 3 گاؤں کے واحد مالک رہائشی کرگھنا تھے۔

شیخ ظہور احمد ملازادہ

شیخ ظہور احمد ملازادہ ضلع پھیلی بھیت 15 گاؤں کے واحد مالک، رہائشی موضع دھندری تھے۔

شیخ فضل احمد عرف فرخ سیر یو۔پی

شیخ فضل احمد عرف فرخ سیر یو۔پی 7 گاؤں کے مالک، نوابی ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔

اولاد محمد احمد اودھے پور جاگیر

اولاد محمد احمد اودھے پور جاگیر 3 گاؤں کے مالک تھے۔

شیخ عزیز احمد بریلی

شیخ عزیز احمد بریلی میں 15 گاؤں کے مالک تھے۔

صوفی محمد اکبر علی کے مطابق یو۔پی کے اضلاع بھیلی بیت، اور بریلی کے اضلاع میں 3/4 حصہ اراضی آرائیوں کی ملکیت ہے۔

لال خان کا خاندان بیکانیر ریاست

مالک 48 ہزار بیگہ

مہر منگو خاندان موضع کنگن پور ضلع سرسہ

مہر منگو اکبر بادشاہ کے درباری تھے۔ اکبر بادشاہ نے ان کو جاگیر اور ایک سونے کا کنگن تحفے میں دیا تھا۔ اس لئے خاندان کنگن پوری کہلایا۔ نواب پٹودی اور نواب میر کوٹلہ اس خاندان کی روحانی شخصیت مولوی سلیمان کے مرید تھے۔

چوہدری شان محمد از خاندان مہر سہراب سرسہ

چوہدری شان محمد از خاندان مہر سہراب سرسہ 22 ہزار ایکٹر اراضی کے مالک تھے۔

خاندان رکنا بیگو ضلع فیروز پور

خاندان رکنا بیگو ضلع فیروز پور 2 ہزار گھماؤں کے مالک تھے۔

خاندان پہلوان والا فیروز پور

خاندان پہلوان والا فیروز پور ایک ہزار گھماؤں کا مالک تھا۔

خاندان چوہدری خیر الدین ضلع لدھیانہ

خاندان چوہدری خیر الدین ضلع لدھیانہ ڈیڑھ ہزار گھماؤں کا مالک تھا۔

میاں نیال لدھیانہ

میاں نیال لدھیانہ 40 مربع اراضی لائل پور میں مالک تھا۔

خاندان منظور احمد لدھیانہ

خاندان منظور احمد لدھیانہ 26 سو بیگھہ کا مالک تھا۔

چوہدری قطب الدین پھلور ضلع جالندھر

انگریزی عہد میں جاگیر دار علاقہ پھلور

خاندان میاں کرم داد کنگرہ جالندھر

چاہ ایوان والی کرم داد کو شہنشاہ جہانگیر نے جاگیر میں دیا۔ اس کا مالیہ معاف تھا۔

منشی فتح دین جالندھر

53 مربع اراضی لائل پور میں پیدا کی۔ اس خاندان سے ایم۔ این۔ اے، ایم۔ پی۔ اے منتخب ہوتے رہے ہیں۔

سردار بہادر کپتان غلام حسین

سردار بہادر کپتان غلام حسین 20 مربع اراضی علاقہ بار کا مالک تھا۔

میاں محمد وارث کمانیہ گورداسپور

میاں محمد وارث کمانیہ گورداسپور مالک خرید کردہ قادر آباد میں 13 سو بیگھہ اور نبی پور میں 12 سو بیگھہ، ایک حویلی امرتسر، ایک لاہور اور ایک باغ اور حویلی سری نگر کشمیر میں تھی۔ انگریزوں سے ان کو اور ان کی اولاد کو جاگیر بھی ملی تھی۔

میاں نور محمد منچن آباد بہاولپور

میاں نور محمد منچن آباد بہاولپور 25000 ایکٹر کے مالک تھے۔

خاندان میاں علی بہاولپور

بڑے زمیندار ہوئے ہیں۔ مغلوں کے عہد میں رئیس کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

ملک پیر محمد خاندان شرقپور

ملک پیر محمد خاندان شرقپور بہت بڑا مالک اراضی ہے۔ شرقپور، جواہر پور، محمود والا، نور پور، نین سکھ اور فیض پور ملک پیر محمد کی اولاد کے ملکیتی ہیں۔ مغلیہ دور میں شاہی دربار کے طبقہ امراء میں ہونے کے وجہ سے یہ خاندان ملک کہلاتا تھا۔

خاندان میاں محمد یوسف شرقپوری

میاں محمد یوسف شاہجہان کے درباری تھے۔ اس خاندان سے میاں محمد جمال اور میاں محمد حیات نے شرقپور میں شاہجہان سے بہت بڑی جاگیر پائی۔ اب بھی شرقپور میں ان کی اولاد میں بڑے بڑے زمیندار اور رؤساء ہیں۔ ملک سرفراز احمد ایم۔ این۔ اے، ایم۔ پی۔ اے رہ چکے ہیں۔ صوبائی وزیر بھی رہے ہیں۔ اس خاندان سے ملک مظفر علی ڈسٹرکٹ بورڈ شیخوپورہ کے چیئرمین رہے ہیں۔

مہر قادر بخش بٹالہ

مہر قادر بخش بٹالہ 24 مربع اراضی کے بٹالہ میں مالک تھے۔

چوہدری محمد صدیق

چوہدری محمد صدیق قیام پاکستان کے بعد پاکستان نیوی کے پہلے ایڈمرل اور چوہدری محمد لطیف بانی بیکو انجینئرنگ کمپنی اسی خاندان کے سپوت تھے۔

حامد عرف ڈھولہ ساکن ڈھولنوال

گاؤں ڈھولنوال حامد عرف ڈھولہ نے آباد کیا تھا۔ ان کی ملکیت تھا۔ اب بھی ڈھولنوال کے آرائیں بڑے مقتدر ہیں۔

میاں خاندان باغبان پورہ

موضع باغبانپورہ اس خاندان کی ملکیت ہے۔ انگریزی عہد میں ہزاروں ایکڑ خرید کر پیدا کی۔ سر میاں محمد شفیع اسی خاندان کے ماہِ منور تھے۔ جن کے تذکروں سے تاریخ کی کتابیں

بھری پڑی ہیں۔ پنجاب کی سیاست ان کے گرد گھومتی رہی ہے۔ اسی خاندان سے میاں افتخار الدین 17000 ایکڑ اراضی متصل لاہور کے مالک تھے۔ نواب کا خطاب حاصل تھا ان کے والد میاں جمال الدین 22 گاؤں کے نمبردار اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔

خاندان کٹار بنداں لاہور

اس خاندان سے شیخ محمد عارف کو شہنشاہ عالمگیر سے جاگیر ملی تھی۔ سندات اب تک اس خاندان میں موجود ہیں۔

ملک عبدالرحیم سانده کلاں لاہور

ملک عبدالرحیم پرانے شہر لاہور کے اردگرد 1600 ایکڑ اراضی کے مالک تھے۔

چوہدری سلطان احمد ساہیوال

جاگیردار اور بڑے زمیندار میاں عبدالحق ساہیوال کی مشہور سیاسی شخصیت کے ساتھی تھے۔

خاندان میاں جیوے خان ساہیوال گوت ڈولہ

خاندان میاں جیوے خان ساڑھے چار ہزار ایکڑ کے مالک تھے۔ اس خاندان سے خان بہادر، میاں چراغ دین اور میاں عبدالحق ہو گزرے ہیں۔ علاقائی سیاست پر ان کی اجارہ داری تھی۔ اب میاں محمد زمان سابق وفاقی وزیر اس خاندان کے سربراہ ہیں۔

سردار فیملی گنجہ کلاں ضلع قصور

اس خاندان کی بنیاد سردار حسن نے ایک سکھ قلعہ دار سے قلعہ چھین کر رکھی۔ یہ خام قلعہ چٹیل میدان میں بنایا گیا تھا۔ اس لئے اس کا نام قلعہ گنجہ مشہور ہو گیا۔ اس نسبت سے سردار حسن کا خاندان گنجیانوالہ خاندان مشہور ہو گیا۔

قلعہ گنجہ کے اردگرد آٹھ گاؤں کے مالک ہوئے۔ انہوں نے یہ تمام اراضی آباد کروائی تھی۔ انگریزوں سے کوئی زمین نہ لی۔ انگریز گورنمنٹ نے دو ہزار ایکڑ کی پیش کش کی۔ لیکن لینے

سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ پہلے ہی آٹھ گاؤں کے مالک ہیں۔ پرانے وقتوں میں سردار نور محمد اور سردار برہان بڑے مشہور ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس خاندان کو بہت ترقی دی۔ سردار نور محمد ذیلدار اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔ اوکاڑہ، گوجرانوالہ میں بھی ان کی وسیع اراضی ہے۔ سردار محمد حسین، سردار علی اس خاندان کے افراد تھے۔ جو ایم۔ پی۔ اے ہوتے رہے ہیں۔ سردار احمد علی ڈسٹرکٹ بورڈ لاہور کے چیئرمین بھی رہے۔ سردار آصف احمد علی اس خاندان کے چشم و چراغ ہیں جو پاکستان کے وزیر خارجہ رہ چکے ہیں۔ آج کل بھی قصور سے ایم۔ این۔ اے ہیں۔ سردار شوکت علی کسان پارٹی پاکستان کے صدر بھی اسی خاندان سے ہیں۔ سردار محمد شفیع سالار اعلیٰ مجلس احرار بھی اسی خاندان سے تھے۔ سردار اصغر علی پی سی ایس بڑے بڑے عہدوں پر رہ کر ریٹائرڈ ہوئے، بھی اسی خاندان سے ہیں۔ اس خاندان کے تمام افراد ماہِ منور ہیں بڑے بڑے زرعی فارموں اور باغوں کے مالکان ہیں۔ جدید کاشتکاری کرواتے ہیں۔

میاں فیملی ڈولہ پختہ نزد دیپالپور اور میاں فیملی برج جیوے والا ساہیوال اور سردار فیملی گجہ کلاں تینوں خاندانوں کا مورث اعلیٰ ایک ہی ہے۔ یہ کچھ پشت اوپر جا کر مل جاتے ہیں۔

ان بڑے مالکان کے علاوہ 20-10-5 مربعہ کے مالکان اراضی کافی مقدار میں ہیں۔ جن کے کوائف حاصل کرنے میں مشکلات کی بناء پر فی الحال اتنے تذکرہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

☆☆☆

پندرھواں باب

سائنس اور انجینئرنگ کے شعبوں میں آرائیں حضرات کی خدمات

آرائیں برادری کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ اس نے بہت سی ایسی شخصیات کو جنم دیا۔ جنہوں نے سائنس اور انجینئرنگ اور پاکستان کی صنعت حرفت کو ترقی دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ کچھ شخصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر کیپٹن عبدالحفیظ

آپ میاں عبدالعزیز مالواڈہ بار ایٹ لاء کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے والد مولوی الٰہی بخش ایڈووکیٹ انجمن حمایت اسلام کے بانیوں میں سے تھے۔ برمنگھم یونیورسٹی سے معدنیات اور طبقات الارض میں ایم۔ ایس۔ سی کیا۔ جرمنی کی لائٹ یونیورسٹی سے کیمسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ یورپ میں اسلحہ ساز کارخانوں کے قیام کے کامیاب تجربات کئے۔ قیام پاکستان کے بعد وزیر خزانہ کے کہنے پر پاکستان آئے۔ آپ اس کمیشن میں شامل ہوئے جو فوجوں کے لئے اسلحہ ساز کارخانے کے قیام کے لئے بنایا گیا تھا۔ اسلحہ ساز کارخانہ کی بنیاد رکھی۔ اس کے لئے بڑا کام کیا لیکن ڈیفنس سیکرٹری سکندر مرزا سے اختلافات کے باعث کمیشن سے الگ ہو گئے۔ حکومت پاکستان ان کی خدمات سے کماحقہ فائدہ نہ اٹھا سکی۔ حالانکہ آپ برصغیر کے [illegible] شخص تھے جن کے پاس کیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تھی۔ بہرحال آپ پاکستان میں اسلحہ ساز کارخانہ کے اولین بانیوں میں سے تھے۔ آپ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے یورپ میں انقلابی انجمن بنائی تھی۔ بعض لوگ آپ کو بڑے انقلابی لیڈروں میں شمار کرتے تھے۔ اس پہلو

کو چھوڑتے ہیں کیونکہ اس کا موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

میجر جنرل افتخار احمد کنگروی

الیکٹریکل انجینئرنگ میں ڈگری لے کر فوج میں کمیشن لیا۔ الیکٹریکل و مکینکل انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت 2 سال تک انگلینڈ سے حاصل کی۔ 1951ء میں اسلحہ ساز فیکٹری واہ میں بطور ایم ای ایس شاندار خدمات سرانجام دیں۔ آپ ڈائریکٹر آف ورکس اور چیف انجینئر (ملٹری) بھی رہے۔ ملٹری انجینئرنگ منصوبوں میں شاندار خدمات سرانجام دیں۔ آپ ملٹری انجینئرنگ منصوبوں کے ابتدائی بانیوں میں سے ایک تھے۔

ڈاکٹر محمد انوار الحق

آپ جالندھر کے چوہدری مراد بخش ذیلدار کے فرزند ارجمند تھے۔ ایم ایس سی کیمسٹری پنجاب یونیورسٹی سے امتیاز سے حاصل کی۔ اعلیٰ فنی تعلیم کے لئے امریکہ تشریف لے گئے۔ میٹلرجیکل انجینئرنگ، کیمیکل انجینئرنگ کے علاوہ پی ایچ ڈی اور ڈی ایس سی کی ڈگریاں لیکر پروفیشنل انجینئر کا اعزاز حاصل کیا۔ پاکستان بننے پر آپ محکمہ صنعت اور ترقیاتی معدنیات کی کلیدی پوزیشنوں پر کام کرتے رہے۔ صنعتی ترقیاتی کارپوریشن میں آپ نے کیمیکل اور کیمیاوی کھاد کے کارخانہ جات قائم کئے۔

ڈاکٹر محمد طاہر

ایم ایس سی کیمسٹری میں حاصل کرنے کے بعد برطانیہ چلے گئے۔ برمنگھم یونیورسٹی میں دو سال تک کیمیا کے عطری مرکبات اور فلورین پر تحقیقاتی کام کیا۔ جسے برطانیہ کی دفاعی تجربہ گاہوں نے بہت سراہا۔ اس پر حکومت برطانیہ نے تیسرے سال کے لئے وظیفہ عطا کیا تاکہ وہ اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ ان کے کام پر برمنگھم یونیورسٹی نے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ واپس آکر پاکستان کے مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران علم کیمیا کی انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کر کے پاکستانی یونیورسٹیوں کے طلبہ سے خراج

تحسین وصول کیا۔ کیمیا کی انگریزی کتابوں کے اردو میں ترجمے کرنے والے پہلے شخص تھے۔ 1964ء میں پاکستان کے محکمہ ڈیفنس ریسرچ لیبارٹریز سے منسلک ہو گئے۔ اس تجربہ گاہ میں آپ نے کیمیائی تجربات کی بنیاد رکھی۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں ان کے کیمیائی سیکشن نے اپنی انتھک کوششوں سے موثر کردار ادا کیا۔ آپ نے جرمنی سے راکٹ سازی کی تربیت حاصل کی اور پاکستان میں راکٹ سازی کے لئے تحقیقی کام کیا۔

ڈاکٹر محمد سعید زاہد

ایم ایس سی کیمسٹری کے بعد 1957ء میں آسٹریلیا میں سرجان فلپ کے ساتھ ڈاکٹریٹ کے لئے کام کیا اور کیمیکل انجینئرنگ میں امتیازی ڈگری پی۔ ایچ۔ ڈی حاصل کی اور امریکہ سے نیوکلیئر انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ مختلف ممالک میں آٹھ سال گزارنے اور کئی ٹیکنیکل سندات حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آئے اور اٹامک انرجی کمیشن آف پاکستان کی Planing کے سلسلہ میں نمایاں کام کیا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے کیمیکل انجینئرنگ کے شعبہ کی بنیاد رکھی۔ پاکستان کی انڈسٹری کے متعلق مختلف رپورٹس آپ نے ہی لکھیں۔

میاں عبدالعزیز گورداسپوری

رڑکی کالج سے انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران آپ نے سرحد میں متعدد اہم سڑکیں بنائیں جن کی کارکردگی کے اعتراف میں حکومت نے ہند نے آپ کو M.B.E کا خطاب عطا کیا۔

قیام پاکستان کے بعد سڑکوں کی تعمیر، توسیع، بہم رسانی اور نکاس آب وغیرہ کی متعدد سکیموں کو عملی جامہ پہنایا۔ دارالخلافہ اسلام آباد کے محل وقوع کی جانچ پڑتال اور سرکاری عمارات کی تعمیر میں قابل قدر کام سرانجام دیا۔ اس پر حکومت پاکستان نے آپ کو تمغہ دیا۔ آپ چیف انجینئر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

ڈاکٹر میاں بشیر احمد

آپ ایم۔ ایس۔ سی، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایل ایل ڈی (لندن)، ایف

۔آر۔آئی۔ایس۔ایف۔این۔آئی تھے۔آپ بہت بڑے سائنسدان تھے۔آپ نے لندن زیورچ، برلن، پنجاب اور یو ایس اے کی یونیورسٹیوں میں ریسرچ کا بہت بڑا کام کیا۔ بایو کیمسٹری اور پلانٹ پروڈکٹس پر تحقیقات کیں۔ڈیڑھ سو سے زائد بین الاقوامی رسالوں میں آپ کے مضامین چھپتے رہے۔نسبتاً کم عمری میں وفات پا گئے۔ورنہ تحقیقی میدان میں بہت نام کماتے۔

میاں مجیب الرحمٰن

بی۔ایس۔سی انجینئرنگ الیکٹریکل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا اور یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور سے ایم۔ایس۔سی (پاور) کا امتحان پاس کیا۔ 1972ء میں مرکزی حکومت میں ممتاز سائنسدانوں اور پاور انجینئروں کا پینل مرتب کیا۔تو ملک بھر سے جن اٹھارہ انجینئروں کو یہ اعزاز نصیب ہوا۔آپ ان میں سے ایک تھے۔پاور کے شعبہ میں بڑی خدمات سرانجام دیں۔

☆☆☆

آرائیں ڈاکٹرز

پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد نیوروسرجن

آپ ملک کے اولین نیوروسرجنوں میں سے ایک ہیں۔آپ کو نیوروسرجری میں ملک گیر شہرت حاصل ہے۔بلکہ بین الاقوامی نیوروسرجنوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔آپ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمود علی ملک

آپ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پروفیسر رہے اور اس کے وائس پرنسپل بھی رہے۔
آپ مشہور شوگر سپیشلسٹ ہیں۔شرقپور کی ملک برادری سے آپ کا تعلق ہے۔آپ پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک سابق وائس چانسلر یونیورسٹی بہاول پور کے بھائی ہیں۔آپ کے والد ملک حسن علی جامعی بڑے عالم فاضل اور بڑے زبردست حکیم تھے۔

لیفٹیننٹ جنرل ڈاکٹر سلیم احمد میاں

آپ کو انڈین میڈیکل سروس میں کمیشن ملا۔ترقی کرتے ہوئے میڈیکل کور میں مذکورہ عہدہ تک پہنچے۔آپ پاکستان کی آرمڈ فورسز میڈیکل کالج میں سرجری کے چیف انسٹرکٹر رہے۔ ایف ایم کالج راولپنڈی میں بطور کمانڈنٹ خدمات سرانجام دیتے رہے۔آپ کی خدمات کے پیش نظر حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ قائداعظم کا تمغہ عطا فرمایا۔

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر قمر الدین

آپ نے پاکستان آرمی میں میڈیکل کے شعبہ میں شاندار خدمات سرانجام دیں۔تمبر

1965ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ فیلڈ ایمبولینس کی کمانڈ کرتے رہے۔

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر محمد نذیر ایف آر سی ایس

آپ ریٹائرڈ آرمی سرجن ہیں۔آج کل راولپنڈی میں پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں۔

ڈاکٹر میاں محمد شفیع

آپ ویٹرنری ڈاکٹر تھے۔آپ نے لائیو سٹاک کے شعبہ میں حکومت پاکستان کے لئے بڑی شاندار خدمات سرانجام دیں اور لائیو سٹاک کو پاکستان میں بہت ترقی دی۔ پولٹری فارموں کا بھی جال بچھایا۔آپ نے جانوروں کی افزائش کے متعلق بہت سی ریسرچ کا کام کیا اور پاکستان گورنمنٹ کو نہایت مفید مشورے دیتے رہے۔آخر میں آزاد کشمیر گورنمنٹ میں جانوروں کی افزائش سے متعلق اس کے مشیر خاص رہے۔

ڈاکٹر بشیر احمد چوہدری

آپ کا سابقہ ضلع جالندھر سے تعلق ہے۔ 1944ء میں قحط بنگال میں میڈیکل ریلیف مشن کے ممبر کی حیثیت سے بنگال گئے۔ 1946ء میں مسلم لیگ کی طرف سے ایک میڈیکل ریلیف مشن آپ کی سرکردگی میں بہار پہنچا۔ وہاں پٹنہ، مونگھری اور بھاگل پور کے اضلاع میں کام کرتے رہے۔قیام پاکستان کے بعد رحیم یار خان میں آباد ہوئے۔مشہور سیاسی اور سماجی شخصیت اور مشہور ڈاکٹر ہیں۔

یو پی کے ڈاکٹر حضرات

ڈاکٹری اور طب کے میدان میں بھی آرائیں برادری کے لوگوں نے نمایاں مقام حاصل کیا۔ تقسیم سے پہلے ڈاکٹر عبدالغفور، ڈاکٹر جیلانی، حکیم سراج احمد، بڑی شہرت کے مالک تھے۔ پاکستان میں ڈاکٹر عقیل احمد، ڈاکٹر صالح محمد، ڈاکٹر عقیب احمد سکھر، ڈاکٹر فیروزہ اسرار اور ڈاکٹر سلطانہ اقبال نے نمایاں مقام حاصل کیا۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ

تعلیم حاصل کرنے کے بعد افغانستان میں خدمات سرانجام دیں۔ پنجاب میڈیکل سروس میں بطور اسسٹنٹ سرجن منتخب ہوئے۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیلتھ سروس سے ریٹائرڈ ہوئے۔

پروفیسر ڈاکٹر مشتاق احمد

ایم بی بی ایس کے ڈگری کے بعد ایم اور انڈیانا یونیورسٹی امریکہ سے بائیو کیمسٹری میں گریجویٹ ڈگری لی۔ پنجاب میڈیکل کالج میں پروفیسر فزیالوجی رہے۔

ڈاکٹر سلیم محمود

آپ ڈاکٹر عبداللہ ریٹائرڈ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیلتھ کے صاحبزادے ہیں۔ امریکہ سے Diplima in Arthopredics کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ پہلے پاکستانی تھے۔ جن کو یہ اعزاز ملا۔اس کے علاوہ Frcs کی ڈگری حاصل کی۔آپ امراض ہڈی، جوڑ اور پٹھہ کے ماہر ہیں۔فوج میں میجر ڈاکٹر اور نشتر میڈیکل کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر رہے۔

پروفیسر ڈاکٹر نذیر احمد نیورو سرجن

آپ پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد کے بھتیجے ہیں۔ نیورو سرجن ہیں۔

ڈاکٹر مسز نور عبداللہ آپ پرنسپل پبلک ہیلتھ سکول کوئٹہ کے پرنسپل رہے۔آپ کا تعلق مولوی خاندان گڑھا ہندہ جالندھر سے تھا۔جس میں بہت اعلیٰ پائے کے شعراء، ڈاکٹرز، اور اعلیٰ افسر پیدا ہوئے۔مثلاً مولوی محمد مسلم مصنف چہار گلزار، بریگیڈیر انوار الحق جی او سی کھاریاں۔

چوہدری الیف۔ ایم محکمہ اقتصادیات یو۔این۔او

حکیم محمد شریف جامعی

آپ نے قدیم و جدید علم طب کا کافی مطالعہ کیا۔آپ نے پتھالوجی یعنی ہیت الامراض پر دو ضخیم کتب اردو میں مرتب کیں۔ علاوہ ازیں 45 ہزار طبی اصطلاحات کے مترادف ترتیب وار اردو میں ترجم کئے۔ان کا یہ کارنامہ دنیائے طب میں ہی عظیم نہیں ہے بلکہ اردو زبان

میں بھی گرانبہا اضافہ کا موجب ہے۔

حکیم حافظ مولوی محمد بخش

آپ مشہور حکیم گزرے ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں چوہدری نور محمد ذیلدار کھاتیرہ اور چوہدری فتح محمد شیفتہ سابقہ ڈپٹی ڈائریکٹریٹ ایکسپورٹ (ر) تھے۔ لوگوں کا مفت علاج بھی کرتے تھے۔ بلکہ کئی دفعہ دن میں تیمارداری کر کے خدمت خلق کی بہترین مثال قائم کی۔

حکیم رحیم اللہ

آپ راجہ رنجیت سنگھ کے شاہی طبیب تھے۔ آپ کو راجہ کی جانب سے پورا گاؤں جاگیر میں ملا۔ اس دور میں آپ نے فارسی میں ایک اخبار بھی نکالا تھا۔

حکیم مولوی ابراہیم

ملتان سے تعلق برصغیر کے مشہور صوفی اور اہل اللہ خواجہ غلام فرید ساکن مٹھن کوٹ آپ سے علاج کراتے تھے۔ خود ریاست بہاولپور کے نواب اور عمائدین آپ سے علاج کراتے تھے۔

اچ کے سادات کے حکیم بھی آپ ہی ہیں۔

ڈاکٹر عبدالشکور ایل آر ایف پی ایس گلاسگو اور ڈاکٹر محمد یونس صوبہ بہار میں مشہور ڈاکٹر ہو گزرے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالجلیل ڈولہ ایف آر سی ایس (لندن) پروفیسر علامہ اقبال میڈیکل کالج لاہور سروسز ہسپتال رہے۔ امراض چشم کے ملک کے نامور ڈاکٹروں میں صفِ اول کے ڈاکٹر شمار ہوتے تھے۔

ڈاکٹر عبدالعزیز مرحوم

تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارجلنگ میں ملازمت کی۔ خدمت خلق کے جذبہ کے پیش نظر ملازمت ترک کر کے پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی۔ اپنی آمدنی میں سے دارجلنگ میں دو مسجدیں اور ایک یتیم خانہ تعمیر کروایا۔ طلباء اور طالبات کے سکول اس کے علاوہ تھے۔ مسافر خانہ

میں قیام اور طعام مفت تھا۔ ان اداروں کو اسلام کے نام پر جاری رکھنے کے لئے انجمن اسلامیہ دارجلنگ قائم کی۔

قائداعظم دارجلنگ گئے۔ تو انہوں نے ڈاکٹر عبدالعزیز کی شاندار الفاظ میں تعریف کی۔ مسلم اور غیر مسلم زعماء نواب سر عالی امام نواب کے ایم فاروق، مہاراجہ، بردوان، مہاراجہ سری لال سنگھ راؤ، نواب بسم اللہ، سر عبدالرحیم، لارڈ کارمچل، خواجہ ناظم الدین، مولوی فضل الحق، مولوی تمیز الدین خان، مولوی فرید احمد نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔

قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد پاکستان میں مستقل آباد ہو گئے ڈاکٹری کے ساتھ ساتھ دکھی انسانیت کا بڑا کام کیا۔ حیدرآباد میں گورنر جنرل اور وزیر اعظم کی حیثیت سے خواجہ ناظم الدین اور جناب محمد علی بوگرہ آپ کے مکان پر آپ کو ملنے آتے رہے۔

☆☆☆

تعلیمی شعبہ میں آرائیں حضرات کی خدمات

وائس چانسلرز:

۱۔ڈاکٹر میاں بشیر احمد وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

۲۔ڈاکٹر ملک ذوالفقار علی وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

پرنسپل اور پروفیسرز:

۱۔پروفیسر ڈاکٹر مسکین علی حجازی ریٹائرڈ پروفیسر شعبہ صحافت پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ اس سے قبل چٹان، زمیندار، کوہستان اخبارات میں کام کیا۔

۲۔پروفیسر محمد شفیق جالندھری شعبہ بلاغیات پنجاب یونیورسٹی لاہور موجودہ دور میں اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلز میں کام کرنے والوں کو ان دونوں نے بلاغیات کی تعلیم دی۔

۳۔چوہدری رشید احمد پرنسپل اسلامیہ کالج سیالکوٹ

۴۔پروفیسر بیگم الحاج ڈاکٹر انوار الحق لاہور۔

۵۔پروفیسر ڈاکٹر ملک ذوالفقار علی۔شعبہ اعرابی اورینٹل کالج لاہور

۶۔پروفیسر محمد رفیع مختلف کالجوں میں پرنسپل رہے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۷۔چوہدری شیر محمد گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر معاشیات رہے۔

۸۔پروفیسر اے شامی سندھ یونیورسٹی میں شعبہ تعلیم میں پروفیسر رہے۔

۹۔پروفیسر منظور احمد اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور رہے۔

۱۰۔پروفیسر ڈاکٹر غلام نبی شعبہ کیمسٹری پنجاب یونیورسٹی لاہور تحقیق کرتے رہے۔

۱۱۔ڈاکٹر افتخار الدین فزیکل کیمسٹری میں ایم ایس سی تھے پروفیسر سندھ یونیورسٹی شعبہ کیمسٹری تھے۔

۱۲۔پروفیسر غضنفر علی چوہدری ایم فارمیسی تعلیم چیئرمین شعبہ فارمیسی پنجاب یونیورسٹی رہے۔

۱۳۔میاں امتیاز احمد جاوید پرنسپل ووکیشنل انسٹیٹیوٹ ملتان رہے۔

۱۴۔پروفیسر ایم شفیق احمد یوپی آرائیں متعارف کروانے کا سہرا آپ کے سر پر ہی ہے۔اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر رہے۔

۱۵۔پروفیسر احمد سعید گورنمنٹ کالج ناظم آباد میں صدر شعبہ نفسیات رہے۔

۱۶۔پروفیسر محمد ارشد یوپی سے تعلق، گورنمنٹ کالج ناظم آباد کے شعبہ معاشیات میں پڑھاتے رہے۔

۱۷۔پروفیسر حاجی نعمت علی ایم ایس سی کیمسٹری گورنمنٹ ڈگری کالج بہاولپور کے پرنسپل رہے۔

۱۸۔پروفیسر ڈاکٹر محمود علی ملک وائس پرنسپل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور

۱۹۔پروفیسر ڈاکٹر علی احمد انچارج شعبہ ایم ایڈ سندھ یونیورسٹی رہے۔

۲۰۔پروفیسر محمد شریف مرحوم ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

۲۱۔نذیر احمد چوہدری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ ریاضیات میں پروفیسر رہے۔

۲۲۔عبدالغفور چوہدری ایم ایس سی (فزکس) پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ کالج فیصل آباد

۲۳۔میاں فہیم الدین سابقہ تعلق یوپی علی گڑھ یونیورسٹی میں پروفیسر رہے پاکستان میں آکر ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل رہے۔

۲۴۔پروفیسر تاج الدین سابقہ تعلق یوپی وائس پرنسپل ایچیسن کالج رہے۔

۲۵۔پروفیسر محمد عرفان شعبہ معاشیات گورنمنٹ کالج سکھر میں پروفیسر رہے۔

۲۶۔پروفیسر الطاف احمد یوپی سے صدر شعبہ معاشیات اسلامیہ کالج کراچی رہے۔

۲۷۔پروفیسر میاں عبدالحامد جیلانی شعبہ سول انجینئرنگ، انجینئرنگ یونیورسٹی لا

۲۸۔ پروفیسر مس عائشہ یعقوب یوپی پروفیسر گورنمنٹ گرلز کالج سکھر۔

۲۹۔ پروفیسر عبید احمد صدر شعبہ معاشیات اسلامیہ کالج پیلی بھیت رہے۔

۳۰۔ پروفیسر میاں غلام رسول آزاد پرنسپل گورنمنٹ بوائے کالج شیخوپورہ کے عہدے سے حال میں ہی ریٹائرڈ ہوئے ہیں اچھے شاعر بھی ہیں۔

۳۱۔ چوہدری ظفر عالم آپ یونیورسٹی بننے سے پہلے زراعتی کالج لائل پور کے پرنسپل رہے آپ کا فرزند چوہدری محمد اسلم فوڈ ممبر اقوام متحدہ رہا۔

۳۲۔ پروفیسر میاں منیر خالد ایسوسی ایٹ پروفیسر بن کر ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر عبدالمنان، ڈاکٹر رضوان منیر، (زیر تعلیم) اور صاحبزادی اقراء منیر ایم اے انگلش (زیر تعلیم)

☆☆☆

اٹھارھواں باب

ذیلدار، سفید پوش، درباری خطاب یافتہ ارائیں

۱۔ مہر محمد موضع منگالا ضلع سرسہ حصار ذیلدار اور درباری کرسی نشین تھے۔

۲۔ خانصاحب چوہدری قمر الدین منگالا ذیلدار اور رئیس ضلع اور اسیسر تھے۔

۳۔ محمد اسحاق منگالا ذیلدار اور نمبردار تھے۔

۴۔ حکیم قائم الدین پٹیالہ ذیلدار، دربار ریاست سے خلعت یافتہ

۵۔ سردار محمد صادق گوجرانوالہ شہنشاہ اورنگزیب کے درباری اور جاگیردار تھے۔

۶۔ محمد فاضل باغبانپورہ آپ شہنشاہ اورنگزیب کی فوج میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ شہنشاہ سے نواب کا خطاب پایا۔

۷۔ ملک عطاء محمد دہلی شاہجہاں بادشاہ سے فوجی خدمات کے صلہ میں ملک کا خطاب اور دہلی کے متصل جاگیرداری پائی۔

۸۔ ملک التجار حافظ محمد حلیم پٹیالہ دربار دہلی منعقدہ 1911ء میں آپ کو خصوصی نشست دی گئی۔

۹۔ چوہدری فضل احمد موضع کھڑہ سرسہ سفید پوش تھے۔

۱۰۔ چوہدری رفیع الدین موضع کنگرہ جالندھر سفید پوش تھے۔

۱۱۔ سردار بہادر کپتان غلام حسین جالندھر آنریری مجسٹریٹ جالندھر رہے۔

۱۲۔ مہر نظام الدین از خاندان ڈاکٹر محمد فاضل بہاولپور آنریری مجسٹریٹ تھے۔

۱۳۔ میاں باغ علی منچن آباد ریاست بہاولپور آنریری مجسٹریٹ۔ آپ میاں نور محمد بانی نہر صادقیہ شرقیہ کے بانی کے پسر تھے۔ 25000 ایکڑ اراضی ملکیت تھی۔

۱۴۔میاں اللہ بچایا اور میاں غلام محمد خانپور ذیلدار، اراضی 125000 ایکڑ تھی۔

۱۵۔میاں احمد دین لوہاری والا ذیلدار تھے۔

۱۶۔میاں فضل الدین لوہاری والا سفید پوش تھے۔

۱۷۔میاں جیوے خان ساکن برج جیوے خان ساہیوال ذیلدار تھے۔

۱۸۔ملک محمد الیاس شرقپور ذیلدار تھے۔

۱۹۔میاں حسین بخش جیوے خان ساہیوال ڈویژنل درباری تھے۔

۲۰۔خان بہادر میاں چراغ علی برج جیوے خان صوبائی درباری تھے۔

۲۱۔منشی سزاوار لاہور: خان بہادر کا خطاب ملا ہوا تھا۔

۲۲۔میاں اللہ بخش بٹالہ آپ آتاچی ٹو وائسرائے ہند تھے۔خان بہادر اور پھر نواب کا خطاب ملا۔

۲۳۔میاں الٰہی بخش ڈھولنوال ذیلدار تھے۔

۲۴۔خان بہادر میاں جمال دین لاہور ذیلدار، آنریری مجسٹریٹ اور 22 گاؤں کے نمبردار تھے۔ آپ میاں افتخار الدین کے والد تھے۔

۲۵۔سر میاں محمد شفیع باغبانپورہ آپ کو پہلے خان بہادر اور پھر سر کا خطاب ملا۔

۲۶۔میاں امام بخش کٹار بنداں خاندان ذیلدار تھے۔میاں امام بخش کے بیٹے اللہ بخش بھی ذیلدار اوران کے پوتے میاں خدا بخش ذیلدار اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔

۲۷۔میاں محمد یوسف شرقپوری آپ شہنشاہ شاہجہان کے درباری تھے۔

۲۸۔مہر محمد علی بٹالوی تھرپارکر سندھ سے تعلق آنریری مجسٹریٹ تھے۔

۲۹۔چوہدری سلطان اختر ساہیوال حاجی نبی بخش ساکن بھینی ڈویژنل درباری تھے۔

۳۰۔محمد اسماعیل کرنال آپ کو خان بہادر کا خطاب حاصل تھا۔

۳۱۔چوہدری علی محمد لونگوال شیخوپورہ ذیلدار تھے۔

۳۲۔میاں قمر الدین اچھرہ لاہور ذیلدار تھے۔

۳۳۔میاں محمد یسین شاکوٹ ذیلدار تھے۔میاں حامد یسین اور میاں شمیم حیدر اسی خاندان سے ہیں۔

۳۴۔خان بہادر میاں محمد یوسف انبالہ انبالہ کی مشہور ہستی تھی۔ بڑے کامیاب وکیل، میونسپل کمیٹی انبالہ کے سینئر وائس پریذیڈنٹ رہے۔ سیاسی اور سماجی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا۔ قیام پاکستان کے بعد بحالیات کے شعبہ میں خدمات سرانجام دیں۔ ڈپٹی سٹیبلشمنٹ کمشنر لاہور کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔

۳۵۔سردار نور محمد گنجیانوالہ ذیلدار اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔

۳۶۔سردار نور برہان گنجیانوالہ قصور آپ سردار نور محمد ذیلدار کے بھائی تھے۔ خان بہادر کا آپ کو خطاب حاصل تھا۔

۳۷۔میاں عبدالرشید لاہور قیام پاکستان سے قبل ذیلدار تھے۔نسیم حجازی کے ساتھ ملکر روزنامہ کوہستان جاری کیا۔ آپ کے والد میاں فیروز الدین بھی ذیلدار لاہور رہے۔

۳۸۔مہر احمد بخش نکودر جالندھر ذیلدار رہے۔

۳۹۔مہر عبدالرحمٰن نکودر ذیلدار تھے۔

۴۰۔چوہدری غلام علی پھلور ذیلدار تھے۔

۴۱۔مہر امیر اللہ بٹالہ ذیلدار تھے۔

۴۲۔مہر رکن الدین بٹالہ ذیلدار تھے۔

۴۳۔مہر رحیم بخش فیروزپور ذیلدار تھے۔

۴۴۔چوہدری خدا بخش لائل پور ذیلدار تھے۔

۴۵۔خانصاحب یوسف علی لائل پور ذیلدار تھے۔

۴۶۔چوہدری محمد بخش لائل پور ذیلدار تھے۔

۴۷۔چوہدری ابراہیم ٹوبہ ٹیک سنگھ ذیلدار تھے۔

۴۸۔فیروزپور سے ذیلداران: مہر عمر الدین۔ مہر قمر الدین۔ مہر مہتاب الدین۔ محمد بخش۔ مہر فتح الدین۔ مہر غلام قادر۔ مہر وریام الدین۔ مہر اکبر الدین۔ مہر نور دین۔ مہر اللہ جوایا ذیلدار تھے۔

۴۹۔چوہدری عزیز بخش ذیلدار ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ جالندھر تھے۔

۵۰۔ریاست بہاولپور سے میاں خان محمد۔میاں شاہنواز۔ملک شاہ سوار۔ملک پیر بخش۔ملک محمد اسحاق ذیلداران تھے۔جبکہ منشی غلام حسین۔ڈاکٹر محمد فاضل اور مہر محمد اسمٰعیل نمبرداران اور درباری تھے۔

☆☆☆

نامور وکلاء ارائیں حضرات

خالد انور ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان

پاکستان کے نامور ترین وکلاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔1993ء میں جب صدر غلام اسحاق خان نے میاں محمد نواز شریف وزیراعظم پاکستان کی وزارت توڑ دی تھی۔وزیراعظم کی طرف سے دائر کیس میں آپ نے وزیراعظم کی جانب سے پیروی کی تھی۔آپ نے اپنے زبردست دلائل اور قانونی مہارت کی بناء پر مخالف وکلاء کو لاجواب کر دیا۔چنانچہ میاں محمد نواز شریف کی وزارت عظمیٰ بحال ہوگئی تھی۔یہ علیحدہ بات ہے کہ اس وقت کے آرمی چیف کے دباؤ پر میاں محمد نواز شریف اور صدر محمد اسحاق خان دونوں کو اپنے عہدوں سے ہاتھ دھونا پڑے اور نئے الیکشن ہوئے اور بے نظیر دوسری بار وزیراعظم پاکستان بن گئیں۔بہر حال خالد انور نے اپنی وکالت کے زور پر پاکستانی سیاست کی بساط الٹ کر رکھ دی تھی۔آپ میاں نواز شریف کے دوسرے دور میں میاں محمد نواز شریف کی کابینہ میں وزیر قانون رہے۔آپ چوہدری محمد علی سابقہ وزیراعظم کے فرزند ارجمند ہیں۔

میاں عبدالعزیز بیرسٹر (مرحوم)

میاں صاحب کا تذکرہ مختلف حوالوں سے بہت ہو چکا ہے آپ اپنے وقت کے چوٹی کے چند وکلاء میں شمار ہوتے تھے۔فوجداری مقدمات میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔کہا جاتا ہے کہ فوجداری مقدمات میں فریقین سے ہر ایک کی کوشش ہوتی تھی کہ میاں صاحب کو اپنا وکیل بنائیں۔ان کا وکالت نامہ مقدمہ میں کامیابی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔اپنے دور کے وکلاء میں

سے سب سے بڑی کوٹھی آپ نے ہی تعمیر کی تھی۔ جہاں بڑے سیاسی اجتماعات ہوتے تھے۔ قائد
اعظم جب بھی لاہور تشریف لاتے تھے وہ میاں صاحب کی رہائش گاہ پر ہی ٹھہرا کرتے تھے۔
میاں صاحب کو برصغیر کے اکثر بڑے بڑے سیاسی وسماجی رہنماؤں کی میزبانی کا شرف حاصل
تھا۔

میاں آفتاب فرخ

آپ نے اپنے کیئریئر کا آغاز مجسٹریٹی سے شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ شیخوپورہ میں
بطور مجسٹریٹ تعینات رہے۔ مگر جلدی ہی ملازمت سے استعفیٰ دے کر پریکٹس شروع کر دی۔ ہائی
کورٹ اور سپریم کے فوجداری کے چند چوٹی کے وکلاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ فوجداری مقدمہ
میں آپ کا وکیل ہونا کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی میں مشہور کرکٹر شعیب اختر
کے خلاف پاکستان کرکٹ بورڈ نے ایک ٹریبونل مقرر کیا تھا جس کے سربراہ میاں آفتاب فرخ ہی
تھے۔ آپ لاہور کے رہنے والے ہیں آپ کے والد محترم میاں فرخ حسین اپنے وقت کے بہت
بڑے وکیل تھے۔ آپ کے ایک بھائی پنجاب ہائی کورٹ کے جج بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کی والدہ
محترمہ بیگم فرخ حسین نے تحریک پاکستان میں بڑا سرگرم حصہ لیا۔

میاں عبدالستار نجم

آپ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ وسپریم کورٹ آف پاکستان ہیں۔ وکالت میں ان کی
مہارت کی بناء پر محترمہ بینظیر اور آصف زرداری نے اپنے خلاف کئی کیسوں میں ان کو اپنا وکیل
مقرر کیا ہے۔

میاں ایم بی زمان

سابقہ ضلع جالندھر سے تعلق، ہائی کورٹ وسپریم کورٹ آف پاکستان کے نامور وکلاء
میں ان کا شمار ہوا۔ جسٹس میاں نجم الزمان آپ کے فرزند ارجمند ہیں۔

چوہدری غلام باری سلیمی ایڈووکیٹ

لاہور میں پریکٹس کرتے تھے۔ اکثر وکلاء اور لوگوں کا غالباً اس بات پر اتفاق ہے کہ
، کو فوجداری مقدمات میں ٹرائل کی خصوصی مہارت حاصل تھی۔ صرف خواجہ سلطان احمد
ایڈووکیٹ کو ان کے مقابلہ کا وکیل سمجھا جاتا تھا۔ غالباً حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

چوہدری عبدالحق بیرسٹرایٹ لا

آپ ضلع فیروز پورہ (انڈیا) کے رہائشی تھے۔ اپنے وقت کے نامور وکیل تھے۔ میونسپل
کمیٹی فیروز کے چیئرمین رہے۔ تحریک خلافت اور تحریک احرار کے سرگرم رکن تھے۔ آپ ممبر
ورکنگ کمیٹی پنجاب رہے۔ آپ کے بھائی چوہدری عبدالستار بھی تحریک احرار کے بڑے لیڈر
تھے۔ دونوں بھائی بہادرانہ جذبہ رکھتے تھے۔ بڑی آب وتاب سے چمکے اور لاکھوں لوگوں کو متاثر
کیا۔

خان بہادر میاں محمد یوسف ایڈووکیٹ

انبالہ کے نامور وکلاء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ میونسپل کمیٹی انبالہ کے سینئر وائس چیئرمین
تھے۔ ضلع انبالہ کے مصالحتی قرضہ بورڈ کے چیئرمین بھی رہے۔ قیام پاکستان کے بعد حکومت نے
محکمہ بحالیات کے لئے ان کی خدمات حاصل کیں۔ ڈپٹی سٹیبلشمنٹ کمشنر لاہور کے عہدے سے
ریٹائرڈ ہوئے۔

سردار شوکت علی ایڈووکیٹ

تعلق گنجیانوالہ سردار فیملی سے بڑے کامیاب وکیل ہوئے، کسان پارٹی پاکستان کے
صدر رہے۔

میاں منیر احمد آرائیں ایڈووکیٹ

تعلق حیدرآباد سندھ سے، آپ نے لاء میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ 1958ء میں
وکالت کا آغاز کیا۔ حیدرآباد کے نامور وکلاء میں آپ کا شمار ہوا۔ ممبر صوبائی اسمبلی بھی منتخب
ہوئے۔ افسوس 1974ء میں قومی شاہراہ پر ٹریفک کے ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔

چوہدری محمد بشیر حسین (مرحوم) ایڈووکیٹ

آپ سپریم کورٹ آف پاکستان میں پریکٹس کرتے تھے۔ آپ کا شمار بہت اچھے وکیلوں میں ہوتا تھا۔ آپ کے بھائی اکرام محی الدین نے کینیڈا کی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔ بڑے نامور سائنسدان ہوئے۔

چوہدری الطاف حسین ایڈووکیٹ

تعلق ضلع ہوشیارپور سے۔ رحیم یار خان میں آپ نے دیوانی اور فوجداری میں بڑی شہرت حاصل کی۔ لاہور منتقل ہونے پر صنعتی قوانین (کارپوریٹ لا) میں آپ نے بہت بلند مقام حاصل کیا۔ صنعتی تنازعات، دیوانی اور فوجداری مقدمات کی پیروی کے نئے آپ کا شمار ملک کے چوٹی کے وکلاء میں ہوا۔ آپکے دو بیٹے جاوید الطاف، اور ظفر الطاف سی ایس پی ہوئے اور پاکستان کی سول سروس کے لئے منتخب ہوئے۔

سرور سلیم بیرسٹر ایٹ لاء

لندن کے لنکنز ان سے بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ مانچسٹر یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ انگلینڈ میں ہی پریکٹس کی۔ وہاں کے مشہور وکلاء میں ان کا شمار ہوا۔

جناب اسد اللہ عثمانی ایڈووکیٹ

جبل پور انڈیا سے آپکا تعلق، انڈیا میں سپریم کورٹ کے ممتاز ترین قانون دانوں میں آپ کا شمار ہوا۔ 1975ء میں آل انڈیا جمیعتہ الراعین کے صدر منتخب ہوئے۔ مرکزی جمعیت (آرائیں) انڈیا کا دستور العمل عثمانی صاحب نے مرتب کیا۔

میاں نعیم الرحمٰن ایڈووکیٹ

آپ کا سیالکوٹ بار میں صف اول کے سول وکلاء میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کے بھائی میاں مجیب الرحمٰن کا شمار پاکستان کے ممتاز سائنسدانوں اور پاور انجینئروں میں ہوا۔ آپ ضلع ناظم سیالکوٹ رہ چکے ہیں۔

پنجاب ہائی کورٹ بار کے مختلف اوقات میں منتخب ہونے والے آرائیں صدور

اے کریم ملک ایڈووکیٹ صدر پنجاب ہائی کورٹ بار

آپ کسٹم مقدمات کے مشہور وکیل تھے۔ پنجاب ہائی کورٹ بار کے صدر رہے۔ 2007ء کی عبوری پنجاب کابینہ میں وزیر بھی رہے۔ ابھی حال ہی میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

میاں اسرار الحق ایڈووکیٹ صدر پنجاب ہائی کورٹ

آپ کو پنجاب ہائی کورٹ بار کے صدر منتخب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جبکہ میاں محمد اسلم کو نائب صدر ہائی کورٹ لاہور بننے کا شرف حاصل ہوا۔

اے کریم ملک، میاں اسرار الحق اور چوہدری محمد فاروق کو وکلاء سیاست میں بڑا اونچا مقام حاصل رہا ہے۔ بادشاہ گر مشہور رہے۔ صدر پنجاب ہائی کورٹ بار کا شہر لاہور کے صف اول کے چند شہریوں میں شمار ہوتا ہے۔

☆☆☆

آرائیں اٹارنی جنرل آف پاکستان

چوہدری محمد فاروق ایڈووکیٹ اٹارنی جنرل

آپ کو اٹارنی جنرل آف پاکستان رہنے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ جسٹس محمد صدیق کے صاحبزادے جسٹس خلیل الرحمٰن جج سپریم کورٹ آف پاکستان اور چوہدری اسد الرحمٰن سابق وفاقی وزیر کے بھائی تھے۔ حال ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ اٹارنی جنرل کو وزیر کا Status حاصل ہوتا ہے۔

ملک عبدالقیوم اٹارنی جنرل

آپ جنرل پرویز مشرف کے آخری دور میں اٹارنی جنرل آف پاکستان مقرر ہوئے۔ آپ پنجاب ہائی کورٹ میں جج رہ چکے ہیں۔ آپ جسٹس محمد اکرم کے صاحبزادے اور پرویز ملک سابق ایم این اے کے بھائی ہیں۔ آپ کو چوہدری محمد افتخار چیف جسٹس آف پاکستان کے خلاف ریفرنس کیس میں بڑی شہرت ملی مگر افسوس کہ وہ شہرت منفی پہلو لئے ہوئے ہے۔

صدر سپریم کورٹ آف پاکستان بار

اے کریم ملک ایڈووکیٹ

آپ کو سپریم کورٹ آف پاکستان بار کے پریذیڈنٹ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

جسٹس ملک عبدالقیوم ایڈووکیٹ

پنجاب ہائی کورٹ لاہور میں جج رہے۔ وہاں سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد سپریم کورٹ آف پاکستان میں وکالت شروع کی۔ اور منیر اے ملک سے پہلے سپریم کورٹ آف پاکستان بار کے پریذیڈنٹ رہے۔ اس کے بعد اٹارنی جنرل آف پاکستان بنے۔ یاد رہے کہ اٹارنی جنرل بلحاظ عہدہ وزیر اعظم پاکستان کی کابینہ کا رکن ہوتا ہے۔

ممبران بار کونسل آف پاکستان رہنے والے آرائیں

١۔ اے۔ کریم ملک ایڈووکیٹ پنجاب سے

٢۔ میاں اسرار الحق ایڈووکیٹ پنجاب سے

٣۔ میاں عبدالقدوس ایڈووکیٹ پنجاب سے

ممبران پنجاب بار کونسل رہنے والے آرائیں ایڈووکیٹس

١۔ میاں اسرار الحق لاہور سے
٢۔ میاں عبدالقدوس لاہور سے
٣۔ چوہدری عبدالواحد لاہور سے
٤۔ میاں عالمگیر لاہور سے
٥۔ میاں ظفر اقبال کلانوری لاہور سے، آپ بہت بھاری ووٹوں سے منتخب ہوئے تھے۔
٦۔ میاں محمد امین کلانوری لاہور سے
٧۔ چوہدری احمد حسن گوجرانوالہ سے
٨۔ چوہدری بشیر احمد رحیم یار خان سے
٩۔ میاں محمد صدیق انور فیصل آباد سے
١٠۔ چوہدری محمد ریاض اوکاڑہ سے
١١۔ چوہدری برکت علی قصور سے
١٢۔ چوہدری ولایت علی شیخوپورہ سے (جاری)
١٣۔ چوہدری محمد افضل ٹوبہ ٹیک سنگھ سے

سیکرٹری سپریم کورٹ آف پاکستان بار

میاں امین جاوید ایڈووکیٹ

آپ کو چوہدری اعتزاز حسن صدر سپریم کورٹ بار کے ساتھ سپریم کورٹ آف پاکستان

بار کا سیکرٹری منتخب ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ چوہدری اعتزاز احسن کے ساتھ ساتھ وکلا تنظیم میں بڑے سرگرم رہنما رہنے کا آپ کو شرف حاصل ہے۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحالی کے لئے وکلاء تنظیم سے جب پاکستان بار نے علیحدگی اختیار کی۔ تو آل پاکستان وکلاء کا کنونشن اسلام آباد میں ہوا۔ جس میں وکلاء نے میں جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحالی کے لئے وکلاء کی نئی کوارڈینیٹ کونسل قائم کی اور چوہدری اعتزاز احسن کو کونسل کا چیئرمین چنا گیا۔ اس کنونشن کے لئے انتظامی کمیٹی کے انچارج آپ ہی تھے۔ عمدہ انتظامات پر چوہدری اعتزاز احسن اور دیگر وکلاء رہنماؤں نے آپ اور آپ کی ٹیم کی بہت تعریف کی۔

ڈسٹرکٹ بارز کے صدور

میاں ظفر اقبال کلانوری ایڈووکیٹ: آپ ڈسٹرکٹ بار لاہور کے صدر منتخب ہوئے۔

چوہدری برکت علی ایڈووکیٹ: سابقہ صدر ڈسٹرکٹ بار قصور

چوہدری محمد یعقوب ایڈووکیٹ: سابقہ صدر ڈسٹرکٹ بار جہلم

چوہدری احمد حسن ایڈووکیٹ: صدر ڈسٹرکٹ بار گوجرانوالہ رہے۔

میاں عبداللطیف مرحوم ایڈووکیٹ: سابقہ صدر ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ

چوہدری محمد شفیق ایڈووکیٹ: سابقہ صدر ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ اور سابقہ جج دہشتگردی

چوہدری ولایت علی ایڈووکیٹ: سابقہ صدر ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ

چوہدری محمد سعید سلیمی ایڈووکیٹ: سابقہ صدر ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ

چوہدری منور حسین ایڈووکیٹ: سابقہ صدر ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ

چوہدری سلیم احمد فیضی مرحوم ایڈووکیٹ: سابقہ سیکرٹری جنرل ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ

چوہدری محمد نصیر احمد ایڈووکیٹ: سابقہ سیکرٹری جنرل ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ

میاں محمد رشید ایڈووکیٹ: سابقہ سیکرٹری جنرل ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ

چوہدری عزیز احمد ایڈووکیٹ: سابقہ سیکرٹری لائبریری ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ

چوہدری محمد عالم ایڈووکیٹ: سابقہ نائب صدر ڈسٹرکٹ بار شیخوپورہ۔

اکیسواں باب

آرائیں صنعت کار اور تاجران

سی۔ ایم لطیف

بانی بیکو انجینئرنگ کمپنی پاکستان کا تعلق بٹالہ ضلع گورداسپور کی مشہور مہر فیملی سے تھا۔ خان بہادر، نواب میاں مولا بخش اٹاچی ٹو دی وائسرائے (گورنر جنرل ہند) اسی خاندان سے تھے۔ سی ایم لطیف نے مغل پورہ کالج سے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت سے بعد آپ نے صابن بنانے کا کارخانہ بنایا۔ جو بہت مشہور ہوا۔ آپ کو لوگ صابن صاحب کہنے لگے۔ 1934ء میں آپ نے بٹالہ انجینئرنگ کمپنی کی بنیاد رکھی۔ تقسیم ملک کے وقت تک اس کمپنی کا کاروبار اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں یہ تیسری بڑی کمپنی تھی۔

قیام پاکستان کے بعد آپ کو بادامی باغ میں مکندی کا کارخانہ الاٹ ہوا۔ آپ نے اس کا نام بٹالہ انجینئرنگ کمپنی رکھا۔ اپنی خداداد قابلیت سے ایک دفعہ پھر اسی کمپنی کو ترقی کی بلندیوں پر لے گئے۔ آپ نے جرمنی سے چوبیس ماہرین کو اپنے کارخانہ میں بلالیا۔ ان میں سے بعض بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے۔ اسلئے بیکو جلد ہی پاکستان کا سب سے بڑا دھاتی کارخانہ بن گیا۔ اس کے دفاتر لندن، امریکہ اور مشرق وسطیٰ میں قائم ہوئے۔ آپ نے کوٹ لکھپت میں ایک وسیع عمارت بنوا کر کارخانہ وہاں منتقل کر دیا۔ اس میں خراد، بائیسکل، الیکٹرک موٹر، زرعی آلات، ڈیزل انجن اور دوسری بے شمار چیزیں بنتی تھیں۔

1964ء میں وزیر اعظم چین مسٹر چواین لائی نے بھی اس کارخانہ کا دورہ کیا اور بہت متاثر ہوئے اور مال سپلائی کرنے کا آرڈر دیا۔ آپ آل پاکستان ری رولنگ ملز ایسوسی ایشن کے

پریذیڈنٹ بھی رہے۔ ایڈمرل چوہدری محمد صدیق آپ کے بھائی تھے۔ نیوی سے ریٹائرڈ ہو۔ کے بعد کارخانہ میں بطور ڈائریکٹر کام کرنے لگے۔ اس دور میں بیکو ترقی کی بلندیوں کو چھونے لیکن افسوس ہے کہ میر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور میں پاکستان کی تمام صنعتوں کو حکومتی تحو یل میں دے دیا۔ اس طرح بیکو بھی سرکاری تحویل میں چلا گیا۔ لیکن سرکاری افسروں کی ناتجربہ کار اور لوٹ کھسوٹ سے بیکو کمپنی روز بروز زوال پذیر ہوئی۔ اور آخر کار بیکو صف اول کی یہ کمپنی بر۔ حالات کا شکار ہو کر بند ہو گئی۔ پاکستان میں صنعتی ترقی کی بنیادیں ہل کر رہ گئیں۔ اس میں چھ ہزا مزدور کام کرتے تھے۔ بیروزگاری میں بھی اضافہ ہوا۔

چوہدری عبدالغفور

آپ یونائیٹڈ ایڈورٹائزرز کمپنی کے مالک تھے۔ ایڈورٹائزمنٹ کمپنی نے صنعت کے فروغ میں بڑی اہم کردار ادا کیا۔ صنعتی پراڈکٹ کو اشتہار ہی فروغ دیتے ہیں۔ آپ دو سال تک ایڈورٹائزنگ ایسوسی ایشن پاکستان کے صدر رہے۔

میاں غلام رسول

روف ٹیکسٹائل ملز کراچی کے اور ایک جننگ فیکٹری کے مالک، صادق آباد چیمبر آف کامرس کے صدر بھی رہے۔

میاں فضل محمد، میاں عبدالقیوم

تقسیم برصغیر سے قبل جالندھر میں لوہے کے کارخانہ دار تھے۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں ان کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔ تقسیم سے پہلے اینجل کا بھی ایک کارخانہ قائم کیا۔ دونوں کارخانے ہندوؤں کے ہاتھ آئے۔ لاہور آ کر انہوں نے لوہے کا کام بادامی باغ میں شروع کیا۔ اور لائل پور میں سریا کا کارخانہ قائم کیا۔ جلد ہی کاروبار پھیل گیا۔ لاہور گوجرانوالہ، اور لائل پور میں سریا، ٹی آئرن، اینگل آئرن، اور زرعی آلات تیار ہونے لگے۔ لوہے اور سیمنٹ کے بڑے بیوپاریوں میں شمار ہوا۔ لوہے کی صنعت کو بڑا فروغ دیا۔

الحاج محمد اسحاق حنیف مرحوم

آپ کے خاندان نے امرتسر میں ہندوؤں اور سکھوں کو تجارت اور سرمائے میں مات دی۔ اور مسلمانوں کو تجارت پر قابض کر دیا۔ آپ امرتسر میں پھلوں کا کاروبار کرتے تھے۔ یہ کاروبار مدراس سے کابل تک پھیلا ہوا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے ٹیکسٹائل کو اپنایا۔ سوت کی تقسیم میں بڑی مشکلات آئیں۔ اس وجہ سے آپ نے کوششیں کر کے پاکستان انڈسٹریل کوآپریٹو بنک جاری کیا۔ جس نے پاکستان انڈسٹری کو قرضے مہیا کر کے انڈسٹری کو بڑا فروغ دیا۔

میاں عزیز الدین

آپ سرتاج انڈسٹریز لمیٹڈ کے مالک و مینیجنگ ڈائریکٹر تھے۔ اس میں سلائی مشینیں اور بائیسکل تیار ہوتے تھے۔ میاں صاحب نے جرمنی کی فرم پف کمپنی کو شریک کار کیا۔ سرتاج انڈسٹریز کی مصنوعات ملک میں بہت مقبول ہوئیں۔

حاجی عبدالرحیم و حافظ محمد حلیم (ملک التجار)

حافظ محمد حلیم کے والد حاجی عبدالرحیم نے پہلے اجناس کی تجارت کی۔ اور پھر چمڑے کا کاروبار کرنے لگے۔ تھوڑے عرصے میں ہندوستان بھر میں تاجر چرم کے نام سے مشہور ہو گئے۔ کانپور میں چمڑے کا کارخانہ قائم کیا۔ جو اس قدر وسیع ہو گیا کہ اس کے شاخیں ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں قائم ہو گئیں۔

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند حافظ حلیم نے بڑا نام پایا۔ کلکتہ، بمبئی، مدراس، کراچی، شملہ اور کوئٹہ وغیرہ میں اپنی تجارتی ایجنسیاں قائم کیں۔ آپ چار ہزار ایکڑ اراضی کے مالک بھی تھے۔

مسلمانوں میں در کنار ہندوؤں میں بھی آپ کے پایہ کا تاجر خال خال ہی ہو گا۔ آپ نے تجارت سے جو کمایا اس میں سے بیشتر رفاہ عام، اور دینی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔

آئندہ نسلوں کے لئے عمدہ مثال بن گئے۔

آپ کی امارت اور مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ والی کابل نے کانپور مقام پر ان سے ملاقات کی تھی۔ مہاراجہ پٹیالہ نے ان کے صاحبزادوں کی شادی میں شرکت کی تھی۔ شاہی دربار منعقدہ دسمبر 1911ء میں آپ کو نشست خاص دی گئی تھی۔ آل انڈیا آرائین کانفرنس منعقدہ 1917ء لاہور اور 1918ء امرتسر کے سالانہ اجلاس میں آپ صدر منتخب ہوتے رہے۔ آپ تحریک خلافت کے مرکزی رہنماؤں میں ایک تھے۔ ملاحظہ ہو تحریک خلافت از قاضی عدیل صفحہ نمبر 96۔

چوہدری محمد حسین

تعلیم حاصل کرنے کے بعد آڑھت کا کام کرنے لگے۔ زیادہ پھل اور سبزیاں خریدتے اور فروخت کرتے تھے۔ آپ کا کاروبار اور ساکھ کا یہ عالم تھا کہ کانپور، لکھنو، سورت، کابل، وغیرہ جہاں سے چاہتے دو پیسے کا خط لکھ کر مال منگوا لیتے تھے۔ آپ نے ٹرانسپورٹ اور عمارات کی ٹھیکیداری بھی کی۔ بہت امیر شخص ہوئے۔ 1961ء میں لاہور کارپوریشن کے وائس چیئرمین منتخب ہو کر درجہ اول شہری ٹھہرے۔ آپ صدر جنرل محمد ایوب کے ذاتی دوستوں میں سے تھے۔ 1965ء کے الیکشن میں ممبر قومی اسمبلی بھی بنے۔ آپ پروگریسو پیپرز لمیٹڈ (پاکستان ٹائمز اور امروز اخبارات شائع کرنے والا ادارہ) کے ڈائریکٹر بھی رہے۔ سنٹرل کوآپریٹو بنک لاہور کے ڈائریکٹر بھی رہے۔

افتخار علی ملک

آپ کے والد ملک محمد شفیع نے قیام پاکستان کے بعد چھوٹے سے پیمانہ پر تجارت کا کام شروع کیا۔ اور اپنی زندگی میں ایک صنعتی امپائر قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ پاکستان میں سب سے عمدہ گارڈر تیار کرنے کا انڈسٹریل یونٹ آپ کے خاندان کا ہی ہے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد آپ نے اپنی امپائر کو بڑا فروغ دیا۔ آپ صنعتی میدان کی نامور شخصیت ہیں۔ آپ آل پاکستان چیمبر آف کامرس اور انڈسٹری کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ آج کل جنوبی ایشیاء کی تنظیم

سارک میں کامرس اور انڈسٹری کے شعبہ کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت نے پاکستان کی معاشی حالت کو درست کرنے کے لئے آپ تجاویز طلب کیں۔ جو آپ نے ارسال کر دیں ہیں۔

☆☆☆

آرائیں اولیاء اکرام

ہماری برادری میں بڑے بلند پایہ اولیاء اکرام ہوگزرے ہیں۔ جنہوں نے تصوف کی لازوال دولت سے مالا مال ہوکر سینکڑوں دلوں میں عشق الٰہی کی شمعیں فیروزاں کر دیں۔ ہم چند ایسے ہی اولیاء اکرام کے سوانح حیات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عنایت قادری

حضرت شاہ عنایت قادری عطاری لاہوری آپ قصور میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ نو سال کی عمر میں فارسی اور عربی کی تعلیم سے فارغ ہو گئے پھر ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم کی تکمیل کے لئے چلہ کشی کرتے رہے۔ حضرت شاہ محمد عطاری قادری لاہور کے مرید ہوئے۔ مرشد کی نگاہ التفات سے تھوڑے عرصے میں انہوں نے روحانی کمال حاصل کرلیا۔ خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد پیرومرشد کے حکم سے قصور میں لوگوں کو فیض یاب کرنے لگے۔ جہاں حاسدوں کا ایک گروہ پیدا ہوگیا۔ اور جب سید بلھے شاہ صاحب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تو گویا ایک طوفان کھڑا ہوگیا۔ تو حاکم قصور بھی آپ کا مخالف ہو گیا۔ جس وجہ سے قصور چھوڑ کر لاہور میں ڈیرہ لگایا اور آخر دم تک یہیں ظاہری اور باطنی فیض جاری رکھا۔ آپ تصوف کی کئی بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ اس وقت راجہ رنجیت سنگھ کا دور تھا۔

سید بلھے شاہ آپ کے مریدوں میں سے بہت مشہور ہیں۔ جب سید بلھے شاہ نے حضرت شاہ عنایت قادری کی بیعت کی تھی تو اس کے خاندان ان کے بھائیوں اور بھابیوں نے بڑی مخالفت کی تھی۔ بلھے شاہ مشہور بڑے شاعر تھے۔ ان کی کافیاں پنجابی ادب میں بہت مشہور ہیں۔ سید بلھے شاہ نے اپنی شاعری میں اپنے پیرومرشد حضرت شاہ عنایت قادری کا بہت ذکر کیا

ہے۔ ان کے اپنے پیرومرشد کے متعلق چند اشعار درج ذیل ہیں:

ہن میں لکھیا سوہنا یار جس دے حسن دا گرم بازار

جے کوئی اس نوں لکھنا چاہے باجھ وسیلے لکھیا نا جائے۔

شاہ عنایت بھید بتائے تاں کھلے سب اسرار

ہن میں لکھیا سوہنا یار جس دے حسن دا گرم بازار

سید بلھے شاہ کے بھائی اور بھرجائیاں سید بلھے شاہ کے حضرت شاہ عنایت قادری ایک آرائیں کے مرید ہونے پر طعنے دیتی ہیں۔ سید بلھے شاہ لکھتے ہیں:

بلھے نوں سمجھاون آئیاں بھیناں تے بھرجائیاں

آل نبی دی اولاد علی بلھیا توں کیہ لیکاں لائیاں

من جا بلھیا ساڈا کہنا چھڈ دے پلہ آرائیاں

بلھے شاہ یوں منظوم جواب دیتے ہیں:

جہڑا سانوں سید آکھے دوزخ ملن سزائیاں

جہڑا سانوں آرائیں آکھے بہشتیں پینگاں پائیاں

جے توں باغ بہاراں لوڑیں بلھیا ہو جا طالب رائیاں

بلھے شاہ نے مشہور عالم شعر بھی کہا ہے:

جے توں بندہ سائیں دا تے چاکر تھیویں رائیں دا

حضرت شاہ عنایت بڑے بلند پایہ ولی اللہ تھے۔ آپ نے پچاس برس کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے آپ کا مزار لاہور میں چڑیا گھر کے نزدیک ایک کوٹھی میں ہے۔

حضرت شاہ سیدا سرمست سہروردی سیالکوٹی

آپ کا نام سیدا اور لقب سرمست تھا۔ خانپور میں پیدا ہوئے۔ جوانی کے عالم میں ایک روز کھیت کی رکھوالی کر رہے تھے ایک ولی اللہ حضرت شاہ نولکھا کا وہاں سے گزر ہوا۔ انہوں نے حضرت سیدا پر نگاہِ التفات ڈالی اور فرمایا:

اس کھیتی کی رکھوالی تو کر رہے ہو کچھ اس کھیتی کی بھی فکر کرو جو آگے آنے والی ہے۔ یہ بات آپ کے قلب وروح میں اتر گئی۔ سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے مرشد کے ساتھ چلے گئے۔ انہوں نے مرشد کے فیضِ صحبت سے بہت جلد باطنی کمال حاصل کر لیا۔ اور مرشد کے حکم پر سیالکوٹ میں جا کر فیضان جاری کرنے کا حکم دیا۔ ساری عمر مجرد رہے۔ 1606ء میں بعہد شہنشاہ جہانگیر 90 سال کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرت شاہ دولہ گجراتی

جن کے چوہے سارے پنجاب بلکہ ہندوستان میں مشہور ہیں۔ آپ کے ہی خلیفہ تھے۔ چونکہ آپ پر ہمیشہ جذب وسرمستی کی حالت طاری رہتی تھی اور ہمیشہ مسرور نظر آتے تھے۔ اسلئے آپ سید السرمست کے نام سے مشہور ہیں۔

پیر الٰہی شاہ قادری فاضل جالندھری

آپ موضع ہوکی ضلع ہوشیار میں پیدا ہوئے۔ طبیعت بچپن سے تصوف کی طرف مائل تھی۔ پہلے سائیں مکھن شاہ پھر میاں بھگے شاہ جالندھری سے بیعت کی۔ ساری عمر مجرد رہے۔ عابد، زاہد، اور عالم تھے۔ روحانی صفائی کے ساتھ ساتھ ظاہری صفائی کے بھی بڑے دلدادہ تھے۔ فرمایا کرتے تھے:

م مت نیئں اپناں مورکھاں نوں سواہ پڑے نوں کہندے سنت ہے جی
جہڑا گدھے وانگوں وچ روڑی لیٹے اوہنوں آکھدے بڑا مہنت ہے جی
جہڑا گھگو وانگوں کن ون بیٹھے آوہنوں آکھدے بڑا انت ہے جی
سائیں لوکو ایہہ کوئی فقر نائیں مایا روپی سارا جنت ہے جی

روحانیت کے اعلیٰ رتبہ پر فائز تھے۔ ایک دفعہ راستے میں مرکھنا سانڈ آ گیا لوگوں نے گھبرا کر بھاگنا چاہا آپ عصا لے کر آگے بڑھے اور اس کے مقابلے میں کھڑے ہو کر فرمایا: ''درویشوں سے مقابلہ کرتے ہو'' سانڈ راستہ چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔ آپ کی اور بھی بڑی روحانی فتوحات ہیں۔ 1797ء میں رحلت فرمائی۔

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری

آپ 1865ء کو میاں عزیز دین کے گھر بمقام شرقپور پیدا ہوئے۔ کمسنی میں کھیل کود سے الگ رہتے تھے۔ اکثر کھوئے کھوئے پھرتے تھے۔ تنہائی پسند فرماتے اور عموماً قبرستان چلے جاتے۔ طبعی شرافت اور شرم وحیا کا یہ عالم تھا کہ بازار اور محلّہ میں نظر نیچی کئے گزرتے تھے۔ پڑوس کی عورتیں از راہ مذاق کہا کرتیں شیر محمد تو لڑکیوں کی طرح منہ چھپائے پھرتا ہے۔ آپ نے حضرت خواجہ امیر الدین سے طریقہ نقشبندی میں بیعت کی جب مرشد نے ذکر خفی کی تلقین فرمائی تو محویت بڑھ گئی۔ وجدانی کیفیت کی شدت سے لوٹتے پھرتے تھے آپ نے جلد ہی راہ سلوک کی منزلیں طے کر لیں۔ شرقپور کو ہی روحانی فیض کا مرکز بنایا۔

ڈاکٹر علامہ اقبال نے بڑی عقیدت سے شرف ملاقات حاصل کیا۔

چلہ کشی سے منع فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی کافی ہے، ہم اسوہ حسنہ کی پیروی جانتے ہیں۔ فقیری نہیں جانتے۔ افسوس لوگ مسلمان نہیں بنتے فقیر بنتے ہیں۔

آپ تمام عمر احیائے دین کے لئے کوشاں رہے آپ روپیہ، پیسہ نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے خزینہ معرفت اور تذکرہ اولیائے نقشبند یہ بہت مشہور ہیں۔ آپ کا وصال اگست 1928ء کو 63 سال کی عمر میں ہوا۔ مزار شرقپور میں ہے۔

حضرت سائیں کرم الٰہی (کانواں والی سرکار)

آپ سائیں کانواں والی سرکار کے نام سے اس لئے مشہور ہوئے کیونکہ آپ کو کوؤں سے بہت پیار تھا۔ لوگ جو نیاز لاتے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سب کچھ کوؤں کے آگے ڈال دیا کرتے۔ اگر آپ کے پاس اس وقت اور آدمی بیٹھے ہوتے تو جس پر نگاہِ التفات پڑتی اس کو بھی تھوڑا بہت حصہ دے دیا کرتے ان کے والد بزرگوار مہر غلام محمد تھے۔ جن کا پیشہ زمینداری تھا۔ آپ کے والد اور والدہ دونوں بڑے پرہیزگار اور نیک تھے۔ آپ گجرات کے محلّہ اندرونی کانیانوالی میں 1838ء کو پیدا ہوئے۔ شروع سے آپ کا رجحان فقیروں اور درویشوں کی طرف تھا۔ عموماً رات اور دن عبادت میں مشغول رہا کرتے آخر کار آپ کا ملاپ ایک مرد کامل پیر

امام شاہ سے ہوا۔اس مرد کامل نے حکم دیا کہ آپ فوراً دہلی جائیں وہاں کے ایک شخص سے آپ کو فیض کامل ہوگا۔ بڑی دشوار گزار منزلوں سے گزرنا پڑا۔ مطلوبہ ولی کے پاس پہنچے تو حکم ہوا کہ آپ ابھی کشمیر جانے کا قصد کریں۔ وہاں سے جو کچھ آپ کو ملنا ہے ملے گا۔ کشمیر کا راستہ تو بہت ہی دشوار گزار تھا۔ بہرحال تمام مشکلات کے باوجود کشمیر میں مطلوبہ مرد کامل کے پاس پہنچے۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے۔ اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے ہیں میں دو دن سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ جو کچھ دینا تھا دیا اور اونٹ پر بٹھا کر گجرات پہنچنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ آپ جھنگی میں ہی ڈیرہ لگائیں۔ جہاں آپ کا کنواں تھا۔ جو کہ بعد میں سائیں کانواں والے کی جھنگی کہلائی۔

لوگ زیارت کے لئے آپ کے پاس آنے لگے چونکہ باطن روشن ہو گیا تھا۔ ہر بات کو دیکھ لیتے تھے۔ جسے جی میں کچھ آیا دے دیا عموماً جو بھی آیا یہاں سے کچھ نہ کچھ لے گیا بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔

آپ کا روحانی فیض ہندوستان سے باہر پہنچا۔ آپ نے 1929ء میں وصال فرمایا۔ آپ کو غسل پیر ولایت علی شاہ نے دیا۔ پیر سید ولایت علی کے مطابق سائیں کرم الٰہی قطب الاقطاب جناب شیخ عبدالقادر جیلانی کے حضوری تھے۔ اور جناب رسول مقبول ﷺ کے بھی۔

حضرت میاں ولی محمد تونسوی ڈیرہ غازی خان

آپ بزرگ کامل اور عالم بے ریا تھے۔ حضرت خواجہ سلیمان تونسہ والوں کے آپ استاد تھے۔ تونسہ شریف ڈیرہ غازی کی بڑی مشہور روحانی گدی ہے اس گدی کے سجادہ نشین ڈیرہ غازی خان سے ایم این اے، ایم پی اے منتخب ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت مولوی محمد سلیمان کنگن پوری

آپ موضع کنگن پور نزد سرسہ ضلع حصار کے رہنے والے تھے۔ آپ نے سائیں توکل شاہ انبالوی سے بیعت کی تھی اور الٰہی کے خلیفہ تھے۔ موضع کنگن پورہ میں چار مربع اراضی اور باغات کے مالک تھے۔ مگر تمام عمر درویشانہ زندگی گزار دی۔ نوابان ریاست پٹودی اور مالیہ کوٹلہ بھی آپ کے مریدوں میں شامل تھے۔

تیسواں باب

متفرق نامور آرائیں حضرات

کھیلوں کا میدان

عبدالحفیظ کاردار (سابق کپتان پاکستان کرکٹ ٹیم)

آپ کرکٹ کے مشہور کھلاڑی تھے۔ آپ پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان رہے۔ آپ کی کپتانی میں کرکٹ ٹیم نے بین الاقوامی سطح پر بڑا نام پیدا کیا۔ آپ بھٹو دور میں پنجاب کابینہ میں وزیر بھی رہے۔

مسٹر سرفراز نواز

آپ پاکستان کرکٹ کے نامور باؤلر تھے۔ عمران خان کے ساتھ کرکٹ ٹیم میں شامل تھے۔ بہت سے بین الاقوامی کرکٹ میچوں میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ ایم پی اے بھی منتخب ہوئے۔ پنجاب حکومت میں سپورٹس کے مشیر بھی رہے۔ مشہور فلمی اداکارہ رانی آپ کی دوسری بیگم تھی۔

مسٹر ظفر الطاف

آپ نیشنل کرکٹ ٹیم کے معروف کھلاڑی تھے۔ 1965ء میں سی ایس پی کے مقابلہ کا امتحان پاس کیا اور پاکستان سول سروس میں چلے گئے۔ آپ مسٹر جاوید الطاف سی ایس پی کے بھائی ہیں۔

وسیم اکرم

آپ پاکستان کرکٹ ٹیم کے منجھے ہوئے باؤلر تھے۔ پاکستان ٹیم کے کپتان بھی رہے۔عمران خان بھی آپ کی صلاحیتوں کے معترف ہیں۔

میاں ریاض الدین شیر کے شکاری

میاں ریاض الدین شیر کے شکار کے لئے پورے یو۔پی میں مشہور تھے۔ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ نے 42 خونخوار شیروں کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔اکثر جگھوں پر آدم خور شیروں کو ہلاک کرنے کے لئے حکومت ہند نے میاں ریاض الدین مرحوم کی خدمات حاصل کیں۔جن کے قصے ہندوستان کے مختلف رسائل اور اخباروں میں چھپ چکے ہیں۔آپ موضع ڈبکیا کے رئیس اعظم میاں جلال الدین کے صاحبزادے تھے۔

☆☆☆

فلم انڈسٹری

اے آر کاردار ہدایت کار

آپ کا تعلق لاہور کے مشہور خاندان کاردار سے تھا۔آپ کا شمار برصغیر کی فلم انڈسٹری کے مشہور ہدایت کاروں میں ہوتا تھا۔

میاں منور علی

میاں منور علی فلم انڈسٹری پاکستان سے منسلک رہے قاضی فلمز کے نام کے ادارہ آپ نے ہی قائم کیا۔محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ اردو بازار اسی خاندان کی ملکیت ہے۔اس مارکیٹ کا شمار لاہور کی بہترین میڈیسن مارکیٹوں میں ہوتا ہے۔

نثار احمد ملک

1964ء میں اے ایم سٹوڈیو بند روڈ لاہور آپ نے قائم کیا تھا۔آپ کے دادا خان

بہادر ملک تاج دین برصغیر میں انگریز حکومت کے وقت پہلے ہندوستانی اکاؤنٹینٹ جنرل تھے۔

ان کے علاوہ میاں محمد منشی جنہوں نے لاہور میاں منشی ہسپتال اپنی گرہ سے بنوا کر گورنمنٹ کی تحویل میں دیا کے بھتیجے امجد فرزند فلم ساز اور فلم ڈسٹری بیوٹر ہیں۔فلمی انجمن کے صدر بھی رہے ہیں۔

محمد منیر احمد شہریار (موسیقار)

فلموں میں میوزک دے کر بہت مشہور ہوئے۔ 1965ء میں قومی نغموں کی دھنیں ترتیب دیں جس میں سے ذیل بہت مشہور ہیں:

۱۔اے وطن کے سجیلو جوانو میرے نغمے تمہارے لئے ہیں۔

۲۔میں ہو موسیقار وطن کا

☆☆☆

پہلوان

محمد یونس بلاقی والا

آپ اپنے وقت کے نامی گرامی پہلوان تھے رستم ہند ہو گزرے ہیں۔ستارہ ہند کا خطاب حاصل کیا۔

گزشتہ صفحات میں مختلف فیلڈز میں نمایاں آرائیں حضرات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔وہ محض مشتے از خروارے رہے۔وقت کی کمی اور صحت کی خرابی کی بنا پر بہت سی نمایاں شخصیات کا ذکر شامل نہ ہو سکا ہے۔حالانکہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں حضرات سی ایس پی، ایس پی، ڈی سی او، سیکرٹری، بڑے بڑے ڈاکٹر، انجینئر، شاعر، ادیب، صحافی، مختلف میدانوں میں مصروف عمل ہیں۔ سرکاری اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں بڑے بڑے عہدیدار ہیں۔ بشرطِ زندگی ان کا تذکرہ کسی دوسرے ایڈیشن میں کریں گے۔

آرائیں حضرات کے منفرد اعزازات

۱)۔میاں شاہ دین کو پنجاب چیف کورٹ کا جج بنایا گیا۔ یہ سب سے بڑا عہدہ تھا۔ جو کسی ہندوستانی کو اس وقت ملا۔ اس طرح پہلا ہائی کورٹ کا جج بننے کا اعزاز ہماری ہی برادری کو حاصل ہوا۔

۲)۔1906ء میں محمد شفیع، میاں شاہ دین پنجاب سے اس وفد میں شامل تھے جو لارڈ منٹو وائسرائے ہند کو مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنے گیا تھا۔ اس وفد کے لیڈر سر آغا خان تھے۔

۳)۔1906ء میں ڈھاکہ کے جس اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی گئی اس میں پنجاب سے میاں محمد شفیع اور میاں شاہ دین شامل ہوئے۔

۴)۔مسلم لیگ کا نام سر میاں محمد شفیع کی تجویز پر ہی آل انڈیا مسلم لیگ رکھا گیا۔ (ریفرنس گذشتہ صفحات میں دے دیا گیا ہے)

۵)۔پنجاب میں مسلم لیگ کی صوبائی شاخ کی بنیاد سر میاں محمد شفیع اور میاں شاہ دین نے ہی رکھی۔ میاں شاہ دین کے پہلے صدر اور سر محمد شفیع اس کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔

۶)۔مسلم لیگ کو صوبہ پنجاب میں متعارف کروانے اور اس کا پیغام دور دور تک پہنچانے کا سہرا برادری کے انہیں سپوتوں کے سر پر ہے۔

۷)۔محمد علی جناح کو قائداعظم کا خطاب دینے کا سہرا بھی ہماری برادری کے میاں فیروز الدین کے سر پر ہے۔ میاں فیروز الدین مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ اور جوش وخروش سے مسلم لیگ کے جلسوں میں نعرے لگایا کرتے تھے۔ آپ نے ایک جلسہ کے دوران جب محمد علی

جناح ہمارے محبوب لیڈر تقریر کر رہے تھے۔ جوش وخروش کے عالم میں نعرہ لگایا۔ قائداعظم محمد علی جناح زندہ باد جلسے میں حاضرین اور سامعین نے اسی جوش سے جوابی نعرہ لگایا۔ قائداعظم زندہ باد۔ پھر تو ہمیشہ کے لئے قائداعظم ان کے نام کا جزو بن گیا۔ یعنی قائداعظم محمد علی جناح۔

۸)۔بیگم جہاں آراء شاہنواز پاکستان دستور ساز اسمبلی میں نائب سپیکر رہی۔ اس طرح کسی خاتون کا نائب سپیکر بننے کا اعزاز بھی ہماری برادری کے حصہ میں آیا۔

۹)۔فیڈرل کورٹ آف پاکستان (موجودہ سپریم کورٹ) کے پہلے چیف جسٹس سر میاں عبدالرشید مقرر ہوئے تھے۔ جو جسٹس شاہ دین کے بھتیجے تھے۔

۱۰)۔انگریزی دور میں سب سے پہلے مسلمان اکاؤنٹنٹ جنرل خان بہادر ملک تاج دین مقرر ہوئے تھے۔ جن کا تعلق سانده کے ملک آرائیں خاندان سے تھا۔

۱۱)۔غازی علم الدین شہید نے راجپال کو عشق رسول میں قتل کر دیا تھا اور راجپال کے قتل کے مقدمہ میں میانوالی میں آپ کو پھانسی دی گئی۔ حکومت پنجاب نے غازی علم الدین شہید کی نعش مسلمانوں کو دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن سر میاں محمد شفیع اور میاں عبدالعزیز کی مساعی سے ہی مسلمانوں کو نعش دی گئی تھی۔ سر محمد شفیع نے اپنی ضمانت دے دی تھی کہ مسلمان پر امن رہیں گے۔ (غازی علم الدین شہید سے متعلق کوئی بھی کتاب دیکھی جا سکتی ہے)

۱۲)۔قیام پاکستان کے فوراً بعد میاں افتخار الدین نے ممدوٹ وزارت میں صوبائی وزارت بحالیات سے اصولی پہلا استعفیٰ دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت کی صوبائی حکومت کے جاگیردار وزیر مہاجرین کی بحالی کے لئے مخلصی سے کام نہ کر رہے تھے۔ حالانکہ اس وقت کے مسلم لیگی رہنما عہدوں کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ اور متروکہ جائیدادوں کی بندر بانٹ میں مصروف تھے۔ میاں صاحب نے اصولی سیاست کی پاکستان میں پہلی مثال قائم کی۔ افسوس کہ پاکستانی سیاستدانوں نے میاں صاحب کی اصولی سیاست کو نہ اپنایا۔ اور مفاد کی سیاست کر کے پاکستانی عوام کو برے حالوں کو پہنچا دیا ہے۔ جاگیردار، سرمایہ دار، امیر طبقے مزید امیر اور طاقتور ہو گئے۔ جبکہ عام عوام غریب سے غریب تر ہو گئے۔

۱۳)۔میاں افتخارالدین نے پاکستان میں سب سے پہلے جاگیرداری کے خلاف آواز اٹھائی حالانکہ آپ خود بڑے جاگیردار تھے۔ لاہور اور اس کے گردونواح میں وہ اس وقت 17000 ایکٹر کے مالک تھے۔ بائیس گاؤں کی نمبرداریاں ان کے پاس تھیں۔ میاں صاحب کی آواز پر ہی دولتانہ، صدر ایوب، مسٹر بھٹو نے زرعی اصلاحات کیں اور لاکھوں ایکڑ اراضی جاگیرداروں سے لیکر کسانوں اور ہاریوں میں تقسیم ہوئی۔

افسوس کہ جاگیردار اب بھی طاقتور ہیں۔ زرعی اصلاحات کے باوجود اپنے اثرورسوخ اور افسر شاہی سے سازش کر کے بڑی بڑی زمینداریاں بچانے میں کامیاب رہے۔ (ملاحظہ ہو پاکستان جاگیرداری کے شکنجے میں از محمد نعیم)

۱۴)۔قیام پاکستان سے دو ایک سال قبل خضر حیات ٹوانہ کی وزارت کے خلاف تحریک چلائی گئی اور آخر کار خضر حیات ٹوانہ کو استعفیٰ دینا پڑا اس تحریک میں سب سے سرگرم حصہ میاں افتخار الدین نے ہی لیا اور میاں محمد شفیع (م۔ش) نے زیر زمین رہ کر اور اپنی جان پر کھیل کر اخبارات کے لئے اس کی رپورٹنگ کی۔

۱۵)۔قیام پاکستان کے بعد نوائے وقت کے بعد بڑے بڑے اخبارات آرائیوں نے جاری کیے۔میاں افتخار الدین نے پاکستان ٹائمز، اور امروز، عنایت اللہ نے تعمیر، اور پھر مشرق اور نسیم حجازی کے ساتھ ملکر کوہستان اخبارات جاری کئے۔ جو ہر دور میں رائے عامہ پر اثر انداز ہوتے رہے۔

۱۶)۔برصغیر میں کیمسٹری میں پہلی ڈاکٹریٹ کی ڈگری (پی۔ایچ۔ڈی) حاصل کرنے والے ڈاکٹر کیپٹن، عبدالحفیظ تھے۔ جو میار بدالعزیز مالواڈہ کے بھائی تھے۔ میاں عبدالعزیز فخر آرائیاں تھے۔ پاکستان میں سرکاری شعبہ میں، اسلحہ ساز کارخانوں کے قیام کے بنیادیں ڈاکٹر صاحب نے رکھیں۔

۱۷)۔پاکستان میں لوہے کی مصنوعات تیار کرنے والا سب سے بڑا کارخانہ میاں سی ایم لطیف نے بنایا۔ جس نے پاکستان کی صنعتی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔

۱۸)۔1975ء میں پاکستان میں کل پی ایچ ڈی حضرات پانچ سو تھے۔اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ ان میں سے تین سو پی ایچ ڈی حضرات کا تعلق ہماری برادری سے تھا۔

۱۹)۔قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں آرائیوں کا دورِ حکومت سب سے زیادہ ہے۔

۲۰)۔پاکستان میں ایٹم بم بنانے کا خیال سب سے پہلے ایک آرائیں میر ذوالفقار علی خان بھٹو کو آیا۔انہوں نے خان عبدالقدیر خان کو سوئٹزر لینڈ سے بلا کر ایٹم بم بنانے کی ان سے درخواست کی۔اس مطلب کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔امریکہ کے وزیر خارجہ نے ایٹم بم بنانے سے باز نہ آنے کی صورت میں آپ کو نشانِ عبرت بنا دینے کی دھمکی دی تھی۔اس سلسلہ میں پھانسی پر چڑھ گئے لیکن اپنے عزم سے باز نہ آئے۔

صدر جنرل ضیاء الحق اور بے نظیر بھٹو بھی ایٹم بم کے منصوبے پر گامزن رہے۔صدر جنرل ضیاء الحق اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے امریکیوں کے دباؤ کے باوجود ایٹم بم بنوانے میں کامیاب ہوگئے۔اگرچہ اس کا دھماکہ میاں محمد نواز شریف نے اپنی دوسری وزارت عظمیٰ کے دور میں کر کے پاکستان کو دنیا کے ایٹمی ممالک کی صف میں شامل کر دیا۔

☆☆☆

اکابرین تحریک پاکستان

محمد علی چراغ نے اپنی کتاب اکابرین تحریک پاکستان میں تمام برصغیر کے 42 اکابرین کا ذکر ہے۔ جن میں درج ذیل ارائیں حضرات ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات۔

مولانا جعفر تھانیسری

(۱۹۰۵ء)

ابتدائی حالات

مولانا جعفر تھانیسری ضلع کرنال کے علاقہ تھانیسر میں پیدا ہوئے۔ مولانا جعفر تھانیسری کا گھرانہ ایک سادہ اور عام گھرانہ تھا۔ امارت اور ٹھاٹھ باٹھ تو نہیں تھی۔ البتہ اس گھرانے میں عمدہ سوجھ بوجھ ضرور تھی۔ مولانا جعفر تھانیسری نے حسب رواج اپنی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ بچپن ہی سے وہ بہت محنتی اور ایماندار تھے۔ لوگ ان پر بھروسہ کرتے تھے اور ان کی راستبازی اور صاف گوئی کے معترف تھے۔

اس وقت کے دیگر حالات بڑی نزاکت اختیار کر چکے تھے۔ مسلمان برصغیر میں رفتہ رفتہ بالا دستی کے مقام سے محکومی اور زیر دستی کے درجے پر آنے لگے تھے۔ ادھر بنگال اور جنوبی ہندوستان میں نواب سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی مزاحمت بھی کمزور ہوگئی تھی۔ باقی پورا ہندوستان ریاستوں اور صوبوں میں بٹتا ہوا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی نذر ہونے لگا تھا۔ اس صورت حال سے انگریزوں نے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور جلد ہی ساز باز کر کے اور جنگی کاروائیاں کر کے پورے ملک پر قبضہ جمانا شروع کر دیا۔ اس دور میں مرہٹوں اور بعض ہندوؤں نے انگریزوں کے ساتھ تعاون کر کے مسلمانوں کی حیثیت کو بڑی حد

تک بے ضرر اور بہت کمزور کر دیا تھا۔ اس طرح مسلمان اپنے حقوق سے بھی محروم ہونے لگے تھے۔ چھوٹی موٹی ملازمتیں اور ریاستی منصب انہیں مل جاتے تھے۔ لیکن بڑی سطح پر ان کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔

مولانا جعفر تھانیسری جب جوان ہوئے تو انہوں نے دوسروں سے ہمدردی اور موانست کے باعث بڑی مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ اپنے علاقے میں لوگ ان کی قدر کرتے تھے۔ چونکہ نیک اور قدرے حلیم خاندان کے فرد تھے۔ اس لئے پارسائی ان کا شیوا تھی۔ لوگوں کی ہمدردی اور ایمانداری کے بدولت انہیں اپنے علاقے کا نمبر دار بنا دیا گیا تھا۔ نمبر داری کے دوران میں مولانا جعفر تھانیسری نے بڑی عقل مندی، ذہانت اور قابلیت سے کام لیا۔

دیگر سرگرمیاں

اس دور میں اگرچہ مسلمان رفتہ رفتہ ادبار وآلام کا شکار ہو رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود غیر قومیں مسلمانوں کو مزید کمزور کرنے کی خاطر استعماری انگریزوں کا ساتھ دے رہی تھیں۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے اب صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ اصلاح احوال کے لئے فکری اور ذہنی سطح پر کام کریں۔ لہذا مسلمانوں میں متعدد بزرگان نے وعظ ونصیحت اور رشد وہدایت کا منصب سنبھال لیا تھا۔ اس حوالے سے دوسری جانب ہندوؤں نے تو عیسائی اور یہودی تعلیمات کو قبول کر کے انہیں اپنانا بھی شروع کر دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا ناممکن تھا۔ بہر صورت انہوں نے اپنے طور پر صورتِ حال کو سدھارنے پر توجہ دی۔

مولانا جعفر تھانیسری نے بھی مسلمانوں میں فکری شعور پیدا کرنے اور انہیں فروعات اور بدعتوں سے پاک کرنے کی خاطر کام کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ اپنے قصبے میں وہ محترم اور نیک گردانے جاتے تھے۔ اس لئے انہوں نے باقاعدہ درس وتدریس اور وعظ ونصیحت کا منصب بھی سنبھال لیا تھا۔ وہ مسلمانوں کو ان کی صحیح تعلیمات سے روشناس بھی کرواتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی حالات وواقعات اور مسلمانوں کی حیثیت کو بخوبی سمجھ کر وہ کہتے تھے کہ یہ دنیا بے ثبات اور ناپائیدار ہے۔ اصل زندگی احکام الٰہی کی پابندی ہے اور ان احکام الٰہی میں جہاد بھی ایک لازمی

امر ہے۔ان خطوط پر مولانا جعفر تھانیسری کا سلسلہ وعظ و نصیحت ایک طرح کے درس کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔

مولانا جعفر تھانیسری نے اپنا بچپن چونکہ خاصا کٹھن اور تلخ گزارا تھا۔والد کا سایہ سر سے جلد اٹھ گیا تھا۔اس لئے انہوں نے اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں بنایا اور تعمیر کیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ انہیں مجبوراً اپنی تعلیم ہی کے دوران میں محنت مزدوری کا تجربہ ہونے لگا تھا۔اس کے بعد انہوں نے عرضی نویس کا کام سنبھال لیا تھا۔اس پیشہ وعرضی نویسی کے دوران میں انہیں عوام الناس اور بالخصوص مسلمانوں کے مسائل اوران کی مجبوریوں کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔اس طرح انہیں حاکم ومحکوم اور ظالم ومظلوم کے بارے میں بے حد آگہی ہوگئی تھی۔چونکہ مولانا جعفر تھانیسری نرم دل، ہمدرد اور غم خوار انسان تھے۔اس لئے انہوں نے لوگوں کی درخواستوں اور عرضیوں کے حوالے سے کونسل کو بھی کئی طرح کے اہم مشورے دینے شروع کردیئے تھے۔نمبرداری کے عہدے کے دوران میں انہوں نے باقاعدہ طور پر منصفین اور کونسل کے لئے کئی طرح کے قواعد و ضوابط بھی تیار کردیئے تھے۔کونسل کے ذمے دار ارکان مولانا جعفر تھانیسری کی بعض باتوں سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی درست ہی تسلیم کرتے تھے۔بہرطور مولانا جعفر تھانیسری نے عوام اور کونسل کے ایک بہتر رابطہ کار کا فریضہ ادا کرکے لوگوں کے کئی مسائل حل کروادیئے تھے۔

برطانوی پالیسیاں

مسلمانوں نے چونکہ اس برعظیم میں قریباً ایک ہزار سال تک حکمرانی کی تھی اوراعلیٰ اور مثالی رواداری کی مثالیں قائم کی تھیں۔اس لئے مسلمان بے دست وپا اور مقہور ہونے کے باوجود استعماریت کے جوروستم سے نفرت کرتے تھے۔انگریزوں کو مسلمانوں کی اس بے چینی اور نفرت کا شدت سے احساس تھا۔اس لئے انگریز تو مسلمانوں کے دماغ سے شہنشاہیت کے تخیل تک کو فنا کرنے پر آمادہ تھے۔ہندو بھی مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کے ہم نواء اور ساتھی بن گئے تھے۔
اس دور میں مسلمان انگریزی تعلیم اپنانے کے لئے تیار نہیں تھے۔لیکن دوسری جانب انگریز، رنگ نسل اور ذہنی اعتبار سے ایک جماعت بنانے کا خواب دیکھ رہا تھا کہ جو ہر لحاظ سے ایک انگریزی

ہو۔ان مقاصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کو ہمیشہ نیچا دکھانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جاتی، اور ہندوؤں کے ساتھ تو ان کا ان غاصب انگریزوں نے مشفقانہ سلوک اختیار کرکے انہیں اپنا ساتھی بھی بنالیا اور مسلمانون کے خلاف بھی تیار کرلیا تھا۔

جنگِ آزادی

انگریزوں کی ان سیاسی اور سماجی پالیسیوں اور چالوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ انیسویں صدی کے وسط تک مسلمان مفلوج ہوکر رہ گئے تھے۔قریباً قریباً تمام مسلمان ریاستوں کا خاتمہ ہوچکا تھا۔اسلامی ریاست کی اہمیت بھی ختم ہوچکی تھی۔سلطنتِ دہلی کے آخری تاجدار بھی انگریزوں ہی کے رحم وکرم پر تھے۔مولانا جعفر تھانیسری عین اپنی جوانی کا عہد گزار رہے تھے۔ملک کے سیاسی حالات اور مسلمانوں کی محرومی اور پسماندہ کیفیت کا لامحالہ اور منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے ایک چنگاری کی صورت میں آغاز کرکے تحریک آزادی شروع کردی۔اس تحریکِ آزادی میں سب سے پہلے فوج میں موجود مسلمانوں نے حصہ لیا۔چونکہ اس ہنگامہ حریت پسندی کے دوران میں سلطنت دہلی کے آخری مسلمان تاجدار دہلی میں بیٹھے تھے۔اس لئے مجاہدین آزادی نے دہلی کی جانب بڑھنا شروع کردیا تھا۔مجاہدین کی بیشتر جماعتیں یہ چاہتی تھیں کہ سلطنت دہلی میں ایک بار پھر مسلمان حکمران عروج حاصل کریں اور استعماری انگریزوں کو جس طرح بھی ممکن ہو ملک سے بھگا دیا جائے۔مولانا جعفر تھانیسری جو عرصے سے اپنے وعظ ونصیحت اور درس وتدریس میں جذبہ جہاد پر بات کیا کرتے تھے۔انہوں نے بھی جلد ہی مجاہدین کی جماعت میں شرکت کی اور جانثاروں اور وفاداروں کے ساتھ وہ بھی دہلی کی طرف روانہ ہوگئے۔چونکہ اب کچھ عرصے کے بعد مختلف چھاؤنیوں کے بعد دہلی ہی مسلمان مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز بن گئی تھی۔اس لئے انگریزی فوجوں نے دہلی کا محاصرہ بڑی سختی سے کرلیا تھا۔

مسلمان جس جذبے اور حریت پسندی کے ساتھ دہلی کی جانب بڑھے تھے۔اس کی بدولت ان مجاہدین نے دہلی پر ایک بار جا کر قبضہ کرلیا تھا۔انگریز حکمرانوں کو خاصا نقصان برداشت کرنا پڑا۔اس طرح چند مہینوں تک ایک بار پھر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی تھی۔لیکن

اس وقت تک آخری مغلیہ تاجدار بہادر شاہ ظفر لال قلعہ کے اندر نحیف ونزار پڑا تھا۔ انگریزوں نے بھاری فوجی قوت اور شدید حملوں سے مجاہدین کا دائرہ تنگ سے تنگ کر دیا تھا۔ اس موقع پر ہندوؤں نے ایک بار پھر مسلمانوں کے ساتھ غداری کر کے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اس طرح انگریزوں نے مسلمانوں سے شدید انتقام لینے کی ٹھان لی تھی۔

انگریزوں سے مقابلہ

رفتہ رفتہ انگریزوں نے مجاہدین دہلی سے نمٹنے کے لئے محاصرہ کر کے مجاہدین کو شہید کرنا شروع کر دیا تھا۔ وسیع پیمانے پر مجاہدین اور عام مسلمان شہریوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو جلد ہی مولانا جعفر تھانیسری اور ان کے کئی ساتھی نرغے میں آ گئے۔ مولانا جعفر تھانیسری نے اپنے ساتھی مجاہدین کی قیادت سنبھال لی اور وہ انگریزی فوجوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ مجاہدین اور استعماری فوجیوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ مجاہدین نے بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ یہ جنگ جاری رکھی۔ مولانا جعفر تھانیسری نے بہادری کے بے مثال جوہر دکھائے۔ انگریزوں کو بدستور نقصان پہنچتا رہا۔ لیکن مجاہدین چونکہ نرغے میں اور انگریز تازہ بہ تازہ کمک حاصل کرتے رہے تھے۔ اس لئے بالآخر مجاہدین اور مولانا جعفر تھانیسری نے بڑی ذہانت سے پسپائی اختیار کی۔ مورخین کا کہنا ہے چونکہ مولانا جعفر تھانیسری جنگی اسرار و رموز کے ہتھکنڈوں سے بخوبی آگاہ تھے۔ اسلئے انہوں نے پسپائی اختیار کر لی تھی۔

مجاہدین کی اس پسپائی کے بعد انگریزوں نے مکمل طور پر ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ متعدد مجاہدین اور مولانا جعفر تھانیسری کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیئے تھے۔ متعدد انگریز حکام نے مولانا جعفر تھانیسری کے بارے میں کئی طرح کی قیاس آرائیاں کی ہیں اور انہیں انگریزوں کا شدید دشمن اور آزادی کا بہت بڑا پروانہ قرار دیا ہے۔

مولانا جعفر تھانیسری نے چھپ چھپا کر واپس تھانیسر میں آ کر درس وتدریس اور وعظ و نصیحت کا فریضہ اپنا لیا تھا۔ لیکن انگریزوں نے مولانا جعفر تھانیسری کو گرفتار کرنے کے لئے جا بجا چھاپے مارنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا اور ان کے دیگر رشتہ داروں کو بھی بدستور زدوکوب کرنا

شروع کر دیا تھا۔ مولانا کو گرفتار کرنے کے لئے ان کے بوڑھے والدین اور ان کی بیوی کو بھی تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب انگریز انہیں گرفتار کرنے میں ناکام رہے تو انہوں نے مولانا جعفر تھانیسری کے گرفتاری کے لئے دس ہزار روپے کا انعام بھی مقرر کر دیا تھا۔

انگریزوں کے اس تعاقب اور انعام کی خبر مولانا جعفر تھانیسری کو بھی ہو چکی تھی۔ لہٰذا اب وہ تھانیسر سے علی گڑھ جا چکے تھے۔ یہاں پر وہ ایک بار پھر درس وتدریس اور واعظ و نصیحت سے وابستہ ہو چکے تھے اور مسجد میں درس دینے لگے۔ ایک دن وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ انگریزوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد انہیں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر دہلی لایا گیا۔ معمولی مقدمے کے بعد انہیں موت کی سزا سنا کر موت کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

انگریز صرف مولانا جعفر تھانیسری ہی کو گرفتار کر کے سزا نہیں دینا چاہتے تھے بلکہ وہ ان کے دیگر مجاہد ساتھیوں کو بھی کیفر کردار تک پہنچانا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے مولانا جعفر تھانیسری کو ڈرا دھمکا کر ان کے ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوششیں کیں۔ اس حوالے سے ان پر بہت تشدد بھی کیا گیا۔ جب وہ ہر طرح ناکام رہے تھے پھر انہوں نے مولانا جعفر تھانیسری کو کئی طرح کے لالچ دیئے۔ لیکن مولانا جعفر تھانیسری نے اپنے کسی دوسرے ساتھی کا نام نہ بتایا۔ تو انگریز ان پر مزید تشدد اور ظلم کرتے رہے۔ اسطرح وہ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ لیکن جذبۂ حریت سے سرشار تھے۔ انگریزوں نے تنگ آ کر انہیں پھانسی گھر سے نکال کر جیل میں بھجوا دیا۔

اس کارروائی کے کچھ عرصہ بعد مولانا تھانیسری پر ضلع انبالہ میں باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا مقدمے کے دوران سرکاری طور پر ان پر الزام عائد ہوا کہ وہ باغی ہیں انگریز دشمن ہیں شرانگیز کارروائیوں میں ملوث رہے ہیں اس لئے انہیں سزا سناتے وقت یہ بتایا گیا کہ تمہاری سخت دشمنی باغیانہ تگ ودو اور شرارت انگیز قابلیت کے باعث پھانسی کی سزا دی جاتی ہے اور تمام جائیداد ضبط کی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ موت کی سزا سن کر مولانا جعفر تھانیسری نے بڑی دلیری اور جرأت

مندی سے جواباً کہا کہ "جان لینا اور جان دینا خدا کا کام ہے۔ تمہارے اختیار میں نہیں وہ رب العزت قادر ہے۔ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کر دے۔"

چند ہی دن بعد مولانا کو جیل کے ڈپٹی کمشنر نے بتایا کہ ان کی سزائے موت کو حبسِ دوام بہ عبور دریائے شور میں بدل دیا گیا ہے۔ اس طرح 11 جنوری 1866 کو انہیں سزا کے طور پر جزائر انڈیمان بھجوا دیا گیا۔ مولانا جعفر تھانیسری نے سترہ سال جزائر انڈیمان میں نہایت مشکل اور کٹھن گزارے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی انگریز دشمنی میں کوئی فرق نہ پڑا۔

انگریزی حکومت کی لارڈ رپن کی ایسے قیدیوں اور حکومت کے باغیوں پر کڑی نظر تھی۔ وہ 1861ء سے برعظیم میں مختلف حیثیتوں سے حکومت میں شامل تھے۔ لہذا 1983ء ہی میں لارڈ رپن کے حکم پر مولانا جعفر تھانیسری رہا ہو کر دوبارہ ملک واپس آئے۔ اس رہائی کے باوجود مولانا جعفر تھانیسری کی انگریز دشمنی برقرار رہی۔

جزائر انڈیمان کی اسارت اور جلاوطنی کے دوران مولانا جعفر تھانیسری نے "تاریخ عجیب" اور "سوانح عجیب" دو کتابیں انہیں جزائر انڈیمان کے بارے میں لکھیں۔ ان کتابوں میں ایک طرح سے مولانا جعفر تھانیسری کی سرگزشت بھی موجود ہے۔ دیگر احوال و واقعات اور مصائب و آلام کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

مولانا جعفر تھانیسری کی ایک کتاب جو انہوں نے سید احمد شہید اور اس تحریک کے اکابرین کے حوالے سے لکھی۔ اس کا نام "سوانح عجیب" ہے اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مجاہدین اور ان کی تحریک سے کس قدر محبت اور لگاؤ تھا۔

مولانا جعفر تھانیسری نے 1905ء میں وفات پائی۔

☆☆☆

سر میاں محمد شفیع

(1869ء-----------1932ء)

ابتدائی حالات

انیسویں صدی عیسوی میں باغبانپورہ لاہور آرائیوں کے اجتماع اور اپنی زمینوں کے اعتبار سے خاصا مشہور ہو چکا تھا۔ انہیں آرائیوں میں میاں محمد شفیع کا خاندان موجود تھا۔ میاں محمد شفیع یہاں پر 1869ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام میاں محمد دین تھا۔ میاں محمد دین بھی اپنی شرافت اور ثروت کے لحاظ سے خاصے مشہور تھے۔ والد نے اپنے بیٹے کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ جب میاں محمد شفیع نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تو پھر میاں صاحب کو اس وقت کے مشہور اور نئے کالج ایف سی کالج میں داخل کرا دیا گیا۔ ایف سی کالج سے ایف اے کرنے کے بعد والد نے انہیں انگلستان بھجوا دیا۔ میاں محمد شفیع انگلستان سے قانون کی ڈگری لے کر واپس آئے۔

میاں محمد شفیع چونکہ قانون کی ڈگری حاصل کر کے آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے حسبِ دستور وکالت شروع کر دی۔ آغاز میں انہوں نے ہوشیار پور میں پریکٹس جاری رکھی اور پھر کچھ عرصے کے بعد 1895ء میں وہ لاہور آ گئے اور یہاں پر بھی پیشہ وکالت سے منسلک رہے۔

میاں محمد شفیع کے خاندان کو شروع ہی سے ملک کی سیاسی، سماجی اور تعلیمی سرگرمیوں سے خصوصی دلچسپی تھی۔ لہذا میاں محمد شفیع نے بھی جوان ہونے کے ساتھ ہی سیاسی، سماجی اور تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ انگلستان میں قیام کے دوران میں بھی انہوں نے بخوبی یہ محسوس کر لیا تھا کہ آزاد ملکوں میں سیاست کے کیا اطوار ہوتے ہیں اور سیاست کس طرح لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جب میاں محمد شفیع انگلستان میں تھے۔ تو اس وقت برِعظیم میں

کانگریس کا چرچا تھا۔ ایک جانب مسلمان بھی اس جماعت میں شامل ہو رہے تھے۔ تو دوسری جانب سر سید احمد خان مسلمانوں کو اس کانگریس کہ جو اپنی روح اور اصولوں کا بنیاد پر ہندوانہ جماعت تھی۔ میں شامل ہونے سے ہر طرح سے روک رہے تھے۔

انیسویں صدی کے اواخر او ربیسویں صدی کے اوائل میں انگلستان، ہندوستانی سیاست کی سرگرمیوں کا مرکز بھی بن گیا تھا۔ برِ عظیم کے متعدد نوجوان انگلستان میں جا کر اعلیٰ تعلیم بالخصوص قانون کی ڈگریاں حاصل کرنے لگے تھے۔ مسلمانوں نے انگلستان میں بھی انجمن اسلامیان ہند کی ایک شاخ قائم کر دی تھی۔ میاں محمد شفیع انگلستان میں ہی اس انجمن کے رکن بن گئے تھے۔ ملک واپس آ کر میاں محمد شفیع نے یہاں کے دیگر امور میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ اس طرح شروع شروع میں انہوں نے ہوشیار پور ہی کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ یہاں پر انہوں نے خصوصی دلچسپی لے کر مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے پر توجہ دی۔ پھر اس کیساتھ ساتھ وہ سماجی اصلاح کی تحریکوں میں بھی شامل ہو گئے تھے۔

قومی خدمات

بیسویں صدی کے آغاز تک میاں محمد شفیع نے لاہور میں پنجاب کے مسلمانوں کی نمائندگی کے حوالے سے ایک اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔ اس عہد میں محمڈن ایجوکیشن کانفرنس نے بھی آل انڈیا کانگریس کے مقابلے میں اہم کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسی اثناء میں جب ہندی اردو تنازعہ شروع ہوا تو ایجوکیشنل کانفرنس نے مسلمانوں کیلئے ایک جداگانہ سیاسی جماعت بنانے پر غور وخوض شروع کر دیا تھا۔

1906ء میں جب لارڈ منٹو وائسرائے ہند بن کر یہاں آئے تو مسلمانوں کا ایک اعلیٰ سطح کا وفد ان سے ملاقات کرنے کے لئے تیار ہوا۔ اس نمائندہ وفد کے لئے سب سے زیادہ محنت اور کوشش نواب محسن الملک نے کی اور پینتیس افراد پر مشتمل ایک وفد تیار کیا۔ اس وفد نے ایک یاد داشت تیار کی اور مسلمانوں کے مطالبات کو عمدہ پیرائے میں بیان کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس وفد میں پنجاب سے بیرسٹر ایٹ لاء میاں محمد شفیع نے نمائندگی کی تھی۔ اس وقت میاں محمد شفیع ابھی

پینتیس سال کے جوان تھے اور انہوں نے یکم اکتوبر 1906ء کو شملہ میں مسلمانوں کے وفد کے ہمراہ وائسرائے ہند سے ملاقات کی۔

شملہ میں وائسرائے ہند سے مسلمانوں کے وفد کی ملاقات کے قریباً تین مہینوں کے بعد مسلمانوں نے ایک اپنی جداگانہ جماعت ”مسلم لیگ“ قائم کر لی۔ مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں قریباً انہی نمائندہ حضرات اور اکابرین نے شرکت کی جو شملہ وفد میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ دیگر صوبوں کے دیگر مسلمان اکابرین شریک ہوئے تھے۔ بہر صورت مسلم لیگ کے قیام کے بعد اس کی ترقی اور فروغ کے لئے کام شروع ہو گیا۔ تو جلد ملک کے دوسرے صوبوں میں اس کی برانچیں کھلنے لگیں اور مسلم لیگ کے لئے لائحہ عمل اور اغراض و مقاصد کو بھی حتمی شکل دے دی گئی۔

مسلم لیگ

مسلم لیگ کے قیام کے بعد جب دوسرے صوبوں میں مسلم لیگ کی جب برانچیں کھلنے لگیں تو پنجاب میں مسلم لیگ کی برانچ قائم کرنے میں میاں محمد شفیع نے بھرپور حصہ لیا۔ بلکہ وہی پنجاب برانچ کے پہلے سیکرٹری بھی مقرر ہوئے۔ اس سے پیشتر جب میاں محمد شفیع لندن میں تھے۔ تو وہ انجمنِ اسلامیہ میں تو حصہ لیتے ہی تھے۔ بلکہ ایک سال کے لئے انہیں انجمن اسلامیہ کا سیکرٹری بھی چن لیا گیا۔ اس کے بعد نومبر 1907ء میں انہیں آل انڈیا مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری بنا دیا گیا تھا۔

اسی دوران میں میاں محمد شفیع اور میاں فضل حسین کی آپس میں آویزش شروع ہو گئی تھی۔ میاں فضل حسین نے فروری 1906ء میں ایک جماعت بنائی تھی اور اس کا نام بھی ”مسلم لیگ“ ہی رکھا تھا۔ عین اس سے چند ماہ پیشتر میاں محمد شفیع نے بھی ایک انجمن بنا رکھی تھی اور اس انجمن کا نام مسلم ایسوسی ایشن تھا۔ اس طرح جب آل انڈیا مسلم لیگ معرض وجود میں آئی تو پنجاب میں اس جماعت کی سب سے بڑی اور مضبوط برانچ قائم ہوئی۔ میاں محمد شفیع اس برانچ کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔

میاں محمد شفیع کی سرپرستی میں قائم ہونے والی آل انڈیا مسلم لیگ کی اس برانچ کو پنجاب

پراونشل مسلم لیگ کا نام دیا گیا۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ اس دوران میں میاں فضل حسین نے بھی اپنی جماعت کا نام یہی رکھا ہوا تھا۔ دونوں رہنما اپنی اپنی جماعتوں کو آل انڈیا مسلم لیگ سے وابستہ قرار دیتے تھے۔ اس حوالے سے دسمبر 1907ء میں پنجاب کے ان دونوں رہنماؤں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ کراچی میں شرکت کی۔

مسلم لیگ کے قیام کے بعد پنجاب میں ملکی سیاست میں بھرپور حصہ لینے لگا تھا۔ لیکن ایک عرصے تک پنجاب میں مسلم لیگ کی دو شاخیں اپنے اپنے طور پر کام کرتی رہیں۔ پنجاب میں دو شاخوں کے باعث لوگوں میں بے اطمینانی پھیلتی گئی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ پنجاب کی ایگزیکٹو کونسل کے لئے میاں محمد شفیع نے چوبیس ممبروں کے نام پیش کئے۔ اور دوسری جانب میاں فضل حسین نے اٹھارہ ممبروں کے نام دیئے، اس طرح جلد ہی پنجاب کے دونوں رہنماؤں میں مفاہمت ہوگئی۔ اس مفاہمت کے نتیجے میں پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری میاں محمد شفیع اور جائنٹ سیکرٹری میاں فضل حسین منتخب ہوئے۔

اسکے بعد چند برسوں میں جب منٹو مارلے اصلاحات کا اعلان ہوا تو اس موقع پر میاں فضل حسین نے اس امر کا اقرار کیا کہ منٹو مارلے اصلاحات ترتیب دینے کے لئے سب سے زیادہ کام میاں محمد شفیع اور میاں شاہ دین ہی نے کیا تھا۔ اس حوالے سے میاں محمد شفیع نے مسلمانوں کے حقوق و فرائض اور ان کے مطالبات کو اہمیت دینے میں خاصی دلچسپی اور لگن کا اظہار کیا۔

1913ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اسی اجلاس میں مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد میں تبدیلی کر کے یہ کہا گیا کہ مسلم لیگ ہندوستان میں ایک خود مختار نظام حکومت کا مطالبہ کرتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی شرط لگادی گئی تھی۔ کہ یہ نظام حکومت ملک کے مخصوص حالات کے پیش نظر اپنایا جائے گا۔ بہرصورت یہ امر واضح ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح اور دیگر مسلمان رہنما کچھ عرصے سے مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد میں تبدیلی کرنے کے خواہاں تھے۔

برعظیم کی پوری سیاسیات اور بالخصوص پنجاب میں میاں محمد شفیع کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا۔ اس وقت میاں محمد شفیع کے ساتھیوں میں ملک برکت علی، ڈاکٹر محمد اقبال، خلیفہ شجاع

الدین، چوہدری شہاب الدین، اور غلام بھیک نیرنگ زیادہ مشہور تھے۔ اس دوران پنجاب کی سیاست میں ایک ایسا موڑ آیا کہ بعض امور میں میاں محمد شفیع اور میاں فضل حسین میں اختلاف رائے قائم ہوگیا۔ اس وقت میاں محمد شفیع نے پنجاب مسلم لیگ کی سرپرستی کی قیادت سنبھالے رکھی۔ انہوں نے جسٹس شاہ دین سے مل کر صوبے میں تعمیر و ترقی کے کاموں میں خاصی دلچسپی لی اور پنجاب کے مسلمانوں کی ترقی کے لئے اہم خدمات سرانجام دیں۔ اس دور میں ایک حد تک کانگریس اور مسلم لیگ میں اشتراک و تعاون اور اتحاد بھی بڑھنے لگا تھا۔

لیکن دوسری جانب میاں محمد شفیع اور میاں فضل حسین کے ختلافات اس قدر بڑھ گئے کہ پنجاب مسلم لیگ ایک بار پھر دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک کی قیادت میاں محمد شفیع اور دوسری کی قیادت میاں فضل حسین کرتے رہے۔ میاں محمد شفیع تو پھر 1916ء میں پنجاب مسلم لیگ سے مستعفی ہوگئے۔ اس کے بعد جلد ہی سر فضل حسین پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری بن گئے۔ انہوں نے یہ عہدہ 1920ء تک سنبھالے رکھا۔

مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر میاں محمد شفیع نے اپنی بنائی ہوئی جماعت "آل انڈیا مسلم ایسوسی ایشن" کے لئے دوبارہ کام شروع کر دیا تھا اور پھر وہ چند برس تک پنجاب پراونشل کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔ کئی بار انہیں وائسرائے کی کونسل میں بھی شامل کیا گیا۔ اور مرکزی اسمبلی کے ممبر بھی مقرر ہوئے۔

1927ء میں جب دہلی میں قائداعظم محمد علی جناح کی سربراہی میں تجاویز دہلی ترتیب دی گئیں تو اس وقت بھی سربرآوردہ رہنماؤں میں پنجاب کی جانب سے میاں محمد شفیع نے بھی شرکت کی تھی۔ اس سال انہیں مسلم لیگ کا صدر چن لیا گیا تھا۔ اس طرح جنوری 1928ء میں لاہور میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا تو اس اجلاس کی صدارت میاں محمد شفیع ہی نے کی تھی۔ بہرصورت میاں محمد شفیع نے موقع کے مطابق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

سائمن کمیشن

سائمن کمیشن ایک ایسا کمیشن تھا کہ جس کی سفارشات اور تجاویز سے برعظیم کے بیشتر

مسلمان رہنماؤں کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس لئے مسلمانوں کی اکثریت اس کمیشن کے خلاف تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کمیشن کی کھلم کھلا مخالفت کر کے یہ اعلان کر دیا تھا کہ مسلمان اس کمیشن کی سفارشات اور فیصلوں کا ماننے کے پابند نہیں ہوں گے۔ اس طرح کئی صوبوں میں اس کمیشن کا سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا اور ''سائمن واپس جاؤ'' کے نعرے لگائے گئے۔ لیکن دسمبر 1927ء میں جب یہ کمیشن پنجاب میں پہنچا تو پنجاب کے رہنما سر محمد شفیع نے ایک جلسے کی قیادت کرتے ہوئے سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کی یقین دہانی کرا دی۔ شاید میاں محمد شفیع کا یہ خیال تھا کہ سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون کر کے مسلمانوں کے قومی حقوق اور مفادات کا بہتر طور پر تحفظ کیا جا سکے گا۔ اس لئے میاں محمد شفیع ملک کی اکثریت کو جوش وخروش نہ دے سکے اور انہوں نے اس کمیشن کا بائیکاٹ نہ کیا۔ اس طرح پنجاب کی سیاست ایک بار پھر انتشار کا شکار ہو گئی اور پوری مسلم لیگ لرز گئی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ آل انڈیا مسلم لیگ اصولوں کی بناء پر دو حصوں میں بٹ گئی۔ اب کی بار ایک حصہ کی قیادت قائداعظم محمد علی جناح اور دوسرے کی قیادت میاں محمد شفیع کر رہے تھے۔ مسلم کی یہ مشاجرت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ لہذا جلد ہی 1929ء میں قائداعظم محمد علی جناح اور میاں محمد شفیع میں مصالحت ہو گئی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد مارچ 1929ء میں مسلم لیگ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے مشہور زمانہ چودہ نکات پیش کئے۔

پنجاب کی صورت حال

بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں پنجاب میں آریہ سماجی ہندوؤں کی سرگرمیاں خاصی تیز ہو گئی تھیں۔ آریہ سماجیوں نے اب تو مسلمانوں اور ان کی تعلیمات کو بھی تضحیک کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ ایک بے دین آریہ سماجی ہندو نے حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں یہاں تک گستاخی کی کہ ایک کتاب ''رنگیلا رسول'' لکھ دی۔ اس دوران میں لاہور کے جوان مسلمان نے توہین رسالت کا بدلہ لینے کے لئے اس کتاب کے پبلشر راجپال کو قتل کر دیا۔ اس کتاب پر کسی مصنف کا نام نہیں لکھا تھا۔ صرف پبلشر کا نام درج تھا۔ اس لئے پبلشر کو ہی قتل کر دیا گیا۔ ہندو

عدالت نے مقدمے کا فیصلہ کر کے راجپال کے قاتل علم دین کو پھانسی کی سزا دے دی۔ اس طرح علم دین کی شہادت نے پورے پنجاب کے جذبے کو بھڑکا دیا۔ جلسے جلوسوں کا اہتمام ہونے لگا تو حکومت نے مسلمان رہنماؤں سے تعاون طلب کیا تا کہ امن وامان بحال رکھا جا سکے۔ میاں محمد شفیع کو بھی انتظامیہ نے اعتماد میں لینے کی کوشش کی مگر میاں محمد شفیع نے مسلمانوں کے جذبات کی صحیح طور پر نمائندگی کرتے ہوئے مسلمانوں کی وکالت کی اور ان کے جلسے جلوسوں کا جائز قرار دیا۔ البتہ میاں محمد شفیع نے انتظامیہ کو یہ یقین دلایا کہ کوشش کی جائے گی کہ امن وامان برقرار رہے۔ اس واقعے کے باعث پورے برعظیم میں کئی مقامات پر ہندو مسلم فسادات چھڑ گئے تھے۔ پھر حکومت کی دلجوئی اور کاروائی کے باعث رفتہ رفتہ فسادات ختم ہو گئے۔

پنجاب میں بالخصوص اور دوسرے صوبوں میں بالعموم جو ہندو مسلم فسادات ہوئے اور پنجاب میں میاں محمد شفیع نے امن وسکون برقرار رکھنے میں جو کردار ادا کیا اس کا ذکر تو سائمن کمیشن نے اپنی رپورٹ میں بھی کیا ہے۔

میاں محمد شفیع نے 1930ء میں لندن میں منعقد ہونے والی گول میز کانفرنس میں بھی شرکت کی اور مسلمانوں کے مطالبات کی نہایت عمدہ طریقے سے نمائندگی کی۔ 1931ء میں انہوں نے ہندو مسلم مسائل کے تصفیے کے لئے ہندوستان کے دوسرے سیاسی رہنماؤں کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں اور مسلمانوں کی بھرپور انداز میں نمائندگی کی۔ انہوں نے آل پارٹیز میں بھی کئی مرتبہ شرکت کی۔ اس سے پیشتر میاں محمد شفیع نے تحریکِ خلافت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا محمد علی جوہر ان کے تحریکِ خلافت میں معقول رویے کے باعث بہت متاثر تھے۔

میاں محمد شفیع کے بارے میں ان کی بیٹی بیگم شاہنواز کا بیان ہے کہ میاں محمد شفیع اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اختلافات کے باعث میثاقِ لکھنو معرضِ وجود میں آیا۔ اس طرح مسلمانوں نے بنگال اور پنجاب میں اپنے مفادات کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ جولائی 1919ء میں میاں محمد شفیع کو چیف کورٹ بار کا صدر چن لیا گیا اور پھر وائسرائے کی کونسل میں شامل ہوئے تھے۔ جب سے میاں صاحب کو حکومتی فرائض میسر آئے تھے وہ عملی طور پر پنجاب کی سیاست سے دور ہو

گئے تھے۔اس دوران میں تعلیم کے میدان میں کئی اہم کام کیئے۔انہوں نے تعلیم کاممبر ہونے کے حوالے سے علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام کے لئے کوششیں کی تھیں۔سائمن کمیشن کی آمد کے بعد میاں محمد شفیع کو حکومت ہند کاممبر تعلیم چن لیا گیا تھا۔اسکے کچھ ہی عرصہ بعد وہ جنوری 1932ء کو انتقال کر گئے۔

☆☆☆

میاں عبدالعزیز مالواڈہ

(1872ء-------------1970ء)

ابتدائی حالات

میاں عبدالعزیز مالواڈہ یا مارواڈہ 19 اگست 1972ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔بعض حوالوں سے ان کی پیدائش کا سال 1871ء بھی مرقوم ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔بہرصورت وہ ایک آسودہ آرائیں خاندان کے فرد تھے۔ان کے والد مولوی الٰہی بخش اپنے دور کے ایک معروف اور کامیاب وکیل تھے۔پنجاب کے مسلمانوں میں انہیں خاصی شہرت اوراہمیت حاصل تھی۔

چونکہ ان کا خاندان علم و ادب کی برکتوں اور تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھا۔اس لئے میاں عبدالعزیز نے یونہی ابتدائی تعلیم وتربیت مکمل کی تو والد نے انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھجوادیا تھا۔میاں عبدالعزیز 1893ء میں انگلستان پہنچے اور وہاں پر انہیں لنکنز ان میں داخلہ مل گیا۔ان سے پیشتر اسی لنکنز ان لندن سے قائداعظم محمد علی جناح بھی 1892 میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کر چکے تھے۔جس وقت میاں عبدالعزیز لندن میں زیر تعلیم تھے۔اس وقت تک بعض ہندوستانی سیاست دانوں نے بھی اپنی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔بعض حوالوں سے آل انڈیا کانگریس کے بھی تذکرے ہونے لگے تھے۔قائداعظم محمد علی جناح لنکنز ان میں میاں عبدالعزیز سے صرف ایک سال سینئر تھے۔لیکن وہ پہلی بار انگلستان سے جلد واپس آگئے تھے۔جون 1898ء میں میاں عبدالعزیز کو بار کی رکنیت مل گئی تھی۔

1898ء میں انگلستان سے واپس ملک میں آکر میاں عبدالعزیز نے ضلع ہوشیار پور

میں قانونی پریکٹس شروع کردی تھی۔ رفتہ رفتہ انہون نے بھی اپنے والد مولوی الٰہی بخش کی طرح شہرت حاصل کرلی۔ ان کی یہ شہرت لاہور تک بھی پہنچ گئی۔ تو وہ جا بجا لاہور میں بھی اپنی وکالت کی پریکٹس اور ماہرین سے صلاح مشورے کے لئے آنے جانے لگے تھے۔

قومی خدمات

میاں عبدالعزیز نے ہوشیار پور میں اکیس سال تک قانونی پریکٹس کی۔ اسی دوران میں انہوں نے ضلع ہوشیار پور کے سیاسی اور سماجی حلقوں میں بھی خاصی اہمیت حاصل کرلی تھی۔ انہوں نے اسی دوران میں ہوشیار پور میں مسلمانوں کے سماجی اور تعلیمی مسائل پر غور و خوض کر کے دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔ ہوشیار پور میں اپنی قانونی پریکٹس کے دوران وہ بیشتر وقت ہوشیار پور میونسپل کمیٹی کے ممبر رہے۔ اپنی اس ممبری کے دوران انہوں نے ہوشیار پور کے لوگوں اور بالخصوص مسلمانوں کے حقوق و مفادات کی خاطر اعلیٰ خدمات سر انجام دیں۔

لاہور میں آمد

1919ء میں جب پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی۔ تو ادھر برعظیم پاک و ہند کی سیاسی صورت حال میں بھی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ایک طرف تو تحریک خلافت اپنے عروج پر پہنچی اور اس کے ساتھ ہی رولٹ ایکٹ کے تحت یہاں کے لوگوں کا ایک شدید ردعمل سامنے آیا۔ اس کے بعد بالخصوص پنجاب میں ہڑتالوں اور جلسے جلوسوں کا آغاز ہو گیا۔ حکومت نے گرفتاریوں اور قید و بند کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ پھر حکومت کے خلاف کاروائیوں میں اور احتجاجی جلوسوں کے بعد جنرل ڈائر نے جلیانوالہ باغ میں منعقدہ احتجاجی جلسے میں گولیوں کی بچھاڑ کر کے سینکڑوں بے گناہوں اور نہتے عوام کو ڈھیر کر دیا تھا۔ پھر حالات کو معمول پر لانے کے لئے 15 اپریل 1919ء سے پنجاب بھر میں مارشل لاء کا نفاذ کر دیا گیا تھا۔

اسی دور پر آشوب کے سایوں میں میاں عبدالعزیز ہوشیار پور سے لاہور آ گئے تھے۔ لاہور میں آ کر بھی انہوں نے آغاز میں قانونی پریکٹس ہی جاری رکھی اور پھر حسب سابق انہوں نے لاہور کی سیاسی اور سماجی زندگی میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ جب وقت میاں عبدالعزیز

لاہور میں پہنچے تو اس وقت ملک میں قانونِ ہند 1919ء نافذ ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ خلافت کانفرنس کی سرگرمیاں بھی بڑی امتیازی ہو چکی تھیں۔

میاں عبدالعزیز نے جب لاہور کی فضاؤں میں اپنے آپ کو متعارف کروایا تو وہ یہاں پر بھی جلد ہی عوام الناس میں خاصے مقبول ہو گئے۔ قانونِ ہند 1919ء کے تحت قانون ساز کونسلوں میں توسیع کے بعد مسلمان نمائندوں کی نشستوں کا اضافہ بھی کیا جا چکا تھا۔ لہٰذا 1921ء میں میاں عبدالعزیز کو پہلے لاہور میونسپل کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا اور پھر انہیں سینئر وائس پریذیڈنٹ بھی بنا دیا گیا۔ اس دوران میں میاں عبدالعزیز نے نہایت جذبہ حب الوطنی اور خدمت خلق کے تحت کام کر کے جلد ہی یہاں پر بھی اپنے لئے امتیازی مقام پیدا کر لیا۔ لاہور میونسپل کمیٹی کی ممبری اور سینئر وائس پریذیڈنٹ کے عہدے پر انہوں نے سماجی، ثقافتی اور تعلیمی سرگرمیوں میں زیادہ حصہ لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے لاہور کی مقامی سیاست سے قدرے بلند ہو کر بھی اپنا کردار ادا کیا۔

لاہور میں آ کر میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے عوامی، حکومتی اور سیاسی حلقوں میں جلد ہی ایک مقام حاصل کر لیا تھا۔ اس طرح جب پنجاب اسمبلی کے انتخابات ہوئے تو انہیں پنجاب پراونشل اسمبلی کا رکن منتخب کر لیا گیا۔ ان کا یہ انتخاب لاہور کے لئے مخصوص مسلم نشست پر ہوا تھا اور 1923ء کا واقعہ ہے۔ اسی دوران میں پنجاب کی سیاست میں علامہ اقبال نے بھی سیاست میں بھرپور حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ علامہ اقبال 1926ء سے 1929ء تک پنجاب لیجلیٹو کونسل کے ممبر رہے۔

میاں عبدالعزیز لاہور میں بیرون یکی گیٹ رہتے تھے اور ان کے یہاں لاہور کے دوستوں اور پنجاب کے سیاست دانوں کی آمد بھی رہتی تھی۔ اسی دوران میں میاں عبدالعزیز کے قومی کردار اور اثر و رسوخ سے قائداعظم محمد علی جناح بھی باخبر ہو چکے تھے۔ چونکہ پنجاب لیجلیٹو اسمبلی میں میاں عبدالعزیز سے پیشتر علامہ اقبال بھی ایک نہایت اہم رکن کے طور پر فرائض انجام دے رہے تھے۔ اس لئے میاں عبدالعزیز نے لاہور اربن کی نشست پر سے کامیابی حاصل کرنے

کے بعد علامہ اقبال سے بھی مراسم پیدا کر لئے تھے۔ میاں عبدالعزیز اس نشست پر 1926ء تک فائز رہے۔ بلکہ ایک بار تو انہوں نے اسی نشست پر علامہ اقبال کے بجائے خود کامیابی حاصل کر لی تھی۔

علامہ اقبال کا سیاسی اور علمی مرتبہ اور قومی اور عالمی امور پر ان کی نظر گہری تھی۔ وہ 1923ء میں سر کا خطاب بھی حاصل کر چکے تھے اور پیام مشرق کی اشاعت کے بعد وہ ان مناصب اور عہدوں سے بہت بلند و بالا ہو گئے تھے۔ لیکن اب میاں عبدالعزیز مالواڈہ کی یہ خواہش تھی کہ وہ پنجاب اسمبلی میں واپس آ جائیں۔ اسی لئے بعد کے برسوں میں میاں عبدالعزیز نے علامہ اقبال کی خاطر اور ان کے حق میں انتخابات میں حصہ نہ لیا۔

1926ء سے 1935ء کے دوران میں برعظیم کی سیاست میں کئی اہم موڑ آئے اور صورت حال میں بہتری دکھائی دینے لگی۔ خلافت کانفرنس اور پھر آل انڈیا پارٹیز مسلم کانفرنس نے اپنے کردار و عمل سے لوگوں میں بڑا جوش و جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ پھر سائمن کمیشن کی آمد کے بعد لندن میں گول میز کانفرنسوں کے حوالے سے حالات سدھرنے کے امکانات روشن ہو گئے تھے۔ اسی اثناء میں علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الٰہ آباد کے دوران مسلمانانِ برعظیم کے لئے ان کی منزل اور نصب العین کی نشاندہی بھی کر دی تھی۔

1935ء کا نیا آئین نافذ ہونے پر مسلم لیگ نے اس آئین کی صوبائی سکیم سے اتفاق کر کے اس سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چونکہ 1935ء کے آئین میں وفاق اور صوبائی حکومتوں کے اختیارات کی بھی تقسیم کر دی گئی تھی۔ متعدد امور صوبائی حکومتوں کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ اسی دوران میں قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں سے مسلم لیگ ایک بار پھر زیادہ فعال ہو کر سامنے آئی اور صحیح معنوں میں مسلمانانِ برعظیم کی نمائندہ جماعت بننے لگی۔

مسلم لیگ سے وابستگی

میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے یوں تو لاہور میں آ کر پنجاب کے مسلمانوں میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مسلم لیگ، اس کے رہنماؤں اور اس کی

سرگرمیوں میں بھی خاصی دلچسپی بڑھا لی تھی۔ اسی اثناء میں قائداعظم محمد علی جناح بھی جب کبھی پنجاب اور لاہور میں آتے تو ان کی میاں عبدالعزیز سے ملاقات رہتی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح اور میاں عبدالعزیز کے تعلقات خاصے خوشگوار تھے۔ وہ علامہ اقبال کے ساتھ بھی اپنے تعلقات کا بھرم رکھتے تھے۔ اس طرح جب انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے امور اور سرگرمیوں میں قومی مفاد اور خدمت کی خاطر وابستگی بڑھا لی تو انہیں 1931ء میں لاہور میونسپل کمیٹی کا غیر سرکاری صدر تک بنا دیا گیا۔ لیکن پھر 1934ء میں انہوں نے لاہور میونسپل کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

لاہور میں 1921ء میں میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے آنے کے فوراً بعد پنجاب مسلم لیگ سے اپنی وابستگیاں بڑھا لیں تھیں۔ اسی دوران میں انہیں پنجاب کے لیڈروں اور قائداعظم محمد علی جناح کے خیالات سننے کا موقع بھی مل چکا تھا۔ اس طرح غالباً 1921ء میں میاں عبدالعزیز مالواڈہ کو پنجاب پراونشل مسلم لیگ کا صدر بنا دیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس عہدے پر انہوں نے چار سال تک نہایت جانفشانی سے خدمات سرانجام دیں۔

میاں عبدالعزیز مالواڈہ ابھی پنجاب پراونسل مسلم لیگ کے صدر ہی تھے کہ وہ پنجاب لیجسلٹو کونسل کے ممبر بھی منتخب ہو گئے تھے۔ پھر وہ 1937ء میں بھی لیجسلٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔

سانحہ مسجد شہید گنج

جولائی 1935ء میں سکھوں اور مسلمانوں کی آویزش کے باعث لاہور میں مسجد شہید گنج کا سانحہ ہوا۔ اس سانحہ میں اور بعد کے امور میں حکومت نے ایک حد تک سکھوں ہی کی حمایت کی۔ چونکہ سکھوں اور مسلمانوں کی آویزش ان دنوں کے مذہبی امور میں بھی مداخلت تک پہنچ گئی تھی۔ اس لئے گورنر مسٹر ایمرسن نے نے حالات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ابھی مسجد شہید گنج کا معاملہ زیر غور تھا کہ اسی دوران میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مسجد کو شہید کر کے گردوارہ بنانے کے لئے حکومت سکھوں کی خوب مدد کر رہی ہے۔ اور مسجد کی تہدیم کے لئے حکومت ایک کرین بھی فراہم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ بہرصورت اس افواہ پر مسلمانوں کے جذبات کو روکنا ممکن نہ رہا۔ لیکن اسی دوران میں حکومت نے رات کے وقت شہر میں کرفیو لگا دیا اور پریس پر بھی سنسر نافذ کر دیا تھا۔

مسلمانوں کیلئے یہ حالت بڑی تشویش ناک ہو چکی تھی۔ اسی عہد میں میاں عبدالعزیز مالواڈہ کا گھر مسلمانوں کی نشست و برخاست اور صلاح مشوروں کے لئے ایک مرکزی مقام کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ان تمام امور میں میاں عبدالعزیز مالواڈہ بھی گہری دلچسپی لیتے تھے اور مسلمانوں کے اس نازک مسئلے میں بھی وہ ان کے مونس و غمخوار کے طور پر کام کر رہے تھے۔

9 جولائی 1935ء کو لاہور کے مسلمانوں نے جوش و جذبے اور سکھوں اور حکومتی کاروائیوں کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ اسی روز وہ میاں عبدالعزیز مالواڈہ کے گھر جمع ہوئے۔ صلاح مشورے ہوئے۔ آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ اس کے بعد مجلس احرار نے اپنی کاروائیوں کا آغاز کر دیا۔ بہر صورت اس موقع پر میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے مسلمانوں کے جذبات اور احساسات کا بھرپور ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرنے کے فرائض سرانجام دیئے۔ مسجد شہید گنج کا سانحہ رونما ہوا لیکن اس وقت یہ ثابت ہو گیا تھا کہ مسلمان اپنے مطالبات اور دین کی حفاظت کے لئے متحد و مستحکم ہیں۔ اس موقع پر مسلمانوں کے تمام رہنماؤں نے اپنا احسن کردار ادا کیا اور میاں عبدالعزیز نے تو اس تحریک میں عملی طور پر حصہ لے کر مسلمانوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔

آزاد امیدوار

سانحہ مسجد شہید گنج کے دوران میں مسلمانوں کے حق میں میاں عبدالعزیز کے کارہائے نمایاں نے انہیں پنجاب بھر کے مسلمانوں میں بے حد مقبول بنا دیا تھا۔ ان کا گھر سیاستدانوں اور دوستوں کے لئے ایک طرح کا سیاسی اور سماجی مرکز بن چکا تھا۔

1936ء میں تمام صوبوں میں عام انتخابات ہوئے۔ پنجاب میں یوں تو ہر جماعت کے امیدوار مقابلے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن پنجاب کی مسلمان نشستوں پر بڑی رنگا رنگی تھی۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کا بھی زور تھا۔ بہر صورت میاں عبدالعزیز نے ان انتخابات میں ایک آزاد امیدوار کے طور پر حصہ لیا تھا اور وہ بھاری اکثریت کے ساتھ پنجاب لیجلسٹو اسمبلی کے لئے ایک آزاد مسلمان کے طور پر کامیاب ہو گئے۔ اس طرح انہیں ایک بار پھر پنجاب لیجلیٹو اسمبلی میں

اپنا کردار ادا کرنے کا موقع میسر آیا۔

اسی اثناء میں انہیں 1936ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی پارلیمانی بورڈ کا ممبر بھی بنا لیا گیا تھا۔ اس طرح وہ اسمبلی میں آزاد ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے موقف اور اس کے پروگرام کے حامی اور موئید تھے۔ اس دوران میں میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس کی سرگرمیوں پر بھی توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ اس طرح اب کی سیاسی صورتحال میں جو تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں یا جو تبدیلیاں متوقع تھیں۔ میاں عبدالعزیز سب سے واقف تھے۔

اب کی بار اسمبلی میں داخل ہونے کے بعد میاں عبدالعزیز مالواڈہ 1946ء تک پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر رہے۔ قراردادِ پاکستان منظور ہونے کے بعد جب مسلمانوں کی منزل مقصود صرف چند ہی قدم کے فاصلے پر دکھائی دینے لگی تھی۔ اس وقت سے پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی بھی موجود تھی۔ اس مسلم لیگ پارٹی میں میاں عبدالعزیز کا کردار و عمل بڑا محتاط تھا۔ 1943ء میں ایک وقت ایسا آیا کہ پنجاب اسمبلی میں موجود اس مسلم لیگ کے گروپ سے ملک برکت علی، میاں عبدالعزیز مالواڈہ اور میاں نور اللہ الگ ہو چکے تھے۔

اس کے بعد کے برسوں میں میاں عبدالعزیز نے ایک بار پھر سرگرمی سے کام لیا اور پھر 1945ء میں انہیں لاہور میں میونسپل کارپوریشن کا میئر منتخب کر لیا گیا۔ اپنے اس عہدے پر وہ حصول پاکستان تک قائم رہے اور پھر میاں امیر الدین کو لاہور کا میئر بنا دیا گیا۔

گو میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے مسلم لیگ کی رکنیت اور پنجاب اسمبلی میں ایک نہایت پر جوش، سب سے فعال، سرگرم میں مسلم لیگی کے طور پر اہم خدمات سرانجام دیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اتنی ہی کامیابی کے ساتھ وکالت بھی کرتے رہے۔ لاہور کا میئر مقرر ہونے کے بعد انہوں نے وکالت ترک کر دی تھی۔ لیکن چونکہ انہوں نے بڑی بھرپور اور فعال زندگی بسر کی تھی۔ اس لئے وہ پاکستان بننے کے بعد عملی سیاست کے بجائے نظری سیاست سے وابستہ ہو گئے تھے۔ 1951ء میں آنکھوں کے آپریشن کے دوران میں وہ بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ مزید بیس سال تک اس شہر لاہور میں سرکلر روڈ پر زندہ رہے۔۔ ان کے پوتے انہیں ہر روز

کم از کم تین اخبار پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اخبارات کے ساتھ ساتھ وہ علم وادب کے بھی دلدادہ تھے۔ میاں عبدالعزیز مالواڈہ نے 1970ء میں قریباً اٹھانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ پنجاب کی سیاسی زندگی تحریکِ پاکستان اور بالخصوص لاہور اربن کے مسلمان اکابرین علامہ محمد اقبال اور ملک برکت علی کی طرح قابلِ قدر اور واجب الاحترام ہے۔

☆☆☆

جسٹس شاہ دین

(1868ء-------------1918ء)

سر سید احمد خان کے ساتھی اور ہم عصر اکابرین بیسویں صدی کے آغاز تک ختم ہونے لگے تھے۔ لیکن اس دور میں نوجوان کارکنوں کی ایک پوری کھیپ پیدا ہو چکی تھی۔ ان میں کئی نوجوان تو سر سید احمد خان کے کالج کی پیداوار تھے اور انہوں نے محمڈن اینگلو اورینٹیل کالج علی گڑھ میں تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ ان علی گڑھ کالج کے طلباء کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کا ایک گروہ بیرسٹروں کا تھا۔ ان بیرسٹروں میں سید امیر علی، میاں محمد شفیع اور میاں شاہ دین قابل ذکر تھے۔

ابتدائی حالات

میاں شاہ دین 1868ء میں باغبانپورہ لاہور کے مشہور آرائیں گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت انہوں نے لاہور ہی سے حاصل کی۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور یہاں سے انہوں نے 1887ء میں گریجویشن کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے۔ میاں شاہ دین پنجاب کے وہ پہلے طالب علم تھے۔ جو انگلستان میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے۔ انگلستان میں انہیں عبدالرحیم جیسا ایک ساتھی مل گیا۔ عبدالرحیم نے انگلستان میں 10 نومبر 1889ء کو انجمنِ اسلامیہ لندن قائم کر لی تھی۔ اس طرح میاں شاہ دین بھی اس انجمنِ اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے۔

انجمن اسلامیہ لندن میں مسلمانوں کی پہلی باضابطہ اور موثر انجمن تھی کہ جس کے ممبران بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیتے تھے۔ جلد ہی اس انجمن کا میاں شاہ دین کو نائب صدر بنا دیا گیا۔

میاں شاہ دین انگلستان نے قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد لاہور میں واپس آ کر سماجی اور فلاحی کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے قانون کی پریکٹس بھی شروع کر دی تھی۔ اس طرح انہیں عوام الناس سے براہِ راست رابطے کا موقع مل گیا۔

میاں شاہ دین نے اسی اثناء میں لاہور میں "ینگ مین محمڈن ایسوسی ایشن" قائم کر لی تھی۔ بنیادی طور پر اس انجمن میں نوجوان قانون دان اور بیرسٹر شامل تھے۔ اس انجمن کے ذریعہ سے کئی نوجوان مسلمان مل کر بیٹھتے تھے اور قومی مسائل پر تبادلہ خیال بھی کرتے تھے۔ اس ایسوی ایشن کے ساتھ ساتھ سرسید احمد کی قائم کی ہوئی ایک "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" بھی بڑی مستعد اور فعال تھی۔ اس لئے 1889ء ہی میں میاں شاہ دین نے اس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک اجلاس میں ایک مقالہ "دی ایجوکیشن آف مسلمانز اِن پنجاب" پیش کیا تھا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ میاں شاہ دین کا یہ مقالہ اپنی دقیع معلومات، تجزیئے اور مسائل کی مناسب نشاندہی کے حوالے سے ایک دستاویزی اہمیت کا حامل تھا۔ بعض ماہرین نے اس مقالے کو "مخزنِ معلومات" بھی کہا ہے۔ اس مقالے سے سرسید احمد خان اس قدر متاثر اور خوش ہوئے کہ انہوں نے میاں شاہ دین کو ایجوکیشنل کانفرنس کے آمدہ اجلاس کی صدارت کے لئے چن لیا تھا۔

اس وقت میاں شاہ دین عین جوانی کے عالم میں تھے۔ اور ان کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔

اسی دوران میں کانگریس کی سیاسی سرگرمیوں میں بھی خاصا اضافہ ہو چکا تھا اور کانگریس نے کھلم کھلا یہ ثابت کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ صرف ہندوؤں ہی کی ایک جماعت ہے اور ہندوؤں ہی کے مفادات اور مطالبات کو فوقیت دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اب تو مسلمانوں کی جماعتوں انجمن اسلام بمبئی، انجمن اسلامیہ امرتسر، انجمن حمایت اسلام لاہور، اور انجمن رفاہ عامہ آلہ آباد نے بھی کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کا ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ ادھر ایک حد تک سرسید احمد خاں خود اور ان کی تحاریک نے کانگریس کے بجائے مسلمانوں کو اپنی علیحدہ اور جداگانہ راہیں سلجھانے کا فریضہ سنبھال لیا تھا۔

قومی اور سیاسی خدمات

سرسید احمد کی وفات کے بعد جب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور علی گڑھ کالج کی بھاگ ڈور سرسید احمد خان کے رفقاء اور ساتھیوں نے سنبھال لی تو اس وقت کئی طرح کے مسائل لاحق ہو گئے۔ ایک طرف کانگریس اور ہندوانہ کاروائیاں مسئلہ بنیں تو دوسری جانب اردو ہندو تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کانگریس نے مزید اپنا ہندوانہ رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اس دورِ پرآشوب میں نواب محسن الملک نے شب و روز کی مساعی جمیلہ سے وائسرائے ہند کے پاس نمائندہ مسلمان رہنماؤں اور اکابرین کا ایک وفد ترتیب دینے پر توجہ دی۔ پورے ہندوستان سے مقتدر مسلمان رہنماؤں کو شملہ جانے کے لئے تیار کیا۔ اس وفد نے وائسرائے ہند کو عرضداشت پیش کرنا تھی۔ جب اس کی تیاری کا مرحلہ آیا تو اس سلسلے میں نواب محسن الملک اور پٹنہ کے نواب سید علی امام اور لاہور کے میاں شاہ دین کو خصوصی طور پر اس مقصد کے لئے تیار کیا۔ ان کی مدد اور تعاون کے لئے حیدر آباد کے نواب عماد الملک کی خدمات حاصل کیں۔ پھر جب اس یادداشت کا پہلا مسودہ تیار ہو گیا۔ تو اسے حتمی شکل دینے کے لئے نواب محسن الملک اور نواب عماد الملک نے ہی کام کیا۔

اس وقت تک جسٹس میاں شاہ دین نے انجمنِ حمایت اسلام کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ بہر صورت جب یکم اکتوبر 1906ء کو مسلمانوں کا یہ ایک نمائندہ وفد وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے ملنے شملہ گیا تو اس میں پنجاب کے مسلمانوں کی جانب سے جسٹس میاں شاہ دین نے بھی شرکت کی۔

شملہ وفد کی خاطر خواہ پذیرائی کے بعد قریباً تین مہینوں کے اندر اندر نواب محسن الملک نے اتنا انتظام کر دیا تھا کہ مسلمان آمدہ "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" کے اجلاس میں اپنے لئے کسی علیحدہ جماعت کا ڈول ڈال سکیں۔ لہذا دسمبر 1906ء میں مسلمانوں نے آل انڈیا مسلم لیگ قائم کر لی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے بعد نومبر 1907ء میں پنجاب میں اس کی پراونشل برانچ قائم ہوگئی۔ اس طرح پنجاب مسلم لیگ کی صدارت میاں شاہ دین کے سپرد کر دی گئی۔ میاں شاہ دین چونکہ بیرسٹر ایٹ لاء تھے اور قانونی موشگافیوں سے کما حقہ واقف تھے اور اپنی مقبولیت

میں بھی اہم تھے۔ اس لئے جلد ہی انہیں چیف کورٹ پنجاب میں ایک جج بنا دیا گیا۔ اس طرح بطور جج انہوں نے اپنا منصب سنبھالنے پر پنجاب مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ایک سرکاری ملازم ہونے کے حوالے سے ان کی سیاسی سرگرمیاں بھی کسی حد تک محدود اور محتاط ہو گئی تھیں۔ لیکن میاں شاہ دین نے اپنی اصلاحی ترقیاتی کوششیں جاری رکھیں۔

میاں جسٹس شاہ دین نے پنجاب مسلم لیگ سے اپنی وابستگی جاری رکھی اور بالخصوص میاں شفیع محمد کے ساتھ بھرپور تعاون کر کے پنجاب میں کئی طرح کی تعلیمی اور سماجی اصلاحات کروائیں۔ بلکہ انہوں نے میاں محمد شفیع کے لئے ایک پسِ پردہ قوت کے طور پر کام کیا۔ انہوں نے پنجاب کے مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کی خاطر کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کیا۔ بلکہ اپنے مفید مشوروں اور صائب رائے سے میاں محمد شفیع کا خوب ساتھ نبھایا۔

پنجاب کے مسلم حکمران اس دور میں ہندو مسلم اتحاد کے بھی ایک حد تک خواہاں تھے۔ اور ان کا خیال تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد بالآخر ان کے سیاسی مسائل حلکر سکے گا۔ حالانکہ تقسیم بنگال اور تنسیخ تقسیم بنگال کے حوالے سے مسلمانوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ اتحاد ناممکن ہے اور اس کی حیثیت ایک سراب سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود پنجاب کے برسر اقتدار مسلمان اس واہمہ کا شکار تھے۔ لہذا میاں شاہ دین بھی اس حد تک کانگریس اور مسلم لیگ کے بڑھتے ہوئے اشتراک کو ہمدردی کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ لیکن حالات نے ثابت کر دکھایا کہ مسلمان کانگریس سے اتحاد و اشتراک کے حوالے سے بہت بڑی غلط فہمی کا شکار تھے۔ اس غلط فہمی نے پنجاب مسلم لیگ میں پھوٹ ڈال دی تھی۔

میاں شاہ دین نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے بھی بدستور وابستگی قائم رکھی اور پھر 1913ء میں اس ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کی اور مسلمانوں کے مطالبات کی صحیح طور پر نمائندگی کی۔

میاں جسٹس شاہ دین نے پچاس سال کی عمر میں 1918ء میں وفات پائی۔
علامہ اقبال جسٹس میاں شاہ دین سے گہرا انس رکھتے تھے ان کی وفات پر مندرجہ ذیل

نظم کہی۔

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی۔

گرچہ تراتن خاکی نزار دردمند
تھی ستارے کی طرح روشن تیری طبع بلند

کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا
شعلہ گردوں نورد اک مشت خاکستر میں تھا

موت کی لیکن دل دانا کو کچھ پرواہ نہیں
شب کی خاموشی میں خیر ہنگامہ فرو انہیں

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
یہ شام زندگی صبحِ دوام زندگی

☆☆☆

میاں عبدالباری

(1894ء----------1964ء)

ابتدائی حالات

ریاست کپورتھلہ کے ایک علاقہ نئی ہال مانسو پورہ میں میاں عبدالباری 22 ستمبر 1894ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک آسودہ حال مسلمان تھے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت ان کی مقامی طور پر مکمل ہوئے۔ اسی دوران میں ان کے والد لائل پور (فیصل آباد) میں آ گئے تھے۔ پھر انہیں یہاں لائل پور گورنمنٹ سکول میں داخل کروا دیا گیا تھا۔ یہیں سے انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ لائل پور سے آ کر گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم و تربیت کے لئے داخل ہو گئے۔ جس دور میں میاں عبدالباری لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ اسی دور میں عالمی حالات میں تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں۔ پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ برطانوی حکومت ابھی تک اس برعظیم کی دولت اور اقتدار سے سیر نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے انگریز اپنی اس اقتدار کی مدت کو طویل سے طویل تر کرنے کی کوشش میں تھا۔ لیکن اس کے برعکس دوسری جانب اب آل انڈیا کانگریس اور مسلم لیگ نے اپنی سرگرمیوں اور مطالبات سے پورے ملک کے لوگوں کی سوچوں میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ اس وقت تک برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں نے ترکوں سے یہ ضمانت حاصل کر لی تھی کہ وہ ان کی جدوجہد آزادی کے لئے ان کی حمایت کرنے کے ساتھ ساتھ ہر طرح کا اخلاقی اور بین الاقوامی سطح پر تعاون بھی فراہم کریں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ پہلی جنگ عظیم کے آغاز ہی سے استعماری قوتوں نے مسلمانوں کی سب سے قدیم اور مضبوط اسلامی مملکت ترکی پر کئی حوالوں سے حملوں کا نیا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔

روس، اٹلی، فرانس، اور برطانیہ ترکی کی سلطنت عثمانیہ کے درپے ہو گئے۔ اس صورتحال سے مسلمانانِ برعظیم میں ایک سراسیمگی پیدا کر دی تھی۔ لیکن برطانیہ ترکی کے خلاف بڑی خاموشی اور رازداری کے ساتھ عالمی سطح پر ساز باز میں مصروف تھا۔ اس ساز باز سے باخبر ہونے پر برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ پہلی جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ ترکی اور مسلمانوں کے مقدس مقامات کی حفاظت کی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا تو مسلمان برطانیہ کا ساتھ دینا ضروری نہیں سمجھیں گے۔

قومی خدمات

اسی دوران میں میاں عبدالباری نے گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کر لی تھی۔ اس کے فوراً بعد 1914ء میں کہ جب ان کی عمر ابھی بمشکل بیس سال تھی کہ انہوں نے جنگ عظیم اول میں ترکی کی حمایت میں بہت اہم خدمات انجام دینا شروع کر دی تھیں۔ اس حوالے سے انہوں نے اپنی سرگرمیوں کے لئے شمال مغربی قبائلی علاقوں کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ شمال مغربی سرحدی قبائل میں جا کر وہ اپنی تقریروں سے لوگوں کو ترکی کی حمایت کے لئے تیار کرتے تھے۔

اسی اثناء میں ان کی ملاقات مولانا عبیداللہ سندھی سے ہوئی۔ مولانا عبیداللہ سندھی انگریزوں کے خلاف بڑا شدید رویہ رکھتے تھے۔ انہوں نے حاجی برکت اللہ اور راجہ مہندرا کو بھی ساتھ ملا رکھا تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھی تو برعظیم سے انگریزوں کو نکال کر دوبارہ اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ اس حوالے سے انہوں نے میاں عبدالباری جیسے پرجوش اور سچے محب وطن کو اپنے ساتھ ملانے میں خوشی محسوس کی۔ لہٰذا اس طرح انہوں نے مولانا عبیداللہ سندھی کے ہمراہ شمال مغربی سرحدی قبائل اور افغانستان کے کچھ علاقوں کے دورے کئے اور لوگوں کو ترکی کی حمایت کے لئے تیار کیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی بذاتِ خود ایک پوری تحریک کے رکن تھے۔ اس لئے ان کی تحریک جو ''تحریک ریشمی رومال'' کے روپ میں بعد میں ظاہر ہوئی۔ اس کے منصوبے پر کئی حوالوں سے کام کر رہے تھے۔ ہندوستان اور افغانستان میں موجود اس تحریک کے کارکنوں میں

خفیہ طور پر پیغام رسانی کا سلسلہ جاری تھا۔ کئی طرح کی اہم خط و کتابت ہو رہی تھی۔ اس طرح ترکی کے لئے آزادی کی تحریک کے حوالے سے ایک اہم پیغام لے کر میاں عبدالباری جا رہے تھے۔ کسی نے مخبری اور جاسوسی کر دی۔ اس طرح انہیں مشہد کے قریب راز روس کی فوجوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ روسی فوجیوں نے انہیں گرفتار کرنے کے بعد برطانوی حکومت کے سپرد کر دیا تھا۔ برطانوی حکومت نے ان پر ایک سرسری سا مقدمہ چلا کر انہیں تین سال کے لئے قید کر دیا۔

اسی دوران میں تحریکِ خلافت کی کاروائیاں بھی عروج حاصل کر گئی تھیں۔ تین سال کی قید و بند اور صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد جب وہ رہا ہوئے تو انہوں نے تحریکِ خلافت میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

یہ تحریک ابھی اصل میں ترکی کی حمایت اور برطانیہ کی دوہری اور منافقانہ پالیسیوں کے خلاف تھی۔ کیونکہ برطانیہ اور اس کے ہندوستانی حکمران ایک جانب تو ترکی کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کے وفد کی سرپرستی کر رہا تھا۔ لیکن دوسری جانب وہ در پردہ ترکی کے خلاف منفی کام کر رہا تھا۔ لیکن جب چند برسوں کے بعد ترکی کی خلافت ختم ہوگئی اور ترکی میں گرینڈ نیشنل اسمبلی قائم ہوئی تو برعظیم میں تحریکِ خلافت خود بخود ختم ہوگئی۔

انہی حالات میں میاں عبدالباری نے آل انڈیا مسلم لیگ سے ہم آہنگی پیدا کر لی تھی۔ وہ 1940ء تک باقاعدہ طور پر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ چند برس تک انہوں نے مسلم لیگ کے لئے بہت اہم خدمات سرانجام دیں اور لائل پور کے لوگوں میں مسلم لیگ کو بے حد مقبول و متعارف کروایا۔

1940ء میں ہی وہ لائل پور مسلم لیگ کے چیئرمین بھی منتخب ہو گئے تھے۔ اس دوران میں انہوں نے مسلم لیگی سیاستدانوں میں بھی ایک محترم اور اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔ اسی دوران میں ہندوستان کے سیاسی مسائل کے حل کے لئے سر سٹیفورڈ کرپس اپنی تجاویز مرتب کر رہا تھا۔ اور اس کرپس مشن کے حوالے سے انڈین یونین کے بارے میں بات ہونے لگی تھی اور مسلم لیگ چونکہ تقسیم ملک کی حامی تھی اس لئے وہ کسی طور پر کسی یونین کو ماننے کے لئے تیار نہ تھی اور پاکستان

سے کم کوئی چیز اس کے لئے قابل قبول نہ تھی۔

مسلم لیگ کانفرنس

میاں عبدالباری نے مسلم لیگ میں شامل ہونے کے بعد مسلم لیگ کے موقف اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے خدمات اپنا لی تھیں۔ 1942ء میں انہوں نے لائل پور میں مسلم لیگ کانفرنس کا اہتمام کیا۔ اس کانفرنس کے وہ خود چیئرمین تھے۔ اس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے شرکت کی تھی اور لائل پور میں مسلم لیگ کی پرچم کشائی کی رسم بھی ادا کی اور یہاں پر بھی انہوں نے ایک بار پھر مسلم لیگ کے واضح موقف کا اعادہ کیا۔ گو لائل پور میں مسلم لیگ کی سرگرمیاں ایک طرح سے پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے تابع تھیں۔ لیکن اس کے باوجود میاں عبدالباری نے اپنی ذاتی خدمات کے باعث بہت اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔ اس طرح 1944ء میں انہیں پنجاب پراونشل مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری چن لیا گیا تھا۔ لہذا اس طرح میاں عبدالباری نے پنجاب پراونشل کی سطح پر بھی اہم خدمات سنبھال لی تھیں۔

لائل پور میں 1940ء کے بعد میاں عبدالباری کی خدمات اور سرگرمیاں، مسلمانوں اور مسلم لیگ کے لئے بڑی معاون ثابت ہونے لگی تھیں۔ 1941ء میں ایک بار لائل پور میں بھی ہندوؤں اور سکھوں نے پاکستان سکیم کے خلاف پروپیگنڈا اور معاندانہ کاروائیاں شروع کر دی تھیں۔ ان کاروائیوں کو ختم کرنے اور دبانے کے لئے میاں عبدالباری بساط بھر اپنی کوشش کرتے رہے تھے اور پھر جب مسلمان طالب علموں نے سکھوں اور ہندوؤں کے اس پروپیگنڈے کے توڑ کے لئے کام شروع کر دیا تو بھی میاں عبدالباری نے مسلمان طالب علموں کی بھرپور سرپرستی کی۔ اس طرح لائل پور میں ایک ''پاکستان کانفرنس'' منعقد ہوئی۔ اس پاکستان کانفرنس کی صدارت کے لئے لیاقت علی خان سے درخواست کی گئی تھی۔

یوم راست اقدام اور تحریکِ سول نافرمانی

1944ء کے بعد سے جب مسلمانوں نے قریباً اپنے ہر اجلاس میں اپنے اس امر کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا کہ پاکستان سکیم ہی تمام سیاسی مسائل کا حل ہے تو اس کے ساتھ ساتھ

نوش

جب ہندوستان میں عبوری حکومت کے قیام کے لئے ڈھانچہ بننے لگا تھا۔ تو اس وقت دیول پلان سامنے آئی تو اسے مسلم لیگ نے بڑی بے نیازی سے ٹھکرا دیا۔ پھر انتخابات کے بعد بڑی جماعتوں کے تعاون سے نئی ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کی تجویز سامنے آئی۔ انتخابات میں مسلم لیگ نے روز روشن کی طرح کامیابی حاصل کی۔ اس طرح ایک بار پھر انگریزوں اور ہندوؤں پر یہ واضح ہوگیا کہ مسلمانانِ برعظیم کی واحد نمائندہ اور مقبول جماعت مسلم لیگ ہی ہے۔ اسی طرح صوبائی انتخابات میں بھی مسلم لیگ نے اپنے ہر اکثریت صوبے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔

پھر اسی اثناء میں کابینہ مشن نے بھی اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ کابینہ مشن نے مسلم لیگ کو بھی کانگریس ہی کی طرح بجا طور پر ایک بہت بڑی جماعت کا درجہ دے کر اپنا منصوبہ تیار کیا۔ پھر شملہ کانفرنس منعقد ہوئی تو بھی مسلم لیگ نے اپنا مطالبہ پاکستان دوہرایا۔ اس طرح ایک بار پھر عبوری حکومت کے قیام کے لئے بات چیت بڑھی۔

ادھر دوسری جانب جولائی 1946ء میں پنڈت جواہر لال نہرو کی جگہ مولانا ابوالکلام کانگریس کے صدر مقرر ہوئے۔ انہوں کے کابینہ مشن کی مجوزہ صورت کا اپنے انداز میں جائزہ پیش کیا۔ اور ایک حد تک اس مشن کی تجاویز کو منفی انداز میں تنقید کا ہدف بنایا۔ لیکن چونکہ اسی دوران میں مسلم لیگ کابینہ مشن کی منظوری بھی دے چکی تھی۔ لیکن جب مسلم لیگ اور اس کے رہنماؤں نے کانگریسی صدر کی اس طرح کی توجیہات سنیں تو مسلم لیگ نے کابینہ مشن کی منظوری واپس لے لی اور اسی روز سے یوم راست اقدام منانے کا پروگرام بنایا۔

16 اگست 1946ء کو آل انڈیا مسلم لیگ نے پورے ملک میں یومِ راست اقدام (ڈائریکٹ ایکشن دے) منایا۔ اس یومِ راست اقدام کے موقع پر مسلم لیگ کے مقتدر رہنماؤں نے حکومت کی جانب سے دیئے گئے خطابات بھی واپس کر دیئے۔ ان خطابات واپس کرنے والوں میں ملک فیروز خان نون، خواجہ ناظم الدین، غلام حسین ہدایت اللہ، اور سعد اللہ پیش پیش تھے۔

اس یومِ راست اقدام کے دوران میں پورے ملک میں قریباً اسی مقامات پر اہم

اجلاس اور میٹنگیں ہوئیں۔ مسلم لیگی رہنماؤں نے ان اجلاسوں میں مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان پر زور دیا اور مسلم لیگ کے جھنڈے لہرائے گئے۔ ہر ضلعے میں کم از کم ایک اجلاس ضرور منعقد ہوا۔ لاہور، لائل پور، امرتسر، سیالکوٹ، اور راولپنڈی وغیرہ میں زیادہ جوش و خروش تھا۔ یوں تو اس یومِ راست اقدام میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں نے حصہ لیا۔ لیکن سب سے زیادہ حصہ لینے والوں میں ملک فیروز خان نون، خواجہ ناظم الدین، میاں ممتاز دولتانہ، غلام مصطفیٰ شاہ گیلانی، شوکت حیات خان، میر منظور وارثی، زکی الدین پال، عبداللہ خان موٹراں والا اور میاں عبدالباری سب سے زیادہ فعال اور سرگرم تھے۔

سول نافرمانی کی تحریک

یومِ راست اقدام کی تقریبات نے میاں عبدالباری کو اس قدر اہم اور مثالی بنا دیا تھا۔ کہ جب یہی تحریک ایک طرح کی سول نافرمانی کا روپ دھار گئی تو اس وقت میاں عبدالباری کی حیثیت ایک ڈکٹیٹر کی ہوگئی تھی۔ وہ اس سول نافرمانی کی تحریک میں جو امر فرماتے لوگ اس پر عمل کرنے لگتے۔

اسی دوران میں پنجاب میں یونینسٹ حکومت کے خلاف مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔ اس سول نافرمانی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ گو انتخابات میں مسلم لیگ نے پنجاب اسمبلی میں 175 نشستوں میں سے 79 جیت لی تھیں۔ لیکن اس سے پیشتر پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کا اقتدار قائم تھا۔ وہ آسانی سے اقتدار سے علیحدہ ہونے کے لئے تیار نہ تھی۔ اگر پنجاب میں سکھ مسلم لیگ کا ساتھ دیتے تو مسلم لیگ پنجاب میں یونینسٹ کے ووٹوں کے بغیر بھی وزارت بنا سکتی تھی۔ لیکن اسی اثناء میں سردار بلدیو سنگھ اور مولانا ابوالکلام آزاد نے خضر حیات خان ٹوانہ کو پنجاب میں اپنی وزارت بنانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ لیکن اس وقت تک پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک شدت اختیار کر چکی تھی۔ اور خضر حیات کی حکومت کے خلاف مسلم لیگ کا ردِعمل شدید ہوگیا تھا۔ سول نافرمانی کی اس تحریک کی سربراہی بھی میاں عبدالباری کر رہے تھے۔ اسی دوران میں ملک خضر حیات خان اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان ایک ناکام بات چیت

ہوئی۔

30 مئی 1946ء کو لاہور کا میئر ایک مسلم لیگی منتخب ہوا۔ تو یہ ثابت ہو گیا کہ یونینسٹ پارٹی کسی طور پر بھی لوگوں میں اہم اور مقبول نہیں رہی۔ پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک کئی نشیب و فراز کا شکار رہی اور اس میں جنوری 1947ء میں ایک بار پھر شدت پیدا ہو گئی۔ اس وقت تک پنجاب حکومت نے میاں عبدالباری کو گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اس تحریک میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں نے بھی بھرپور جوش و جذبے سے حصہ لیا۔ رفتہ رفتہ یہی سول نافرمانی کی تحریک صوبہ سرحد اور آسام تک بھی پھیل گئی۔ بالآخر 2 مارچ 1947ء کو پنجاب سے ملک خضر حیات ٹوانہ کی حکومت ختم ہو گئی اور صوبے میں گورنر راج نافذ ہوا اور پنجاب کی سیاسی صورتِ حال کے ساتھ ساتھ پورے ملک کے سیاسی حالات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ سول نافرمانی اور فسادات کا خاتمہ ہو گیا اور پھر 3 جون کا منصوبہ پیش ہوا اور ملک آزادی کی منزل سے ہمکنار ہونے لگا۔ پنجاب میں اس سول نافرمانی کی تحریک میں میاں عبدالباری نے مسلم لیگ کے حق میں اور یونینسٹ وزارت کے خاتمے کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد 1949ء میں میاں عبدالباری پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے پاکستان کی انتظامیہ میں اہم عہدوں پر پاکستانیوں ہی کی تعیناتی کی ایک تحریک شروع کی۔ اس طرح صوبائی گورنر سر فرانسس موڈی کو بھی اپنے عہدے سے مستعفی ہونا پڑا۔

میاں عبدالباری نے 1951ء میں بعض سیاسی اختلافات کی بناء پر ایک نئی سیاسی جماعت "جناح مسلم لیگ" بنائی تھی۔ 1955ء تک وہ کئی بار صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ کچھ عرصہ کے لئے انہوں نے ڈویژنل کونسل سرگودھا میں بھی خدمات سرانجام دیں۔ 1962ء میں وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

اور پھر ستر سال کی عمر میں 1964ء میں وہ فوت ہو گئے۔

☆☆☆

آرائیں کردار کی جھلک کی چند نمائندہ شخصیات

احمد غزالی نے 1982ء تا 1987ء کے دوران، گاؤں گاؤں شہر شہر جا کر فیلڈ سروے کر کے زبانی روایات کو جو کثرت سے اور تواتر سے دوہرائی گئیں اکٹھا کیا اور ان کی روشنی میں اپنی کتاب "ساندل بار" مرتب کی۔ اپنی کتاب میں بادشاہوں، نوابوں اور حکمرانوں کی بجائے ان شخصیات اور بعض مقامات کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے انہیں Legendary (افسانوی کردار، روایات میں زندہ لوگ) کردار عطاء کر کے حیات جاوداں دے دی ہے۔ انہیں لیجنڈری کرداروں میں ایک کردار منشی میاں فتح دین کا ہے۔

☆☆☆☆☆

منشی فتح دین

اب منشی فتح دین کا حال احمد غزالی کی زبانی ہی سنئے۔ وہ اپنی کتاب ساندل بار کے صفحہ نمبر 295 پر لکھتے ہیں:

"جالندھر شہر میں جب کالونی آفیسر ینگ ساندل بار کی آبادکاری کا خاکہ تیار کر چکا تو اس کی نظر انتخاب منشی فتح دین پر پڑی شائد اسے ابتداً چند باہمت اور عزم و استقلال رکھنے والے لوگوں کی تلاش تھی۔ جو آبادکاری کے اس کے تجربے کو کامیاب کر کے دکھائیں تا کہ ان کی کامیاب زراعتی زندگی دوسرے کاشتکاروں کے لئے مثال بن سکے۔ اس نے منشی فتح دین کو ساتھ چلنے کی پیشکش

کی۔منشی صاحب جواس وقت محکمہ مال میں ملازمت کرتے تھے۔کسی طور پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔
آخر کار ینگ کے اصرار کے باعث ملازمت ترک کردی اور اپنے بھائیوں میاں عبدالرحیم، میاں عبدالعزیز کے ساتھ 1890ء میں لائل پور کے چک نمبر 224 پہنچے۔

میاں فتح دین ان کے اقربا اور متعلقین کو 5 مربع جات اراضی فی درخواست گزار دی گئی۔(بعد میں میاں فتح دین نے 53 مربع اراضی پیدا کی)

منشی فتح دین بڑے فعال سماجی کارکن تھے۔لوگوں کی خدمت کا جذبہ انہیں ہمہ وقت حالت سفر میں رکھتا۔جہاں کسی مصیبت زدہ کا علم ہوتا وہاں جا پہنچتے۔اور ہر ممکنہ امداد مہیا کر کے اس کا الم کم کرنے کی کوشش کرتے۔ان کے پاس ایک خچر تھا۔جس پر سوار ہو کر وہ دن بھر سماجی خدمات ادا کرنے کی خاطر ادھر سے ادھر عازم سفر اور مصروف عمل رہتے۔غرض روزانہ کوئی لمحہ ضائع نہ کرتے۔فرصت کی ہر گھڑی کسی نہ کسی رفاہی کام کی نذر کر ڈالتے۔ان کا ہمیشہ پا بہ رکاب ہونا ضرب المثل بن گیا۔کیونکہ جب بھی ان کا پتہ پوچھا جاتا تو لوگ کہتے کہ منشی فتح دین سکنہ بر پشت خچر۔

منشی فتح دین بڑی دلکش شخصیت کے مالک تھے۔سر پر پگڑی رکھی ہوتی کرتا اور تہبند زیب تن ہوتا۔واسکٹ کے اوپر لمبا کوٹ پہنے ہوئے یوں وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر صبح ہوتے ہی گھر سے نکل پڑتے۔کوٹ کی دونوں جیبوں کو پیسوں سے بھر لیتے۔ان میں طلائی، نقرئی اور دھات کے ملے جلے سکے ہوتے۔راستے میں جو ضرورت مند ملتا۔اسے جیب سے مٹھی بھر جو برآمد ہوتا دے دیتے تھے۔کبھی کسی فقیر کو طلائی سکہ مل جاتا تو سمجھتا شاید غلطی سے دے دیا گیا ہے تو وہ میاں صاحب کو فوراً مطلع کرتا مگر میاں صاحب اسے تھپتھپا کر کہتے اس کا ملنا تیرے مقدر میں لکھا تھا، جا اس سے کوئی بڑی ضرورت پوری کر لے۔

منشی فتح دین صاحب کے چار بیٹے تھے برکت اللہ، فتح اللہ، حافظ میاں عبداللہ، میاں نور اللہ، سات برس کی عمر میں ان کے بیٹے میاں عبداللہ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔جب لیڈی ینگ کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ یقین نہیں کرتی تھی۔لیڈی ینگ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ

قرآن مجید ناظرہ پڑھ لیتی تھی۔اور کلام الٰہی کا بے حد احترام کرتی تھی۔چنانچہ قرآن مجید کی ایک سورت کھول کر سامنے رکھ لی۔اور بطور امتحان لیڈی ینگ نے میاں عبداللہ سے کہا کہ وہی مخصوص سورت سنائی جائے۔میاں عبداللہ نے پوری سورت سنا ڈالی۔تو وہ بحر حیرت میں ڈوب گئی ایسے کمسن حافظ قرآن کو غالباً اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔یہ وہی کمسن بچہ تھا جس نے آئندہ زندگی میں نمایاں سیاسی وسماجی مقام حاصل کیا۔اور جن کے نام فیصل آباد میں تاحال عبداللہ پور کی مستقل آبادی قائم ہے۔حافظ میاں عبداللہ کا مزار اسی آبادی کی ایک مسجد کے احاطہ میں واقع ہے۔

منشی فتح دین نے اپنی زندگی میں کوئی ایک سو مساجد تعمیر کروائیں۔اکثر منڈیوں کی مسجدوں کی تعمیر کی طرف زیادہ توجہ دیتے۔لائل پور (فیصل آباد) کی جامع مسجد ان کے اس دینی ذوق کی یاد دلاتی ہے۔شہر کی نمبرداری منشی فتح دین کے پاس تھی۔اس کے علاوہ میونسپل کمیٹی کے معاملات میں عمل دخل رکھتے تھے۔ان کی رفاہی اور دینی کاموں میں بے پناہ دلچسپی کا نتیجہ تھا۔کہ خدا نے ان کو دنیا بھی باافراط دی اور خدمت دین کے بھی سینکڑوں مواقع دیئے۔ان کی دینداری کا اثر ان کے افراد خانہ پر بھی مرتب ہوا۔ان کی پاکباز اہلیہ رابعہ بی بی پابند صوم وصلوٰۃ ہونے کے علاوہ حد درجہ غریب پرور تھیں۔ان کا لنگر اتنا وسیع تھا کہ کسی وقت بھی ساندل بار کے نادار باسی اور آس پاس کے تنگدست لوگ حاضر ہو کر خورد ونوش کی ضرورت پوری کر لیتے۔رابعہ بی بی بعد وصال جنت المعلیٰ مکہ معظمہ میں دفن ہوئیں۔منشی فتح دین کے دو بیٹے برکت اللہ اور میاں نور اللہ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

خود مولف نے اوراق گزشتہ میں ذکر کیا ہے کہ میاں فتح دین نے 53 مربعہ اراضی فیصل آباد شہر اور ارد گرد میں پیدا کی۔بڑے زمیندار ہونے کے باوجود ان کا کردار مومنانہ ہی رہا۔حالانکہ بڑے زمینداروں کی اکثریت بے جا احساس تفاخر میں مبتلا ہو جاتی ہے دوسرے لوگوں کو حقارت کی نظرت سے دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔رسہ گیری اور چوروں، ڈاکوؤں کی سرپرستی کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ جائز اور ناجائز طریقے سے اپنی دولت جائیداد اور اپنے اثر ورسوخ میں

اضافہ کرے۔ اس کے برعکس میاں صاحب نے خلق خدا کو فائدہ ہی پہنچایا۔ اس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا۔ وہ اپنی زندگی میں ہی ایک افسانوی کردار کا رتبہ حاصل کر گئے اور آج بھی پنجاب کی روایات میں وہ زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان کو سیاسی میدان میں بڑی کامیابی نصیب فرمائی۔ ان کے صاحبزادے میاں نور اللہ 1946ء میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد صوبائی کابینہ میں وزیر بھی رہے۔ میاں نور اللہ کے صاحبزادے میاں عطاء اللہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور بھٹو کی وزارت عظمیٰ میں مرکزی وزیر رہے۔ اب بھی اس خاندان سے میاں عبدالمنان اور محمد یٰسین ارکان قومی اسمبلی منتخب ہوتے رہتے ہیں۔ میاں امجد یٰسین اس وقت ضلع فیصل آباد کے نائب ناظم ہیں۔ جبکہ ان کی بیگم محترمہ رفعت امجد 2002ء میں ممبر قومی اسمبلی بنیں۔

☆☆☆

حاجی محمد نواز آف جھگیاں

آپ تحریک پاکستان کے کارکن حاجی محمد شریف مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ حاجی محمد شریف اپنی زندگی میں اپنے حلقہ سے میونسپل کمیٹی شیخوپورہ کے ممبر منتخب ہوتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد حاجی محمد نواز کے بڑے بھائی حاجی غلام نبی اپنے والد کی سیٹ سے حصہ لیکر کامیاب ہوتے رہے۔ اس دوران حاجی محمد نواز نے سیاسی اور سماجی سرگرمیاں جاری رکھیں اور اپنی نیک نامی میں اضافہ کرتے رہے۔ 1988ء میں اپنے مدمقابل کو ہرا کر پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر 90, 93, 97 میں ممبر صوبائی اسمبلی بنے۔ میاں منظور وٹو اور محمد عارف نکئی نے جب سابقہ وزرائے اعلیٰ کو ہٹا کر وزیر اعلیٰ پنجاب بننے کی کوشش کی تو اکثر مسلم لیگی ممبران صوبائی اسمبلی دن کو ایک پارٹی کے ساتھ ہوتے تو رات کو دوسری پارٹی کے ساتھ لوٹا ازم زوروں پر

تھی۔ ممبروں کی کھلے عام بولیاں لگ رہی تھیں۔ لیکن حاجی صاحب میاں محمد نواز شریف سے الگ نہ ہوئے۔ اگرچہ آپ کو دام تحریص میں لانے کی کوشش کی گئی اور سیاسی دباؤ بھی ڈالا گیا۔ لیکن آپ لوٹا نہ بنے اور اصولوں پر قائم رہ کر برادری کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ اپنے لیڈر سے بھی وفاداری کی عمدہ مثال قائم کی۔

آج کل آپ کے بڑے بھائی حاجی غلام نبی ممبر صوبائی اسمبلی ہیں۔ آپ نے اپنے چچازاد بھائی جاوید اقبال کو بلدیہ شیخوپورہ کا چیئرمین بننے میں بڑی سپورٹ دی تھی۔

آپ پابند صوم وصلوۃ ہیں کئی بار حج اور عمرہ کر چکے ہیں۔ آپ اپنے اخلاق اور عمدہ عادات کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہیں۔ لوگوں پر دھونس اور رعب جمانے کا آپ کا وطیرہ کبھی نہ رہا ہے۔ اس لئے آپ کو کبھی گارڈ رکھنے کی ضرورت پیش نہ ہوئی ہے۔ ایم۔ پی۔ اے ہوں یا نہ ہوں۔ لوگوں میں کھلے عام بیٹھتے ہیں۔ اور گھومتے پھرتے ہیں۔ آپ نے اپنی رہائش گاہ اور ڈیرہ پر کبھی گارڈ متعین نہ کئے ہیں۔ عام لوگوں پر آپ کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں۔ متمول اور صاحب اقتدار ہونے کے باوجود آپ کی ذات اور اخلاق شائستہ کا نمونہ ہے۔

☆☆☆

چودھری محمد حسین بٹالوی ایڈووکیٹ

آپ ضلع ہوشیار پور انڈیا میں ایک متوسط آرائیں گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ایل ایل بی کرنے کے بعد بٹالہ ضلع گورداسپور میں پریکٹس کرنے لگے۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے شیخوپورہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ بٹالہ کی نسبت سے بٹالوی آپ کے نام کا حصہ بن گیا۔ یوں آپ کا پورا نام چودھری محمد حسین بٹالوی ٹھہرا۔ دیوانی اور مال کے مقدمات میں بڑا نام پیدا کیا۔ شیخوپورہ میں اپنے وقت کے نامور وکلاء میں آپ کا شمار ہوا۔ اپنے کام میں جنون کی حد تک مگن رہتے۔ اس لئے دوستوں کا حلقہ محدود تھا۔ اپنے غریب اور معاشی طور پر کمزور موکلین سے فیس بھی

کم لیتے تھے۔ لیکن مقدمہ بڑی محنت اور توجہ سے لڑتے۔ غریبوں کو انصاف دلانا اس کا خصوصی مشن ہوتا تھا۔ امیروں کے مقدمات میں بھی پوری محنت کر کے وکالت کا حق ادا کرتے تھے۔

پابند صوم وصلوۃ تھے۔ گھر پر اکثر مذہبی مجلسیں منعقد کرتے رہتے تھے۔ نمود ونمائش کی عادت نہ تھی۔ مجلسوں میں عام لوگوں کو خاص طور پر مدعو کرتے تھے۔ مساجد کی تعمیر مین اپنا حصہ ڈالتے رہتے تھے۔ غریبوں کی جلی اور خفی امداد کرتے رہتے تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ بھی اس سلسلہ میں ان سے پیچھے نہ تھی۔ صدقہ وخیرات کے لئے وہ بھی بڑی نیک نام تھیں۔

ایل ایل بی کرنے کے بعد مولف کو وکالت کی ابتدائی ٹرینگ کے لئے آپ کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ ذرا سخت مزاج واقع ہوئے تھے۔ عام لوگوں سے گھل مل کر باتیں کرنے کی ان کی عادت نہ تھی۔ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ لیکن مولف سے خصوصی شفقت کا رشتہ قائم ہوا۔ اٹھتے بیٹھے وکالت کے اسرار ورموز سے مولف کو آگاہ کرنے میں خصوصی شفقت کا مظاہرہ کرتے۔ وکالت کا لائسنس ملنے پر مولف نے انڈپینڈنٹ ہو کر پریکٹس کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تو مولف کی کامیاب کے لئے دعائیں دیکر رخصتکیا۔ اپنے کام سے فرصت ہوتی تو آپ مولف کے چیمبر میں تشریف لاتے۔ ہمیشہ محنت اور ایمانداری سے پریکٹس کرنے کی تلقین نہایت شستہ پیرائے میں کرتے۔ اور مولف کو نہایت عزیز جان کر گھریلو اور دل کی باتیں کافی دیر تک کرتے رہتے۔ آخری عمر تک صحت مند رہے اور بڑی تن دہی سے پریکٹس کرتے رہے۔ وفات سے چند روز قبل طبیعت خراب ہوئی آخر بھرپور زندگی گزار کر 83 سال کی عمر میں 1983ء میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ (ان للہ وانا الیہ راجعون)

☆☆☆

چودھری سلیم احمد فیضی ایڈووکیٹ

آپ چودھری محمد حسین بٹالوی کے فرزند ارجمند تھے۔ پیشہ آپ کا بھی وکالت ہی تھا۔ دیوانی اور مال کے مقدمات میں بڑا نام پیدا کیا۔ نام کیوں نہ پیدا کرتے۔ آخر چودھری محمد حسین بٹالوی کے پسر دلبند اور شاگرد سعادت مند تھے۔ وکالت آپ کی گھٹی میں شامل، شیخوپورہ میں دیوانی کے نامور وکیلوں میں شمار ہوئے۔ وکالت کی بے پناہ مصروفیت کے باوجود بار کی سیاست میں بڑے سرگرم رہے۔ وکلاء سیاست میں ان کو گرو کا درجہ حاصل ہوا۔ بلکہ بار سیاست میں بادشاہ گر کے نام سے مشہور ہوئے۔ شیخوپورہ بار کے سیکرٹری جنرل بھی رہے۔ ڈسٹرکٹ بار پنجاب بار کونسل ہائی کورٹ بار میں حصہ لینے والا ہر امیدوار آپ کی حمایت وتائید حاصل کرنا کامیابی کے لئے ضروری خیال کرتا تھا۔ اس لئے کہ وکلاء کی ایک بڑی تعداد کو آپ نے اپنے اخلاق شائستہ کی بنا پر اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ وہ ان کے اشارہ پر ووٹ دینے کو سعادت مندی گردانتے تھے۔ پنجاب ہائی کورٹ بار میں وکلاء سیاست کے لیڈر چودھری محمد فاروق مرحوم سابق اٹارنی جنرل آف پاکستان اے کریم ملک مرحوم سابق صدر سپریم کورٹ بار اور عبوری دور کے وزیر، میاں اسرار الحق سابق صدر پنجاب ہائی کورٹ بار لاہور آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور ان کے رول کے معترف تھے۔ وکالت میں اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود برادری کو منظم کرنے میں ہمیشہ مصروف رہے۔ شیخوپورہ میں آرائیں انجمن کے قیام کا سہرا آپ کے سر پر ہی تھا۔ برادری کی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز سول لائنز میں واقعہ وسیع وعریض آپ کی کوٹھی ہی تھی۔ جہاں برادری کی مرکزی قیادت کے بہت سے رہنماؤں کی آپ نے میزبانی فرمائی۔ برادری کو منظم کرنے کے لئے آزاد کشمیر تک پہنچے۔ شیخوپورہ میں آرائیں برادری کی پہچان بن گئے تھے۔

پابند صوم وصلوۃ تھے۔ شعار اسلام کے پابند تھے۔ اپنی رہائش گاہ پر اکثر مذہبی تقریبات کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔ غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی جلی اور خفی مالی امداد کرتے رہتے

تھے۔رشتہ دارون اور دوستوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔کسی کو کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہوتی وہ مدد کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ان میں سے کسی کو کسی تکلیف میں مبتلا پاتے تو ان کا دل تڑپ تڑپ جاتا۔ان کے بس میں کوئی بات ہوتی تو حتیٰ الامکان اس تکلیف کو رفع کرنے میں مدد دیتے تھے۔ بڑے دردمند اور بلند طبع انسان تھے۔رشتہ داروں اور دوستوں سے اگر کوئی جھگڑا فساد پر آمادہ ہوتا تو اگر رشتہ داروں اور دوستوں کا موقف جائز ہوتا تو ان کے مدمقابل سے نفع ونقصان کی پرواہ کئے بغیر جھگڑا مول لینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔غیرضیکہ وہ علامہ اقبال کے ذیل اشعار کی ہو بہو تصویر تھے:

گرچہ تھا تیرا تنِ خاکی نزار دردمند   تھی ستارے کی طرح روشن تیری طبع بلند
کس قدر بے باک دل اس ناتواں پیکر میں تھا   شعلہ گردون نورد اک مشتِ خاکستر تھا

مولف نے ان کے والد گرامی چودھری محمد حسین کے ساتھ اپرنٹس شپ اختیار کی تو ان سے بھی سناشائی ہوگئی۔وہ بھی اس وقت کے نامور وکلاء کی صف میں شامل تھے۔نامور وکیل ہونے کے باوجود ان کے اخلاق سائشتہ کے سبب یہ سناشائی چند مہینوں میں دوستی میں بدل گئی۔ مولف کو عزیز از جان سمجھنے لگے۔شام کو ان کے مکان پر گھنٹوں مجلس آرائی رہتی۔وکالت سے لیکر ذاتی باتوں اور دنیاوی حالات و واقعات اور اپنے تجربات پر مولف سے بلا تکان گفتگو کرتے تھے۔اگر مولف کی کسی مصروفیت کے سبب ان کے درِ دولت پر جانے میں چند دن کوتاہی ہو جاتی تو پیغام بھجواتے۔اور غیر حاضری کا شکوہ کرتے۔ان کی معیت میں بڑے ہشاش بشاش دن گزرے۔مگر صد افسوس کہ آپ نسبتاً جوانی میں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔آپ کو اور آپ کے والد گرامی قدر چوہدری محمد حسین کو ہم سے بچھڑے ہوئے کافی سال ہوگئے ہیں۔ایسے انسان اب کیوں پیدا نہیں ہوتے ایس ہستیوں کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترس گئی ہیں۔اس سلسلہ میں پنجابی کے شاعر شارب کی آزاد نظم کے چند شعد یاد آتے ہیں۔شارب سے معذرت کہ ان میں چند الفاظ کی تبدیلی کی گئی ہے۔

کیوں بے تاثیر پانی تھیا جہاں دا۔۔۔کیوں راوی رُٹھی راٹھ رنگیلے پانوں

میری اکھ ترس گئی اہ ہستیاں لبدی
تینوں ہاڑا ای ساندل بار پھر   آج کوئی محمد حسین کوئی فیضی جم دے

دونوں ہستیوں کے بچھڑ جانے کے بعد دل کی دنیا ویران ہوگئی ہے۔معلوم نہیں ہوتا کہ دل خوش ہے یا غمگین بقول علامہ اقبال:

میرے لب پر قصہ نیرنگی دروان نہیں
دل میرا حیران نہیں خنداں نہیں گریاں نہیں
نے مجال ہے، نے طاقت گفتار ہے
زندگانی کیا ہے، اک طوق گلو افشار ہے

علامہ اقبال کے اس شعر پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆

برج جیوے خان

احمد غزالی نے اپنی کتاب ''ساندل بار'' میں کچھ شہروں قصبوں اور دیہات کا بھی مختصر ذکر کیا ہے جو کہ ساندل بار کے پرانے مقامات ہیں۔اور ان کی شہرت ان کی کسی خاص خصوصیت کی بنا پر ہے۔احمد غزالی نے صفحہ نمبر 260 ساندل بار پر برج جیوے خان کا ذکر کیا ہے۔

برج جیوے خان آرائیوں کی بستی ہے۔اسے میاں جیوے خان نے آباد کیا تھا۔جو اس علاقہ کے اپنے وقت کی حکومت کی طرف سے کاردار تھے۔کاردار اپنے علاقہ میں بشعبہ فوج اور مال کا سربراہ ہوتا تھا۔پچھلے ابواب میں تحریر کیا جا چکا ہے۔کہ میاں جیوے خان کا تعلق آرائیں

برادری سے تھا۔اس خاندان میں میاں عبدالحق اور خان بہادر چراغ علی بڑے نامور ہوئے ہیں۔ جو کہ اکثر اپنے علاقے سے ایم این اے اور ایم پی اے منتخب ہوتے رہے ہیں۔آج کل اس خاندان کے سربراہ میاں محمد زمان سابق وفاقی وزیر ہیں۔آج کل ان کا بیٹا میاں یاور زمان اپنے علاقے سے ایم پی اے ہے۔

احمد غزالی نے برج جیوے خان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

''یہ اوکاڑہ کے قریب ایک قدیم قصبہ ہے۔اس کی بنیاد بلند سطح پر رکھی گئی ہے۔اکثریت پرانے مکانوں کی ہے۔جو چھوٹی اینٹ سے تعمیر کیئے گئے ہیں۔مغل فوج کا ایک جرنیل کالے خان اس قصبہ سے تعلق رکھتا تھا۔آس پاس اور دور نزدیک کی آبادیوں میں اس قصبہ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ایک شکاری نے برج جیوے خان کے اسی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہم نے بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ کوئی کوا بھی اس قصبہ پر بحالت پرواز ''کاں'' کی آواز نہیں نکال سکتا تھا۔کیونکہ ادھر کاں کی آواز نکلی اور ادھر اِس کو نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا جاتا۔ماضی میں کسی گھوڑ سوار کو اجازت نہ تھی کہ سوار ہو کر اس قصبہ کے قریب سے گزر جائے۔اس قصبے کے آثار نظر آتے ہی سوار نیچے اتر جاتا اور لگامیں ہاتھ میں تھام کر پیدل چلتے ہوئے یہ فاصلہ طے کرتا۔کالے خان مغل دربار میں جرنیل تھے۔ یہاں کے میاں چراغ برطانوی عہد مین اپنی ہردلعزیزی اور مقبولیت کے باوصف بلا مقابلہ انتخابات میں کامیاب ہوتے رہے۔(الیکشن کا باب ملاحظہ کیا جاسکتا ہے) ان کی سیاسی اور سماجی خدمات کے اعتراف میں انہیں ''خان صاحب'' کے خطاب سے نوازا گیا۔اس قصبہ کے جی دار مجاہدوں نے دیپالپور پر سکھ حملہ آوروں کو بزور بازو پسپا کر دیا تھا۔عہد اکبری میں بھی یہ قصبہ آباد تھا۔کہتے ہیں: کہ اکبر دور سے قبل اس جگہ ایک

ٹیلہ تھا۔یہاں کے مکان قدیم دور سے قلعہ نما اور چھوٹی اینٹ سے تعمیر ہوتے چلے آرہے تھے۔ظفر اقبال کی طاقتور شاعری میں اس قصبہ کا لوک مزاج جھلکتا ہے۔میاں بشیر حسین صابری کے مزار پر ہر سال محرم میں عرس منعقد ہوتا ہے۔''

احمد غزالی کی کتاب ''ساندل بار'' کے صفحہ نمبر 178 کے مطابق میاں طالب حسین، میاں سردار اور میاں اقبال ساکنان برج جیوے خان کا شمار ساندل بار کے مشہور شکاریوں میں ہوتا ہے۔

☆☆☆

کچھ مولف کے اپنے بارے میں

مولف چوہدری عزیز احمد گورداسپور انڈیا کے ایک گاؤں میں ایک متوسط آرائیں گھرانے میں 1940ء میں پیدا ہوئے۔ آوائل عمر میں شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا گیا۔ والدہ اور بڑے بھائیوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر ناز ونعمت سے پرورش کی۔ کبھی والد مرحوم کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی تک تعلیم دلوائی۔

مولف کا دل اپنے بڑے بھائیوں کے لئے ممنونیت کے احساس سے ہروقت لبریز رہتا ہے۔

قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد شیخوپورہ کے نامور دیوانی وکیل چوہدری محمد حسین ایڈووکیٹ کی شاگردی اختیار کی۔ لیکن چوہدری صاحب کی ناموری اور شہرت کو چھو بھی نہ سکا۔ اگرچہ شیخوپورہ بار کے بہت سے وکلاء اور بہت سے لوگوں کے خیال میں ریونیو اور خاص طور پر اشتمال کے شعبہ میں مولف کو کافی دسترس حاصل تھی۔ اشتمال کے اچھے وکلاء میں ان کا شمار ہوا۔

مولف نے اپنی اولاد کو بلا امتیاز جنس ماسٹر ڈگری تک زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا۔ کیونکہ اعلیٰ تعلیم ہی زندگی میں کامرانیوں کی ضمانت ہے۔ بڑی بیٹی عذرا عزیز نے ایم۔اے، بی۔ایڈ کیا اور چھوٹی بیٹی عامرہ عزیز نے ایم۔ایس۔سی کیمسٹری اور بی۔ایڈ، منجھلی بیٹی شازیہ عزیز نے ایم۔ایس۔سی کیمسٹری اور بی۔ایڈ تک تعلیم حاصل کی۔ سب سے چھوٹی بیٹی صائمہ عزیز ایم۔اے ہسٹری ہیں۔ میاں شاہد عزیز مولف کے لختِ جگر ہیں۔ بی۔اے، ایل۔ایل۔بی ہیں۔

بڑی بیٹی کے میاں چوہدری گلزار حبیب ایم۔ایس۔سی (میتھ) اور ایم۔بی۔اے ہیں۔ ایک ٹیکسٹائل ملز کے شعبہ آئی۔ٹی کے منیجر ہیں۔ جبکہ وہ خود مولف کے قائم کردہ تعلیمی ادارہ میں وائس پرنسپل ہیں۔ ان سے چھوٹی عامرہ عزیز کے میاں چوہدری محمد فاروق اعظم ایک ٹیکسٹائل

مل میں ٹیکنیکل منیجر ہیں۔ وہ خود تعلیمی ادارہ میں پرنسپل ہیں۔ ہر دو نے اس تعلیمی ادارہ کو تعلیم کے اعلیٰ معیار تک پہنچا دیا ہے۔ قومی خدمات میں مصروف ہیں۔ منجھلی بیٹی کے میاں خالد جاوید سعودی عرب میں واقعہ امریکہ کی کمپنی جنرل موٹرز میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔ بیٹی خود پاکستان میں بطور سبجیکٹ سپیشلسٹ سرکاری ملازم تھی۔ لیکن ملازمت چھوڑ کر سعودی عرب میں اپنے میاں کے پاس مقیم ہیں۔ ایک اعلیٰ معیار کے پرائیویٹ انگلش میڈیم میں کلا۔ز کو پڑھاتی ہیں اور اپنے شہر میں اے لیول اور o لیول کلاسز کی بہترین ٹیچر ہونے کی شہرت رکھتی ہیں۔ سب سے چھوٹی بیٹی کے میاں خالد بشیر بی۔ایس۔سی (میکینکل انجینئر) ہیں اور سعودی عرب میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔ بیٹی ان کے ہمراہ سعودی عرب میں مقیم ہے۔

بیٹے میاں شاہد عزیز نے قانون کی تعلیم کے علاوہ، آئی۔ٹی کی تعلیم حاصل کر رکھی ہے۔ سٹاک ایکسچینج کو بطور کیریئر اپنایا ہے۔ سٹاک اور انویسٹمنٹ کمپنیوں کے متعلق اچھی سوجھ بوجھ رکھتا ہے۔ انشاءاللہ اچھا نام پیدا کرے گا۔

☆☆☆

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف
۱	ارض پاکستان کی تاریخ	رشید احمد ندوی
۲	پاکستان کا قدیم دور	یحییٰ امجد
۳	پاکستان کا قدیم مگر وسطی عہد	یحییٰ امجد
۴	عہدِ وسطیٰ کا ہندوستان	ڈاکٹر مبارک علی
۵	تاریخ اقوام عالم	مہر مرتضیٰ احمد میکش
۶	تاریخ ہندوستان قدیم دور	ڈاکٹر مبارک علی
۷	تاریخ عہد قدیمہ	ایس۔ایم شاد
۸	تاریخ تہذیب عالم	اردو ترجمہ/امیر الدین/نقی حیدر
۹	مختصر تاریخ عالم	ایچ جی ویلز/محمد عالم بٹ
۱۰	قدیم تاریخ ہند	وی اے سمتھ/پروفیسر جمیل الرحمٰن
۱۱	تاریخ ہند قدیم	پروفیسر غلام مصطفیٰ بسمل
۱۲	تاریخ سندھ حصہ اول۔دوئم	اعجاز الحق قدوسی
۱۳	تمدن ہند	فرانسیسی ڈاکٹر گستاؤلی بان/سید علی بلگرامی
۱۴	تاریخ وسط ایشیا	محمد حیات
۱۵	سکندر اعظم	ہیرلڈیم/مولانا غلام رسول مہر اردو ترجمہ
۱۶	چنگیز خان	ہیرلڈیم/مولانا غلام رسول مہر اردو ترجمہ
۱۷	امیر تیمور	ہیرلڈیم/مولانا غلام رسول مہر اردو ترجمہ
۱۸	عرب	ول ڈیورنٹ/یاسر جواد
۱۹	تاریخ ہند قدیم	مسٹر کے ایم پائینکار ایم۔اے
۲۰	تاریخ ہند حصہ اول	لالہ لاجیت رائے
۲۱	تاریخ ہند حصہ اول	چوہدری عبدالحمید و مرزا امجد سعید
۲۲	آئین اکبری تین جلدیں اردو ترجمہ	ابوالفضل/اردو ترجمہ مولوی محمد باقر
۲۳	آئینہ حقیقت نما	مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف
۲۴	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ
۲۵	تاریخ اسلام	مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی
۲۶	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج حنیف
۲۷	چچ نامہ بذریعہ تاریخ سندھ	شمس سراج حنیف
۲۸	تاریخ پر بیسیوں بک لٹ	از ڈاکٹر مبارک علی
۲۹	طبقات ناصری عربی	منہاج السراج/غلام رسول مہر
۳۰	فتوح البلدان بلاذری	شمس سراج حنیف (اردو ترجمہ)
۳۱	آب کوثر	شیخ محمد اکرام
۳۲	موج کوثر	شیخ محمد اکرام
۳۳	رودِ کوثر	شیخ محمد اکرام
۳۴	جسٹس امیر علی کی تاریخ	
۳۵	تاریخ طبری (عربی)	(اردو ترجمہ)
۳۶	تاریخ یعقوبی (عربی)	(اردو ترجمہ)
۳۷	تاریخ اودھ تین جلد	مولانا نجم الغنی خاں
۳۸	سفر نامہ ابن بطوطہ	ابن بطوطہ (اردو ترجمہ)
۳۹	تاریخ افغاغنہ موسوم بہ آئینہ حقیقت نما	
۴۰	تاریخ خان جہانی (مخزن افغان)	خواجہ نعمت اللہ
۴۱	سفر نامہ (عربی)	المسعودی (اردو ترجمہ)
۴۲	تحقیقات چشتی	نور احمد چشتی
۴۳	تاریخ ابن کثیر	مولانا ابن کثیر
۴۴	تاریخ یونان	ایڈولف یم
۴۵	تاریخ اندلس	حامد مختار مدح پوری
۴۶	خلافت امیہ اور ہندوستان	قاضی اطہر مبارکپوری
۴۷	خلافت عباسیہ اور ہندوستان	قاضی اطہر مبارکپوری
۴۸	ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	مولانا اطہر مبارکپوری
۴۹	تاریخ ہند	شمس العماء ذکاء اللہ خان
۵۰	تاریخ عرب فرانسیسی مصنف	مولوی عبدالغفور (اردو ترجمہ)
۵۱	اردو انسائیکلو پیڈیا	جسٹس ایس اے رحمان

نمبر	کتاب	مصنف
۵۲	انسائیکوپیڈیا پاکستانیکا	سید قاسم محمود
۵۳	ماء اثر لاہور	سید ہاشمی فرید آبادی
۵۴	تاریخ المسعودی (عربی)	[illegible]
۵۵	تواریخ اسلام	[illegible] مصنفین
۵۶	مقدمہ تاریخ ابن خلدون	علامہ ابن خلدون
۵۷	تاریخ پنجاب	از کنہیالال ہندی
۵۸	کتاب الہند البیرونی	البیرونی
۵۹	جنگ آزادی 1857 انسائیکوپیڈیا	مسعود الحق خان روہیلہ
۶۰	ذاتوں کا انسائیکوپیڈیا	یاسر جواد
۶۱	تاریخ ایران	محمد حیات
۶۲	سلطنت افغانستان	ترجمہ راشد عزیز خاں
۶۳	پاکستان کے آثار قدیمہ	شیخ نوید اسلم
۶۴	پاکستان جاگیرداری کے شکنجے میں	محمد نعیم
۶۵	تاریخ مخزن پنجاب	مفتی غلام سرور لاہوری
۶۶	پاکستان کی سیاسی تاریخ (دس جلد)	زاہد چوہدری
۶۷	سلیم التواریخ	صوفی محمد اکبر علی
۶۸	تاریخ آرائیاں	علی اصغر چوہدری
۶۹	تاریخ کمبوواں	وہاب الدین چوہدری
۷۰	تاریخ آل کمبوجیا	چوہدری اللہ دتہ مجیٹھیہ
۷۱	تاریخ جٹاں	ایم۔اے متین
۷۲	جاٹ/قدیم حکمران	بی۔ایس ڈاہیا
۷۳	شاہان گجر	ابوالبرکات مولوی عبدالمالک
۷۴	تاریخ گجر 5 جلد	رانا حسن علی گجر چوہان
۷۵	راجپوت	ایم اے رشید رانا (ایس۔پی (ر))
۷۶	تاریخ راجپوت کھوکھر	رانا محمد سرور خان
۷۷	ڈوگر/تاریخ کے تناظر میں 2 جلد	غلام مصطفیٰ ڈوگر
۷۸	تاریخ اعواناں و تاریخ علوی	محبت علی اعوان
۷۹	آدینہ بیگ خان	محمد ریاض جاوید

نمبر	کتاب	مصنف
۸۰	تاریخ لاہور	سید محمد لطیف
۸۱	تاریخ لیہ	مہر نور محمد تھند
۸۲	تاریخ خانیوال	پروفیسر نذر طارق ڈھول
۸۳	تاریخ لودھراں	محمد تقی شمیم
۸۴	تاریخ وہاڑی	کلیم شہزاد
۸۵	بہاول پور کی سرزمین	ڈاکٹر سید زاہد علی
۸۶	تاریخ مظفرگڑھ	سجاد حیدر پرویز
۸۷	تاریخ پاک پتن	میاں اللہ بخش طارق
۸۸	تاریخ گوجرانوالہ	ڈاکٹر فقیر محمد فقیر
۸۹	تاریخ جہلم	انجم سلطان شہباز
۹۰	نقوش شرقپور	محمد انور قمر شرقپوری
۹۱	تاریخ شمالی پاکستان	رشید اختر ندوی
۹۲	تاریخ حافظ آباد	عزیز علی شیخ
۹۳	تاریخ پشاور	منشی گوپال داس
۹۴	اوچہ شریف	زبیر غوری
۹۵	گزیٹر سندھ	سورلے/ترجمہ پروفیسر انجم رومان
۹۶	گزیٹر لاہور	
۹۷	گزیٹر ملتان	
۹۸	گزیٹر سرگودھا	
۹۹	گزیٹر شاہ پور/سرگودھا	
۱۰۰	گزیٹر ساہیوال/منٹگمری	
۱۰۱	گزیٹر راولپنڈی	
۱۰۲	گزیٹر اٹک کیمبل پور	
۱۰۳	گزیٹر سیالکوٹ	
۱۰۴	گزیٹر گوجرانوالہ	
۱۰۵	گزیٹر جہلم	
۱۰۶	گزیٹر میانوالی	
۱۰۷	گزیٹر امرتسر	

۱۰۸	گزیٹر گورداسپور	
۱۰۹	گزیٹر فیروزپور	
۱۱۰	گزیٹر لدھیانہ	
۱۱۱	گزیٹر جالندھر	
۱۱۲	پاکستان کی سیاسی جماعتیں اور تحریکیں	حافظ تقی الدین
۱۱۳	ممدوٹ سے وٹو تک	احمد سلیم
۱۱۴	مارشل لا سے مارشل لا تک	سید نور احمد
۱۱۵	تحریک پاکستان	پروفیسر محمد اسلم
۱۱۶	1857ء اور آج	احمد سلیم
۱۱۷	تحریک پاکستان	ڈاکٹر محمد عارف
۱۱۸	مسلم لیگ 1906ء سے 1992ء تک	ایس۔ایم بشیر
۱۱۹	اکابرین تحریک پاکستان	محمد علی چراغ
۱۲۰	مسلم لیگ کا ارتقاء 1849-1947	زاہد چودھری
۱۲۱	پاکستان 1947-1992ء	تجمل حسین انجم
۱۲۲	جدوجہد آزادی میں پنجاب کا کردار	پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار
۱۲۳	پاکستان کی انتخابی سیاست	عقیل عباس
۱۲۴	الیکشن 1990ء	اسمعیل ساگر
۱۲۵	ٹوٹتی بنتی اسمبلیاں	احمد سلیم
۱۲۶	سیاستدانوں کی قلابازیاں 3 جلد	تجمل حسین انجم
۱۲۷	آل انڈیا مسلم لیگ	ڈاکٹر محمد سلیم احمد
۱۲۸	پاکستان مسلم لیگ کا دورِ حکومت	ڈاکٹر صفدر محمود
۱۲۹	پاکستان کیسے بنا	زاہد چودھری
۱۳۰	پاکستان تاریخی و سیاسی جائزہ	تجمل حسین انجم
۱۳۱	لاہور نامہ	ڈاکٹر ایس۔ایم ناز
۱۳۲	ماثر الامرا	صمصام الدولہ
۱۳۳	ساندل بار	احمد غزالی
۱۳۴	عظمتوں کے چراغ 2 جلدیں	ولی مظہر
۱۳۵	سوانح میاں افتخار الدین	عبداللہ ملک

۱۳۶	سید احمد شہید	غلام رسول مہر
۱۳۷	پنجاب میں اردو صحافت	ڈاکٹر مسکین علی حجازی
۱۳۸	اردو غزل کا ارتقاء	ڈاکٹر انور صابر
۱۳۸	تاریخ ہائے اردو ادب	مختلف مصنفین
۱۴۰	شہاب نامہ	قدرت اللہ شہاب
۱۴۱	تاریخ صوبہ سرحد	محمد شفیع صابر
۱۴۲	تاریخ کشمیر	پروفیسر نذیر احمد تشنہ
۱۴۳	اردو انسائیکلوپیڈیا	جسٹس ایس۔اے رحمان
۱۴۴	تاریخ گوجراں	مولوی عبدالحق سیالکوٹی
۱۴۵	Sind-The Land of Indus Civilization	ڈاکٹر عبدالقدوس
۱۴۶	Punjab Castes	ڈینزل ابٹسن
۱۴۷	Tribes and Castes of Punjab and N.W.F.P	ڈی میکلیگن/ایم۔اے روز
۱۴۸	The chiefs of Punjab Vol-II	
۱۴۹	تذکرہ روئے پنجاب	ڈبلیو۔ایل۔کونزن
۱۵۰	پنجاب	ڈاکٹر انجم رحمانی

☆☆☆

مولف چوہدری عزیز احمد ایڈووکیٹ